مشاہیرِ ادب کے خطوط

رشید حسن خاں کے نام

ترتیب، تحشیہ اور تقدیم

ابراہیم افسر

مشاہیر ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام

ترتیب، تحشیہ اور تقدیم
ابراہیم افسر

Mashaheer-e Adab Ke Khutoot Rasheed Hasan Khan Ke Naam

Edited by : Ibraheem Afsar

رشید حسن خاں اردو کے چند عظیم محققین میں نمایاں تر عالم ہیں۔ کسی بھی دوسرے اردو محقق کے مقابلے ان کے وسائل محدود تر تھے۔ لیکن خوشی کی بات تھی کہ ان کے علم اور کام دونوں کا اعتراف بہت جلد کرلیا گیا۔ یہ سلسلہ موقوف نہیں ہوا ہے۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ ابراہیم افسر صاحب عرصے سے رشید صاحب پر کام کر رہے ہیں، یہ مقام مسرت اس لیے بھی ہے کہ اتنے بڑے اسکولر پر کام کرنے کے لیے اس کی علمی سطح تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے۔ اردو کی موجودہ علمی دنیا میں محنت کا کام کوئی نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن ابراہیم افسر صاحب یہ کام کر رہے ہیں جس کی پذیرائی ہونی چاہیے۔

مجھے رشید صاحب پر ہونے والے ہر کام سے خوشی ہوتی ہے۔ قلم سے اس کا بیان مشکل ہے۔

اطہر فاروقی

ISBN: 978-81-970897-4-9
ANJUMAN TARAQQI URDU (HIND)
Urdu Ghar : 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002
Phone : 0091-11-23237722, Website : www.atuh.org
Cover design by Muhammad Sajid

مشاهیرِ ادب کے خطوط

رشید حسن خاں

کے نام

ترتیب، تحشیہ اور تقدیم

ابراهیم افسر

انجمن ترقی اُردو ہند (نئی دہلی)

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) 1701
© All rights reserved. No part of this publication may be reproduced, stored in a retrival system, or transmitted, in any form or by any means, electronic, mechanical, photocopying, recording or otherwise, without the prior written permission of the Anjuman Taraqqi Urdu(Hind) New Delhi.this includes translation and tranliteration into any language.

نام کتاب	:	مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام
مرتب	:	ابراہیم افسر
سنہ اشاعت	:	2024
صفحات	:	553
قیمت	:	600/-
بہ اہتمام	:	محمد ساجد
طباعت	:	امیجز اینڈ امپریشن، دریا گنج، نئی دہلی

Mashaheer- e Adab Ke Khutoot
Rasheed Hasan Khan ke Naam

Edited by: Ibraheem Afsar
Price : 600.00
Year : 2024
ISBN :978-81-970897-4-9

Anjuman Taraqqi Urdu(Hind)

Urdu Ghar, 212, Rause Avenue, New Delhi-110002
Contact: +91-11-23237722, Email: farouqi@yahoo.com
E-mail:contact@atuh.org, www.atuh.org

انتساب

خلیق انجم (مرحوم)

اور

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے

تمام اہل کاروں

کے نام

چہرہ کھلی کتاب ہے عنوان جو بھی دو
جس رُخ سے بھی پڑھو گے مجھے جان جاؤ گے

فہرست

❁	**مقدمہ**	ابراہیم افسر	11
❁	رشید حسن خاں	کوثر امروہوی	85
1	آسی ضیائی	1	88
2	آل احمد سرور	1	94
3	ابراہیم یوسف	1	95
4	اعجاز حسین	1	97
5	امتیاز علی خاں عرشی	25	98
6	امیر اللہ شاہین	1	122
7	جعفر علی خاں اثر لکھنوی	2	127
8	جعفر حسن	1	130
9	جگن ناتھ آزاد	2	131
10	جمیل جالبی	3	140
11	حافظ صفوان محمد چوہان	1	146
12	حنیف نقوی	1	152
13	خلیق انجم	10	154

14	خواجہ احمد فاروقی	3	164
15	ذاکر حسین	1	166
16	رشید احمد صدیقی	7	168
17	رفیع الدین ہاشمی	1	177
18	سحر عشق آبادی	2	181
19	سکندر علی وجد	3	185
20	سید محمد علی شاہ میکش اکبرآبادی	1	188
21	سید محمد عقیل رضوی	4	189
22	سید معین الرحمٰن	4	198
23	سید نعیم حامد علی الحامد	2	202
24	شمس الرحمٰن فاروقی	11	210
25	شان الحق حقی	1	227
26	شاہد احمد دہلوی	2	230
27	شہباز احمد صدیقی امروہوی	1	233
28	ظفر احمد صدیقی	2	235
29	ظہور الدین	2	239
30	عبدالغفار مدہولی	1	242
31	عبداللطیف اعظمی	1	245
32	عبدالوہاب خاں سلیم	1	247
33	فراق گورکھپوری	1	255
34	فرقت کاکوروی	1	276
35	فرمان فتح پوری	2	278
36	قاضی عبدالودود	46	281
37	کالی داس گپتا رضا	1	318
38	گیان چند جین	11	320
39	لطف الرحمٰن خاں	1	334

40 لطیف الزماں خاں	1	338
41 مالک رام	1	341
42 مجروح سلطان پوری	1	343
43 محمود الٰہی	3	345
44 مختار الدین احمد	1	350
45 مسعود حسین خاں	1	352
46 مشفق خواجہ	82	354
47 مقبول احمد لاری	1	457
48 مقصود احمد	2	458
49 مہندر لال پروانہ	2	461
50 نجیب اشرف ندوی	3	466
51 نور الحسن ہاشمی	1	471
52 نیّر مسعود	2	475
53 نیاز فتح پوری	1	499
54 وحید قریشی	1	501
55 وزیر آغا	1	502
❁ ضمیمہ (اوّل)		
● رشید حسن خاں بہ نام آسی ضیائی		505
❁ ضمیمہ (دوم)		
● رشید حسن خاں بہ نام عبداللطیف اعظمی		508
❁ ضمیمہ (سوم)		
● رشید حسن خاں بہ نام فراق گورکھپوری		510
❁ ضمیمہ (چہارم)		
● سید انیس شاہ جیلانی		519
● وارث ریاضی		520

❁ **ضمیمہ(پنجم)**
● پروفیسر گوپی چند نارنگ | اے آگہی فریب تماشا کہاں نہیں | 523
❁ **ضمیمہ(ششم)**
● محمد سعید | سوال نامہ | 540
سوال نامہ سلسلہ رشید حسن خاں | جوابات | 541
● ڈاکٹر اطہر فاروقی | جوابات | 547
حیات نامہ مرتب | 551
مرتب کی ادبی سرگرمیاں | 552

❁❁❁

مقدمہ

شاہ جہاں پور میں 26 فروری 2006 کو رشید حسن خاں کی وفات کے سوا تین سال بعد ان کے 63 غیر مطبوعہ خطوط پہلی بار کتابی صورت میں بہ عنوان ''مکاتیبِ رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی'' لاہور سے جون 2009 میں شائع ہوئے۔ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی مرتب کردہ اس کتاب میں رشید حسن خاں اور پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے سوانحی کوائف بھی درج کیے گئے ہیں۔ناشاد صاحب نے پاکستانی اسفار کے دوران خاں صاحب کے اعزاز میں منعقدہ ادبی تقریبات کی تصاویر بھی اس کتاب میں شامل کی ہیں۔

رشید حسن خاں کے مطابق ان کی ادبی زندگی کا آغاز 1944 میں ہوا۔لیکن اس دورانیے کے ادبی مضامین ہمیں ابھی دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔البتہ انھوں نے اپنے ابتدائی زمانے میں ادبی نکات پر مبنی رسائل و جرائد کو خطوط ارسال کیے تھے۔رسالہ نگار،نقوش،الحمراء،تحریک،اُردو،شاعر، نیا دور،سیّارہ وغیرہ میں ان کے خطوط شائع ہوئے ۔ان خطوط میں رسائل و جرائد میں شائع مضامین میں درآئے ادبی نکات،زبان،املا،اسلوب،معیار اور رسائل کے پابندی سے ملنے کی باتیں رقم ہوتی تھیں۔رشید حسن خاں کے مطبوعہ خطوط کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انھیں جو بھی خط موصول ہوتا اس کا جواب دینے کے بعد وہ اسے تلف کر دیتے تھے۔موصوف خطوط کو سنبھال کر رکھنے سے پرہیز کرتے تھے۔حالاں کہ تحقیقی شواہد اس بات کی جانب اشارہ کر رہے ہیں کہ انھوں نے اپنے پاس موجود مشاہیرِ ادب کے خطوط کو انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز میں جمع کرایا تھا۔حالاں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ خاں صاحب خطوط کی اہمیت کے قائل تھے۔اگر انھیں محسوس ہوتا کہ کوئی خط بہت ہی اہمیت کا حامل ہے تو وہ اسے حفاظت سے رکھتے ورنہ پھاڑ کر پھینک دیتے۔عبدالوہاب خاں سلیم کے نام 6 مئی 2005 کو لکھے خط میں خود رشید حسن خاں نے مشفق خواجہ کے خطوط کو حفاظت سے رکھنے کی بات لکھی ہے:

ہاشمی صاحب کا لاہور سے خط آیا تھا، مشفق خواجہ مرحوم کے خط منگائے

تھے۔ میرے پاس مرحوم کے بہت خط تھے، طویل خط، وہ میں نے یہاں انجمن کو دے دیے تھے کہ محفوظ ہو جائیں۔ بہت تلاش کرنے پر ایک خط ملا، پرسوں وہی بھیج دیا ہے، اس تاکید کے ساتھ کہ اُس کی عکسی نقل وہ رکھ لیں اور اصل خط آپ کے نام امریکہ بھیج دیں۔ اُس میں (دیگر کئی خطوں کی طرح) آپ کا نام دو جگہ آیا ہے۔ میرا جی چاہا کہ یہ اصل خط آپ کے پاس محفوظ ہو جائے۔

(مکاتیبِ رشید حسن خاں، بہ نام رفیع الدین ہاشمی، مرتب ارشد محمود ناشاد، لاہور، جون 2009، ص 177)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سکریٹری خلیق انجم نے ہفت روزہ ہماری زبان، نئی دہلی کے مختلف شماروں میں اشتہار جاری کیا تھا کہ جن حضرات کے پاس مشاہیر کے خطوط ہیں وہ انھیں انجمن میں جمع کر دیں۔ بہت سے نامور لوگوں نے اپنے پاس موجود خطوط انجمن کو ارسال کیے تھے۔ انجمن کا مکمل اشتہار قارئین کی خدمت میں حاضر ہے:

مشاہیر کے خطوط

انجمن ترقی اُردو (ہند) کو ارسال فرمائیں

آپ کے نام آئے مشاہیر کے خطوط ہمارے زمانے کے محققین اور آنے والی نسلوں کی امانت ہیں۔ یہ خطوط تحقیق، تنقید اور مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے سوانح نگاروں کے بہت کام آتے ہیں۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) کے اُردو آرکائیوز میں محفوظ خطوط سے استفادے کے لیے بہت سے اسکالر ہندوستان اور پاکستان سے آتے ہیں۔ اگر کسی طالب علم کو ان خطوط کی زیروکس کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم انھیں مفت مہیا کراتے ہیں۔ چوں کہ یونی ورسٹیوں کے اساتذۂ کرام کی مالی حالت بہتر ہوتی ہے اس لیے اُن سے صرف اتنی ہی رقم وصول کرتے ہیں جو زیروکس کرانے پر خرچ ہوتی ہے۔

آپ کے پاس یقیناً مشاہیر کے بے شمار خطوط ہوں گے اگر آپ یہ خطوط انجمن کے اُردو آرکائیوز کو عنایت فرما دیں تو اُردو تحقیق کو بہت فائدہ پہنچے

گا۔اس لیے ہماری گزارش ہے کہ آپ کے پاس مشاہیر کے جوخطوط ہیں یا تو انھیں اصل صورت میں دے دیجیے یا ہمیں بھیج دیجیے، ہم ان کی زیروکس کرا کراصل آپ کوواپس کردیں گے۔(ادارہ)

(ہفت روزہ ہماری زبان،انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی،15 تا21 جون 2007 ،ص6)

''مکاتیبِ رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی'' کے منظرِ عام پر آنے سے قبل ہندوستان میں ڈاکٹر ٹی.آر.رینا،رشید حسن خاں کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کومنظرِ عام پرلانے کا ڈول ڈال چکے تھے۔انھوں نے انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی کے ہفت روزہ اخبار''ہماری زبان''میں ایک اپیل نما اشتہار جاری کرایا۔اس میں کہا گیا تھا کہ جن صاحبان کے پاس رشید حسن خاں کے خطوط موجود ہیں وہ انھیں ارسال کریں تاکہ انھیں منظرِ عام پرلایا جاسکے۔اپیل ملاحظہ کیجیے:

قلم کاروں سے ایک گزارش

میں مرحوم رشید حسن خاں صاحب کے خطوط مرتب کررہا ہوں۔برصغیر ہند و پاک میں جن حضرات کے پاس خاں صاحب کے خطوط محفوظ ہوں وہ ان کی فوٹو کاپی درج ذیل پتے پرارسال کریں۔اگر وہ چاہیں تو اُن کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔میں ایسے سبھی حضرات کا شکرگزار رہوں گا۔

ڈاکٹر ٹی.آر.رینا

ایف-237 لوئر ہری سنگھ نگر، ریہاڑی کالونی، جموں180005

(ہماری زبان،انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی، یکم تا7 مئی،2006،ص5)

اس اپیل کے شائع ہونے کے بعد ہند و پاک کے علاوہ بیرونِ ممالک سے رینا صاحب کے پاس خاں صاحب کے لکھے ہوئے خطوط آنا شروع ہوئے۔بعض لوگوں نے رسائل و جرائد کے تراشے بھی انھیں ارسال کیے جن میں خاں صاحب کے خطوط شائع ہوئے تھے۔

رینا صاحب کی انتھک کاوشوں کے نتیجے میں فروری2011 میں قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان،نئی دہلی کے مالی تعاون سے''رشید حسن خاں کے خطوط'' کی پہلی جلد منظرِ عام پر آئی۔اس جلد میں 1038 خطوط اور مکتوب الیہ کی تعداد 61 تھی۔اس کے بعد رینا صاحب نے

رشید حسن خاں کے خطوط کی دوسری جلد کو نومبر 2015 میں شائع کیا۔اس میں 522 خطوط اور مکتوب الیہ کی تعداد 56 ہے۔خطوط کی تیسری جلد نومبر 2019 میں منظرِ عام پر آئی۔اس میں 41 مکتوب الیہ اور 265 خطوط شامل ہیں۔زندہ کتاب کراچی، پاکستان سے ان تینوں جلدوں کو 2021 میں شائع کیا گیا ہے۔خطوط کی تیسری جلد (پاکستانی اڈیشن) میں رینا صاحب نے کچھ نئے خطوط بھی شامل کیے ہیں جو انھیں بعد میں موصول ہوئے۔

محمد اسد اللہ، ڈاکٹر تنویر احمد علوی، نعیم کوثر، نیّر مسعود، مقصود احمد، اختر شاہ جہاں پوری، ڈاکٹر نسیم اقتدار علی، ڈاکٹر محضر رضا اور ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے بھی رشید حسن خاں کے خطوط کو یک جا کیا ہے۔ان میں ڈاکٹر محمود احمد کاوش کی مرتب کردہ خطوط کی کتاب ''سلسلۂ مکاتبت'' (رشید حسن خاں و مشفق خواجہ کی دوطرفہ مراسلت) اہمیت کی حامل ہے۔یہ کتاب فضلی سنز، کراچی کے زیرِ اہتمام 2021 میں منظرِ عام پر آئی ہے۔اس کتاب میں ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے مشفق خواجہ کے 81 اور رشید حسن خاں کے 105 خطوط کو شامل کیا ہے۔محمود احمد کاوش نے رشید حسن خاں اور مشفق خواجہ کے احوال و کوائف کا تنقیدی جائزہ کتاب میں پیش کیا ہے۔

رشید حسن خاں کے نام مشاہیرِ ادب کے خطوط کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے۔مشاہیرِ ادب نے ان کے خطوط کو اپنے لیے تبرک گردانا۔ان خطوط کے مطالعے سے مترشح ہوتا ہے کہ اصحابِ قلم نے خاں صاحب سے علمی و ادبی نکات کے علاوہ ذاتی باتیں بھی رقم کی ہیں۔اب تک صرف اور صرف رشید حسن خاں کے خطوط ہی منظرِ عام پر آئے ہیں۔ڈاکٹر ٹی۔آر۔رینا اور ڈاکٹر محضر رضا (مکاتیبِ قاضی عبدالودود، اشاعت 2016) نے اپنی کتابوں میں رشید حسن خاں کو لکھے مشاہیر کے خطوط کو یک جا ضرور کیا ہے۔لیکن ایک عرصے سے اس بات کا غلغلہ تھا کہ مشاہیرِ ادب کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں کو کتابی صورت میں لانا اشد ضروری ہے۔احقر نے بھی اس تشنگی کو محسوس کیا۔اپنے ادبی مشاغل اور تحقیقی مقالے (رشید حسن خاں کی ادبی جہات، اشاعت 2021) کے مواد کی تلاش بسیار کے دوران احقر کو مشاہیر کے کچھ نادر و نایاب اور غیر مطبوعہ خطوط دستیاب ہوئے۔مشاہیر کے لکھے کچھ نئے خطوط کی تلاش، لگن اور جستجو نے ادبی رسائل و جرائد کی دھول بھی صاف کرائی۔اس تعلق سے راقم الحروف نے اُردو اکادمی، نئی دہلی اور انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز سے استفادہ کیا۔اُردو اکادمی، دہلی کی لائبریرین نزہت مہدی (اب ریٹائر) نے میری حوصلہ افزائی کی اور اپنے یہاں کام کرنے کی اجازت دی۔لیکن جب راقم انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں کام

کرنے کی غرض سے گیا تو انجمن کے آرکائیوز انچارج ہاشم رشیدی نے بتایا کہ خطوط کو دیکھنے سے قبل انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی سے باقاعدہ اجازت نامہ لکھوا کر لائیے تب آپ یہاں رکھے ہوئے مشاہیرِ ادب کے خطوط کو دیکھ اور پڑھ سکتے ہیں۔احقر نے 20 جنوری 2020 کو باقاعدہ ایک ای میل انجمن ترقی اُردو (ہند) کے دفتر سے ہی ڈاکٹر اطہر فاروقی کے نام ارسال کیا۔ای میل کا مضمون یوں تھا:

20 جنوری 2020،سوال خاص (میرٹھ)

مکرمی و محترمی

جنرل سکریٹری،

انجمن ترقی اُردو (ہند)

راؤز ایونیو،آئی ٹی او،نئی دہلی

سلام مسنون

اُمید کرتا ہوں کہ آپ اپنی ادبی و علمی سرگرمیوں میں مصروف ہوں گے۔گزارشِ احوال یہ ہے کہ احقر ابراہیم افسر،انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز میں رکھے ہوئے بہ نام رشید حسن خاں کے خطوط کو اپنی تحقیق کا موضوع بنانا چاہتا ہے۔اس واسطے آپ کی اجازت درکار ہے۔اگر آپ کی رضا مندی اور اجازت مل جائے تو احقر کو یقین ہے کہ ہندوستان اور برصغیر کے مایہ ناز علمی و ادبی شخصیات کے ذریعے رشید حسن خاں کے نام لکھے گئے خطوط منظرِ عام پر آنے سے تحقیق کے نئے گوشے وا ہو سکتے ہیں۔اُمید کرتا ہوں کہ آپ اس ادبی کارہائے نمایاں میں میری مدد ضرور کریں گے۔

فقط

آپ کی اجازت کا طالب

احقر ابراہیم افسر،میرٹھ (یو.پی)

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے کاتب عبدالرشید سے ای میل کا پرنٹ نکلوا کر راقم ڈاکٹر اطہر فاروقی کے کمرے میں داخل ہو گیا۔انھوں نے خط کو غور سے پڑھا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ Allowed لکھ کر مجھے کام کرنے کی اجازت دے دی۔میں خط لے کر فوراً ہاشم رشیدی کے

پاس گیا۔انھوں نے اس خط کی ایک کاپی مجھے دی اور ایک کاپی اپنے ریکارڈ میں رکھ لی۔اس طرح راقم مشاہیر ادب کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں پر کام کرنے لگا۔

سب سے پہلے میں نے خاں صاحب کے نام لکھے مشاہیر کے خطوط کی فہرست بنائی۔در اصل یہ تمام خطوط انجمن ترقی اُردو (ہند) کی علاحدہ علاحدہ فائلوں میں محفوظ ہیں۔اور ان میں سے بعض خطوط کے صفحات اتنے بوسیدہ ہوگئے ہیں کہ ہاتھ لگانے پر کاغذ ٹوٹ کر بکھر جانے کا خطرہ لاحق ہے۔اس لیے انجمن نے ان خطوط کو ایک سفید Transparent Poly Bag میں احتیاط سے رکھا ہوا ہے۔تا کہ کوئی بھی اسکالر انھیں دور سے پڑھ لے اور خط محفوظ رہ سکے۔انجمن ترقی اُردو (ہند) میں کام کرتے ہوئے دیکھنے میں یہ بھی آیا کہ Safety Pin کی وجہ سے بعض خطوط کے کاغذ خراب ہو چکے ہیں۔ میں نے احتیاط کے ساتھ ان خطوط کے عکس اپنے موبائل سے بنائے۔راقم کئی ماہ انجمن ترقی اُردو (ہند) کے آرکائیوز گیا۔اس دوران وہاں ملنے والی چائے کا کیا کہنا۔چائے کبھی لیمو کی،کبھی بغیر دودھ کی اور کبھی دودھ کی پیش کی جاتی۔راقم کام کرنے کے درمیان چائے ضرور پیتا۔اگر کسی روز میں انجمن جانے سے قاصر ہوتا تو ہاشم رشیدی صاحب فون کر لیا کرتے کہ برادرم آج آپ انجمن کا راستا کیوں کر بھول گئے؟

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں موجود رشید حسن خاں کے نام لکھے ہوئے خطوط کی فہرست میں مشفق خواجہ،شان الحق حقی،امتیاز علی خاں عرشی، نیاز فتح پوری،فرمان فتح پوری، وزیر آغا،شاہد دہلوی،میکش اکبر آبادی، نجیب اشرف ندوی، اثر لکھنوی،شمس الرحمٰن فاروقی، جمیل جالبی، خواجہ احمد فاروقی، گیان چند جین، آل احمد سرور،نورالحسن ہاشمی، قاضی عبدالودود،سحر عشق آبادی، اعجاز حسین، سکندر علی وجد، مجروح سلطان پوری، مالک رام، سید محمد عقیل رضوی، ظہورالدین،جگن ناتھ آزاد،خلیق انجم،لطیف الزماں خاں،کالی داس گپتا رضا،شہباز صدیقی وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے کام ختم کرنے کے بعد راقم نے پہلی فرصت میں مذکورہ بالا شخصیات کے خطوط کے عکس نکلوائے۔اور آہستہ آہستہ ان کی کتابت کرواتا رہا۔اس دوران 2020 کے اوائل میں دہلی میں فرقہ وارانہ فساد شروع ہوگئے۔اسکول کی تعطیلات ہوئیں تو گھر پر بیٹھ کر کام کرنے کا موقع ملا۔دہلی فساد کی کڑوی یادیں ابھی پوری طرح ذہن سے نکل نہیں پائیں تھیں کہ عالمی وبا Covid-19 کی وجہ سے پورے ہندوستان میں لاک ڈاؤن نافذ کر دیا

گیا۔اب ہر انسان اپنے گھر میں قید تھا۔کسی کو کہیں آنے اور جانے کی اجازت نہیں تھی۔میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جون2020 تک ''مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام'' کی کتابت واصل ابراہیم سے کرائی۔

ان خطوط میں بعض خطوط ایسے بھی تھے جن کی سطور کو پڑھنا بہت مشکل تھا۔میں نے احباب کی مدد سے ان سطور کو پڑھنے میں کامیابی حاصل کی۔اس کے باوجود کئی خطوط کے حروف ٹوٹے ہوئے تھے۔جن کا مقابلہ اصل خطوط سے کرنا باقی تھا۔اس طرح سال 2020 گزر گیا۔2021 میں،راقم انجمن ترقی اُردو(ہند)کے آرکائیوز میں دوبارہ داخل ہوااور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔اس دوران کورونا وبا نے ایک بار پھر اپنا قہر برپا نا شروع کیا۔یہاں تک کہ انجمن ترقی اُردو(ہند)کے لائبریرین اختر زماں کورونا وبا کے سبب اپنے حقیقی رب سے جا ملے۔اور انجمن کے کئی اہل کاروں کو اس وبا نے اپنی آغوش میں لے لیا۔انجمن کا دفتر مکمل طور پر مقفل کر دیا گیا۔جب اس وبا کا اثر کم ہوا تو سال 2021 ختم ہو چکا تھا۔2022 کے اوائل میں ایک بار پھر سے ہمت کر کے راقم اس کام میں جی جان سے جُٹ گیا۔اس دوران معلوم ہوا کہ رشید حسن خاں کے نام مشاہیرِ ادب کے کچھ نئے خطوط انجمن ترقی اُردو کے آرکائیوز میں دریافت ہوئے ہیں۔ہاشم رشیدی صاحب نے راقم سے کہا کہ آپ کو اس بار پھر سے ڈاکٹر اطہر فاروقی سے اجازت لینا ہوگی تبھی آپ ان نو دریافت شدہ خطوط کے دیدار کر پائیں گے۔میں نے انجمن کے دفتر میں ہی ڈاکٹر اطہر فاروقی کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یوں تھا:

''مکرمی ومحترمی

ڈاکٹر اطہر فاروقی

جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اُردو(ہند)نئی دہلی

تسلیمات

مکرمی عرض ہے کہ احقر ابراہیم افسر مشاہیر کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں کو یک جا کرنے کی کوشش میں ہمہ تن مصروف ہے۔اس سلسلے میں انجمن ترقی اُردو(ہند)کے آرکائیوز میں رکھے ہوئے خطوط سے احقر استفادہ کرنا چاہتا ہے۔دو سال پہلے بھی آپ نے احقر کو انجمن ترقی اُردو(ہند)میں رکھے

ہوئے نادر و نایاب خطوط سے استفادہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ امسال بھی
اگر آپ اجازت دے دیں تو احقر مشاہیر کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں سے
استفادہ کر سکے گا

آپ کی دعاؤں کا طالب
ابراہیم افسر
نگر پنچایت سِوال خاص، میرٹھ (یو. پی)
تاریخ: 29 جون 2022

ڈاکٹر اطہر فاروقی نے اپنے دستخط کے ساتھ OK اس خط پر لکھ دیا۔ جب میں اس خط کو لے کر ہاشم رشیدی کے پاس پہنچا تو انھوں نے کہا کہ بھائی اس اجازت نامے میں خطوط کے عکس لینے کی کوئی بات نہیں لکھی ہے۔ آپ صرف خطوط کو پڑھ سکتے ہیں لیکن اس کے عکس نہیں لے سکتے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اگر آپ کو خطوط کے عکس لینے ہیں تو ایک خط عکس لینے کے لیے لکھیے اور اس پر ڈاکٹر اطہر فاروقی کے دستخط کرائیے۔ میں نے اُسی اجازت نامے پر آرکائیوز میں بیٹھے بیٹھے لکھا:

مکرمی و محترمی
ڈاکٹر اطہر فاروقی
جنرل سکریٹری
انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی

عرض ہے کہ میں نے رشید حسن خاں کے لکھے ہوئے خطوط اور ان کے نام لکھے ہوئے خطوط کو ایک نظر دیکھ لیا ہے۔ مجھے اب ان کے عکس (Photocopy) کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ مجھے ان خطوط کے عکس لینے کی اجازت دے دی جائے۔

شکریہ
ابراہیم افسر
تاریخ: 06/07/2022

جب میں یہ خط لے کر جنرل سکریٹری صاحب کے دفتر گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ابھی ابھی دفتر

سے نکل کر کسی ضروری کام کے سلسلے میں باہر چلے گئے ہیں۔گھر آ کر میں نے ڈاکٹر اطہر فاروقی صاحب کو بہ ذریعہ واٹس ایپ ایک خط ارسال کرتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔خط کا نفسِ مضمون درج ذیل ہے:

مکرمی ومحترمی

ڈاکٹر اطہر فاروقی

جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی

عرض ہے کہ احقر عرصۂ دراز سے ''مشاہیر کے خطوط رشید حسن خاں کے نام'' کو یک جا کرنے کی سعی کر رہا ہے۔ اس تعلق سے انجمن ترقی اُردو (ہند) کے آرکائیوز سے احقر مستفیض ہوتا رہتا ہے۔ انجمن کے آرکائیوز میں مشاہیر کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں محفوظ ہیں۔ جن مشاہیر کے خطوط انجمن کے آرکائیوز میں دستیاب ہیں ان میں رشید احمد صدیقی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر وحید قریشی، پروفیسر محمود الٰہی، فرقت کاکوروی، ابراہیم یوسف اور امیر اللہ خاں شاہین کے اسما سر فہرست ہیں۔احقر نے مذکورہ بالا مشاہیر کے خطوط کی ورق گردانی کر لی ہے۔ اب آپ سے مودبانہ التماس ہے کہ ان خطوط کے عکس لینے کی اجازت مرحمت فرمائیں تا کہ مشاہیر کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں کو منظر عام پر لانے کی مقدور بھر سعی کی جائے۔اس سے قبل بھی آپ نے احقر کو خطوط کے مطالعے اور عکس لینے کی اجازت دی تھی۔اس بار بھی آپ کی اجازت مطلوب ہے۔نیک خواہشات کے ساتھ آپ کی دعاؤں کا طالب:

ابراہیم افسر

سِوال خاص، میرٹھ (یو۔پی)

تاریخ: 13 جولائی 2022

اس خط کے مطالعے کے بعد ڈاکٹر اطہر فاروقی نے بہ ذریعہ فون ہاشم رشیدی کو مجھے اپنا کام کرنے کی اجازت دے دی۔اس طرح مجھے انجمن ترقی اُردو (ہند) کے آرکائیوز سے رشید حسن

خاں کے نام لکھے ہوئے امیر اللہ شاہین، ابراہیم یوسف، رشید احمد صدیقی، رفیع الدین ہاشمی، وحید قریشی، فرقت کاکوروی اور محمود الٰہی کے خطوط کے عکس لینے میں کوئی قباحت نہیں ہوئی۔

2021 کے وسط میں محترمہ سلمیٰ صنم کے ذریعے معلوم ہوا کہ پاکستان سے ڈاکٹر محمود احمد کاوش مشفق خواجہ اور رشید حسن خاں کے مکتوبات کو شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ کاوش صاحب نے سلمیٰ صنم کے توسط سے راقم سے رابطہ قائم کیا۔ میرے پاس مشفق خواجہ کے جو خطوط تھے، انھیں میں نے بہ ذریعہ ای میل ڈاکٹر محمود احمد کاوش کو ارسال کیا۔ ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے مجھے مطلع کیا کہ ان میں سے کئی خطوط پہلے سے ہی ان کے پاس موجود تھے لیکن بعض خطوط ان کے لیے نئے تھے۔ اس کے لیے انھوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ جب کتاب منظرِ عام پر آئی تو انھوں نے اپنے مقدمے میں میرا اور انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کا خصوصی شکریہ ادا کیا۔ بعد میں انھوں نے مجھے اپنی کتاب کی پی ڈی ایف اور ان پیج فائل بہ ذریعہ ای میل اور Whats App روانہ کی۔ زیرِ نظر کتاب میں شامل مشفق خواجہ کے تمام خطوط (مع حواشی) ڈاکٹر محمود احمد کاوش کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا اور ڈاکٹر محضر رضا کی کتابوں سے بھی مشاہیر کے خطوط ماخوذ ہیں۔ میں نے جو خطوط جس رسالے یا کتاب سے حاصل کیے ان کا حوالہ خط کے آخر میں درج کر دیا ہے۔ البتہ ان خطوط کو منظر عام پر لانے میں انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کا کردار سب سے نمایاں ہے۔ اگر انجمن کے آرکائیوز میں یہ خط محفوظ نہ ہوتے تو ان کا منصۂ شہود پر آنا ممکن ہی نہ تھا۔

یہاں یہ واضح کر دوں کہ میں نے مشاہیر کے ان خطوط کو حرف تہجی کے اعتبار سے شامل کیا ہے۔ ان خطوط کو تاریخی سنین کے مطابق جمع کیا جا سکتا تھا لیکن حرف تہجی کے اعتبار سے خطوط کو پڑھنا آسان ہے۔ کتاب کے آخر میں چھے ضمیمے، فراق گورکھپوری، آسی ضیائی اور عبداللطیف اعظمی کے نام رشید حسن خاں کے خطوط، پروفیسر گوپی چند نارنگ کا مضمون ''اے آگہی فریب تماشا کہاں نہیں''، ڈاکٹر محمد سعید (لاہور) کا خط اور سوال نامہ بہ سلسلہ رشید حسن خاں اور ڈاکٹر اطہر فاروقی کا سوال نامے کا جواب شامل کیے گئے ہیں۔ ایسا اس لیے کیا گیا ہے کہ ان ضمیموں میں جو علمی و ادبی نکات شامل ہیں ان سے قارئین کا واقف ہونا ضروری ہے۔ ضمیمے میں شامل خطوط اور سوال ناموں کے مطالعے سے تمام باتوں کی وضاحت ہو جائے گی۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی کے سوال نامے کے جواب میں لکھا گیا خط اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے خاں صاحب کی نجی زندگی کے کئی راز وا کیے ہیں جنھیں پڑھ کر قاری ششدر رہ جاتا ہے۔ درج ذیل سطور میں رشید حسن خاں کے نام مشاہیر

ادب کے لکھے خطوط کا تنقیدی تجزیہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

آسی ضیائی کا مضمون ''اُردو مصادر کی تبویب'' رسالہ سیارہ جلد 49 شمارہ4، 1986 میں شائع ہوا۔رشید حسن خاں نے اس مضمون پر اپنے تاثرات کا اظہار مکتوب کی شکل میں رسالہ سیّارہ کے سال نامہ 1986 جلد 51، شمارہ2-1 میں کیا۔انھوں نے آسی ضیائی کے مضمون پر سب سے پہلا اعتراض یہ کیا کہ موصوف نے اُردو کو عربی زدہ بنانے کی کوشش کی۔اور دوسرا اعتراض یہ کیا کہ ضیائی صاحب نے اُردو زبان کو مشرف بہ اسلام کرنے کی سعی کی ہے۔مزید یہ لکھا کہ اگر کسی کو عربی زبان سے واقفیت نہیں تو وہ اُردو زبان صحیح ڈھنگ سے نہیں سیکھ سکتا۔انھوں نے اپنے مکتوب میں آسی ضیائی کی جمع الجمع کی مثالوں کو مصادر کی روشنی میں پرکھا۔مثلاً آسی ضیائی نے ''سر دیا'' کو سردی کھانے اور''ایڑی'' سے''اڑیانا'' کے زمرے میں رکھا۔آسی ضیائی نے اپنے مضمون میں یہ دعوا کیا تھا کہ ان سے پہلے اُردو مصادر پر کسی نے کام نہیں کیا ہے۔خاں صاحب نے ان کے دعوے کی تردید میں اُردو مصادر پر کام کرنے والے افراد کی فہرست اپنے مکتوب میں پیش کی۔انھوں نے یہ بھی لکھا کہ اُردو اور عربی دو مختلف خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔اس لیے دونوں زبانوں کے قواعد میں اتفاق یوں بھی نہیں ہوسکتا۔مشابہت کی بات دوسری ہے۔رشید حسن خاں کے اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''اس شمارے میں کئی مقالات قابلِ ذکر ہیں۔مگر اس خط میں صرف ایک مقالے کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔جناب آسی ضیائی کا مقالہ''اُردو مصادر کی تبویب''ہم سب کی توجہ کا طلب گار ہے۔موصوف نے جو اصطلاحیں وضع فرمائی ہیں اس سلسلے میں وہ اس قدر عربیت زدہ ہیں کہ عام اُردو والا تو اُن کو آسانی سے سمجھ بھی نہیں سکتا۔وہ یہ مانتے ہیں کہ اُردو ایک مستقل زبان ہے۔مگر اُس کے ساتھ سلوک اس طرح کا روا رکھتے ہیں جیسے وہ عربی کا ضمیمہ ہو۔اُن کا یہ خیال ہے کہ اُردو مصادر پر اس سے پہلے اس طرح کا کوئی کام نہیں ہوا ہے۔عرض کروں کہ غالباً سب سے پہلے ناسخ کے شاگرد بحر لکھنوی نے اپنی کتاب بحر البیان میں اس طرف توجہ کی تھی۔اس کو دراصل اُردو کی پہلی باضابطہ''لغات المصادر'' کے ذیل کی کتاب کہنا چاہیے۔اُس کے بعد

خواجہ عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی نے اُردو مصادر کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس زمانے میں جناب حفیظ الرحمان واصفؔ دہلوی نے بھی ایک مستقل کتاب اُردو مصادر پر لکھی ہے۔''

رسالہ سیارہ کے مدیر نعیم صدیقی نے رشید حسن خاں کے اعتراضات کو آسی ضیائی کی خدمت میں ارسال کیا تاکہ اس کا جواب اگلے شمارے میں شائع ہو سکے۔ آسی ضیائی نے اپنے مکتوب میں نعیم صدیقی کا شکریہ ادا کیا کہ ان کے مضمون پر رشید حسن خاں نے جو اعتراضات کیے ہیں ان کے جوابی معروضات کو وہ تفصیل کے ساتھ لکھ سکیں۔ آسی صاحب نے اپنے مکتوب میں رشید حسن خاں کے اعتراضات کا جواب تفصیل کے ساتھ لکھا۔ انھوں نے خاں صاحب کے اعتراض کہ ''اُردو کو انھوں نے عربی زدہ زبان بنانے کی کوشش کی ہے'' کا جواب سخت لہجے میں دیا کہ آخر آج تک ہم اُردو کی جو صرف ونحو پڑھتے آئے ہیں ان میں سے کون سی اصطلاح عربیت زدہ نہیں؟ فعل فاعل، مفعول، ضمیر، معرفہ، نکرہ، متعدی، لازمی، عطف، فجائیہ، استفہامیہ کہاں تک گنا جائے۔ ان کی نظر میں مذکورہ تمام اصطلاحات عربی سے مستعار ہیں۔ اس کے بعد آسی صاحب لکھتے ہیں کہ ان سے پہلے کیے جانے والے کاموں کی نوعیت کیا تھی اور میرا کام ان بزرگوں سے کہاں تک مختلف ہے؟ اس بارے میں وہ کچھ کہنا نہیں چاہتے۔ اس موقع پر میں آسی ضیائی کے مکتوب کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں جس میں انھوں نے اُردو عربی کے رشتوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی ہے:

''سب سے دل چسپ اعتراض آخر میں آتا ہے کہ اُردو میں مصادر کو ابواب میں تقسیم کرنا ضروری نہیں، یہ ضابطہ بندی عربی میں تو ہو گئی لیکن فارسی اور اُردو میں اس کی ضرورت نہیں۔ اگر علمی کاوشوں میں ضرورت و افادیت کا فلسفہ دخیل ہو جائے تو دنیا کی یونی ورسٹیوں کا تحقیقی کاروبار کم و بیش بالکل ہی بند ہو جائے۔ کم از کم ادب و زبان کے میدان میں تو تحقیق اور ریسرچ کی بساط ہی لپیٹ دینی چاہیے۔ بابائے اُردو نے قدیم دکنی زبان کی جتنی کتابیں نہایت دماغ سوزی کر کے دریافت کیں اور انھیں نہایت دیدہ ریزی سے پڑھا اور پھر انھیں چھپوا کر عام کیا، یہ سب کاوشیں اور جاں کاہیاں آخر کس مصرف کی؟ ان پرانی کتابوں کے دوبارہ روشنی میں آجانے سے کیا فائدہ ہوا؟ کیا لوگ پھر دکنی زبان بولنے لگے؟ یا ان

کتابوں کی بیاض میں سے کچھ طبِ قدیم کے تیر بہ ہدف نسخے حاصل ہو گئے؟ یا ان کے مطالعے سے نجاتِ اُخروی پا جانے کا یقین ہو گیا؟ کسی تحقیقی کام پر خاں صاحب جیسے فاضل کا یہ تحقیر آمیز تبصرہ میری سمجھ سے بالا تر ہے۔ اگر فارسی اور اُردو میں مصادر کی باب بندی کی ضرورت نہیں تو بہ حیثیت مجموعی پوچھا جا سکتا ہے کہ مطلق صرف ونحو قواعد مرتب کرنا بھی کیا ضروری ہے؟ اہلِ زبان تو قواعد سیکھے بغیر ہی اپنی زبان درست بولتے ہیں اور غیر اہلِ زبان ان اہلِ زبان کی گفتگو سُن سُن کر اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔ پھر آخر ہر زبان میں قواعد کیوں مرتب کی جاتی ہے؟ اور اگر عربی میں اس کی ضرورت ہے تو اُردو اور فارسی میں کیوں ضرورت نہیں؟''

21 اکتوبر 1959 کو پروفیسر آل احمد سرور نے رشید حسن خاں کے نام جو خط لکھا اس میں انھیں دہلی سے علی گڑھ بلانے کا ذکر ہے۔ اس خط کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں کسی اہم ادبی نقطے پر تبادلۂ خیال کرنے کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اور وہ بات صرف دو بدو ملاقات سے ہی ممکن ہو سکتی ہے۔ یہاں تک کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنے کی تلقین بھی کی گئی ہے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رشید حسن خاں پروفیسر آل احمد سرور کے شعری مجموعے ''ذوقِ جنوں پر ایک نظر''، پر نیا دور، جلد 12، نمبر 7، جولائی 1957، ص 3 تا 15 کو محیط اپنا تبصرہ رقم کر چکے تھے۔ اس تبصرے میں خاں صاحب نے آل احمد سرور کے اس شعری مجموعے میں در آئی زبان، بیان اور اسلوب کی غلطیوں کو طشت از بام کیا تھا۔ حالاں کہ یہ ایک سخت تبصرہ تھا (مکمل تبصرہ راقم کی مرتب کردہ کتاب ''رشید حسن خاں کے تبصرے اور تجزیے، جلد اوّل، 2021، ص 353 تا 373 ملاحظہ کیجیے)۔ اس کے باوجود آل احمد سرور کا رشید حسن خاں کو کسی اہم ادبی مسئلے پر تبادلۂ خیال کرنے کے لیے علی گڑھ بلانا قابلِ تعریف ہے۔ سرور صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''ایک اہم ادبی مسئلے میں آپ کی رائے لینا ہے۔ کیا آپ کسی اتوار کو علی گڑھ آ کر مجھ سے مل سکتے ہیں؟ مجھے خواجہ احمد فاروقی سے معلوم ہوا کہ آپ دہلی آ گئے ہیں۔ کبھی کبھار دہلی جاتا رہتا ہوں، مگر اِدھر میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اس کے بعد سے دس پندرہ دن نہ نکل سکوں گا۔

وہ مسئلہ ایسا ہے کہ خط بھی لکھنا شاید مناسب نہ ہو۔ دراصل ایک ایسا کام

درپیش ہے جس میں آپ نہایت مفید اور مناسب ہو سکتے ہیں اور غالباً آپ کو بھی اس سے نہ صرف دل چسپی بل کہ گیرا لگا رہے گا۔ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں تو بہتر ہوگا۔"

معروف ڈراما نویس ابراہیم یوسف نے 13 مارچ 1976 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں سے مدھیہ پردیش میں ثانوی درجے کے نصاب کے لیے تیار کردہ اُردو کتابوں کے املا سے متعلق بہت سی باتوں پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ آپ کے سفارش کردہ املا کو یہاں کے ماہرین نے مسترد کر دیا ہے۔ خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"گرامی نامہ سے سرفرازی ہوئی۔ مشکور ہوں کہ آپ نے بروقت جواب دے کر مجھے ایک بڑی اُلجھن سے بچالیا۔ آپ نے جوابی خط رکھنے پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ واقعی مجھے جوابی خط نہ رکھنا چاہیے تھا مگر چوں کہ مجھے جواب کی جلدی تھی۔ اس لیے یہ گستاخی کی۔ جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ درحقیقت بات یہ تھی کہ یہاں پانچویں کلاس تک کی کتابیں تیار ہو چکی تھیں۔ اکسپرٹ کمیٹی کے سامنے جب یہ کتابیں رکھی گئیں، جس کا میں بھی ایک ممبر تھا، تو ایک صاحب جن کا تعلق ساگر یونی ورسٹی کے شعبۂ تاریخ سے تھا، تشریف لائے تھے۔ چوں کہ کتابوں کی املا، حروف تہجی اور اعراب کا روایتی طریقہ ان کتابوں میں استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ اس لیے انھوں نے غیر ضروری اعتراضات شروع کر دیے۔ لاکھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں موجودہ طریقۂ تعلیم میں اب تقریباً متروک ہو چکا ہے مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ اور انھوں نے لکھ کر بک کارپوریشن کو دے دیا کہ اگر موجودہ شکل میں کتابیں چھپوائی گئیں تو اعتراضات ہوں گے۔ بک کارپوریشن میں بدقسمتی میں کوئی بھی اُردو داں موجود نہیں ہے۔ جس پر وہ لوگ گھبرا گئے۔ اس لیے آپ کو میں نے ذاتی طور پر تکلیف دی تھی تا کہ بک کارپوریشن والوں کو مطمئن کیا جا سکے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے جوابات سے میری تائید ہوگئی۔ بڑی حد تک سوال پرسٹیج کا بھی بن گیا تھا۔

ایک لفظ کے متعلق میرے ذہن میں تھوڑا شک باقی ہے۔ اور وہ لفظ ہے ''دھواں''۔ جس کی حرف صورت آپ نے ''دھویں'' لکھی ہے۔ ''رواں'' کی دیگر صورتیں رواں، روئیں، روؤں ہیں۔ پھر دھواں کی دیگر صورت ''دھوئیں'' کیوں نہیں ہوسکتی۔ جب کہ اصول کا اطلاق دونوں لفظوں پر ایک جیسا ہی ہونا چاہیے۔''

میرٹھ کالج میرٹھ کے سابق صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر امیر اللہ شاہین کے خاں صاحب سے دوستانہ مراسم تھے۔ دراصل شاہین صاحب کی دل چسپی اُردو املا اور لسانیات سے تھی۔ رشید حسن خاں کی کئی کتابوں پر وہ تبصرے کر چکے تھے۔ 1973 میں جب امیر اللہ شاہین کی کتاب ''جدید اُردو لسانیات'' منظرِ عام پر آئی تو اس کتاب پر گوپی چند نارنگ نے شاہین صاحب پر سرقے کا الزام لگا یا۔ نارنگ صاحب کا ماننا تھا کہ امیر اللہ شاہین نے ان کے کلاس نوٹس کو ''جدید اُردو لسانیات'' کے قالب میں ڈھالا ہے۔ نارنگ صاحب نے شاہین صاحب پر مقدمہ چلانے کی بات بھی کہی۔ لیکن شاہین صاحب اس بات پر ڈٹے رہے کہ یہ کتاب ان کی تصنیف ہے نارنگ صاحب کے کلاس نوٹس نہیں۔ اسی پس منظر میں شاہین صاحب نے خاں صاحب کے نام 10 اگست 1974 کو خط لکھا۔ انھوں نے خاں صاحب سے اس مسئلے کے حل کے لیے مشورے طلب کیے ہیں۔ شاہین صاحب نے اس معاملے کو دہلی یونی ورسٹی کے سینئر اساتذہ کے سامنے لے جانے کی بات لکھی۔ تا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے۔ شاہین صاحب نے اپنے خط کے ساتھ اُس خط کی نقل کو تحریری شکل عطا کی جسے انھوں نے نارنگ صاحب کے نام لکھا تھا۔ خط ملاحظہ کیجیے:

''ایک طویل مدت سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔ 12 اگست کو ڈاکٹر قمر رئیس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہیں اُردو املا پر ڈاکٹر عبدالحق کا تبصرہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی سے املا نامہ کی حقیقت بھی معلوم ہوئی۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دہلی کے حلقوں میں یہ افواہ گرم ہے کہ نارنگ صاحب مجھ پر مقدمہ چلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صاحب نے بھی ایک حالیہ ملاقات میں مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے علاوہ نارنگ صاحب کا ایک خط مجھے موصول ہوا۔ مجھ سے انھوں نے مقدمہ قائم نہ کرنے کی بھی درخواست کی۔ مجھے یقین دہانی بھی کرائی۔ دراصل یہ آپ

کی تادیب سے بچنے کا طریقہ ہے ،جوان موصوف نے اختیار کیا ہے۔ بہر کیف، میں نے ان کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس کی نقل یہاں آپ کے لیے ارسال ہے:

''...مجھے خوشی ہوگی کہ آپ مقدمہ چلائیں تا کہ حقیقتِ حال سامنے آ جائے۔ سرکاری عدالت کے بجائے ایک اور طریقہ بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اساتذہ، احباب اور کرم فرماؤں کو یہ تکلیف دیں کہ وہ آپ کے کلاس نوٹس اور میری مستقل تصنیف پر اپنی اپنی رائے دیں تا کہ ان دونوں میں کیا چیز مشترک ہے اس کا فیصلہ ہو سکے۔

یہ طریقِ کار میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کیوں کہ آپ نے اس سے قبل بھی دہلی کے کئی حلقوں میں اس کا اظہار کیا ہے اور اس خط میں بھی آپ نے لکھا ہے اور مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میری تصنیف آپ کے کلاس نوٹس ہیں۔ اس الزام تراشی سے میری عزتِ نفس مجروح ہوئی ہے۔ اس لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم دونوں اس معاملے کو دلّی یونی ورسٹی کے Senior اور مستند پروفیسروں اور محققوں کے روبرو لے جائیں اور وہ ان کو فیصلے کا مجاز بنائیں۔

سب سے پہلے میں اس خط کی نقل جناب رشید حسن خاں صاحب کو روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کو بھی یہ زحمت کرنی پڑے گی کہ اپنے اور پروپیگنڈا نوٹس ان موصوف کو روانہ فرمائیں تا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو سکے۔

اس کے بعد ایک ایک کر کے دہلی یونی ورسٹی کے اُردو اساتذہ کو میں اس خط کی نقل اور اپنی کتاب بھیجوں گا۔ آپ کو بھی اپنے کلاس نوٹس فرداً فرداً روانہ کر دینے ہوں گے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ از خود ہو سکے گا کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ مجھے آپ کے خط کا شدّت کے ساتھ انتظار رہے گا تا کہ میں اس اسکیم کو بروئے کار لاسکوں۔''

مذکورہ خط میں نے 15 اگست کو نارنگ صاحب کو روانہ کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری تجویز اور یہ سب طریقِ کار سے اتفاق کریں گے۔''

پروفیسر اعجاز حسین نے 2 نومبر 1961 کو رشید حسن خاں کے نام جو مکتوب ارسال کیا اس میں ان کے ''اُردو ادب'' میں شائع ہوئے مضمون کی خوب تعریف و ستائش کی ہے۔انھوں نے خاں صاحب کے تحقیقی مزاج ،محنت شاقہ اور اُردو زبان کے فروغ میں دیگر زبانوں کے کردار پر ایمان دارانہ کاوشوں کے سلسلے میں مضمون میں جس صراحت کے ساتھ استدلال کا رویہ اختیار کیا اس پر اظہار خیال کیا۔اعجاز حسین صاحب نے اپنے خط میں واضح نہیں کیا کہ یہ مضمون کون سا تھا اور اس میں کن موضوعات کا احاطہ کیا گیا تھا؟ حالاں کہ خط میں اس بارے میں مبہم سی باتیں ضرور لکھی گئی ہیں۔البتہ لغات کے حوالے سے بات کرتے ہوئے اعجاز حسین نے رشید حسن خاں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ آپ نے جس نقطۂ نظر سے لغات لکھنے والوں کی غلطیوں اور ذہنیت و فروگذاشت پر نظر ڈالی ہے میرے نزدیک اس طرح کسی اور نے ہمت نہیں کی۔انھوں نے مزید یہ بھی لکھا کہ کاش اسی خیال کے تحت کوئی لغت وجود میں آجائے۔خط ملاحظہ کیجیے:

''عزیزی رشید صاحب۔تسلیم

آپ کا مضمون اُردو ادب میں دیکھ کر بے ساختہ جی چاہا کہ آپ کو مبارک باد پیش کروں۔آپ مضمون تو ہمیشہ محنت و قابلیت سے لکھتے ہی ہیں مگر اس میں معلومات و تحقیقات کے علاوہ جس بات نے مجھے زیادہ متاثر کیا کہ وہ آپ کا وہ نظریہ ہے جس کے سایہ میں اُردو زبان پروان چڑھی جس کو لے کر وہ آگے بڑھی عربی فارسی یا دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے طور پر اپنے مزاج سے ہم آہنگ کراتی رہی خواہ وہ الفاظ بہ لحاظ تلفظ یا معنی اصل زبان سے مختلف بھی ہوں مگر جب ہمارے مستند ادیبوں نے استعمال کر لیا تو ہمارے لیے ان کا رویہ جواز بن گیا ،خواہ عربی فارسی والے کتنا ہی ناک بھوں چڑھائیں ۔آپ نے جس نقطۂ نظر سے لغات لکھنے والوں کی غلطیوں اور ذہنیت و فروگزاشت پر نظر ڈالی ہے میرے نزدیک اس طرح کسی اور نے ہمت نہیں کی۔کاش اسی خیال کے تحت کوئی لغت وجود میں آجائے۔''

امتیاز علی خاں عرشی رشید حسن خاں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔خاں صاحب نے انھیں اپنا معنوی استاد تسلیم کیا۔اپنی تحریروں میں انھوں نے عرشی صاحب کو تدوین کا معلم اوّل قرار دیا۔موصوف نے اپنی مدونہ کتاب ''باغ و بہار'' (اشاعت 1992) کا انتساب:

''اُردو میں تدوین کے مُعلّمِ اوّل مولانا امتیاز علی خاں عرشی (مرحوم) کی یاد میں، جن کی شفقت بھری باتوں، پُر خلوص تنبیہوں اور مثالی تحریروں سے میں نے تدوین کے آداب سیکھے ہیں۔ ذرّہ آفتابِ تابانیم''

لکھ کر معنون کیا۔ اس کے علاوہ رشید حسن خاں نے امتیاز علی خاں عرشی کی وفات کے بعد ''مولانا عرشی مرحوم'' عنوان سے سہ ماہی غالب نامہ، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، جولائی 1981، جلد 2، شمارہ2، صفحہ 252 تا254 مضمون لکھا۔ اس مضمون میں خاں صاحب نے عرشی صاحب کی تدوینی اور تحقیقی کاوشوں کا محاکمہ پیش کرتے ہوئے لکھا:

''مرحوم نے فنِ تدوین کو اپنی توجہ کا مرکز قرار دیا تھا اور ساری عمر اُسی کی نذر کردی۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ تدوین کا حق وہی ادا کرسکتا ہے جو تحقیق کا مردِ میداں ہو، کیوں کہ تدوین تحقیق سے آگے کی منزل ہے۔ اُردو میں اصولِ تدوین پر بہت کم لکھا گیا ہے، مولانا عرشی نے بھی اِس موضوع پر کوئی کتاب نہیں لکھی لیکن تدوین کے بعض ایسے نمونے ضرور پیش کردیے ہیں جو ہمارے سامنے مثال اور معیار کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن سے تدوین کے اصول و آداب اور طریقۂ کار کی ترتیب میں گراں قدر مدد ملے گی۔ مقدمۂ کتاب میں مرتّب کو کن مباحث کا احاطہ کرنا چاہیے، حواشی کس طرح لکھنا چاہیے، تعلیقات کی وسعت کا دائرہ کیا ہونا چاہیے اور متن کی تصحیح میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے؛ اِن اہم امور کی تفصیلات اُن کی مرتّب کی ہوئی کتابوں سے معلوم ہوسکتی ہیں اور اِس لحاظ سے تدوین کے طلبہ کے لیے اُن کی مرتّب کی ہوئی کتابوں کا مطالعہ ازبس ضروری ہے اور رہے گا۔'' (غالب نامہ، نئی دہلی، جولائی 1981، ص، 252)

خاں صاحب کو جب بھی موقع ملتا رضا لائبریری رام پور تشریف لے جاتے۔ وہاں پر وہ اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے علاوہ امتیاز علی خاں عرشی سے تدوینی امور پر تبادلۂ خیال کرتے۔ انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز میں راقم کو رشید حسن خاں کے نام لکھے عرشی صاحب کے 25 خطوط دستیاب ہوئے۔ ان خطوط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ عرشی صاحب نے ان میں علمی و ادبی باتوں کے علاوہ کچھ ذاتی باتیں بھی رقم کی ہیں۔ خاں صاحب جب دہلی یونی ورسٹی

کے ملازم ہو گئے تو ان کی رام پور تشریف آوری کم ہونے لگی۔حالاں کہ دہلی یونی ورسٹی کے علمی و ادبی کاموں کی غرض سے خاں صاحب رضا لائبریری رام پور جاتے رہے۔4دسمبر 1959 کو امتیاز علی خاں عرشی نے خاں صاحب کے نام جو خط ارسال کیا اس میں ان کے گھر کے پتے کی نشان دہی کے علاوہ رضا لائبریری رام پور کی تعطیلات کا بھی ذکرہ کیا گیا ہے۔عرشی صاحب لکھتے ہیں:

> ''آپ جب بھی تشریف لائیں ،اسٹیشن پر اُتر کر رکشا والے کو چوک محمد سعید خان کا پتا بتائیے اور وہاں پہنچ کر میرا نام بتایئے،ہر کوئی آپ کو غریب خانے کی نشان دہی کرا دے گا۔کتب خانہ جمعرات کو بند رہتا ہے اور دسمبر میں 24،25 کو بند ہوگا۔27،28دسمبر کو میں علی گڑھ میں رہوں گا۔پہلی جنوری کو بھی تعطیل ہوگی۔ان تعطیلوں کو سامنے رکھ کر آپ اپنا پروگرام بنائیں۔''

2 مئی 1961 کو لکھے خط میں عرشی صاحب نے رشید حسن خاں کو اس بات کی مبارک باد پیش کی کہ وہ''دیوانِ غالب''(نسخۂ عرشی) کو اوّل تا آخر پڑھنے کا عزم کر چکے ہیں۔عرشی صاحب اس بات سے خوش تھے کہ جب اس کا دوسرا اڈیشن منظرِ عام پر آئے گا تو اس نسخے میں موجود تمام اغلاط کو درست کر لیا جائے گا۔انھوں نے خاں صاحب کو ہدایت کی کہ وہ اس نسخے میں موجود غلطیوں کو ضرور نوٹ کر لیں۔اس خط کے آخر میں انھوں نے''دستنبو''کے ترجمے کو نہ دیکھنے کے لیے معافی طلب کی۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ رشید حسن خاں نے''گنجینۂ معنی کا طلسم''پر 1960 سے ہی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔بہ قول پروفیسر ظفر احمد صدیقی مرحوم اشاریہ کلامِ غالب کے سلسلے میں خاں صاحب کا ارادہ یہ تھا کہ دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کے جملہ مفرد اور مرکب الفاظ اور کلیاتِ نظم فارسی کے صرف مرکبات کو شاملِ کتاب کریں۔لیکن انھوں نے جب کام شروع کیا تو نسخۂ عرشی کے صرف اسما کا احاطہ کرنے میں دو جلدیں بن گئیں۔لہٰذا افعال و حروف اور فارسی مرکبات کو اس اشاریے میں شامل نہیں کیا جا سکا۔ملحوظ رہے کہ رشید حسن خاں نے اس کتاب کے پہلے حصے میں مفرد الفاظ کو حروفِ تہجی کے مطابق رکھا ہے۔دوسرے حصے میں مرکبات کا اندراج کیا گیا ہے۔خاں صاحب نے لفظ شماری کے تحت یہ بھی واضح کیا کہ کون سا لفظ کلامِ غالب میں کُل کتنی

مرتبہ مفرد اور مرکب استعمال ہوا ہے۔

رشید حسن خاں نے گنجینۂ معنی کا طلسم کو مکمل کرنے کے بعد ڈاکٹر خلیق انجم کے سپرد کیا تھا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر یہ کام انجمن ترقی اُردو (ہند) شائع نہ کر سکی۔ بعد میں یہ کارنامہ تین جلدوں میں 2017، 2018، 2019 غالب انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ڈاکٹر اطہر فاروقی اور ڈاکٹر سید رضا حیدر (مرحوم) کے باہمی اشتراک سے منظرِ عام پر آیا۔ پاکستان میں گنجینۂ معنی کا طلسم کو مجلس ترقی اُردو، لاہور نے ڈاکٹر تحسین فراقی کے حرفِ چند کے ساتھ 2019 میں ایک جلد میں شائع کیا۔ رشید حسن خاں نے ''گنجینۂ معنی کا طلسم'' کی اساس نسخۂ عرشی طبع اوّل کو بنایا۔ (مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی کتاب ''رشید حسن خاں کی غالب شناسی، 2020 ملاحظہ کیجیے)۔

رشید حسن خاں، مولانا امتیاز علی خاں عرشی سے قواعد لغات اور املا کے حوالے سے بہت سی معلومات خطوط کے ذریعے معلوم کیا کرتے تھے۔ عرشی صاحب کے کئی خطوط میں اس طرح کی باتیں تحریر ہیں جن میں مذکورہ باتوں پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ 28 ستمبر 1964 کو لکھے خط میں عرشی صاحب نے رشید حسن خاں کے بیٹے کی علالت کی خیریت جاننے کے بعد لفظ اُردو پر مرزا غالب کے املا کے بارے بتایا ہے۔ انھوں نے خطوط غالب مرتبہ مالک رام کے حوالے سے 18 دسمبر 1858 کو منشی شیونرائن آرام کے نام لکھے غالب کے خط کے بارے میں بتایا کہ غالب لفظ اُردو کو مذکر لکھتے تھے۔

امتیاز علی خاں عرشی نے بھی رشید حسن خاں سے بہت سے لفظوں کے بارے میں خطوط کے ذریعے معلومات حاصل کی ہیں۔ 26 اکتوبر 1966 کو لکھے خط میں عرشی صاحب نے خاں صاحب کو لفظ ''سرسترٗ' اور ''ملائی'' کے بارے میں بہت ہی معلومات فراہم کی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان دونوں لفظوں کو انھوں نے چار چار لغات میں دیکھنے کے بعد آپ کو لکھوایا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''میرا ایک خط مل چکا ہوگا۔ اس میں جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس کی تکمیل کر دیجیے۔ سرسترا اور ملائی کے سلسلے میں چراغ ہدایت کو دیکھا۔ اُس میں یہ لفظ یعنی سرسترسرے سے موجود نہیں ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ صرف ایک نسخے میں دیکھ کر لکھوایا ہے۔ چار چار نسخے دیکھے، جن میں سے ایک 1184ھ کا ہے۔ مگر کسی میں بھی سرسترنہیں ہے۔ رہا سراج اللغات اور فرہنگ جس فہرست اور اوّل سے دو نسخے ہیں۔ دونوں میں ملائی ہے اور

دوسرے کے تین نسخے ہیں۔جن میں ملائی ہی ہے۔لہٰذا جس فرہنگ کے مجموعی نسخے میں بالائی بعد کی اصلاح ہے جو بالیقینی کاتب نے دی ہے۔محمد لاڈ میں اضافت رہتی ہے۔محمد ڈن لاڈ ہی درست ہے۔''

10 اگست 1974 کو لکھے خط میں عرشی صاحب نے خاں صاحب کی کتاب ''اُردو املا'' کے منظرِ عام پر آنے کی مبارک باد پیش کی ہے۔لیکن اسی خط میں انھوں نے اپنی بیماری کی وجہ سے اپنے آپ کو ''چراغِ سحری'' لکھا۔انھوں نے اس بات کا گِلہ بھی کیا کہ ان کے احباب انھیں خطوط نہیں لکھتے۔بیماری کی وجہ سے ہاتھ اور پاؤں (پانو) میں رعشہ پیدا ہونے ،لائبریری میں کام کرنے ،انگریزی اور یونانی دوائیں استعمال کرنے کی باتیں اس خط میں تحریر ہیں۔خط طویل ضرور ہے لیکن اس خط کی عبارت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ عرشی صاحب اپنی بیماری سے عاجز آ چکے ہیں۔لکھتے ہیں:

''آپ کا خط جناب ذکا صدیقی نے دیا۔اس میں یہ مژدہ بھی تھا کہ ''اُردو املا'' کا ایک نسخہ رجسٹری سے بھیجا جا چکا ہے۔میں ان دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ایک کام وقوع کے بعد اور دوسرے کی پیشگی مبارک باد۔اللہ کرے،کتاب مجھ تک صحیح سالم پہنچ جائے۔اُسے پڑھ کر اپنی رائے بھی لکھوں گا۔دعا سر دست کرتا ہوں کہ پروردگار حسن عمل کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور ملک وقوم کے لیے سرمایۂ عزیزی وافتخار بنائے۔آمین!

عزیز من ،اب میں چراغ سحری ہوں۔کسی وقت بھی بجھ سکتا ہوں۔کیا اچھا ہو کہ کم از کم ہر مہینے مجھے اپنی خیریت لکھ کر شاد کرتے رہا کریں۔مجھے آپ کی مصروفیت کا اندازہ ہے۔اگر کبھی کبھار ایک ماہ سے زائد وقت گزر جائے تو مضائقہ نہیں۔مگر آپ اور دوسرے عزیزوں کا مہینوں اور برسوں نہ پوچھنا دل کو کسی طرح گوارا نہیں۔پرسانِ احوال میں دوست نما بھی ہوتے ہیں۔یہ کیا کچھ خوش نہ ہوں گے،جب یہ سنیں گے کہ اس کے دوست احباب خیریت تک نہیں پوچھتے اور اب یہ بوڑھا جانے کیسی زندگی گزار رہا ہے۔مجھے اُمید ہے کہ آپ کو بھی میری کسمپرسی پسند نہ ہوگی اور اس لیے میری مذکورہ بالا خواہش پوری کی جاتی رہے گی۔

میں اچھا ہوں، لائبریری آتا ہوں اور آرام کر کر کے کام بھی کرتا رہتا ہوں۔ مگر نظامِ عصبی پر اتنا بوجھ پڑ چکا ہے کہ اب آہستہ آہستہ رعشہ پیدا ہو رہا ہے اور پانو کام کرنے میں سب سے زائد مضمحل نظر آ رہے ہیں۔ بازار آنا جانا ختم ہو گیا۔ لائبریری تک رکشا میں آتا جاتا ہوں۔ دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔ اور کب تک موجودہ حالت بھی برقرار رہتی ہے۔ طاقت بخش دوائیں استعمال میں ہیں، انگریزی بھی اور یونانی بھی۔ مگر فائدہ برائے نام ہے، دعا فرمائیے کہ جب تک زندہ رہو ہم بھی کار آمد رہیں آمین! بچوں کو دعائیں۔"

یکم اکتوبر 1974 کو لکھے خط میں عرشی صاحب نے بتایا کہ وہ اُردو املا کو سبق سبق کر کے پڑھ رہے ہیں اور برابر داد دے رہے ہیں۔ موصوف نے یہ بھی لکھا اب تک انھوں نے آدھی کتاب پڑھ لی ہے اور صرف تین جگہ احتیاطاً نشان لگائے ہیں۔ دراصل رشید حسن خاں چاہتے تھے کہ عرشی صاحب اُردو املا پر تبصرہ لکھیں۔ عرشی صاحب نے واضح کیا کہ وہ انھیں بتا دیں کہ کتاب میں کہاں کہاں خامیاں موجود ہیں تاکہ تبصرہ لکھنے میں آسانی ہو۔ عرشی صاحب اس بات پر نالاں ہیں کہ رشید حسن خاں اپنی کتاب کا انتساب ان کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے خاں صاحب کو سختی کے ساتھ منع کیا۔ بل کہ یہ لکھا کہ تیسری کتاب کا انتساب ان کے نام کر دیا جائے۔ رشید حسن خاں کی کتاب "اُردو املا" پر اُردو اکادمی لکھنؤ نے تین ہزار کا انعام دیا تھا۔ اس بات کا ذکر عرشی صاحب نے 5 اپریل 1975 کو لکھے خط میں کیا۔

جعفر علی خاں آثر لکھنوی کی خاں صاحب سے مراسلت 1952 کے زمانے سے رہی ہے۔ آثر لکھنوی نے رشید حسن خاں کے مضمون "اُردو زبان کی ترتیبِ نو" کے جواب میں اپنا مضمون رسالہ الحمراء، لاہور، جولائی 1953 میں تحریر کیا۔ اس مضمون میں آثر صاحب نے خاں صاحب کے مضمون میں در آئی املائی غلطیوں کی نشان دہی کی۔ مکمل تفصیل کے لیے راقم کی مرتب کردہ کتاب "اُردو املا: مسائل و مباحث" [رشید حسن خاں کے حوالے سے] ناشر انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2022 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ یہاں پر میں قارئین کی توجہ صرف ان دو خطوط کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں جو زیرِ نظر کتاب میں شامل ہیں۔ پہلا خط 2 جنوری 1959 کو لکھا گیا ہے اور دوسرا 12 اکتوبر 1959 کو۔ پہلے خط میں آثر لکھنوی نے رشید حسن خاں کو قسم دے کر

بتایا ہے کہ ان کے خط کا جواب دینا وہ لازم سمجھتے ہیں۔اور ان کے مضامین جس رسالے میں بھی شائع ہوتے ہیں ان کا مطالعہ ضرور کرتے ہیں۔ بہ قول آثر لکھنوی خاں صاحب کے مضمون پُر مغز اور معلوماتی ہوتے ہیں۔آثر صاحب نے یہ بھی لکھا کہ وہ نہ تو خاں صاحب سے ناراض ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کیوں کہ ان کی تحریروں سے خلوص اور دیانت داری ٹپکتی ہے۔خط ملاحظہ کیجیے:

''عنایت نامہ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔

قسم لے لیجیے آپ کے وہ خطوط جن کا حوالہ دیا ہے مجھے پہلے ملے ہوں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ میں اُن جواب نہ دیتا۔آپ نے جو خیالات میرے متعلق ظاہر فرمائے ہیں اُن کے لیے شکر گزار ہوں اور میرے لیے باعثِ فخر ہیں۔یقین مانیے کہ میں آپ کے مضامین بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اُن میں مغز ہوتا ہے اور بے جا طرف داری یا مخالفت سے پاک ہوتے ہیں اور اظہارِ خیال میں ایسی اُپج ہوتی ہے جو دل کو موہ لیتی ہے۔اختلافِ رائے ایک قدرتی امر ہے اور کچھ سیکھنے یا اصلاح خیال کا بہترین وسیلہ۔ واللہ نہ تو میں آپ سے ناراض ہوں نہ ہوسکتا ہوں آپ کی تحریر سے خلوص اور دیانت داری ٹپکتی ہے،اس سے جو ناخوش ہو وہ خود بے ایمان ہے۔

بہاراں پر میں نے آپ کا مضمون پڑھا تھا اور اُس کی بڑی عزت کی تھی۔رسائل میرے پاس محفوظ نہیں رہتے۔اُردو ادب کے اُس نمبر کا اگر کچھ پتا یاد ہو تو تحریر فرمایئے تا کہ تلاش کروں اور اس نظر سے پڑھ کر کہ آیا کسی مقام پر آپ سے اختلاف ہے تا کہ اپنی آزادرائے کا اظہار کروں۔آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں بہت بیمار رہتا ہوں بہر طور: شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔خدا کرے آپ بہ صحت وعافیت ہوں۔''

دوسرے خط میں دیا شنکر نسیم کے مشہور شعر:

لائے اُس بُت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

پر بحث کے علاوہ رسالہ تحریک میں شائع ہوئے خاں صاحب کے مضمون کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے خاں صاحب کے نام دو خط لکھے۔ پہلا خط 10 اگست 1972 اور

دوسرا خط یکم ستمبر 1972 کو لکھا گیا۔ پہلے خط میں ''آثارِ مرحوم'' کتاب کی رسید کے بارے میں باتیں درج ہیں اور دوسرے خط میں ''تنقید شعر العجم '' کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ دراصل پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے اپنی ڈائری میں ''تنقید شعر العجم '' رشید حسن خاں کو دیتے وقت تاریخ نوٹ کی تھی۔ لیکن ان کی ذاتی لائبریری کی بہت سی نادر و نایاب کتابوں کو دیمک نے خراب کر دیا۔ اس خط کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ جگن ناتھ آزاد کی لائبریری میں چھے ہزار سے زائد کتابیں موجود تھیں۔ انھوں نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا کہ پہلا حادثہ تقسیمِ وطن کے دوران پیش آیا تھا جب دونسلوں کے جمع کیے ہوئے سرمائے کو بچایا نہ جا سکا۔ دوسرا حادثہ 1972 میں پیش آیا جس میں ان کی نادر و نایاب کتابیں دیمکوں کی نذر ہو گئیں۔ خط ملاحظہ کیجیے:

> ''تنقید شعر العجم '' کے بارے میں مجھے یاد بھی ہے اور ڈائری کا اندراج بھی یہی کہتا ہے کہ آپ ایک بار وِنے مارگ والے مکان میں تشریف لائے تھے اور لے گئے تھے۔ لیکن میری یادداشت صحیح ہے یا غلط اب اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ اس لیے کہ سری نگر روانہ ہوتے وقت 1968 میں آپا حمیدہ سلطانہ احمد کی تحویل میں کتابوں کے 12-11 بڑے بڑے بکس جو چھوڑ آیا تھا وہ سب کے سب دیمک کی نذر ہو گئے ہیں۔ ان میں کیا تھا۔ ایک صندوق کا عنوان تھا ''فارسی ادب'' ایک کا نام تھا ''اُردو تنقید'' ایک پر لکھا تھا ''انگریزی لٹریچر''۔ اس طرح ''اُردو نظم''، ''اُردو افسانہ'' وغیرہ کے الگ الگ صندوق تھے۔ اور صندوق بھی اتنے بھاری کہ دو دو چار مزدوروں نے انھیں مل کر اٹھایا تھا۔ کتابوں کی تعداد پانچ اور چھے ہزار کے درمیان تھی۔ یہ سب سرمایہ قریب قریب تلف ہو گیا ہے۔ ایک ''تنقید شعر العجم '' اب میں کیا یاد رکھوں کہ ہے کہ یاد نہیں ہے۔ اس ذخیرے میں ہوتی تو بھی اس کا کیا حشر ہوتا۔ شعر العجم کی پانچوں جلدیں چلی گئیں۔ شعر الہند گئی فردوسی کا شاہ نامہ مطبوعہ ایران، کلیات سعدی کے پانچ مختلف اڈیشن، دیوانِ حافظ کے کئی اڈیشن۔ اب کسے یاد کروں کسے بھلاؤں۔ شمس تبریز کا انگریزی ترجمہ (نکلسن کا) میرے پاس اس تمام سرمائے کی کوئی فہرست تو ہے نہیں کہ گلی گلی اپنا داغ دکھاتا پھروں۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ

کمزور دل کا شاعر یا ادیب ہوتا تو اس حادثہ جانکاہ کے بعد اس کا زندہ رہنا مشکل تھا۔نقوش،نگار،سیپ،ماہِ نو پاکستان کوارٹرل کی مکمل فائلیں۔مخزن اور زمانہ کی فائلیں۔مولوی عبدالحق کا عطیہ کہ لوہے کے تین بڑے ٹرنکوں میں بھر کے کراچی سے لایا تھا(انجمن کی سلور جبلی کے موقع پر)نمروز سنسز کے تذکرے)انسائکلو پیڈیا۔اب یہ خط لکھ رہا ہوں تو حافظہ کے سامنے گم گشتہ سرمائے کی ایک فلم چلنا شروع ہوگئی ہے۔

زندگی میں یہ حادثہ دوسری بار رونما ہوا ہے۔ایک 1947 میں کہ حالات اختیار سے باہر تھے اور میں دونسلوں کے جمع کیے ہوئے سرمائے کو بچا نہ سکتا تھا۔ان میں اکبر الہ آبادی،علامہ اقبال اور پریم چند کے خطوط اور نہ جانے کیا کیا کچھ چلا گیا۔دوسری بار اب یہ حادثہ رونما ہوا ہے۔لیکن یہ غلطی سراسر میری ہے۔میں نے پانچ سال کی مدت میں ان کتابوں کو پلٹ کے بھی نہیں دیکھا۔اگر 1968 میں دو تین سو روپیہ خرچ کر دیتا تو یہ سب کتابیں بہ آسانی سری نگر آ تیں۔یہاں نہ دیمک نہ کیڑا نہ مکوڑا نہ سیلن۔کتابیں نئی کی نئی رہتیں۔اس وقت دو تین روپیہ خرچ نہ ہو سکا۔اب ڈھائی سو روپیہ دے کر کتابوں کی چھانٹی اور جھاڑ پونچھ کرائی ہے تو بہ مشکل چند سو کتابیں بوسیدہ حالت میں ہاتھ آسکی ہیں۔خیر اب یہ رونا کہاں تک روؤں اور آپ کو بے کار روداد سے پریشان کروں۔''

انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز سے ڈاکٹر جمیل جالبی کے تین خط راقم کو دستیاب ہوئے۔پہلا 12 خط مارچ 1978 دوسرا 23 نومبر 1984 اور تیسرا 9 نومبر 2000 کا لکھا ہوا ہے۔یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ رشید حسن خاں نے مشفق خواجہ کے نام جو خطوط ارسال کیے ان میں اس بات کے واضح اشارے موجود ہیں کہ ان دونوں عظیم محققوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ تادیر چلتا رہا۔یہاں تک دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی مرتبہ اور تصنیف شدہ کتابیں تحفتاً ارسال کیں۔جمیل جالبی نے اپنے خط میں اس بات کو قبول کیا کہ انھوں نے تاریخ ادب اُردو کے علاوہ اپنی دوسری کتابوں میں جو حوالے پیش کیے وہ خاں صاحب کی کتابوں سے استفادہ کرنے کے بعد شامل کتاب کیے ہیں۔

مشفق خواجہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی قابلیت ،ذہانت اور لیاقت کے مداح تھے۔انھوں نے اپنے کئی خطوط میں اس بات کی وضاحت کی کہ پورے پاکستان میں جمیل جالبی جیسا جفاکش ادیب ڈھونڈے سے ملنا مشکل ہے۔جمیل جالبی کی کتاب ''تاریخ ادب اُردو'' کی پہلی جلد پر خاں صاحب نے مفصل تبصرہ تحریر کیا۔یہ تبصرہ ان کی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' میں شامل ہے۔اس تبصرے کے شائع ہونے سے پہلے ہی خاں صاحب نے مشفق خواجہ کو خط لکھا جس میں انھوں نے جمیل جالبی کی کتاب پر لکھے تبصرے کا ذکر کیا تھا۔مشفق خواجہ چاہتے تھے کہ اس تبصرے کو شائع ہونے سے قبل ایک بار انھیں دکھایا جائے۔لیکن ایسا نہ ہو سکا۔خاں صاحب کا تبصرہ شائع ہونے کے بعد جمیل جالبی نے رشید حسن خاں کے نام 12 مارچ 1978 کو خط تحریر کیا۔اس خط میں جمیل جالبی نے خاں صاحب کو دل کے سچے ،جھوٹ و ریاکاری سے پاک اور مخلص انسان قرار دیا۔جالبی صاحب نے رشید حسن خاں کا اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے تاریخِ ادب اُردو کو پڑھ کر میری کمزوریوں اور غلطیوں کی نشان دہی کی۔جمیل جالبی چاہتے تھے کہ خاں صاحب تبصرے کی ایک فوٹو کاپی انھیں ارسال کر دیں تا کہ اس تبصرے کی روشنی میں مزید جلدوں کو سامنے رکھ کر کام کیا جا سکے۔جالبی صاحب نے اس خط میں مزید لکھا کہ اُردو ان کا مذہب اور ادب ان کی زندگی ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش مقصدِ حیات ہے۔دراصل اس خط میں جمیل جالبی نے اپنے دل کے جذبات کو صفحۂ قرطاس کی زینت بنایا ہے۔موصوف نے ایم.اے انگریزی میں کرنے کے بعد اُردو ادب کی جانب توجہ مبذول کی۔انھوں نے یہ بھی لکھا کہ میں پڑھنے لکھنے کا کام خشوع و خضوع کے ساتھ کرتا ہوں جسے لوگ فخر کے ساتھ پڑھتے ہیں یا بائے کاٹ کرتے ہیں۔خط طویل ہے لیکن جن مباحث کو اس میں شامل کیا گیا ہے ان سے قارئین کا واقف ہونا ناگزیر ہے۔خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''آپ کا گرامی نامہ میرے لیے نوید عبرت لایا۔شکر گزار ہوں۔اس خط سے میں نے آپ کو مزید پہچانا اور یہ خیال اور قوی ہو گیا کہ آپ سچے اور مخلص انسان ہیں۔دل کے اچھے صاف گو اور جھوٹ سے پاک۔یہ ذرا سی جھلاہٹ جو آپ کے مزاج کے نہاں خانے میں آلتی پالتی مار کر بیٹھی گئی ہے صرف اس وجہ سے بل کہ زندگی نے آپ کو وہ نہیں دیا جس کے آپ،اپنی صلاحیت کے اعتبار سے یقیناً مستحق ہیں۔آپ سے میری خوب نبھے گی۔آپ کا خط پڑھا تو

آپ مجھے اور اوراچھے لگنے لگے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

تنگ دلی تو سارے شرون کی جڑ ہے اور خدا کا شکر ہے آپ بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے ''تاریخ ادب'' پر بڑا کام کیا اور میں مزید شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری کمزوریوں کی طرف نشان دہی کی اس لیے میں کوشش کروں گا کہ آیندہ جلدیں ان کمزوریوں سے پاک ہوں۔آپ کے خط سے بہت سے امور کی طرف اشارے تو ملتے ہیں لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے آپ اس مضمون کی ایک نقل یا فوٹو کاپی مجھے بھجوادیں تا کہ میں توجہ کے ساتھ جلدوں کو سامنے رکھ کر اسے پڑھوں اور کچھ تفصیل سے آپ کو خط لکھوں۔

آپ کے خط سے یہ بات واضح نہ ہوسکی کہ ''ادبی تاریخ'' کا آپ کے ذہن میں کیا تصور ہے۔آپ تنقیدی حصہ کیوں کم کروانا چاہتے ہیں۔

میں یہ بات بھی مطلع کرنا چاہوں گا کہ ''تحقیق برائے تحقیق'' بھی کوئی چیز ہے یا تحقیق کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے۔ادبی تاریخ میں تحقیق کا کیا مقصد ہونا چاہیے۔

تحقیق کے مروجہ اصول کہاں سے آئے ہیں؟ اگر آپ مجھ سے متفق ہیں کہ یہ اصول اور طریق تحقیق مغرب سے آئے ہیں تو مغرب میں اب یہ اصول بدل گئے ہیں جن سے آپ یقیناً واقف ہوں گے۔

صحت متن کا میں نے بہ طور خاص اہتمام کیا ہے لیکن اگر کہیں غلطی رہ گئی ہے تو ازراہ کرم ضرور نشان دہی کیجیے۔ میں شکر گزار ہوں گا۔

اُردو میرا مذہب ہے اور ادب میری زندگی ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میرا مقصد حیات ہے۔کوئی انسان کامل نہیں ہوتا لیکن کاملیت کی تلاش اس کا مشن ضرور ہوسکتا ہے۔ میں تو اس کا طالب علم ہوں۔ ہر وقت سیکھتا رہتا ہوں۔اور اپنی کم علمی کا احساس ہر دم پریشان کرتا رہتا ہے۔آج تک طلب علم میں لگا ہوا ہوں۔اور ہر اس بات کو جاننے اور سیکھنے کی کوشش میں مصروف ہوں جو میرے مقصد کو اور بڑھائے۔جدید

اور قدیم ادب دونوں یکساں طور پر مجھے عزیز ہیں۔ مغربی ادب کا بھی میں طالب علم ہوں۔ میں نے پہلا ایم.اے انگریزی میں کیا تھا اور انگریزی میں لکھنا شروع کیا تھا۔ بعد میں یہ خیال آیا کہ اگر اپنی زبان میں لکھا جائے تو بہتر ہے میرا سارا کام آپ کے سامنے نہیں ہے۔ وہ متن جو میں نے مرتب کیے ہیں اب انھیں فراہم کر کے آپ کو بھجواؤں گا۔ بہت سے متن جن کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہے اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔ تاریخ سے فارغ ہو کر ان کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں گا۔

ہاں ایک بات تو رہ گئی۔ اسلوب بیان ایک چیز ہے اور لفظوں کا کھیل ایک چیز۔ میں نے شعوری طور پر یہ کوشش کی ہے کہ ایک ایسا اسلوب دریافت کروں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں نے دریافت کر لیا ہے، جو ''ادبی تاریخ'' کے لیے نہایت موزوں ہو۔ براہ کرم یہ ضرور بتائیے کہ میں نے ایسی عبارت آرائی کہاں کہاں کی ہے جس سے تحقیق و تاریخ کا چہرہ لہو لہان ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے تا کہ آیندہ جلدوں میں اس عمل سے احتراز کروں۔ میں لکھنے پڑھنے کا کام اس خشوع وخضوع کے ساتھ کرتا ہوں جسے لوگ فخر سے پڑھتے ہیں یا پھر بائے کاٹ کرتے ہیں۔ آپ کا بہت وقت لیا۔ معذرت خواہ ہوں آپ کے خط اور مضمون کی نقل کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔''

رشید حسن خاں سے ڈاکٹر خلیق انجم کے تعلقات اس زمانے سے تھے جب وہ دہلی یونی ورسٹی میں پروفیسر خواجہ احمد فاروقی کی وساطت سے ریسرچ اسسٹنٹ کے عہدے پر کام کر رہے تھے۔ بعد میں دونوں کے تعلقات بہت مضبوط ہوئے۔ ڈاکٹر خلیق انجم جب انجمن ترقی اُردو (ہند) کے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے تو انھوں نے انجمن کی ادبی کمیٹی میں یہ قرارداد پاس کرائی کہ رشید حسن خاں کی نئی کتاب کے مسودے کو ادبی کمیٹی کو بھیجنے کے بجائے اسے شائع کرا دیا جائے۔ خلیق انجم نے رشید حسن خاں کو جو خطوط لکھے انھیں انجمن کی آرکائیوز میں محفوظ کیا گیا ہے۔ ان خطوط کی تعداد 10 ہے۔ سب سے پہلا خط 11 اکتوبر 1999 اور آخری خط یکم جنوری 2004 کا لکھا ہوا ہے۔ ان خطوط میں رشید حسن خاں کی کتابوں کی اشاعت کے بارے میں تفصیلی

گفتگو شامل ہے۔ 9 دسمبر 2003 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کی جانب سے انھیں انعام سے نوازا جائے گا۔لیکن خط کے نفس مضمون سے واضح ہوتا ہے کہ یہ انعام رشید حسن خاں کو ڈاکٹر خلیق انجم کی ایما پر ملا تھا۔خط ملاحظہ کیجیے:

''کافی عرصے سے عزیز قریشی صاحب پر زور ڈال رہا تھا کہ وہ خصوصی انعام قائم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کریں۔مگر اُن کی اپنی مجبوریاں تھیں۔کل صبح ایک کام سے اُن کا فون آیا، میں نے کہا چوں کہ اب مدھیہ پردیش میں کانگریس کی حکومت نہیں ہے۔آپ کو جلد ہی اُردو اکیڈمی سے استعفیٰ دینا ہوگا۔اس لیے اب اگر وہ انعام قائم کر کے خاں صاحب کو دے دیں تو آپ کے اور اُردو اکیڈمی کے وقار میں اضافہ ہوگا۔میری بات اُن کی سمجھ میں آ گئی۔اُنھوں نے فون پر ایک کمیٹی بنائی اور دو تین گھنٹے ہی میں اُردو گھر میں میٹنگ کر کے اُس کی رپورٹ بھیج دی۔اس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔شام کو عزیز قریشی صاحب کا فون آیا۔کہتے تھے کہ اسّی فی صدی اِمکان ہے کہ یہ کام ہو جائے گا۔اب خدا سے دعا ہے کہ یہ کام ہو جائے۔''

ڈاکٹر خلیق انجم نے یکم جنوری 2004 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں کو مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کے انعام ملنے کی مبارک باد پیش کی ہے۔دیگر خطوط میں خلیق صاحب نے خاں صاحب کے مسودوں کی طباعت بالخصوص باغ و بہار، فسانۂ عجائب، کلاسکی ادب کی فرہنگ اور مصطلحات ٹھگی کو قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی سے شائع ہونے کی بات لکھی ہے۔

رشید احمد صدیقی نے ہمیشہ رشید حسن خاں کے علمی و ادبی کاموں کی تعریف کی۔انھوں نے خاں صاحب کے نام جتنے بھی خطوط ارسال کیے ان میں گلزارِ نسیم، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، سحر البیان وغیرہ کتابوں کی تعریف و توصیف ہے۔22 ستمبر 1965 کو لکھے مکتوب میں رشید احمد صدیقی نے خاں صاحب کے مذکورہ بالا کار ہائے نمایاں کی کانوں میں رس گھولنے والے انداز میں تعریف کی ہے۔انھوں نے ہر ذی شعور نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر ہونہار اور ذی استعداد نوجوان پر جہاں تک ممکن ہو سکے رشید حسن خاں پر لطف و نوازش کی نظر رکھیں۔خط ملاحظہ کیجیے:

’’خان صاحب مکرّم، سلامِ شوق

آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں گلزارِ نسیم اور باغ و بہار ملیں، پہلی حال ہی میں، دوسری اِس سے بہت پہلے۔

بہت دنوں سے ’’کشاکش غمِ پنہاں‘‘ میں مبتلا رہتا تھا۔ اُن سے فرصت تو کیا ملتی، کچھ دنوں سے اِس میں ’’غم پیدا‘‘ بھی شامل ہوگیا اور کیسا غم پیدا! مگر شاید انگریز قوم ہی نے ایسے موقعے کے لیے کہا ہے: ’’یہ سب کھیل ہی کا جزو ہے، کھیل ڈالو‘‘۔ کیا قوم ہے یہ بھی!

گلزارِ نسیم اور باغ و بہار کو اپنی توجّہ و تحقیق کا مرکز بنا کر آپ نے مجھ جیسے بہتوں پر یہ احسان کیا ہے۔ بعض کتابوں سے میرا رشتہ کچھ اِس طرح کا ہے جیسا اقبالؔ نے ’’والدۂ مرحومہ کی یاد میں‘‘ لکھّا ہے کہ ہم اپنی ہر طاقت و تکبّر کو بھول کر آغوشِ مادر میں صرف طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں جیسے کھوئی ہوئی جنّت میں پھر سے آباد ہوگئے ہوں، وغیرہ۔ باغ و بہار، گلزارِ نسیم اور چند اور کتابیں میرے لیے ایسا ہی درجہ رکھتی ہیں۔ پڑھنے لکھنے کی تمام عمر مشق بہم پہنچائی، شہرت پائی، نفع کمایا، کبھی کبھی ہمچو من دیگرے نیست کا بھی گمان گزرا لیکن باغ و بہار، گلزارِ نسیم، فسانۂ آزاد، مثنوی میر حسن، الف لیلہ اور اِس قبیل کی بعض دوسری کتابوں کے آغوش میں پہنچ کر اپنے کو طفلِ سادہ ہی محسوس کرنے لگتا ہوں لیکن ’’عبارت، اشارت اور ادا‘‘ کا وہ لطف پہلے کبھی نہیں آیا تھا، جو اَب آیا۔ آپ نے خوب کیا کہ صحّت کے ساتھ صحیح نسخہ چھپوا دیا اور آخر میں ایک فرہنگ کا اضافہ کر دیا۔ آپ کے لیے یہ سفر کتنا دشوار رہا ہوگا لیکن آیندہ آنے والوں کے لیے یہ راستا کتنا صاف، ہموار اور خوش گوار ہوگیا۔ اُن پر آپ کا کتنا بڑا احسان ہے، دیا شنکر نسیم اور میر امّن پر بھی۔ یہ سب سے موزوں اور قیمتی نذرِ عقیدت ہے جو ایک فن کار دوسرے فن کار کو پیش کر سکتا ہے۔

لوگوں کی مصروفیت اور زندگی و زمانے کے طرح طرح کے تقاضے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ شعر و ادب میں درک حاصل کرنا درکنار، اُن سے آشنا اور

لطف اندوز ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ آپ نے یہ کام آسان کر دیا۔ مگر اب بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے شعر و ادب، اپنی تہذیب اور اپنی روایات کی گراں مائیگی، نزاکت و نفاست سے موجودہ اور آیندہ نسلوں کو آشنا کرانے کے لیے ضروری ہے کہ مزید سہولتیں فراہم کی جائیں یعنی وضاحتی نوٹس کا اضافہ کیا جائے۔ حوصلہ اِسی کا رکھیے، پورا کرنے والا خدا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں لبِ یار شیوہ ہاے بُتاں کی مانند شعر و سخن کے بھی شیوے ہیں۔

ایک زمانے میں دہلی کوئی جانے لگتا ہے اور صاحبِ علم و فن یا اثر و اقتدار ہوتا تو اُس سے تاکید سے کہہ دیتا کہ رشید حسن خاں پر لطف و نوازش کی نظر رکھنا، شکر ہے کہ اب آپ اِس سے بے نیاز ہو گئے۔ کتنی خوشی کی بات ہے کہ آج یہ لکھنے کا موقع مل رہا ہے کہ ہر ہونہار اور ذی استعداد نوجوان پر جہاں تک ممکن ہو سکے رشید حسن خاں پر لطف و نوازش کی نظر رکھیں!! یہ بہت بڑی امانت ہے جو آپ کے سپرد کی جا رہی ہے!''

رشید احمد صدیقی نے 2 ستمبر 1972 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں کی مرتب کردہ کتاب ''انتخاب ناسخ'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ پہلے سے اب آپ کی تحریروں کی سطح اور لب و لہجہ بہت بلند ہو گیا ہے، اتنا بلند کہ بذاتِ خود آپ کا شمار ایسے بہترین محققین میں کرنے لگا ہوں جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ موصوف نے خاں صاحب کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے لہجے سے طنز و تعریض کا حربہ نکال باہر کریں۔ پیامِ تعلیم میں شائع ہونے والے خاں صاحب کے مضامین کے بارے میں رشید احمد صدیقی نے واضح کیا کہ بچے کھلّم کھلاّ اور بوڑھے چوری چھپے فائدہ اٹھائیں گے۔ رشید حسن خاں کی کتاب اُردو املا پر رشید احمد صدیقی کا تبصرہ رسالہ تحریک، اکتوبر 1974، ص 21، شائع ہوا۔ اس تبصرے میں صدیقی صاحب نے خاں صاحب کی جملہ مساعی کی خوب تعریف کی ہے۔ ساتھ ہی ترقی اُردو بورڈ کے نمایندوں سے درخواست کی کہ کتنے ہی ناگفتہ حالات پیدا ہو جائیں وہ اُردو رسم خط کی بقا کے لیے ڈٹے رہیں۔ یہ مکمل تبصرہ راقم کی مرتب کردہ کتاب ''اُردو املا: مسائل و مباحث''، اشاعت 2022، ناشر انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں شامل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ رشید احمد صدیقی کے تبصرے کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اُردو املا'' مرتبہ رشید حسن خاں صاحب کے کچھ اجزا رسائل میں نظر سے گزر چکے تھے۔ان کو ایک مرتب خوش نما اور ضخیم جلد میں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔خیال ہوتا ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں ایسے اہم موضوع پر اس محنت، قابلیت اور سلیقے سے مدون کی ہوئی شاید ہی کوئی دوسری کتاب اُردو میں شائع ہوئی ہو۔اس کے لیے فاضل مرتب ہم سب کی تہنیت کے مستحق ہیں۔اُردو ادب اور اُردو تہذیب پر موصوف کے فکر و نظر کو بڑی وقعت دی جاتی ہے۔اس کے شواہد ان کی تصانیف میں واضح طور پر ملتے ہیں۔ترقی اُردو بورڈ کے لیے یہ ایک نیک فال ہے کہ اس نے اپنی مطبوعات کی ابتدا ایسی وقیع تصنیف سے کی۔

اُردو املا کو سہل بنانے اور اس کے بعض پیچ و خم کی اصلاح کی کوشش اب سے پہلے متفرق طور پر ہمارے اکابر کے پیشِ نظر رہی ہے۔ان کی مساعی ایک حد تک کام یاب بھی ہوئی۔رشید حسن خاں صاحب نے اصلاح کے پورے مسئلے کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اور اُردو املا کو مدون کر کے اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے راستا اور روشنی دونوں مہیا کر دیے۔

اُردو کے مسائل دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ایک اصلاح اور ارتقاع کے، دوسرے اختلاف و عناد کے۔موخر الذکر کے بارے میں یہاں کچھ کہنا نہیں ہے۔اصلاح و ارتقاع کے بھی دو انداز ہو سکتے ہیں۔ایک اُردو زبان کے ماہرین کا، دوسرا اُردو کے مخلصین کا، جو اُردو کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو کی ''ادائے خاص'' سے بھی آشنا ہوتے ہیں۔موخر الذکر پر یوں ترجیح حاصل ہے کہ وہ اُردو کے عالم ہی نہیں ہوتے بل کہ اُردو سے ان کا ذہنی ربط یا تعلق Emotional Attechment بھی ہوتا ہے۔میرا خیال ہے کہ کوئی اصلاح یا برکت نہیں ہو سکتی جب تک اصلاح کرنے والوں کو موضوع سے وہ تعلق خاطر، ہم دردی یا احترام نہ ہو جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔اُردو املا یا اُردو کے کسی اور پہلو کی اصلاح کا انداز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سب کچھ ہو جائے، اُردو نہ رہ جائے۔اور اس

طرح بھی ممکن ہے کہ وہ بہتر اور مفید تر ہو جائے۔یہی ہونا چاہیے۔رشید
حسن خاں صاحب اوران کی گراں مایہ تصنیف اُردو املا اس معیار و مقصد
کی بلاشبہ نمایندہ ہیں۔''

میکش اکبرآبادی نے 7فروری1969 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے غالب پر مضمون مکمل کر لیا ہے۔لیکن انھوں نے اپنے مضمون کے عنوان کا اندراج نہیں کیا۔البتہ گمان غالب ہے کہ یہ مضمون رسالہ اُردو معلیٰ یا غالب نامہ کے لیے لکھا گیا ہوگا۔ان دونوں رسالوں سے رشید حسن خاں وابستہ تھے۔میکش صاحب نے خط کے آخر میں یہ بھی لکھا کہ وحید قریشی نے صحیفہ کے لیے مضمون لکھنے کی فرمایش کی تھی لیکن متعینہ تاریخ پر وہ مضمون نہ لکھ سکے۔خط ملاحظہ کیجیے:

''غالب پر مضمون مکمل کر کے حاضر کر رہا ہوں ازراہِ کرم رسید سے مطلع فرمائیے۔اگر طباعت کے بعد یہ مضمون مجھے واپس فرما دیں (اگر کوئی حرج نہ ہو) تو ممنون ہوں گا۔چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں دوسرے صوفی شعرا پر بھی کچھ کام ہو جائے۔اس صورت میں اس کے کچھ صفحات حذف و اضافہ کے ساتھ اس میں شامل ہو جائیں گے۔یہ تصنیف مکمل تو ہو گئی ہے مگر اس میں اضافے کی گنجایش ہے۔کئی سال ہوئے سرور صاحب نے فرمایش کی تھی مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انجمن ترقی اُردو میری زندگی میں اسے شائع نہ کر سکے گی۔چاہتا ہوں کہ میں اسے مکمل کر لوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی اڈیٹر صحیفہ، لاہور نے اس موضوع پر لکھنے کی مجھے فرمایش کی تھی مگر انھوں نے جو تاریخ متعین کی تھی میں اس تاریخ تک مضمون کی طرف توجہ نہ کر سکا۔البتہ مواد ذہن میں جمع ہو گیا تھا۔مجھے خوشی یہ ہے کہ آپ سے شرمندگی نہیں اٹھانا پڑی اور صحیح تاریخ پر یہ مضمون حاضرِ خدمت کر سکا۔پوری طرح مطمئن اب بھی نہیں ہوں۔کچھ صحت کی خرابی کچھ مصروفیات کہ جیسا چاہتا تھا ویسا اب بھی نہ لکھ سکا۔خدا کرے آپ کو پسند آ جائے۔اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔''

پروفیسر سید عقیل رضوی کے لکھے چار خط انجمن ترقی اُردو (ہند) کی آرکائیوز میں دستیاب

ہوئے۔ پہلا خط 30 ستمبر 1999، دوسرا 28 نومبر 2002، تیسرا خط 2 ستمبر 2003 اور چوتھا خط 27 مئی 2005 کا لکھا ہوا ہے۔ پہلے خط کے چند سطروں سے سیاہی مٹ چکی ہے۔ اسے پڑھنا بہت ہی مشکل اور دشوار عمل ہے۔ البتہ جہاں سے خط پڑھا جا سکا اس سے معلوم ہوا کہ پروفیسر سید عقیل رضوی نے خاں صاحب کے تحقیقی و تدوینی کاموں کی خوب ستایش کی۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں کو مصطلحات ٹھگی کے کسی نسخے کی تلاش تھی جو الہ آباد یونی ورسٹی لائبریری میں موجود تھا۔ دوسرے خط میں کھڑی نیاز کے مسئلے پر تفصیلی گفتگو شامل ہے۔ رضوی صاحب نے واجد علی شاہ کے شعر:

اک دیتی تھی دونے پر کھڑی نیاز
روزہ کوئی کھولتی تھی دم ساز

سے بحث کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کھڑی نیاز عورتیں ہی دیتی تھی، مرد نہیں۔ کھڑی نیاز کے حوالے سے سید عقیل رضوی کے خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''رات آپ سے ٹیلی فون پر جو کھڑا دونا اور کھڑی نیاز کے سلسلے میں باتیں ہوئیں، دل چسپ تھیں۔ حضرت اس دور میں بھلا یہ باریکیاں کون ڈھونڈے گا۔ یہ آپ ہی کا جگرا ہے کہ ایسی مہمات سر کرنے کا بیڑا اٹھائے ہیں (آج کے جرائم پیشہ دور میں سپاری لینا بھی کہہ سکتے ہیں)۔

حضرت، الہ آباد تو اودھ نہیں ہے مگر شجاع الدولہ کے زمانے میں کچھ دنوں تک یہ شہر کچھ حد تک اودھ کی اقلیم میں ضرور شامل رہا ہے۔ اس لیے بہت کچھ طور طریقے اور تہذیب کی کچھ صورتیں علی الخصوص تھیں۔ تہذیبی صورتیں یہاں بھی آ گئی ہیں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کھڑا دونا ایک منّت کا اتارنا ہوتا تھا جس پر بی بی فاطمہ (دختر رسول اکرم) کی نیاز دی جاتی تھی اور نیاز دینے والا احتراماً کھڑے ہو کر نیاز دیتا تھا۔ شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ یہ نذر کوئی عورت ہی دے کیوں کہ یہ اُس کی نیاز ہوتی جو پردے کا یہ اہتمام کرتا تھا کہ مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ پردہ شب میں اٹھایا جائے تا کہ نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔ کم از کم شیعہ روایتیں یہی بتاتی ہیں لیکن اگر عورت یہ کام نہ کر سکے تو مرد ثقہ بھی یہ نیاز دے، کرتا

ہے۔کھڑی نیاز میرے علم میں نہیں ہے صاحبِ نوراللغات نے جو حوالہ واجد علی شاہ کی کسی مثنوی کے شعر کا دیا ہے کہ:

اک دیتی تھی دونے پر کھڑی نیاز
روزہ کوئی کھولتی تھی دم ساز

یہاں بھی دونے پر کھڑی نیاز دینے والی عورت ہی ہے۔اور اسی شعر نے غالباً نورالحسن نیر نے کھڑی نیاز کا محاورہ لیا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ یہاں شعر کی قافیہ میں کچھ پھیر ہے۔پہلی بات تو یہ کہ اس شعر میں ''ی'' کی آواز واضح نہیں ہے۔''نیاز'' میں ہر جگہ 'ی' کی آواز واضح رہتی ہے(عرضِ نیاز عشق کے قابل نہیں رہا۔غالب)میں نے نیاز، بروزن پیاز،کہیں نہیں دیکھا۔پھر یہ بھی تعجب ہے کہ واجد علی شاہ جیسا شاعر یہ غلطی کیسے کر گیا؟ پھر اس شعر کے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ'' کھڑی ہو کر نیاز دے رہی تھی۔'' لکھنؤ میں یہ بھی سنا کہ چودھویں شعبان کو بعض حضرات رات میں گومتی کنارے جا کر جب عریضے ڈالتے ہیں اس اُمید میں کہ یہ عریضے امام عصر یعنی امام مہدی کی خدمت میں پہنچیں گے تو وہاں گومتی کے لوہے کے پُل پر کھڑے کھڑے نذر دلوادیتے ہیں کہ پُل پر بیٹھنے کا کہاں موقع اور اسی لیے اسے کھڑی نیاز کہتے تو نہیں ہیں مگر کہہ سکتے ہیں۔ایک باریک بات اور عرض کرنے کی ہے۔لکھنوی تہذیب میں پلے بڑھے شیعہ حضرات فاتحے کے لیے 'نیاز' کا لفظ نہیں استعمال کرتے بل کہ ایسے فاتحے کو 'نذر' کہتے ہیں جب کہ حنفی سنّی حضرات اسے 'نیاز' کہتے ہیں۔یہ 'نیاز' کا لفظ خانقاہوں اور صومعہ جات میں بھی رائج ہے۔میں نے لکھنؤ میں قدیم محلوں کے کسی شرفہ کے منھ سے نیاز کا لفظ اس سلسلے میں نہیں سنا ہے۔یہ شاید شیعہ حضرات نے ایک ذہنی تحفظ یہ بنالیا ہے کہ نیاز کا لفظ سنّی مسلک کے لوگوں کے لیے ہے۔یہ بات کہیں لکھی ہوئی نہیں ہے۔مگر برتنے میں اس لفظ کا صرف اسی طرح کیا جاتا ہے(ذرا دیکھیے کہ کس حد تک فاصلے بنائے گئے ہیں!)۔ایک بات اور، اودھ شاہی میں بھی دہلوی بادشاہوں

کی طرح عامی، نذر پیش کرتا تھا۔اسی لیے مرثیوں میں بھی رسول اکرم کے خانوادے کے افراد، بادشاہوں جیسے تزک و احتشام کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔تو جب اُن کا فاتحہ ہو تو اُسے بھی بادشاہوں کی طرح 'نذر' پیش کرنا سمجھنا چاہیے:

خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار
نذریں خوشی کے دینے کو حاضر ہے جاں نثار

انیسؔ

اس طرح، اگر کوئی محاورہ ''کھڑی نیاز'' ہے بھی تو قیاس یہی کہتا ہے کہ یہ لکھنؤ کی شیعی تہذیب سے نہیں آیا۔''کھڑا دونا'' کی صراحت میں نے اوپر کردی ہے۔آپ کے ٹیلی فون کے بعد کھڑا دونا، کی مزید صراحت کے لیے میں نے لکھنؤ کے ایک اپنے عزیز کو ٹیلی فون کر کے، اُن سے بھی وضاحت چاہی تو انھوں نے بتایا کہ یہاں کبھی کبھی مولا مشکل کشا کی نذر بھی کھڑے دونے، پر دلائی جاتی ہے تاکہ مُراد جلد پوری ہو۔مگر میں اپنی پہلی ہی صراحت کو ترجیح سمجھتا ہوں۔اب آپ جیسا نتیجہ چاہیں نکال لیں۔

رشید حسن خاں کے نام شمس الرحمٰن فاروقی کے 11 غیر مطبوعہ خطوط انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کی آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ان خطوط میں سب سے پہلا خط 27 نومبر 1981 کا اور آخری خط 25 نومبر 1993 کا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی اور رشید حسن خاں نابغۂ روزگار شخصیت کے مالک، تحقیق، تدوین اور تنقید کے شہ سوار تھے۔دونوں کے پاس علم کا بحرِ زخار تھا۔دونوں ایک دوسرے کی علمی فتوحات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔فاروقی صاحب سے رشید حسن خاں کی نزدیکیاں دہلی یونی ورسٹی کی ملازمت کے دوران بڑھنا شروع ہوئیں۔موصوف نے شمس الرحمٰن فاروقی کی صدارت میں ''ورک شاپ اُردو املا'' میں کام کیا۔اس کمیٹی کے ستمبر 1980 میں تین اجلاس ہوئے۔فاروقی صاحب نے جب رسالہ شب خون کا اجرا کیا تو خاں صاحب نے رسالے میں اپنا قلمی تعاون اور بیش قیمت مشورے دیے۔وقتاً فوقتاً وہ دہلی میں فاروقی صاحب کی رہایش پر ادبی تبادلۂ خیال کے لیے بھی جاتے رہے۔گرچہ دونوں حضرات کے مزاجوں میں ٹیڑھ تھی اس کے باوجود کسی کو ایک دوسرے سے کوئی ادبی اور علمی بات دریافت کرنا ہوتی تو بہ ذریعہ خط معلوم کر لیتے

تھے۔ایک جدید تنقید کا علم برادر تھا تو دوسرا ادبی تحقیق کا جویا۔شمس الرحمٰن فاروقی کا انڈین پوسٹل سروس کی ملازمت اور ترقی اُردو بیورو کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے قیام جب تک دہلی میں رہا، وہ بلا جھجک اپنی علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے خاں صاحب سے ملنے گائر ہال چلے آتے۔چاے اور کافی کی چسکیوں کے ساتھ دونوں کے درمیان علمی و ادبی تبادلۂ خیال ہوتا۔البتہ فاروقی صاحب کو ان سے ادبی مسائل پر اختلافات تھے لیکن اس کے باوجود نئے علمی منصوبوں پر گفت وشنید ہوتی۔رشید حسن خاں نے اپنی مدونہ کتابوں 'باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مثنویاتِ شوق، سحر البیان، مصطلحاتِ ٹھگی، زٹل نامہ'، وغیرہ میں شمس الرحمٰن فاروقی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے جب کوئی علمی یا ادبی مسئلہ در پیش ہوتا تو فاروقی صاحب سے رجوع کرتا تھا۔خاں صاحب نے پر تپاک انداز میں ان تعلقات کا اظہار اپنے خطوط میں بھی کیا ہے۔اسی طرح فاروقی صاحب نے بھی اپنی کتابوں بالخصوص لغات روزمرہ، تفہیم غالب، کئی چاند تھے سرآسماں وغیرہ میں رشید حسن خاں کی کتابوں سے استفادہ کرنے کے علاوہ ان کی کتابوں کے نام تحریر کیے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ فاروقی صاحب کی ایما پر خاں صاحب کی کتابیں ''زٹل نامہ'' اور ''مصطلحاتِ ٹھگی'' قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی سے شائع ہوئیں۔''زٹل نامہ'' کا مسودہ جب کونسل کی ادبی میٹنگ میں پیش کیا گیا تو اس میں طے پایا کہ یہ کتاب قابلِ اشاعت ہے لیکن گوپی چند نارنگ نے اس کتاب کی سخت مخالفت کی۔البتہ فاروقی صاحب کی ہمدردی خاں صاحب کے ساتھ تھی۔اس لیے کونسل کی مالی مدد سے یہ کتاب شائع ہوئی۔اس بات کا انکشاف فاروقی صاحب نے رشید حسن خاں کی وفات کے بعد 30 مارچ 2006 کو انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں منعقدہ تعزیتی جلسے میں صدارتی تقریر کے دوران کیا۔موصوف نے خاں صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''رشید حسن خاں مختلف الجہات شخصیت کے حامل انسان تھے۔انھوں نے تحقیق و تدوین اور متنی تنقید کے جو معیاری کام کیے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔رشید حسن خاں صاحب صحیح معنوں میں نابغۂ روزگار تھے۔قدرت نے انھیں بے پناہ علمی اور ادبی صلاحتیں عطا کی تھیں اور انھوں نے بھی ان صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔وہ نہایت سچے اور کھرے انسان تھے۔مصلحتوں سے کوسوں دور تھے۔انھوں نے بغیر کسی گرانٹ اور منصوبے کے

بہت بڑے بڑے علمی کام کیے۔ڈاکٹر خلیق انجم نے رشید حسن خاں کی
کتاب ''زٹل نامہ'' کا مسودہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان میں
اشاعت کے لیے پیش کیا تھا اور یہ مسودہ منظوری کے لیے ادبی کمیٹی کے
سامنے آیا تو سب لوگوں کو اتفاق تھا کہ یہ کتاب چھپنی چاہیے لیکن گوپی چند
نارنگ نے کتاب کی سخت مخالفت کی۔آج ہمارے ادیب مصلحتوں کے
ہاتھوں بک چکے ہیں،کل تک جو لوگ نظریات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے
مخالف تھے، وہ آج ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ادبی محفلوں
میں گھومتے نظر آتے ہیں۔ خاں صاحب کی ہر تحریر استدلالی ہوا کرتی
ہے۔یہ واقعہ ہے کہ ان جیسا عالم اور ادیب کئی دہائیوں تک پیدا نہیں ہوگا۔''

(ہماری زبان، رشید حسن خاں نمبر، یکم تا 28 ستمبر 2006،ص 28)

رشید حسن خاں نے اپنی کتاب 'مصطلحاتِ ٹھگی' کے مقدمے میں اسلم محمود، ڈاکٹر خلیق انجم وغیرہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی کہ اگر شمس الرحمٰن فاروقی کا تعاون شاملِ حال نہ ہوتا تو یہ کتاب منصۂ شہود پر نہیں آتی۔ پوری بات ملاحظہ کیجیے:

''محبِ مکرم شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا بہ طورِ خاص شکر گزار ہوں۔اس
کتاب کی تکمیل میں اُن کی تشویق شامل رہی ہے اور اُنھی کی تجویز پر کونسل
نے اس کتاب کی طباعت کے لیے گرانٹ منظور کی۔اس مرحلے کو طے
کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔''

(مصطلحاتِ ٹھگی، رشید حسن خاں، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی،ص 40، اشاعت 2002)

رشید حسن خاں جب مثنویاتِ شوق کو مرتب کر رہے تھے تو انھیں الہٰ آباد آرکائیوز میں موجود اُس حکم نامے کی تلاش تھی جس میں مثنوی زہرِ عشق پر پابندی عائد کرنے کی بات درج ہے۔اس بابت انھوں نے شمس الرحمٰن فاروقی کو خطوط ارسال کیے۔اس بات کی وضاحت خود رشید حسن خاں نے مثنویاتِ شوق کے مقدمے میں یوں کی:

''میں نے شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے (جو اب الہٰ آباد میں قیام پذیر
ہیں) یہ درخواست کی کہ وہ الہٰ آباد کے سرکاری محافظ خانے میں منسوخی کے
اُس آرڈر کو تلاش کرائیں جس کی نشان دہی نظامی نے کی ہے۔ فاروقی

صاحب نے مجھے مطلع کیا کہ متعلقہ افراد نے یہ بتایا کہ ایسے سب پُرانے
کاغذ لکھنؤ کے آرکائیوز میں منتقل کردیے گئے تھے۔''

(مثنویاتِ شوق، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 1998، ص 72)

اپنے مقدمے میں خاں صاحب نے شمس الرحمٰن فاروقی کی علم دوستی کے بارے میں مزید لکھا:

''مثنوی زہرِ عشق کا نظامی اڈیشن اب کم یاب ہے۔ محبی شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے پاس اُس کی اشاعتِ ثانی کا ایک نسخہ تھا، میری فرمایش پر موصوف نے بہت اہتمام کے ساتھ اُس کا عکس بنوا کر بھیجا۔ نیز الہ آباد کے اسٹیٹ آرکائیوز میں زہرِ عشق سے متعلق کاغذات کے سلسلے میں معلومات بہم پہنچائی۔ (ایضاً، ص 164)

شمس الرحمٰن فاروقی، رشید حسن خاں کے املا، زبان اور قواعد اور فرہنگ سازی سے متعلق کیے گئے کاموں کے معترف تھے۔ لیکن فاروقی صاحب ان سے املا کے مسائل پر اختلاف بھی رکھتے تھے۔ ''لغات روز مرّہ'' کے صفحہ 13، 14، 17، 27 اور 38 میں شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنے اظہارِ تشکر میں رشید حسن خاں سے علمی و ادبی فیض یابی کا بار بار تذکرہ کیا ہے۔ موصوف نے سحر البیان مرتبہ رشید حسن خاں کے صفحہ 211 پر شعر نمبر 1121

اُسے دیکھ، اِس نے تو پھر غَش کیا
لباس اور زیور سے اَش اَش کیا

میں لفظ ''اَش اَش'' پر تنقید کی ہے۔ رشید حسن خاں نے 'کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلد اوّل) کے صفحہ 63 پر لفظ ''اَش اَش'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھا:

''بہت خوش ہونا، خوشی کے مارے وجد کرنا۔ حیرت و تعجب کا اظہار۔''

(کلاسکی ادب کی فرہنگ (پہلی جلد) انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2003، ص 63)

شمس الرحمٰن فاروقی نے ''اَش اَش'' لفظ کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کرتے ہوئے اس کے املا پر سوالیہ نشان لگائے ہیں۔ فاروقی صاحب کی نظر میں ''اَش اَش'' لفظ کا صحیح املا ''عش عش'' ہے۔ لغات روز مرّہ میں موصوف نے اس لفظ پر طویل بحث کرتے ہوئے رشید حسن خاں اور ان کے معتقد عبدالرشید کی مساعی کو ہیچ گردانا ہے۔ حالاں کہ رشید حسن خاں نے اپنے مضامین، مقالات اور تدوینی کتابوں میں لفظ ''اش اش'' کو ''عش عش'' پر ترجیح دی ہے۔ خاں صاحب نے اپنی بات کو کلاسکی ادب

کی فرہنگ (جلداوّل) کے صفحہ 63 پر واضح کرتے ہوئے لکھا کہ اش اش کرنا: بہت خوش ہونا، خوشی کے مارے وجد کرنا، حیرت وتعجب کے اظہار کے ہیں۔ اس ضمن میں موصوف درج ذیل اشعار کا حوالہ دیتے ہیں:

اُسے دیکھ ، اس نے تو پھر غش کیا
لباس اور زیور سے اش اش کیا

وہ بھی اس کی صورت پر غش ہو گیا
فصاحت پر اش اش کرتا رہا

ہم سفر وہ ہے جس پہ جی غش کرے
دشتِ غربت مقام اش اش کرے

فاروقی صاحب نے خاں صاحب کے نام 27 نومبر 1981 کو لکھے خط میں ترقی اُردو بورڈ چھوڑنے کی بات لکھی ہے۔ محاورات کے استعمال کے علاوہ میر کے ایک شعر کے مفہوم پر تبادلۂ خیال کیا گیا ہے۔ فاروقی صاحب لکھتے ہیں:

پیارے خاں صاحب۔ میں نے ترقی اُردو بورڈ کیا چھوڑا آپ بھی چھوٹ گئے۔ ملاقات کے موقعے وہاں ملتے رہتے تھے۔ اب آپ الگ ہم الگ۔ فرصت ہوتو ملیے یا بلایئے۔ میؔر کے اس شعر کا مفہوم واضح نہیں ہو رہا ہے:

شوخی کو دیکھ آپی کہا آؤ بیٹھو میر
پاچھا کہا تو بولے کہ میری زبان پر

(دیوان چہارم)

''زبان پر بیٹھنا'' * محاورہ یا روز مرہ مجھے لغات میں نہیں ملا۔ (نور میرے پاس نہیں ہے) فارسی میں ''درزبان افتادن''، ''درزبان آمدن'' تو ملتا ہے لیکن معنی مناسب نہیں۔ ''برزبان آمدن'' ہوا تو بھی ایک بن جاتی۔ کیوں کہ میؔر نے ''زبان پر'' لکھا ہے۔ اگر انھوں نے ''درزبان آمدن'' ہی کا ترجمہ کیا ہوتا تو ''زبان میں'' ہونا چاہیے تھے، لیکن ردیف مخالف پر اس لیے ظاہر ہے کہ

''زبان پر'' لکھا ہے۔شبلی نے بہ زبان افتادن'' کو ایک محاورہ بتایا ہے اور معنی بتائے ہیں ''بیت تحیف ونزار ہو جانا'' یہ محاورہ بھی کہیں نہیں ملا۔اب آپ ہماری رہنمائی کیجیے۔میری سمجھ یہی آتا ہے کہ یہ محاورہ وغیرہ نہیں ہے۔''زبان''یعنی''وعدہ''، ''قول وقرار ہے''اور''میری زبان پر بیٹھو'' سے مراد ہے ''میرے وعدے کی(یا وعدہ پورا ہونے کی) آس لگائے رہو۔''(کیوں کہ ''بیٹھنا''اس معنی میں لیا جا سکتا ہے۔(اور میں آپ کے وعدے پر بیٹھا ہوا ہوں اور آپ توجہ ہی نہیں دیتے''*وغیرہ) دیگر ان کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ شوق نیموی کی''اصلاح''اور''ایضاح'' مجھے عاریتاً عطا کریں گے کہ میں ان کی نقل کرا لوں۔یاد دہانی کے لیے عرض کر رہا ہوں۔مزید ان کہ ''مصطلحات الشعرا'' کے مصنف کا پورا نام کیا ہے !اگر'' رارستہ'' نام ہے تو کیا یہی تخلص بھی ہے؟

*۔یا''میری زبان پر''۔

*۔مجھے''میری'' کا لفظ اس شعر میں اہم معلوم ہوتا ہے۔یعنی میرے خیال میں''زبان پر بیٹھنا'' کی اہمیت''میری'' کی وجہ سے ہے۔

فاروقی صاحب نے خاں صاحب کے نام 24 اپریل 1986 کو لکھے خط میں تفہیمِ غالب کے بارے میں بتایا کہ اب غالب کے کچھ ہی اشعار تشریح کے بغیر رہ گئے ہیں۔اس خط میں فاروقی صاحب نے املا کے حوالے سے بھی باتیں رقم کی ہیں۔خط کے آخر میں نوراللغات کی عدم دستیابی کی صورت میں منھ مانگی رقم دینے کی بات بھی لکھی ہے۔یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ فاروقی صاحب نے تفہیمِ غالب کی تشریح کا کام رسالہ شب خون کے شمارہ نمبر 23 میں شروع کیا اور شمارہ 151 کو اختتام کو پہنچا تھا۔

فاروقی صاحب نے 23 اگست 1988 کو پٹنہ کے پتے سے خاں صاحب کو خط لکھا۔ اس خط میں موصوف نے اپنی کتاب تفہیمِ غالب کے مکمل ہونے کی خوش خبری سنائی ہے۔پوری کتاب میں ڈھائی سو شعر ہونے کی بات لکھی ہے۔ساتھ میں یہ بھی لکھا کہ شب خون میں جو تشریح شائع ہوئی ہے اس سے یہ کتاب مختلف ہے۔انھوں نے ضابطے کا خط لکھنے کی بات بھی درج کی۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے 19 ستمبر 1988 کو لکھے خط میں اس بات کا خدشہ ظاہر کیا کہ

جب آپ (خاں صاحب) غالب انسٹی ٹیوٹ کی ادبی کمیٹی کے رکن نہیں ہیں تو میری کتاب تفہیمِ غالب کی اشاعت کا کیا ہوگا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ کتاب اٹک جائے اور میری برسوں کی محنت بے کار چلی جائے۔ انھیں خاں صاحب کی کتابوں فسانۂ عجائب اور باغ و بہار کی اشاعت کا بے صبری سے انتظار تھا۔ ان کی نظر میں خاں صاحب نے اکیلے ہی کئی عمروں کا کام کر دیا ہے۔ موصوف نے خاں صاحب کی کتاب ''تلاش و تعبیر'' میں شامل مضمون پڑھنے کے بعد اپنے تاثرات میں لکھا کہ جوش اور فیض کے بارے میں جو آپ کی رائے ہے اس سے میں پوری طرح متفق ہوں۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے 8 جنوری 1990 کو لکھے خط میں خاں صاحب کو فسانۂ عجائب کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی آرا کا اظہار کیا۔ انھوں نے لکھا کہ فسانۂ عجائب پر آپ کی رشحاتِ قلم دیکھ کر میں عش عش (اش اش) کرتا ہوں۔ اس کام کے بارے میں انھوں نے مزید لکھا کہ متن کو دیکھ کر بعض لوگوں کی ہمت جواب دے جاتی ہے۔ اس خط میں موصوف نے ان کے طریقہ کار سے اختلاف بھی کیا۔ ساتھ ہی گل کرسٹ کے بارے میں انھوں نے جس عبارت کا ذکر کیا تھا وہ گل کرسٹ کی نہیں بل کہ خلیل علی اشک کی تھی۔

شمس الرحمٰن فاروقی اور رشید حسن دونوں ادبی بزرگ اب اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ان دونوں کی شاہ کار تحریریں کتابی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ دونوں مرحومین کی کتابوں میں علم کے دریا موجزن ہے۔ بعض ادبی مسائل پر دونوں کا اختلاف ہمیں یہ بتاتا ہے کہ دوستی اپنی جگہ مستحکم لیکن ادبی معاملات میں کوئی سمجھوتا نہیں۔ دونوں حضرات ایک دوسرے کی دیو قامت شخصیات سے کبھی متاثر نہیں ہوئے بل کہ دونوں ایک دوسرے کی تحریروں کو پڑھ کر تحریری اختلاف پیش کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ فاروقی صاحب جدیدیت کے علم بردار تھے۔ انھوں نے ہندو پاک میں بہت سے شعرا و ادبا کو اپنی تحریروں اور فکر و نظر سے متاثر کیا۔ لیکن رشید حسن خاں نے کبھی کسی تحریک سے پابند ہو کر کام نہیں کیا۔ بے شک وہ اپنے ابتدائی ایام میں آرڈیننس کلودنگ فیکٹری، شاہ جہاں پور میں ملازم اور ٹریڈ یونین لیڈر ضرور تھے۔ لیکن انھیں آرڈیننس کلودنگ فیکٹری کے کمیونسٹ لیڈروں کی باتوں میں تضاد نظر آتا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے کمیونسٹ نظریات کو خیر باد کہہ اپنی راہ الگ نکالی۔ انھوں نے اپنے ذاتی کاوشوں سے علمی فتوحات حاصل کیں۔

پاکستان کے مشہور قلم کار شان الحق حقی کا شمار رشید حسن خاں کے مداحین میں ہوتا

ہے۔دونوں کے مابین خط وکتابت کا سلسلہ رہا ہے۔خاں صاحب کے ساتھ حقی صاحب نے کئی علمی وادبی معاملوں پر تحریری تبادلۂ خیال کیا ہے۔جب حقی صاحب ترقی اُردو بورڈ لغت کے صدر منتخب ہوئے تو انھوں نے اپنے یہاں سے نکلنے والے پرچے''اُردو'' میں خاں صاحب کے سفارش کردہ املا کا استعمال کرنا شروع کیا۔لوگوں نے خوب اعتراض کیے لیکن حقی صاحب اپنی بات پر ڈٹے رہے۔حالاں کہ حقی صاحب کو خاں صاحب کی کئی باتوں سے اختلاف تھا اس کے باجود وہ ان کی علمی فتوحات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔جب رشید حسن خاں کی کتاب''اُردو املا'' منظرِ عام پر آئی تو انھوں نے اسے اُردو زبان کی تاریخ میں ایک سنگِ میل قرار دیا۔4 جولائی 1975 کو لکھے خط میں اپنے دلی جذبات کو حقی صاحب نے یوں رقم کیا:

> ''اتفاق سے آپ کی کتاب بھی سامنے نہیں، یہ میرے ساتھ دفتر آتی جاتی ہے۔بہت سے لوگوں کو اس کی زیارت کرا چکا ہوں۔موضوع کی اہمیت اور اس پر آپ کے نہایت معقول اور فاضلانہ مقالات سے قطع نظر لوگ اس کی ہیئت وصورت اور طباعت کی نفاست کے بھی مداح ہیں۔بہت بہت مبارک باد! آپ نے کئی اُلجھی ہوئی بحثوں کا نہایت خوبی سے سرانجام کیا ہے۔یہ مسئلے واقعی اب حل ہو جانے چاہئیں اور عین اسی طرح جیسا کہ آپ نے تجویز کیا ہے۔مجھے آپ کے محاکمات سے عموماً بہت اتفاق ہے۔چند جزوی باتیں ایسی ہیں جن پر شاید اختلاف ملتا ہے۔عادتیں مشکل سے بدلتی ہیں۔میرے خیال میں بعض الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج بالکل متروک نہ قرار دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں(یا حرج نہیں؟)جیسے کہ چنانچہ،حالانکہ، چہ جائیکہ،دستگیری، عالمگیر،غمخوار،ہمراز،خاکسار، طالبعلم جانہار، دلبر،خوبصورت،آپ کے ذہن میں خود اس کی بہت سی مثالیں ہوں گی۔انگریزی میں بھی آج کل مرکبات کو ملا کر لکھنے کا رواج ہے۔جب تک کہ ایک مرکب لفظ بہت ہی طویل نہ ہو جائے، جیسے کہ بعض جرمن cumpounds ہوتے ہیں۔اس کے اجزا کو ملا کر لکھنے میں دقت اور زحمت کی بچت ہے۔پھر بغیر اجزا اس طرح یک جا ہو جاتے ہیں کہ ان کے اشتقاق یا ترکیب کو واضح کرنا سوائے تکلف کے کوئی فائدہ نہیں

رکھتا۔ ہماری زبان کی ایک خوبی یہ ہے کہ تحریری جگہ کم گھیرتی ہے۔اس خوبی
کو برقرار رکھنا چاہیے۔خیر، یہ ایک معمولی سا نکتہ ہے۔دوسرے اہم مسائل
طے ہو جائیں تو اس معاملے میں تھوڑی بہت variation منہداں
مضائقہ کی بات نہ ہوگی۔اس قسم کی مضحکہ خیز صورت البتہ نہیں پیدا ہونی
چاہیے۔''

انجمن ترقی اُردو (ہند) کے آرکائیوز سے شاہد احمد دہلوی بہ نام رشید حسن خاں کے دو خط موصول ہوئے۔ان دونوں خطوط میں شاہد صاحب نے موسیقی کی فنی باریکیوں اور اس میں استعمال ہونے والے لفظوں کی تذکیر و تانیث پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ان خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں نے شاہد احمد دہلوی کو اس ضمن میں خطوط لکھے تھے۔جس کے جواب میں انھوں نے خاں صاحب کو خطوط ارسال کیے۔11 دسمبر 1964 کو لکھے خط میں اس بات کی وضاحت ہے کہ خاں صاحب نے 5 دسمبر 1964 کو شاہد احمد دہلوی کے نام مکتوب ارسال کیا اسی کے جواب میں انھوں نے یہ خط لکھا۔اس خط میں رسالہ آج کل کے موسیقی نمبر کے علاوہ الاپوں، سُر سنگیت، تھاپ وغیرہ کی تذکیر و تانیث پر باتیں درج ہیں۔اس خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ (شاہد احمد دہلوی) دہلی آنا چاہتے ہیں لیکن وزارت داخلہ سے انھیں اب تک اجازت نہیں ملی ہے۔اس کی وجہ بتاتے ہوئے شاہد صاحب لکھتے ہیں کہ وہ ریڈیو پاکستان سے وابستہ ہیں اس لیے اجازت ضروری ہے۔ رشید حسن خاں نے 26 نومبر 1965 کو شاہد احمد دہلوی کے نام خط ارسال کیا اس کے جواب میں 30 نومبر 1965 کو جو خط لکھا اس میں بھی موسیقی کی زبان، الاپ کی تذکیر و تانیث کے علاوہ موسیقی کے حوالے سے لکھی گئی مستند اور مشہور کتابوں کے نام لکھے گئے ہیں۔شاہد احمد دہلوی کے خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''آپ کا 26 نومبر کا عنایت نامہ ملا۔شکریہ۔
پیشہ وروں کی زبان پر''الاپ'' مذکر ہے اور کتابوں میں بھی، اس لیے میں
بھی مذکر ہی بولتا ہوں۔
''معارف الفصاحت'' مصنف ٹھاکر نواب علی خاں، جو اُردو کی واحد مستند
کتاب ہے اس میں بھی ص 104 پر یہ عبارت درج ہے: ''آج کل الاپ کو
بھی دھرپد کی طرح چار حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔'' میرے پاس اس

کتاب کا جو نسخہ ہے اس کا ٹائٹل اور پہلا صفحہ نہیں ہے اس لیے اڈیشن کی نشان دہی نہیں کرسکتا۔ یہ غالباً آخری اڈیشن ہے جو تقریباً چالیس سال پہلے شائع ہوا تھا۔

ایک اور چھوٹی سی کتاب ''ہماری موسیقی'' کے نام سے ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان نے شائع کی تھی، کوئی دس سال پہلے۔ اس میں خادم محی الدین صاحب نے ص 35 پر لکھا ہے'' گانے سے پہلے راگ کا الاپ کیا جاتا ہے۔ یہ الاپ، لے اور تال کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔''الاپ'' مذکر ہی بولا جاتا ہے مگر غیر پیشہ وروں سے مونث بھی سُنا ہے۔ لغت میں شاید اسی وجہ سے دونوں طرح درج کردیا گیا ہے۔''

شہباز صدیقی امروہوی نے 3 ستمبر 1962 کو لکھے خط میں خاں صاحب سے شعری معلومات کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس خط میں شہباز صدیقی نے مثنوی گلزار نسیم کے آخری رکن فعولن، مفاعیل، مفاعیل، مفاعلن، مفعول وغیرہ پر توجہ مطلوب کی ہے۔ لکھتے ہیں:

'' آج آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میری بات کے جواب میں اپنا کچھ قیمتی وقت صرف کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ مثنوی گلزارِ نسیم کے وزن کا آخری رکن کبھی فعولن اور کبھی مفاعیل آتا ہے مرزا یاس نے بھی چراغ سخن میں اس بحر کے یہی دو اوزان یعنی مفعول ومفاعلن، مفعول یا مفاعیل تحریر کیے ہیں اور مندرجہ ذیل شعر کا آخری رکن مفاعیل قرار دیا ہے:

مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ

لیکن میرا خیال ہے کہ اس شعر کا آخری رکن مزاحف ہیں بل کہ سالم مفاعیلن ہے یعنی اس رکن میں مقصود محذوف اور سالم تینوں کا اجتماع جائز ہے۔ شیخ سعدیؒ کا مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے:

از دست تو مشت ہر دہاں خوردن
خوشتہ کہ بد دست خویش ناں خوردن

اسی طرح مثمن بحر میں بھی مفاعیل، مفاعیل کے ساتھ فعولن، مفاعیل اور مفاعیلن تینوں رکن آئے ہیں۔''

پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے 17 مئی 2005 کو خاں صاحب کے نام جو خط لکھا ہے اس میں لفظوں کی بناوٹ اوران کے اصل ماخذ پر بحث کی گئی ہے۔لیکن پس نوشت کے آخر میں کلیات جعفر زٹلی کے مقدمے پر ظفر احمد صدیقی نے رشید حسن خاں کی توجہ مبذول کی ہے۔ظفر صاحب کے مطابق خاں صاحب کی دلیلوں اور حوالوں کی تصدیق نہیں ہوتی۔کلام جعفر زٹلی کے حوالے سے یہ خط اہمیت کا حامل ہے۔ظفر احمد صدیقی کے معروضات ملاحظہ کیجیے:

''ایک بات اور جب آپ اپنے مقدمے میں یہ مان چکے ہیں کہ زٹل نامہ کی تصنیف کے بعد کی چیزیں بھی پیش نظر کتاب میں شامل ہیں تو اب اسے زٹل نامہ کا عنوان دینا درست نہ ہوگا کیوں کہ آپ زٹل نامہ تو مرتب نہیں کر رہے ہیں، اگر یہ زٹل نامہ ہے تو باقی کلام اس میں شامل کرنا منشائے مصنف کے خلاف ہوگا۔میرے خیال میں اس کا نام کلیاتِ جعفر زٹلی (مع زٹل نامہ) رکھنا صحیح ہوگا۔

آپ کی تحقیق کے مطابق زٹل نامہ عہد عالم گیری میں تصنیف کیا جا چکا تھا۔تو آپ نے اس کی شاعری کے پس منظر کے طور پر اورنگ زیب کے نا خلف جانشینوں کے عہد انتشار واختلال کا ذکر کیوں فرمایا؟ اگر یہ شاعری اپنے عہد کی سیاسی وسماجی اتھل پتھل کا ردعمل ہے تو اسے بعد میں وجود میں آنا چاہیے تھا۔اگر اس میں دونوں زمانے کا کلام شامل ہے تو اس شاعری کے بھی دو رنگ ہونے چاہیے تھے۔ایک آسودگی کا اور دوسرا ناآسودگی کا۔یہ پوری گفتگو بڑی حد تک ترقی پسندوں کے غلط نقطۂ نظر پر مبنی ہے۔

آپ نے کلام جعفر کے پھکڑ پن اور فحشات کو اس کی تمام شاعری کا دسواں حصہ بتایا ہے۔لیکن مشاہدے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔یہ تناسب سہ چند بل کہ چہار چند ہے۔

آپ نے مقدمے میں یہ نہیں بتایا کہ جعفر نے زٹل کو بہ طور رنگِ سخن اور صنفِ سخن اختیار کیا تھا اور یہ کہ اس فن میں زٹل نارنولی اس کا استاد تھا جب

کہ ''جواب رقعیٔ سید انّل'' سے ظاہر ہے۔
ص19 کے حاشیے پر مصحفی کی عبارت کا جو مطلب آپ نے تحریر فرمایا ہے، اس کی تائید عبارت سے ہرگز نہیں ہوتی۔سکہ محمد شاہی سے قبل کی غزلیں کہاں ہیں؟ کیا آپ تاریخی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچا سکتے ہیں؟ یہ محقق کا شیوہ نہیں۔''

پروفیسر ظہور الدین نے خاں صاحب کو دو خط ارسال کیے۔دونوں خطوط میں تاریخ ندارد ہے اور یہ خطوط پروفیسر شیام لال کالرا عابد پیشاوری سے متعلق ہیں۔ان خطوط میں پروفیسر کالرا کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ بہت سے مسودے اور جموں یونی ورسٹی کی کتابیں اپنے گھر لے گئے ہیں۔ساتھ ہی پروفیسر ظہور الدین نے خاں صاحب کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے کتابوں کی جو فہرست تیار کرائی تھی اس کی مدد سے نادر و نایاب مخطوطے اور کتابیں کالرا صاحب سے واپس مل گئی ہیں۔خط کا اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''کالرا ریٹائر ہو چکے ہیں۔ابھی کیمپس میں ہی ہیں۔اکتوبر کے بعد کواٹر خالی کرنا ہوگا یا پھر جرمانے کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔
کالرا صاحب مسودے کو کھا جانا چاہتے تھے لیکن جب میں نے وہ فہرست سامنے رکھ دی جو آپ کے قیام کے دوران تیار کی تھی تو بہت سٹپٹائے۔بہر حال بڑی مشکل سے کتابیں واپس کی ہیں بہت سی [کتابیں] جن کی فہرست نہیں تھی یا جو کہیں درج نہیں تھیں وہ ہضم کر گئے۔خدا کا شکر ہے کہ آپ کی مدد سے مخطوطات مل گئے ہیں۔میں نے اس معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتی نہ کوئی لحاظ ہی کیا۔اگر آپ نے فہرست تیار نہ کرائی ہوتی تو شعبے کا لاکھوں کا نقصان ہی نہ ہوتا ایک قیمتی سرمایہ بھی کھو جاتا۔''

دوسرے خط میں لکھا گیا کہ پروفیسر کالرا صاحب کا No Objection سرٹیفکٹ روک دیا گیا ہے۔جس کی وجہ سے وہ دباؤ میں آ گئے اور ان کے پاس جموں یونی ورسٹی کی جو کتابیں گھر پر تھیں انھیں جمع کرانے کا وعدہ کر لیا ہے۔ان خطوط کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر ظہور الدین اور پروفیسر کالرا کے درمیان کوئی پرانا معاملہ رہا ہوگا جسے طول عطا کیا گیا۔البتہ رشید حسن خاں جب جموں یونی ورسٹی میں مشرقی شعریات پر 6 لیکچر (نومبر 1991) اور شعبہ اُردو جموں یونی ورسٹی

میں تین ہفتوں کے لیے وزٹنگ فیلو (26 جنوری 1990 تا 14 فروری 1990) (متن کی قرأت، کلاسیکی ادب کی تفہیم، علومِ بلاغت اور اصولِ املا پر لیکچر، یکم ستمبر تا 30 ستمبر 1995) کی حیثیت سے وابستہ رہے اس دوران ہی کتابوں اور مخطوطوں کی فہرست بنائی گئی ہوگی۔ یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ پروفیسر کالرا اور پروفیسر ظہورالدین سے خاں صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔ موصوف دونوں کے نام خطوط ارسال کرتے تھے۔ ''رشید حسن خاں کے خطوط'' (فروری 2011، مرتب ڈاکٹر ٹی.آر. رینا) میں ان خطوط کا مطالعہ صفحہ 673 تا 689 اور صفحہ 720 تا 729 پر کیا جا سکتا ہے۔ خاں صاحب کے نام لکھے دوسرے خط میں پروفیسر ظہورالدین، پروفیسر شیام لال عابد پیشاوری سے کتابوں کی واپسی کے مسئلے پر خاصے برہم نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

> ''آپ نے خط میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے بارے میں جین صاحب نے بھی مجھے امریکہ سے لکھا ہے لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے فہرست والی کتب بھی کس طرح اُن سے حاصل کیں اگر وہ فہرست نہ ہوتی تو سب کچھ ڈوب گیا تھا۔ ہوا یوں کہ جب دوسری ساری کتابیں واپس کر دینے کے بعد بھی انھوں نے فہرست والی کتب جن میں مخطوطے بھی شامل تھے، واپس نہ کیں تو میں نے اُن کا No Objection سرٹیفکٹ روک دیا۔ ایک ماہ تک بہت چیخنے چلانے کے بعد ایک دن میرے کمرے میں آ کر کہنے لگے کہ سرٹیفکٹ پر دستخط کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ '' صاحب آپ نے پوری کتابیں نہیں لوٹائیں''۔ پُر زور انداز میں فرمانے لگے ''میں تو سب کتابیں دے چکا ہوں۔'' میں نے دراز سے وہ فہرست نکال کر اُن کے سامنے رکھ دی جو آپ نے بنوائی تھی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو زبان گنگ۔ اُنھیں شاید یہ خیال تھا کہ فہرست صرف اُنھیں کے پاس ہے۔ لیکن فوراً پینترا بدل کر چپراسی پر برس پڑے۔ ''ارے تم نے الماری سے کتابیں نکال کر نہیں دیں۔'' چپراسی بے چارہ کیا کہتا۔ اس طرح وہ کتابیں حاصل کی جا سکیں۔ اُن کے گھر میں ابھی بہت سی کتابیں اور مخطوطے ہوں گے، مجھے معلوم ہے پر اب اُن کے گھر سے اُنھیں کس طرح حاصل کیا جائے۔ جین صاحب کہتے ہیں انھیں خرید

لوں۔ان کے گھر والے بیچنے کے لیے تیار ہوں تو خریدوں۔اُن کی بیوی کو
معلوم ہے کہ اُن کے ہاں بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو شعبے کی ہیں۔وہ بھلا
اب انھیں کیوں کسی کو دیکھنے کی اجازت دینے لگیں۔اس لیے برادرم صبر ہی
کرنا پڑے گا۔خدا کرے آپ بہ خیر ہوں۔''

فرقت کاکوروی نے رشید حسن خاں کے نام 10 اکتوبر 1963 کو لکھے خط میں رسالہ تحریک میں ''تاریخِ ادب اُردو،علی گڑھ'' پر شائع ہوئے تبصرے پر مبارک باد پیش کی ہے۔انھوں نے اسے تلاوت کرنے،مذبح کی سیر کرنے اور طلائی،نقرئی اور جواں سال دمبوں کو مذبح کرنے کی بات لکھی ہے۔فرقت کاکوروی نے یہ بھی لکھا کہ مُردوں کا پوسٹ مارٹم تو سنا تھا لیکن زندوں کا پوسٹ مارٹم کرنا آپ کا حصہ ہے۔انھوں نے مشورہ دیا کہ تاریخ ادب اُردو علی گڑھ کو پیشاب خانوں میں اُلٹا لٹکا دیا جائے تو اُردو ادب کا ہر طالب علم پیشاب کر کے استنجے کا عادی ہی نہیں شوقین ہو جائے گا اور یہ کتاب پڑھنے کے بجائے طہارت کے بہترین فرائض انجام دے سکے گی۔انھوں نے خاں صاحب کو یہ بھی مشورہ دیا کہ اس مضمون کو چھپوا کر مفت میں تقسیم کروانے کی ضرورت ہے۔فرقت صاحب نے اپنے خط میں تاریخ ادب اُردو،علی گڑھ کے کئی حوالے پیش کیے ہیں جن میں تاریخ اور سنین کی غلطیاں در آ گئی ہیں۔خط کے آخر میں موصوف لکھتے ہیں کہ وہ ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو'' کا دوسرا حصہ تیار کرنے جا رہے ہیں۔'' خط کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرقت کاکوروی صاحب اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پائے ہیں۔جیسے جیسے جملے اس خط میں موجود ہیں وہ ادبی نہیں ہو سکتے۔تبھی تو انھوں نے اپنے خط میں Personal & Confidential کے ساتھ ''اس خط کو پڑھ کر چاک کر دیجیے'' تحریر کیا۔خط ملاحظہ کیجیے:

''رشید صاحب!

آج ہی تحریک کا پرچہ بہ ذریعہ ڈاک ملا۔ایک ہی نشست میں تین بار
پورے مضمون کی ''تلاوت'' کی۔سچ پوچھیے تو مضمون کیا پڑھا مذبح کی سیر
کی۔کیا کیا نقرئی،طلائی،جواں سال اور جہان دیدہ دمبوں کو ذبح کیا
ہے۔باخدا میں بہت کمزور دل واقع ہوا ہوں مگر جہاں جہاں آپ نے
چھری چلائی ہے بکروں کو دَم بخود ہوتے ہی پڑھا ہے اور عجب ہیں جوان
میں سے چند کہہ رہے ہوں ''مار تجھے خدا مارے'' بہر صورت میں تو بعض

فقروں کو پڑھ کر اُچھل اُچھل پڑا۔

مُردوں کا پوسٹ مارٹم تو سُنا تھا مگر زندوں بل کہ رندوں کا پوسٹ مارٹم کرنا آپ ہی کا حصہ ہے۔ کاش یہ مضمون کسی ایسے رسالے میں شائع ہوتا جو کئی زبانوں میں ہوتا اور ساری دنیا میں پڑھا جاتا۔ میرے خیال میں اس کتاب کی سب سے زیادہ بکری یورپین ممالک میں ہوگی جہاں کاغذ استنجے کی جگہ استعمال ہوتا ہے اگر انگریزوں کے ہندوستان سے جانے کے بعد بھی اس کتاب کو سڑکوں کے ہر یوریئل (پیشاب خانہ) میں اُلٹا ٹانگ دیا جائے تو اُردو ادب کا ہر طالب علم پیشاب کر کے استنجے کا عادی ہی نہیں بل کہ شوقین ہو جائے گا اور یہ کتاب بجائے پڑھنے کے طہارت کے بہترین فرائض انجام دے سکے گی۔ اس مضمون کو تو چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کی ضرورت ہے۔''

اب تک کی تحقیق کے مطابق قاضی عبدالودود نے خاں صاحب کے نام 45 خطوط ارسال کیے۔ پہلا خط 3 نومبر 1959 کو اور آخری خط پر تاریخ 31 دسمبر 1980 درج ہے۔ یہ تمام خط انجمن ترقی اُردو (ہند) کی آرکائیوز میں محفوظ ہیں۔ ان خطوط کو ڈاکٹر محضر رضا نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''مکتوباتِ قاضی عبدالودود، جلد اوّل'' (اشاعت 2016) صفحہ 251 تا 276 میں شامل کیا ہے۔ بعد میں ان خطوط کو ڈاکٹر ٹی آر۔ رینا نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''رشید حسن خاں کے خطوط، جلد سوم'' نومبر 2019 میں ضمیمہ 1 کے تحت صفحہ 356 تا 383، شامل کیا ہے۔ قاضی عبدالودود کے علمی و ادبی کارناموں سے رشید حسن خاں تا حیات متاثر رہے۔ انھوں نے قاضی صاحب کو ''تحقیق کا معلمِ ثانی'' خطاب سے یاد کیا۔ 1983 میں غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے قاضی عبدالودود کی علمی و ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اُن کی خدمت میں ایک طلائی تمغا پیش کیا تھا۔ اس جلسے کو پٹنہ میں منعقد کیا گیا تھا۔ اس موقعے پر جو کتابچہ بہ عنوان ''قاضی عبدالودود: محقّق اور دانش ور'' شائع کیا گیا اس میں رشید حسن خاں کا مضمون ''قاضی عبدالودود: محقق و دانشور'' صفحہ 71-270 پر محیط ہے۔ اس کتابچے میں جن اصحابِ قلم کے مضامین شامل ہیں اُن میں مالک رام، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، پروفیسر محمد حسن، گوپال متّل، رشید حسن خاں، پروفیسر گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر خلیق انجم کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔ بعد میں یہی مضامین

رسالہ غالب نامہ کے قاضی عبدالودود نمبر، جنوری 1987 میں بھی شائع ہوئے ہیں۔ رشید حسن خاں نے اپنی کتاب ''تحقیق- تدوین روایت'' اشاعت 1999 میں بھی ایک مضمون ''تحقیق کا معلمِ ثانی'' صفحہ 202 تا 221 تک شامل کرتے ہوئے قاضی صاحب کی شخصیت اور تحقیقی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

> ''قاضی عبدالودود کو اُردو میں تحقیق کا معلّمِ ثانی کہنا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ نئی نسل، تحقیق کے آداب اور انداز سے قاضی صاحب کے توسط سے آشنا ہوئی ہے۔ پچھلے پچیس تیس برسوں میں احتیاط پسندی کا جو رُجحان بڑھا ہے، شک کرنے یا یوں کہیے کہ مضبوط دلیلوں کے بغیر دعووں کو قبول نہ کرنے کا انداز جس طرح فروغ پذیر ہوا ہے اور منطقی استدلال نے جس طرح اہمیت حاصل کی ہے اور زود یقینی اور خوش اعتقادی نے جس طرح کم اعتباری کی سند پائی ہے، اُس میں قاضی صاحب کی تحریروں کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ اُن کی بے لچک شخصیت، اُن کے بے جھجک اندازِ گفتگو اور اُن کے سخت گیر احتساب نے اِس زمانے میں تحقیق کے طالب علموں کی ذہنی تربیت کی ہے اور اُن کی تحریروں نے یہ بتایا ہے کہ تحقیق کی زبان اور پیرایۂ اظہار میں انشا پردازی، مرصّع کاری اور الفاظ کے بے محابا استعمال کی مطلق گنجایش نہیں۔ اُنھوں نے سچ بولنا سکھایا، مگر اِس سے بڑا کام یہ کیا کہ سچ بولنے کا مطالبہ کرنے کو لازم قرار دیا، یہ بہت بڑا کام تھا۔'' (تحقیق تدوین روایت، ص202)

رشید حسن خاں نے قاضی صاحب سے تحقیق، تدوین اور املا سے متعلق بہت سے آداب سیکھے۔ قاضی صاحب کے خطوط میں مذکوہ بالا بعض مسائل پر تحقیقی گفتگو درج ہے۔ 11 مئی 1963 کو لکھے خط میں قاضی صاحب نے خاں صاحب کو لکھا کہ کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصحفی کے مادۂ تاریخ سے 1233 نکلتا ہے؟ اگر یہ نہیں تو آپ نے 1233 کو ترجیح کیوں دی؟ اوّل تو یہی ثابت نہیں کہ 1233 والا قطعہ نشاط کا ہے۔ آبِ حیات کے سوا اسے نشاط کی طرف منسوب کرنے کی سند ہی کیا ہے؟ اگر ہو بھی تو علم نہیں کہ انشا کی وفات کے وقت وہ کہاں تھے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ لکھنؤ نشاط کا وطن تھا نہ مسکن۔ مصحفی کے متعلق یہ معلوم ہے کہ 1232 اور 1233ھ میں وہ لکھنؤ میں تھے۔

اگر معاملہ عدالت میں پیش ہوتو معمولی قانونی شہادت کے مطابق مصحفی کے قول کو نشاط کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔

قاضی صاحب لفظ وائے ہمزہ لکھنے کے قائل نہیں تھے۔انھوں نے رشید حسن خاں کو لفظ رائے پر بھی ہمزہ لکھنے سے منع کیا۔البتہ ان کی نظر میں رائے صحیح لفظ ہے لیکن وہ راے لکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔30 جولائی 1963 کو لکھے خط میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی صاحب لکھتے ہیں:

''میں نے ایک خاص معاملے میں جو کچھ لکھا تھا، امید ہے کہ آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا۔''رائے'' میں اگرچہ ہمزہ صحیح ہے، لیکن اِسے نکال دیجیے۔ ''پروف'' یہاں آنا چاہیے، تاباں صاحب نے کہا تھا کہ معمولی غلطیوں کی تصحیح ہو سکے گی۔''

12 اپریل 1978 کو لکھے خط میں قاضی صاحب نے خاں صاحب کی دو کتابوں 'اُردو املا' اور 'زبان اور قواعد' کی اشاعت پر مبارک باد پیش کی ہے۔لیکن ساتھ ہی انھوں نے خاں صاحب کی املائی سفارشات سے اختلاف اور اتفاق پیش کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس لفظ کو جس طرح چاہے بولے یا لکھے اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔قاضی صاحب کی نظر میں صحتِ الفاظ کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔لیکن قاضی صاحب اس بات پر خفا ہیں کہ ترقی اُردو بورڈ کے اربابِ حل وعقد خود ہی املا کی صحت کا خیال نہیں رکھتے۔خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''آپ کی دو کتابیں ایک املا اور دوسری قواعدِ زبان سے متعلق (غالبًا) ترقّی اُردو بورڈ نے شائع کی ہیں۔پہلی میں نے دیکھی ہے، دوسری میری نظر سے نہیں گزری۔کس لفظ کو کس طرح لکھنا چاہیے اِس کے بارے میں مجھے اتّفاق بھی ہے اور اختلاف بھی، لیکن آپ کی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ صحّتِ املا کا لحاظ رکھّا جائے۔رہی صرف ونحو تو میں چند سال قبل ایک سر برآوردہ انگریز کا یہ قول نقل کر چکا ہوں کہ صحیح انگریزی لکھنا، ہر انگریزی لکھنے والے کا اخلاقی فرض ہے۔تصنیف وتالیف کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترقی اُردو بورڈ کے اربابِ حل وعقد کے نزدیک اِن امور کی کچھ اہمیت نہیں، اِس صورت میں آپ کی کتابوں کی اشاعت بے

کار تھی۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس لفظ کو جس طرح چاہے، بولے یا لکھّے اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔ تصنیف وتالیف میں بہ کثرت ایسے الفاظ ہیں جو ترقّی اُردو بورڈ کے وضع کردہ ہیں، بورڈ کو یہ اختیار ہے تو ہر شخص کو یہ اختیار ہونا چاہیے۔''

پروفیسر گیان چند جین نے رشید حسن خاں کی تحقیقی وتدوینی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''خدائے تدوین'' کے لقب سے یاد کیا۔ 17 اکتوبر 1963 کو لکھے خط میں جین صاحب نے تاریخ ادب اُردو، علی گڑھ پر رسالہ تحریک میں شائع ہوئے خاں صاحب کے مضمون کی خوب تعریف کی ہے۔ جین صاحب نے یہاں تک لکھا کہ'' آپ نے سرور صاحب اور مجنوں صاحب کے بارے میں وہ بات برملا کہہ دی جو سب کے دلوں میں ہے یعنی وہ نقاد ہیں تاریخ کے ماہر نہیں لیکن آپ کو یہ کچھ اور سنبھال کر کہنا تھا۔'' جین صاحب نے تاریخ ادب اُردو کے ڈائرکٹر اور نائب ڈائرکٹر کی تقرری کے بارے میں بھی اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ'' سرور کا یہ معاملہ ہے کہ علی گڑھ تاریخ کے لیے علی گڑھ کا صدر شعبۂ اُردو اپنے عہدے کی بدولت تاریخِ ادب کا ڈائرکٹر ہوتا ہے۔ پہلے رشید احمد صدیقی تھے اب آل احمد سرور ہیں۔ اس لیے ڈائرکٹر کے سلسلے میں اہلیت واوصاف کی کوئی بحث ممکن نہیں ہاں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے انتخاب میں موزونیت کا خیال رکھنا تھا۔''

جین صاحب مالک رام کی علمی وادبی خدمات کے حوالے سے ایک مضمون لکھنا چاہتے تھے اس کے لیے انھیں رشید حسن خاں کے اُس تبصرے کی ضرورت تھی جو انھوں نے ''دیوانِ غالب صدی اڈیشن'' مرتبہ مالک رام پر کیا تھا۔ خاں صاحب کا یہ مضمون ماہ نامہ تحریک، غالب نمبر، شمارہ 1، جلد 22، اپریل 1974، ص 25 تا 52 شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ مضمون ''اُردو تحقیق اور مالک رام از شاہد اعظمی، مکتبہ شاہ راہ، اُردو بازار، دہلی 1975 میں صفحہ 45 تا 101 شائع ہوا۔ بعد میں رشید حسن خاں نے اس مضمون کو اپنی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل وتجزیہ'' میں صفحہ 149 تا 212 پر مختصر حذف واضافے کے ساتھ شامل کیا۔ 19 اگست 1978 کو لکھے خط میں گیان چند جین یوں رقم طراز ہیں:

''میں مالک رام پر ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے لکھنے سے قبل لازمی ہے کہ آپ نے ان کے دیوانِ غالب پر جو مفصل تبصرہ کیا تھا وہ دیکھ لوں۔ آپ کا یہ مضمون کئی سال پہلے تحریک میں پڑھا تھا۔ اس وقت تحریک میرے پاس نہیں آتا تھا۔''

جب گیان چند جین نے رشید حسن خاں کے ''دیوانِ غالب صدی اڈیشن'' کے تبصرے کا مطالعہ کیا تو اس کی تعریف میں خط لکھا:

> ''تحریک میں آپ نے مالک رام صاحب کے مرتبہ دیوان پر جو مضمون لکھا وہ نہایت عالمانہ تھا۔ اس کو پڑھنے سے پہلے مجھے اندازہ نہ تھا کہ دیوان میں ایسی فروگذاشتیں رہ گئی ہوں گی۔ لیکن کہیں کہیں آپ نرے جذبات میں بہہ گئے ہیں اور خواہ مخواہ ایسا طنز کرنے لگے ہیں جیسے مالک رام بالکل جاہل اور غیر معتبر ہیں۔ یہ تاثر نہیں دینا چاہیے تھا۔ بہر حال یہ مضمون بھی آپ کے دیو کُش مضامین میں شامل کیا جائے گا۔ اُردو املا نارنگ کے ہاتھ بھجوا دیجیے۔ وہ 13 تاریخ کو جموں آنے والے ہیں۔''

گیان چند جین نے 3 جنوری 1990 کو لکھے خط میں فسانہ عجائب کی اشاعت کی مبارک باد پیش کی ہے۔ ساتھ ہی اس خط میں وہ باتیں تحریر کی ہیں جنھیں ادبی دستاویزوں میں جلی حرفوں سے لکھا جائے گا:

> ''اگر ترازو کے ایک پلڑے میں آپ کو بٹھا دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں اُردو کے متعدد پروفیسروں کو جن کا نام میں منتخب کروں تو میرا خیال ہے کہ آپ 25-20 یونی ورسٹی پروفیسروں سے گراں تر نکلیں گے۔ جائے عبرت ہے کہ یونی ورسٹی میں علم کو نہیں کاغذی ڈگری کو دیکھا جاتا ہے۔''

مالک رام صاحب نے برسلز سے 27 دسمبر 1961 کو لکھے خط میں خاں صاحب کے مضمون ''قاموس الاغلاط پر ایک نظر'' کی خوب تعریف کی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے خاں صاحب کی توجہ اس جانب بھی مبذول کی کہ قاموس الاغلاط کا مولف یا مصنف کون تھا، یہ کس مطبعے میں کس سال چھپا وغیرہ وغیرہ۔ خط کی زبان سے واضح ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب کو رشید حسن خاں اس سے قبل خط لکھ چکے ہیں۔ اس کے بعد ہی مالک رام نے موصوف کو خط لکھا۔ اس خط کا وہ اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ تمام باتوں کا احاطہ کیا گیا ہے:

> ''کرم فرمائے من، 17 نومبر کے گرامی نامے کا شکریہ۔
>
> اِس اثنا میں اُردو ادب کا وہ شمارہ موصول ہوا جس میں آپ کا مضمون ہے، ماشاء اللہ بہت مفصّل اور تمام امور پر حاوی رہا۔ مجھے واقعی بہت

پسند آیا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ شروع ہی میں، متن میں یا حاشیے میں اِس کا اظہار کر دیتے کہ قاموس الاغلاط کے مولّف یا مصنّف کون ہیں، یہ کس مطبع میں، کس سال چھپا۔ تعجّب ہوتا ہے کہ آپ نے اِس امر کی طرف تو اشارہ کیا کہ اِسے دو صاحبوں نے تالیف کیا، لیکن اُن کے نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے بعض نو جوان لکھنے والوں نے نہ کبھی کتاب کا نام سنا ہوگا نہ مولّفوں کا۔ دوسری کمی یہ محسوس ہوئی کہ پوری بحث کے بعد آخر میں تمام الفاظ کی فہرست جدول کی شکل میں درج کرنا چاہیے تھی یعنی اصلی لفظ، کس زبان کا ہے، اُس میں اِس کے اعراب، اب اُردو میں شکل وغیرہ۔ اِس سے یہ فائدہ ہوتا کہ قاری بہ یک نظر ساری بحث کے مطالب کو دیکھ سکتا تھا۔ چوں کہ مضمون طویل ہے، اب کسی لفظ کی تلاش کرنا آسان نہیں۔ اِس مضمون کا لہجہ بھی اچھا رہا۔ اگرچہ دو ایک جگہ بعض الفاظ، مثلاً ''جنون'' وغیرہ آ گئے ہیں، لیکن مجموعی طور پر ٹھیک ہے۔''

پروفیسر مختار الدین احمد نے 29 اگست 1988 کو علی گڑھ سے لکھے خط میں اس بات کی اطلاع دی کہ وہ قاضی عبدالودود کے خطوط کو یک جا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس معاملے میں خاں صاحب سے ادبی و علمی تعاون کی گزارش کر رہے ہیں۔ کیوں کہ انھیں قوی امید ہے کہ قاضی صاحب کے بہت سے خطوط غالب نامہ میں شائع ہوئے ہوں گے۔ یہ تمام خطوط مختار الدین صاحب کو مطلوب ہیں۔ اس خط میں انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے سات اراکین کی رکنیت کی مدت ختم ہونے کی اطلاع بھی دی گئی ہے اور ساتھ ہی عبدالمغنی، رام لعل اور خود مختار الدین صاحب کا خیال رکھنے کی بات رقم کی گئی ہے۔ خط ملاحظہ کیجیے:

''قاضی صاحب کے مکتوبات کی ترتیب میں لگا ہوا ہوں، افسوس ہے کہ آپ کے تعاون سے اب تک محروم ہوں۔ ان کے متعدد خطوط قومی زبان (مئی 1988) میں میں نے شائع کیے ہیں کچھ مزید خطوط غالب نامہ میں شائع ہو رہے ہیں۔ حواشی لکھ کر، اگر کوئی کمی رہ گئی ہو یا خاص بات ہو تو معلوم فرمائیے۔ رسالوں میں بہ طور نمونہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد یہی

ہے کہ مجھے آپ لوگوں کی رائے معلوم ہو سکے کہ ترتیب وتحشیہ کی ضرورت نہیں آپ کیا کہتے ہیں۔

انجمن سے اطلاع نامہ ملا ہوگا کہ ہم سات اراکین کی مدت رکنیت ختم ہوگئی ہے۔ کچھ مناسب نام پیش کر دیجیے اور حسب بیلٹ پیپر آئے تو ان کے حق میں رائے دیجیے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی اور رام لعل صاحب کا اور اگر گنجایش ہو تو میرا بھی خیال رکھیے۔ یہ دونوں حضرات اور اُردو کی ترقی بل کہ اس کی بقا میں کوششیں کر رہے ہیں۔ آپ سے مخفی نہیں۔''

مشفق خواجہ کے نام لکھے خطوط کی تعداد (دستیاب خطوط میں) سب سے زیادہ ہے۔ رشید حسن خاں اور مشفق خواجہ ایک دوسرے کے پکّے اور سچّے دوست اور خیر خواہ تھے۔ ادبی معاملات میں خط لکھ کر ایک دوسرے سے مشورے طلب کرنا دونوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ ڈاکٹر محمود احمد کاوش کی مرتب کردہ کتاب ''سلسلۂ مکاتبت'' [اشاعت 2021، فضلی سنز، کراچی، پاکستان] میں رشید حسن خاں کے مشفق خواجہ کے نام 105 خطوط شامل ہیں جب کہ مشفق خواجہ کے خاں صاحب کے نام لکھے خطوط کی تعداد 81 ہے۔ رشید حسن خاں کے خطوط کے جواب میں مشفق خواجہ نے سب سے پہلا خط 12 اکتوبر 1962 کو اور آخری خط 4 اپریل 2004 کو لکھا۔ مشفق خواجہ نے خاں صاحب کو مجموعی طور پر اکیاسی (81) خط تحریر کیے۔ خواجہ صاحب نے خاں صاحب کو 1962 میں ایک خط، 1966 اور 1967 میں تین تین خط، 1968 میں پانچ خط، 1974 میں دو خط، 1975 اور 1976 میں تین تین خط، 1977 میں دو خط، 1978 میں پانچ خط، 1979 میں چھے خط، 1980 میں دو خط، 1981، 1982 اور 1983 میں ایک ایک خط، 1984 میں تین خط، 1985 اور 1987 میں چار چار خط، 1990 اور 1991 میں ایک ایک خط، 1992 میں تین خط، 1993 اور 1994 میں ایک ایک خط، 1995 میں دو خط، 1996 میں ایک خط، 1997 میں چار خط، 1998 میں ایک خط، 1999 میں پانچ خط، 2000 میں آٹھ خط، 2001 میں تین خط اور 2004 میں ایک خط تحریر کیا ہے۔

رشید حسن خاں نے مشفق خواجہ کے نام لکھے خطوط میں اپنے گھر کے حالات سے لے کر بیٹوں کی علالت، ان کے روزگار اور بیٹی کی رخصتی، اپنی بیماریوں کا احوال، سفر کی دشواریوں وغیرہ کا تذکرہ دل چسپ انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے اُردو ادیبوں کی راز و نیاز کی باتیں خواجہ

صاحب سے خطوط میں کی ہیں۔خاں صاحب نے خواجہ احمد فاروقی، ابواللیث صدیقی، مالک رام، گوپی چند نارنگ وغیرہ کی ادبی کارگزاریوں کا کچّا چٹّھا اپنے خطوط میں کھولا ہے۔مالک رام کی مرتب کردہ کتاب ''غالب صدی اڈیشن'' پر رشید حسن خاں کا سخت تبصرہ شائع ہو چکا تھا۔جس کی وجہ سے ان دونوں کے تعلقات سرد مہری کا شکار ہوئے۔مشفق خواجہ نے خاں صاحب کے نام لکھے مکتوبات میں مالک رام پر سخت تنقید کرنے سے پرہیز کرنے کا مشورہ دیا۔15اپریل1975 کو لکھے مکتوب میں رشید حسن خاں نے مالک رام اور گوپی چند نارنگ کے ادبی سرقوں پر طویل گفتگو کرتے ہوئے مالک رام کو ادبی بے حیا قرار دیا۔موصوف کی کتاب ''اُردو املا'' کا مسودہ ترقی اُردو بورڈ نے رائے حاصل کرنے کی غرض سے گوپی چند نارنگ کے پاس بھیجا تھا،اسی زمانے میں نارنگ صاحب نے اس کا خلاصہ تیار کرکے املا نامہ کے نام سے کتاب بازار میں پیش کر دی۔خاں صاحب نے نارنگ صاحب کے اس غیر اخلاقی کارنامے کو منھ پر کالک پوتنے کے عمل سے تعبیر کیا ہے۔رشید حسن خاں کا یہ اہم خط ملاحظہ کیجیے:

> ''کم علمی، خوشامد، جوڑ توڑ؛ ان کی حکومت تو تھی ہی، اب ہمارے ادیب و محقق چوری کو شعار بل کہ پیشہ بنا رہے ہیں۔آپ نے خونِ جگر کھا کر کام کیا اور ایک صاحب نے اس کو مسخ کر کے، کسی اور نام سے اپنے نامۂ اعمال میں داخل کر لیا۔اب آپ چیختے رہیے۔مالک رام صاحب کا احوال آپ آج کل پڑھ ہی رہے ہوں گے کہ اُن کے اکثر کارنامے چوری کا مال ہیں۔اب اُن کا تازہ شاہ کار یہ ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب مرحوم کی روح کو صدمہ پہنچایا ہے، اِس طرح کہ اُن کی کتاب مرحوم دہلی کالج کو قدیم دہلی کالج کے نام سے چھاپ لیا ہے۔دعوا یہ کیا ہے کہ اُس پر اضافے کیے ہیں مگر حال یہ ہے کہ کل متن 47 صفحے میں آ گیا ہے، یہ اضافہ ہے۔کتابیات وغیرہ کو بڑھا کر 80 صفحے ہو گئے چلیے، ایک نئی کتاب کے مولف ہو گئے۔اس بے حیائی اور دیدہ دلیری کا کچھ ٹھکانا ہے؟ مہیش پرشاد مرحوم کی زندگی بھر کی کمائی خطوط غالب کو اس شخص نے اپنے نام سے چھاپ لیا۔آج کل اِس پر لے دے ہو رہی ہے۔اور لکھے پڑھے ہونے کا یہ عالم ہے کہ بھائی غالبؔ کے شعر کو صحیح نہیں پڑھ

سکتے۔ دیوانِ غالب کو مرتب کیا تھا، جو طومارِ اغلاط ہے۔ 70، 80 مصرعے
تو صرف ساقط الوزن ہیں۔ میں نے اِس پر تحریک کے غالب نمبر میں
نہایت مفصل تبصرہ کیا تھا۔ شاید آپ کی نظر سے گزرا نہیں۔
یہ حال تھا گرو کا، اب چیلے کا احوال سنیے۔ میری کتاب اُردو املا کا مسودہ
بورڈ نے گوپی چند نارنگ کے پاس بھیجا تھا رائے کے لیے، حضرت نے
اسی زمانے میں اُس کا خلاصہ تیار کر لیا اور پھر اُس کو رپورٹ کے عنوان
سے املا نامہ نام رکھ کر پیش کر دیا اور اب یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہ اُن کی
عمر بھر کی کمائی اور ریاضت کا نتیجہ ہے، جب کہ روزانہ میرے پاس نیاز
مندی کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ اس شخص نے جس طرح دوستی کے منھ پر
کالک لگائی ہے اور علمی سچّائی کو تباہ کیا ہے، اُس پر اب میں کیا کہوں۔ تو
صاحب یہ تو حال ہے ان فریب کاروں کا اور آپ کہتے ہیں کہ کلیات ناسخ
کو مرتب کرو۔ نا صاحب! میں باز آیا۔ اب یہ سوچا ہے کہ دن بھر جاسوسی
ناول پڑھو، شام کو کافی ہاؤس میں بیٹھو یا فٹ بال کا میچ دیکھو اور رات کو سو
رہو، بس۔ حاضری، جوڑ توڑ، چوری، منافقت، گروپ بندی میرے بس کی
نہیں، اور ان صفات کے بغیر اب کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔''

(سلسلۂ مکاتبت [رشید حسن خاں و مشفق خواجہ کی دوطرفہ مراسلت] مرتبہ ڈاکٹر محمود احمد کاوش، فضلی سنز، کراچی، اکتوبر 2021، ص 179 تا 182)

مذکورہ خط سے پہلے بھی رشید حسن خاں نے اُردو املا، املا نامہ اور گوپی چند نارنگ کی ادبی کارگزاریوں کے بارے میں 2 جنوری 1975 کو مشفق خواجہ کے نام تفصیل کے ساتھ خط لکھا تھا۔ خط ملاحظہ کیجیے:

''خواجہ صاحب! میں نے عمرِ عزیز کے دس سال اس موضوع کی نذر کیے ہیں، تب تفصیلات کو فراہم کر سکا ہوں اور املا کو ایک موضوع کی حیثیت سے پیش کر سکا ہوں اور آپ سے داد کا طالب ہوں:

حیف بر جانِ سخن گر بسخنداں نرسد

کیا اچھا ہو کہ آپ اس پر کہیں مفصل تبصرہ بھی کر دیں۔ نہ کہوں آپ سے تو

کس سے کہوں۔رسید کا انتظار رہے گا۔
ہاں صاحب، یہاں ایک صاحب نے اس پر ڈاکا ڈالا ہے اور دوستی کے
چہرے پر کالک پوتی ہے اور پُر فریب انداز سے اس کی تلخیص، رپورٹ
کے نام سے منسوب کی ہے،لعنت ہو اس غارت گری پر!''

(ایضاً،ص172)

رشید حسن خاں نے اپنے خطوط میں مشفق خواجہ کو مکرمی، مکرمی تسلیم، مکرمی سلام شوق، مکرمی سلام مسنون، مکرمی آداب، مکرمی خواجہ صاحب، سلام شوق، مشفق مکرم، برادرم ممکرم، محبّ مکرم، خواجہ صاحب، سلام و نیاز، آداب، خواجہ صاحب بندہ مکرم، مکرم بندہ، خواجہ بندہ نواز، محبی خواجہ صاحب وغیرہ القاب وآداب سے نوازا ہے۔اسی طرح مشفق خواجہ نے رشید حسن خاں کو محترمی ومکرمی تسلیم، محترمی ومکرمی تسلیمات، آداب، سلام مسون، محترمی ومکرمی خاں صاحب، میرے محترم، حضرتِ من آداب وغیرہ القاب وآداب سے مخاطب کیا ہے۔

مشفق خواجہ، خاں صاحب کو کراچی سے قومی زبان، رسالہ اُردو اور دیگر ادبی رسائل و جرائد ارسال کرتے رہتے تھے۔بعض رسائل وہ بھی ہوتے جن میں خاں صاحب کے مضمون شائع ہوتے تھے۔کئی بار ایسا بھی ہوا کہ مشفق خواجہ نے دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر کتابیں ارسال کیں اور خاں صاحب کو دست یاب نہ ہوسکیں۔28 نومبر 1967 کو مشفق خواجہ نے مذکورہ باتوں کو اپنے خط میں کچھ اس انداز میں لکھا:

''آپ نے گذشتہ چار پانچ برس میں کئی مکان بدل ڈالے۔اس وجہ سے
آپ کے پرچے اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔جبلی ہال کے پتے پر نیا
پرچہ (اُردو) بھیجا گیا ہے۔اُمید ہے ملا ہوگا۔اُردو نامہ شائع ہوگیا ہے،اس
میں آپ کا مضمون شامل ہے۔نوائے ادب والا مضمون بھی پڑھ لیا تھا۔''

رشید حسن خاں کے پاس بابائے اُردو مولوی عبدالحق کا تحریر کردہ ایک طویل خط موجود تھا۔اس خط کو مشفق خواجہ رسالہ اُردو میں شائع کرنا چاہتے تھے۔خاں صاحب نے یہ خط مشفق خواجہ کے حوالے کر دیا تھا لیکن اس خط کے شائع ہونے کی کوئی اطلاع اب تک نہیں مل سکی ہے۔اگر یہ خط شائع ہوگیا ہے تو احباب سے گزارش ہے کہ اس کی ایک کاپی راقم الحروف یا ڈاکٹر محمود احمد کاوش کے پتے پر ارسال کر دی جائے۔مشفق خواجہ نے 30 جنوری 1968 کو لکھے مکتوب میں

مذکورہ خط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

''مولوی صاحب کا ایک خط جو آپ کے پاس ہے،اس پر تمہید لکھ دیجیے۔ایک چھوٹا سا مضمون بن جائے گا۔اسے میں قومی زبان کے عبدالحق نمبر میں شائع کر دوں گا۔اصل خط بھیج دیجیے۔اس کا فوٹو چھاپ دوں گا۔''

مشفق خواجہ رشید حسن خاں کے تبحر علمی اور بحر زخار کے قائل تھے۔خاں صاحب کی کتاب ''اُردو املا'' جب انھیں موصول ہوئی تو انھوں نے کتاب اور ان کی علمیت اور اندازِ تحقیق کو سلام پیش کرتے ہوئے 18 جنوری 1975 کو لکھا:

''گرامی نامہ ملا اور پھر کتاب.... یہ کتاب سرسری طور میں نے اگست ہی میں دیکھ لی تھی۔میرے ایک دوست لائے تھے،مگر صرف ایک روز میرے پاس رہی تھی۔اب اسے پڑھنا شروع کر دیا ہے،نصف کے قریب ختم کر چکا ہوں۔آپ کی علمیت سے زیادہ اپنی جہالت کا احساس ہو رہا ہے،کیسے کیسے مفاہیم و مطالب سامنے آ رہے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے اور اسے آپ ہی انجام دے سکتے تھے۔اس کتاب کا یہاں خاصا چرچا ہے۔مولانا ماہر القادری صاحب سے ایک دن فون پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔شان الحق حقی بھی تعریف کر رہے تھے۔غرض جس کسی نے دیکھی ہے،وہ پسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے۔میں اس پر مفصل تبصرہ ان شاء اللہ ضرور لکھوں گا۔''

مشفق خواجہ، مالک رام کی ادبی خدمات کے معترف تھے۔وہ چاہتے تھے کہ رشید حسن خاں، مالک رام کی کتابوں پر تنقید سے پرہیز کریں۔دراصل درج ذیل خط ''اُردو تحقیق اور مالک رام'' از شاہد اعظمی، ناشر مکتبہ شاہ راہ، اُردو بازار، دہلی، اشاعت 1975 کے منظر عام پر آنے کے بعد لکھا گیا ہے۔اس کتاب میں ہندوستان کے مایہ ناز ادیبوں مثلاً قاضی عبدالودود، امتیاز علی خاں عرشی، رشید حسن خاں، ڈاکٹر محمود الٰہی، مغیث الدین فریدی، گوپال متل، ونود راج ڈھینگرا، مظفر حنفی، گیان چند جین، ایس.ایچ ترمذی، اندر جیت لال، عقیل حسن موسوی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر قمر رئیس، عتیق صدیقی، انور صدیقی اور سلمان احمد عرف رباب رشیدی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین مالک رام کی تصنیفات و تالیفات ''ذکر غالب، احوالِ غالب، دیوان غالب،

دیوانِ غالب صدی اڈیشن، غالب کا سفرِ کلکتہ، ،تلامذۂ غالب کی تاریخی غلطیاں،خطوطِ غالب، نیرنگ خیال اور ملک رام،تصانیفِ آزاد اور مالک رام،قدیم دلّی کالج، تذکرۂ معاصرین اور ترقی اُردو بورڈ کا لغت اور مالک رام'' پر لکھے گئے تھے۔خاں صاحب کے دو مضمون اس کتاب میں شامل تھے۔بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ کتاب خود رشید حسن خاں نے شاہد اعظمی کے فرضی نام سے تحریر کی تھی (اس تعلق سے ملاحظہ کیجیے راقم الحروف کا مضمون'رشید حسن خاں سے منسوب جعلی کتابیں'ایوان اُردو،اُردو اکادمی،نئی دہلی،فروری 2021 ص36 تا40)۔مشفق خواجہ نے 11 دسمبر 1976 کو لکھے خط میں اس کتاب کی جانب بھی خفیف اشارے کیے ہیں۔لکھتے ہیں:

''ہاں صاحب بیچارے مالک رام کے پیچھے آپ لوگ کیوں پڑ گئے۔وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں اور اب جان کا روگ بھی لگ جائے گا۔مجھے معلوم نہیں وہاں کے حالات کیا ہیں،لیکن اس ''اعزاز'' کے مستحق صرف وہی تو نہیں۔آخر خواجہ احمد فاروقی بھی تو ہیں۔آپ نے انھیں کیوں معاف کر دیا ہے۔مالک رام پر اس کتاب میں جو اعتراضات کیے گئے ،اُن میں خاصا وزن ہے،لیکن متفرق مضامین کو یک جا شائع کرنے سے یہ تاثر ملتا ہے جیسے مرتب سے ان کو ذاتی مخاصمت ہو۔اس تاثر کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے کہ چند اور محققوں کے بارے میں بھی ایسی کتابیں شائع کی جائیں۔یہ سلسلہ یقیناً ادب کے حق میں مفید ہوگا۔''

مشفق خواجہ نے 30 جنوری 1985 کو خاں صاحب کے نام لکھے مکتوب میں گزارش کی کہ آپ میرے قلم سے لکھیں تا کہ آپ کے قلم سے مالک رام صاحب کے خلاف کوئی تحریر نہ نکل سکے۔میرا دیا ہوا قلم میرے محبوب مصنفین کے خلاف بہ طورآلۂ حرب وضرب استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔

مشفق خواجہ کے دیرینہ دوست جمیل جالبی کی کتاب''تاریخ ادب اُردو'' کی پہلی جلد پر خاں صاحب کے تبصرے نے ادبی دنیا میں ہلچل پیدا کی۔اس تبصرے کے شائع ہونے سے پہلے مشفق خواجہ چاہتے تھے کہ اس تبصرے میں درآئی تنقیدی باتوں کو خاں صاحب کی اجازت سے تبدیل کر دیا جائے۔دراصل خواجہ صاحب نہیں چاہتے تھے کہ ان کے محبوب ادیب کی شخصیت اور ادبی فتوحات پر آنچ آئے۔6 اپریل 1978 کو لکھے مکتوب میں مشفق خواجہ رقم طراز ہیں:

''میں تبصرہ اس لیے منگوانا چاہتا تھا کہ اگر اس میں کوئی ایسی بات ہو جو جالبی

صاحب کی آزردگی کا باعث ہو تو اُسے آپ کی اجازت سے تبدیل کر دیا
جائے اور وہ بھی صرف انداز بیان کی حد تک۔ جہاں تک مطالب کا تعلق
ہے، ظاہر ہے کہ اُس میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی میں
اس لیے چاہتا تھا کہ آپ کا طنز کبھی کبھی تیر بے پناہ بن جاتا ہے اور اس وار کو
اچھے اچھے نہیں سہ سکتے۔

جمیل جالبی صاحب سے مجھے محبت ہی نہیں عشق ہے اور اس کا علم اُنھیں
خود بھی نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جو چند اچھے آدمی دیکھے ہیں، اُن
میں سے ایک وہ بھی ہیں۔ آپ یقین کیجیے کہ ایسا محنت کرنے والا کوئی
دوسرا شخص ہمارے ملک میں نہیں ہے اور کام سے عشق رکھنے والے اُن
جیسے آپ کے ملک میں بھی کم ہوں گے۔ اُنھیں دنیا بھر کی آسایشیں میسر
ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے کاموں کے سلسلے میں طرح طرح کی تکلیفیں
اُٹھاتے ہیں۔ جب میں انجمن میں تھا تو 55 لاکھ کے اس شہر میں وہ واحد
آدمی تھے جو انجمن کے کتب خانے سے استفادہ کرتے تھے۔ بس اسی لیے
میں یہ چاہتا تھا کہ اُن کی دل آزاری کا کوئی پہلو تبصرے میں نہ ہو۔ ویسے
اگر انھیں کوئی اُن کی غلطیوں سے آگاہ کر دے تو خوش ہوتے ہیں اور اپنی
غلطیوں پر شرماتے نہیں، اُن کا کھلے دل سے اعتراف کر لیتے ہیں۔ میں
نے اُن کی قدیم اُردو کی لغت پر اپنے ایک تبصرے میں بہت سے
اعتراضات کیے تھے اور یہ تبصرہ اُنھوں نے خود اپنے رسالے میں شائع کیا
تھا۔ اب تو تبصرہ چھپنے کو جا ہی چکا۔ چھپنا تو اسے ضرور چاہیے۔ رہی یہ بات
کہ آپ مجھے نہیں بھیج سکتے تو ظاہر ہے کہ اب یہ آپ کے بس کی بات نہیں
تھی۔ اس کا مجھے کوئی ملال نہیں بل کہ اس بات کی خوشی ہے کہ آپ میرا کتنا
خیال رکھتے ہیں۔ جس شخص کو آپ جیسا محبت کرنے والا مل جائے، اُسے
اور کیا چاہیے۔ اب آپ یہ کیجیے کہ جب یہ تبصرہ شائع ہو تو اس کا تراشہ
مجھے فوراً بھجوا دیجیے۔''

مشفق خواجہ نے اپنے مکتوبات میں فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری، شان

الحق حقی، تحسین فراقی وغیرہ کا ذکر بھی کیا ہے۔رشید حسن خاں کی دیرینہ خواہش تھی کہ مشفق خواجہ کی مرتب کردہ کتاب ''کلیات یگانہ'' کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔اس خواہش کا ذکر ان کے کئی خطوط میں کیا گیا ہے۔مشفق خواجہ نے ''کلیات یگانہ'' کو مرتب کرنے کے بعد خاں صاحب کے پاس روانہ کیا تھا۔رشید حسن خاں نے جب کراچی کا دورہ کیا تو وہ مشفق خواجہ کی مہمان نوازی کے قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔دونوں ادبی بزرگوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کو باعث افتخار گردانا۔خاں صاحب چاہتے تھے کہ خواجہ صاحب ان کی کتابوں پر چند کلمات تبصرے کی شکل میں تحریر کریں۔خاں صاحب کی کتابوں پر تبصرہ لکھنے کا وعدہ خواجہ صاحب نے کئی مکتوبات میں کیا ہے لیکن ابھی تک مشفق خواجہ کا کوئی ایسا تبصرہ منظر عام پر نہیں آ سکا ہے۔البتہ رشید حسن خاں نے خواجہ صاحب کی کتابوں پر جو تبصرے کیے وہ ''غالب نامہ''، نئی دہلی میں شائع ہوئے۔خواجہ صاحب چاہتے تھے کہ خاں صاحب کی غالب سے متعلق لکھی گئی تحریروں کو یک جا کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے۔اس اہم کام کے لیے رشید حسن خاں کی عمر نے وفا نہیں کی اور ان کا یہ کام نامکمل ہی رہا۔البتہ راقم الحروف نے مشفق خواجہ کی اس دیرینہ خواہش کا احترام کرتے ہوئے خاں صاحب کے غالب پر لکھے گئے مضامین کو ''رشید حسن خاں کی غالب شناسی'' سنہ اشاعت 2020 میں شامل کر دیا ہے۔

نورالحسن ہاشمی صاحب نے 10 جنوری 1974 کو لکھے خط میں رشید حسن خاں کو ان کی کتاب ''اُردو املا'' کے منظرِ عام پر آنے کی مبارک باد پیش کی ہے۔انھوں نے یہ بھی لکھا کہ عبدالستار صدیقی مرحوم ایک عرصے سے اس موضوع پر کام کر رہے تھے لیکن وہ بعض وجوہات کی بنا پر اسے مکمل نہ کر سکے۔ہاشمی صاحب اس بات پر خوش تھے کہ رشید حسن خاں نے اُردو املا کا انتساب ''عبدالستار صدیقی'' کو معنون کیا ہے۔موصوف کو گوپی چند نارنگ کی کتاب املا نامہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ترقی اُردو بورڈ نے رشید حسن خاں کی ضخیم و مفصل کتاب کے علاوہ انھیں (نارنگ صاحب) کو خلاصہ چھاپنے کی اجازت کیوں دی۔اس موقع پر خط کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے جس میں مذکورہ باتیں درج ہیں:

> ''عرصہ دراز کے بعد عنایت نامہ مورخہ 6 جنوری کا ممنون ہوں۔اُردو املا
> کی جلد جس دن مجھے ملی تھی اُسی دن میں نے ترقی اُردو بورڈ اور آپ کو
> شعبۂ اُردو کے پتے پر ایک ایک کارڈ شکریہ کے ساتھ رسید کا لکھ کر بھیج دیا

تھا۔آپ کے گھر کا پتا مجھے معلوم نہ تھا،نورانی صاحب کو بھی لکھا تھا کہ گھر کا پتا لکھیے۔مگر کل آپ کے خط سے آپ کے گھر کا پتا معلوم ہو سکا۔
آپ کی یہ کتاب واقعی بہت معرکے کی تالیف ہے اور اس پر آپ نے جتنی محنت شاقہ صرف کی ہے اُس کا اعتراف نہ کرنا نا سپاسی ہوگی۔یہ گوشہ باوجود نہایت ضروری ہونے کے عرصے سے تشنہ تھا۔عبدالستار صدیقی صاحب مرحوم نے واقعی اس طرف بڑی لگن اور بڑے مطالعے اور غور و خوض کے ساتھ کام کیا تھا لیکن کما حقہ پورا نہ کر سکے تھے کیوں کہ بعد میں اُن کے دماغی طور بہ سبب کہولت بہت کمزور ہو گئے تھے۔مجھے اس امر کی بھی نہایت مسرت ہے کہ آپنے اپنی یہ تالیف مرحوم صدیقی صاحب کے نام منسوب اور معنون کی۔واقعی اُن کی ذات اس کی بدرجہ اولیٰ مستحق تھی۔
آپ کی اس عرق ریزی سے یہ بھی فائدہ ہوگا اور ملا ہے کہ املا کے تمام نازک سے نازک مسائل سامنے آ گئے۔اس سے لوگ اختلاف بعض مقامات پر کر سکتے ہیں بعض ترمیمیں یا اضافے پیش کر سکتے ہیں یہ الگ بات ہے لیکن اُردو املا کا معاملہ مکمل طور پر یک جا تو ہو گیا۔یہی کیا کم ہے۔
(ہائے مختفی و ملفوظی کے متعلق میرا خیال بھی کچھ اور ہے جسے پھر آیندہ لکھوں گا) گوپی چند نارنگ کا املا نامہ دیکھ کر مجھے بھی تعجب ہوا تھا کہ ترقی اُردو بورڈ نے آپ کی ضخیم و مفصل اور مکمل کتاب کے علاوہ انھیں اپنے نام سے اس کا خلاصہ چھاپنے کی اجازت کیوں کر دے دی!یہ تو واقعی سراسر زیادتی ہے۔
آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے کہ مالک رام صاحب نے مہیش پرشاد مرحوم ہی کے مرتب کردہ خطوط چھپوا دیے،نہایت تعجب ہوا۔ان کے یہ خطوط میری نظر سے نہیں گزرے،اشتہار ضرور دیکھا تھا خیال تھا کہ انھوں نے اُن میں کچھ اضافے کیے ہوں گے یا کوئی اور طرف کی پہل کی ہوگی۔آپ نے تو عجیب حالات سنائے!
آخر میں مبارک باد کے ساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں،آپ کا یہ کارنامہ واقعی یادگار رہے گا۔ان شاءاللہ۔فقط والسلام۔''

رشید حسن خاں کے نام پروفیسر خواجہ حمد فاروقی کے لکھے تین خط انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کی آرکائیوز میں موجود ہیں۔ان خطوط میں تاریخ تو درج ہے لیکن سال ندارد ہے۔ البتہ دو خطوط میں ادبی باتیں رقم کی گئی ہیں۔ پہلے خط میں ڈاکٹر یوسف خاں صاحب کے مقالے ''غالب کا غم عزت اور غم روزگار'' کی نوک پلک سنوارنے کی بات تحریر ہے۔اسی خط میں علوی صاحب کے مقالے ''غالب کے زمانے کی ادبی فضا اور معرکے'' میں اضافے کی بات لکھی گئی ہے۔آخری خط میں کسی خاص مخطوطے اور اس کی نقل لانے کے علاوہ عزیزہ نزہت کی شادی کے کارڈ بھیجنے کی بات لکھی گئی ہے۔

اس موقع پر وفیسر گوپی چند نارنگ کے مضمون ''اے آگہی فریب تماشا کہاں نہیں'' جو خواجہ احمد فاروقی کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام، مرتب گوپی چند نارنگ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2010، ص 68 تا76 کو محیط ہے کا تذکرہ لازمی ہے۔ یہ مضمون اس کتاب میں ''ضمیمہ پنجم'' میں شامل کیا گیا ہے۔ نارنگ صاحب کی نظر میں خواجہ احمد فاروقی رشید حسن خاں کو نثار احمد فاروقی پر ترجیح دیتے تھے، جب کہ نثار احمد فاروقی ایم۔اے تھے اور عربی، فارسی، اُردو تینوں زبانوں میں استعداد رکھتے تھے۔گوپی چند نارنگ کی اطلاع کے مطابق پرفیسر خواجہ احمد فاروقی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے سامنے کربل کتھا (دہ مجلس) اور تذکرۂ میر کا نسخہ پیش کرنا چاہتے تھے۔کربل کتھا کا کام وقت پر مکمل نہیں ہو پا رہا تھا۔ جو افراد اس اہم کام میں شامل تھے انھیں بار بار اس کام کی اہمیت کی یاد دہانی کرائی گئی۔ جب خواجہ احمد فاروقی وسکانسن (امریکہ) چلے گئے تو وہاں سے انھوں نے گوپی چند نارگ کے نام کئی خطوط ارسال کیے جن میں کربل کتھا سے متعلق باتیں رقم کی گئی ہیں۔گوپی چند نارنگ اس بارے میں لکھتے ہیں:

> ''یہی زمانہ ہے جب خواجہ صاحب کو وسکانسن جانا پڑا۔خطوط سے اندازہ ہوگا کہ تمام کاموں میں جواب طلبی میری تھی جب کہ خواجہ صاحب کے بعد صدر شعبہ میں نہیں ظہیر صدیقی تھے۔ وہ بے چارے اللہ میاں کی گائے تھے اور خاں صاحب خوب جانتے تھے کہ ان کو کیسے ٹہلانا بہلانا ہے۔ یکم اپریل 1961 کو جب جواہر لال نہرو شعبۂ اُردو میں آئے تھے اور کربل کتھا (دہ مجلس) و تذکرۂ سرور (عمدہ منتخبہ) دونوں کتابیں نہایت اہتمام سے ان کو پیش کی گئی تھیں، تو درحقیقت دونوں کے متن نامکمل تھے۔

مقدمے بھی ابھی لکھے نہیں گئے تھے، نیز دہ مجلس کی فرہنگ کا کام پورا تو کیا ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا۔ زیرِ نظر خطوط میں بار بار کربل کتھا کا تذکرہ ہے اور یہ کربل کتھا کی فرہنگ کے اجزا شفیع الرحمٰن کو جامعہ بھجواؤں اور پھر ان سے لے کر علی گڑھ پہنچوا دوں تاکہ وہ فرہنگ کو حتمی شکل دیں۔ خواجہ صاحب کو جاتے وقت احساس تھا کہ رشید حسن خاں یونی ورسٹی کے کام کی طرف سے کچھ نہ کچھ بے نیازی برتنے لگے ہیں۔ خطوط سے ان کی فکر مندی ظاہر ہوتی ہے۔ وسکانسن پہنچنے کے ایک مہینے کے اندر اندر خواجہ صاحب 'دہ مجلس' کے بارے میں مضطرابہ پوچھتے ہیں:

''دہ مجلس کہاں ہے حضرت؟ رشید حسن خاں کی یہ حرکت مجھے پسند نہیں آئی۔ آپ فرمائیں تو میں ڈین اور وائس چانسلر کو لکھوں۔ حیرت ہے کہ لوگ ضمیر کی ذمہ داریوں کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ جو خط وائس چانسلر کو لکھا ہے اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ بالکل صیغہ راز میں ہے۔ اسے پڑھ کر میٹنگ کے بعد گلزار ابراہیم میں پہنچا دیجیے گا۔ ممکن ہے میرے خطوط وقت پر نہ پہنچیں اس لیے آپ بہر حال اپنی سی پوری سعی کیجیے۔'' (17 اکتوبر 1961)

سال بھر میں یہ کام نہیں ہوا تو مئی 1962 کے خط میں پھر لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں صاحب کے نام ملفوف ہے۔ اسے علاحدہ لفافہ میں بند کر کے (جو مرسل ہے) ان کے نام رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دیجیے۔ آپ کی معرفت جانا کسی طرح مناسب نہیں۔ میں بیوی کے خط میں بھیج دیتا لیکن اس وقت ان کو خط لکھ رہا اور میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ان کو مل جائے۔'' (اواخر مئی 1962)

ایک اور خط میں یہاں تک لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں جانا چاہتے ہیں تو بسم اللہ۔ میں آنے والے کا استقبال کرتا ہوں اور جانے والے کو روکتا نہیں۔ لیکن یہ بات غلط ہوگی کہ وہ جب تک یہاں رہیں اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے انجام دیں۔'' (20 نومبر 1961)

جون1962 کے خط میں لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں صاحب کو چھٹی کیوں دی گئی؟ یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ یہ معلوم کر کے کہ مخطوطہ ان کو دیا گیا ہے میں سو نہیں سکا۔ نارنگ صاحب ایک ایک بات کی باز پرس آپ سے ہوگی۔ میں کچھ نہیں جانتا۔''(2جون1962)

مذکورہ بالا خطوط سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رشید حسن خاں اور خواجہ احمد فاروقی کے تعلقات میں کشیدگی آ گئی تھی اور نارنگ صاحب کا جھکاؤ فاروقی صاحب کی جانب تھا۔لیکن یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خاں صاحب نے اسی زمانے میں نارنگ صاحب کے نام کئی خطوط رقم کیے۔ان خطوط کا مطالعہ ڈاکٹر ٹی.آر.رینا کی مرتب کردہ کتاب ''رشید حسن خاں کے خطوط'' سنہ اشاعت 2011 اور 'مشاہیر کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام' جلد دوم (دوسرا اڈیشن 2019) میں کیا جا سکتا ہے۔آخر کیا وجہ رہی کہ نارنگ صاحب نے خاں صاحب کی کتابوں کے مسودوں پر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی سے ملنے والی مالی امداد کی مخالفت کی۔اس بات کا تذکرہ شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی تقریر میں کیا ہے۔اُردو املا اور املا نامہ کے قضیے کو بھی اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ بہر کیف اب خاں صاحب، نارنگ صاحب اور شمس الرحمٰن فاروقی ہمارے درمیان نہیں ہیں۔البتہ ان تینوں ادبی بزرگوں کے خطوط ہی اس معاملے میں ہماری بہتر رہنمائی کر سکتے ہیں۔

شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی لاہور کے ڈاکٹر محمد سعید نے اپنی تحقیق کا موضوع ''رشید حسن خاں اور اُن کی علمی و ادبی خدمات'' (تحقیقی تنقیدی جائزہ) کو بنایا۔موصوف نے ڈاکٹر طاہر تونسوی (ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرنگ اور صدر نشین صدر شعبہ اُردو، جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد) کی زیرِ نگرانی 2012-2009 کو اپنا تحقیقی مقالہ مکمل کیا۔انھوں نے 16 دسمبر 2012 کو ڈاکٹر جاوید رحمانی کے نام ایک خط ارسال کیا۔اس خط میں محمد سعید نے رشید حسن خاں سے متعلق 34 سوالات پر مشتمل ایک تفصیلی سوال نامہ ''بہ سلسلہ رشید حسن خاں'' ارسال کیا۔ڈاکٹر جاوید رحمانی اس وقت انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے وابستہ تھے۔خاں صاحب کی وفات کے بعد جاوید رحمانی اور ڈاکٹر محمد آفتاب اشرف کی مرتب کردہ کتاب ''رشید حسن خاں کچھ یادیں کچھ جائزے'' 2008 میں منظرِ عام پر آئی۔اس کتاب کے صفحہ 12 پر مرتبین نے رشید حسن خاں کے

تنقیدی شعور پر سوالیہ نشان قائم کیے ہیں اور صفحہ 15 پر تاریخ ادب اُردو علی گڑھ پر خاں صاحب کے شائع ہوئے تبصرے کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ اس سلسلے کی ایک اور بے حد اہم حقیقت پردۂ خفا میں ہے، وہ یہ کہ رشید صاحب نے اس تاریخ پر اتنا سخت مضمون اس لیے نہیں لکھا کہ وہ تاریخ واقعی اتنی ہی ناکارہ تھی بل کہ اس لیے وہ اس سلسلے میں اپنی تقرری کے خواہاں تھے جب کہ پروفیسر آل احمد سرور نے نذیر احمد کو لکھنؤ سے بلایا۔ انھیں باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے محمد سعید نے جاوید رحمانی کے نام خط لکھا۔ وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''لاہور

16 دسمبر 2012

عزیز گرامی قدر جناب جاوید رحمانی!

السلام علیکم!

اُمید ہے مزاج بہ خیر ہوں گے۔ ایک سوال نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ ان میں سے جن سوالات کے جوابات آسانی سے ممکن ہو سکیں ضرور دیجیے ممنون ہوں گا۔ اُمید ہے مفصّل جوابات سے نوازیں گے۔ اگر ممکن ہو تو خاں صاحب کی آڈیو، ویڈیو اور اُن کی کچھ تصاویر بھی بھجوا دیجیے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی اور دوردرشن وغیرہ کے اسکرپٹ روم سے خاں صاحب کے مسودات کی نقل مل سکے یا کم از کم اُن کے رجسٹروں سے ان تحریروں کا ریکارڈ ہی مل جائے۔ خاں صاحب کے بارے میں اپنی مرتبہ کتاب کے مقدمے میں آپ نے لکھا کہ رشید حسن خاں علی گڑھ یونی ورسٹی میں ملازمت کے اُمید وار تھے، اس کا کیا ماخذ ہے؟ نیز یہ کہ کیا یہ مقدمہ صرف آپ نے لکھا؟ مجھے یہی لگا کہ دوسرے مرتب کا اس میں حصّہ نہیں۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی صاحب نے ای میل کا جواب نہیں دیا۔ کیا اُن کا موبائل نمبر آپ عنایت کر سکتے ہیں۔ گاہے گاہے آپ کو زحمت دیتا رہتا ہوں سوائے اس کے چارہ نہیں۔ اُمید ہے ایسی زحمت بارِ خاطر نہیں ہوگی۔''

مسرّت کی بات یہ ہے کہ خط جاوید رحمانی کے نام لکھا گیا ہے لیکن جوابات انجمن ترقی اُردو

کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی نے دیے ہیں۔ خط پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے۔ مذکورہ بالا خط اور سوال نامے کے جواب خود ڈاکٹر اطہر فاروقی نے راقم کو پیش کیے۔ ڈاکٹر محمد سعید نے بھی اس خط کی ان پیج فائل احقر کی میل پر 13 فروری 2021 کو روانہ کی۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی نے محمد سعید کے سوال نامے کے بارے میں لکھا:

''مکرمی و محترمی محمد سعید صاحب!

السلام علیکم

آپ کا خط موصول ہوا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ''رشید حسن خاں اور اُن کی علمی و ادبی خدمات'' کے موضوع پر پی ایچ.ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں جو کہ تکمیل کے قریب ہے۔

آپ نے رشید حسن خاں سے متعلق جو سوال نامہ بھیجا ہے، میں اُن سبھی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن بہتر ہوگا کہ آپ اِن جوابات اور معلومات کی دیگر ذرائع سے بھی تصدیق کر لیں۔

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔''

نیاز مند

(اطہر فاروقی)

ڈاکٹر محمد سعید کے ارسال کردہ سوال نامے کا جواب شامل کتاب ہے۔ اس کے مطالعے سے کئی چونکانے والے خلاصے ہوئے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر اطہر فاروقی نے یہ بھی لکھا کہ میں جو بیان کر رہا ہوں اس کی تصدیق معتبر ذرائع سے ضرور کر لیں۔

اس موقع پر میں ڈاکٹر ذاکر حسین (سابق صدر جمہوریہ ہند) کے خط کا تذکرہ کرنا چاہوں گا۔ خط کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں اور ذاکر حسین کے مابین مراسلت تھی۔ ذاکر صاحب ایک سیاسی رہنما اور ادیب ہونے کے علاوہ ادیبوں بالخصوص اُردو ادیبوں کی قدر کرتے تھے۔ ذاکر صاحب نے گورنر بہار رہتے ہوئے ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی مرتبہ کتاب ''اُردو شاعری کا انتخاب'' (ناشر: ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی) پر رشید حسن خاں کا تبصرہ پڑھنے کے بعد خط لکھا تھا۔ اس خط میں ذاکر صاحب نے خاں صاحب کے تبصرے اور تحقیقی کاوشوں کی خوب ستائش کی ہے۔ خط ملاحظہ کیجیے:

راج بھون، پٹنہ

17اکتوبر1961

مکرم۔تسلیم

نوازش نامہ ملے ہوئے کوئی چھے مہینے ہوئے۔معافی چاہتا ہوں کہ بر وقت رسید نہ بھیج سکا۔ساہتیہ اکاڈمی کی کتاب ''اُردو شاعر کا انتخاب'' مجھے مل چکی تھی۔مگر اسے دیکھنے کا موقع نہ نکال سکا تھا۔آپ کا ریویو ملنے پر اسے بھی دیکھا۔اور اگر چہ تاریخ ادب اُردو سے بہت ہی مبتدیانہ واقفیت رکھتا ہوں اور حکم لگانے اور حکم بننے کا مطلق اہل نہیں ہوں۔یہ ضرور فکر کرتا ہوں کہ آپ نے بے باک تنقید کی ہے اور اس کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے۔میں اس مہینے کے آخری ہفتے میں دہلی جاؤں گا اور وہاں اکادمی کے کارکنان سے ملاقات بھی ہوگی۔انھیں اس طرف ضرور متوجہ کروں گا۔

ہمارے یہاں تبصرہ نگاری کا حق معمولی سا ادا نہیں کیا جاتا۔لوگ موافق اصراف پر لکھتے ہیں۔لیکن آپ نے جس تحقیق اور اور محنت سے تبصرہ کیا اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔والسلام

مخلص

ذاکر حسین

مشاہیرِ ادب کے خطوط بہ نام رشید حسن خاں سے بہت سی علمی و ادبی باتیں اور مباحث منظرِ عام پر آئے ہیں۔اب تک ہم نے صرف اور صرف خاں صاحب کے لکھے ہوئے خطوط کا ہی مطالعہ کیا ہے۔سوال در جواب کی صورت میں اگر ہم ان مکتوبات کا مطالعہ کریں تو عین ممکن ہے بہت سی علمی و ادبی گتھیاں سلجھانے اور کڑیاں جوڑنے میں ہمیں آسانی ہوگی۔اوّل تو یہی بات سب سے اہم ہے کہ خاں صاحب کے نام لکھے ہوئے مکتوبات کو انجمن ترقی اُردو (ہند) میں محفوظ کیا گیا ہے۔اب تک یہ بات مشہور تھی کہ خاں صاحب اپنے نام آئے خطوط کو جواب دینے کے بعد تلف کر دیتے تھے۔اگر تلف کر دینے کی بات کو سچ تسلیم کر لیا جائے تو یہ خطوط کیوں کر محفوظ رہے؟ ساتھ ہی ہمیں خلیق انجم صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام کو انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز میں محفوظ کیا۔جن صاحبان کو

مکتوباتی ادب میں دل چسپی ہے انھیں چاہیے کہ وہ ایک بار انجمن ترقی اُردو (ہند) کے آرکائیوز ضرور تشریف لے جائیں اور وہاں اپنے مطلب کے خطوط کی ورق گردانی کے ساتھ مطالعہ کریں۔

رشید حسن خاں کے نام لکھے مشاہیرِ ادب کے خطوط کی یہ پہلی کاوش ضرور ہے آخری نہیں۔میں چاہتا ہوں کہ جن حضرات کے پاس خاں صاحب کے نام لکھے مکتوبات ہیں انھیں منظرِ عام پر لایا جائے۔اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اُردو ادب کا بیش قیمت مکتوباتی سرمایہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔راقم الحروف نے اس ضمن میں لوگوں سے ٹیلی فونک اور دوبدو رابطہ قائم کیا۔انھوں نے راقم کو صبر کا دامن تھامنے کا مشورہ دیا۔

''مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام'' کو منصۂ شہود پر لانے میں جن علم نواز حضرات نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے تعاون پیش کیا ان میں ڈاکٹر اطہر فاروقی (جنرل سکریٹری، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی)، ڈاکٹر ادریس احمد (ڈائرکٹر غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی)، ڈاکٹر محمد سعید (جی سی یونی ورسٹی، لاہور)، ڈاکٹر رفاقت علی شاہد، (لاہور)، ڈاکٹر محمود احمد کاوش (پاکستان)، فاران نظامی، (پاکستان)، پروفیسر اسلم جمشید پوری، ڈاکٹر عمیر منظر، ڈاکٹر محضر رضا، ہاشم رشیدی، عبدالرشید، عارف محمد خاں، محمد ساجد، محمد غلام مصطفیٰ، ڈاکٹر خالد ظہیر، ڈاکٹر خالد ظفر وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اس موقع پر ڈاکٹر اطہر فاروقی کا خصوصی شکریہ ادا کرنا لازمی ہے۔16 دسمبر 2022 کو غالب انسٹی ٹیوٹ میں، تقسیمِ غالب انعام 2022 کے موقع پر موصوف سے راقم نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اگر آپ چاہیں تو ''مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام'' انجمن ترقی اُردو (ہند) سے شائع ہو سکتی ہے۔انھوں نے فوراً ہی اس کتاب کو شائع کرنے کی رضامندی کا اظہار کیا اور اس تعلق سے محمد ساجد سے رابطہ قائم کرنے کا مشورہ دیا۔غالب انسٹی ٹیوٹ کے احاطے میں انجمن کے بک اسٹال پر محمد ساجد سے ملاقات کے دوران راقم نے مذکورہ بالا باتوں کا تذکرہ کیا۔انھوں اس بات کا خوشی کا اظہار کیا کہ رشید حسن خاں کے نام لکھے مشاہیر کے خطوط کو انجمن شائع کرے گی۔اس سے قبل بھی انجمن راقم کی کتاب ''اُردو املا: مسائل و مباحث [رشید حسن خاں کے حوالے سے]'' 2022 میں شائع کر چکی ہے۔دراصل ڈاکٹر اطہر فاروقی، رشید حسن خاں سے والہانہ عقیدت اور شغف رکھتے ہیں۔ان دونوں کے مابین خط و کتابت کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے۔ڈاکٹر اطہر فاروقی کے نام لکھے خاں صاحب کے خطوط منظرِ عام پر آ چکے ہیں لیکن اطہر صاحب کے پاس خاں

صاحب کے نام لکھے خطوط کا کوئی عکس موجود نہیں۔

خطوط کو جمع کرنے اور انھیں منظر عام پر لانے کا کام بہت ہی صبر آزما ہوتا ہے۔ میں نے خطوط کے پروف کو بار بار پڑھا ہے۔ بعض خطوط کے کاغذ اتنے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ ہاتھ لگانے سے تلف ہونے کا خطرہ لاحق ہے۔ اس لیے کئی خطوط کی عبارتیں پڑھنے میں بہت ہی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ البتہ مجھے اپنی کم علمی اور کم مائیگی کا اعتراف ہے۔ اگر کہیں پروف کی غلطیاں یا حواشی میں کوئی اہم بات کے چھوٹنے کا اندیشہ نظر آئے تو قارئین سے مودبانہ التماس ہے کہ وہ اس جانب احقر کی توجہ ضرور مبذول کرائیں تا کہ آیندہ اڈیشن میں انھیں درست کیا جا سکے۔ آپ کی دعاؤں کا طالب:

خادمِ اُردو

ابراهیم افسر

نگر پنچایت سِوال خاص، میرٹھ (یو. پی) 20 اپریل 2024

❁❁❁

منظوم خراجِ عقیدت

رشید حسن خاں
شاہ جہاں پور (یو. پی)

(1)
فائدہ جس سے اُردو کو بے حد ہوا
وہ رشیدِ حسن خاں بھی چل بسے
کوثر امروہی یہ سالِ رحلت لکھو
لو رشیدِ حسن خان ہی چل بسے
1439ھ

(2)
خیر مقدم کیا ادیبوں نے
آئے جنت میں جب رشید حسن
کوثر امروہی سالِ فوت لکھو
خلد میں پہنچے اب رشید حسن
1439ھ

(3)
رشیدِ حسن خان اُردو کے عاشق
ہوئے دارِ فانی سے افسوس رخصت

لکھو مصرعِ سالِ رحلت یہ کوثر
رشیدِ حسن خان کی نیز رحلت

2018

(اختتام، 1442ھ ، مجموعۂ قطعاتِ تواریخِ وفات، 1984 تا 2021،کوثر امروہوی ص210 تا211)

❁❁❁

مشاہیرِ ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام

آسی ضیائی بہ نام رشید حسن خاں

میں ادارہ سیّارہ کا ممنون ہوں کہ میرے ایک مقالے 'اُردو مصادر کی تبویب' پر جناب رشید حسن خاں کے اعتراضات کو قبل از اشاعت مجھے مطالعہ کا موقع دیا اور اس طرح ان کے اعتراضات اور میرے جوابی معروضات بیک وقت ناظرین کے سامنے آ کر انھیں اپنی رائے قائم کرنے میں مدد دیں گے۔

خاں صاحب کا پہلا اعتراض ہے کہ میں نے اسی مقالے میں ''عربیت'' زدہ اصطلاحات وضع کی ہیں اور اس طرح میرا سلوک اُردو کے ساتھ ایسا ہے جیسے یہ عربی کا ضمیمہ ہو۔ اگر عربیت زدہ اصطلاحات استعمال کرنا اُردو کے ساتھ عربی کا ضمیمہ جیسا سلوک کرنا ہے تو یہ سلوک ہمارے سابق قواعد نویس بھی کرتے آئے ہیں۔ آخر آج تک ہم اُردو کی جو صرف ونحو پڑھتے آئے ہیں ان میں سے کون سی اصطلاح عربیت زدہ نہیں؟ فعل، فاعل، مفعول، ضمیر، صلہ، معرفہ، نکرہ، متعدی، لازمی، عطف، فجائیہ، استفہامیہ۔ کہاں تک گنا جائے۔ یہ تمام الفاظ جو بہ طور اصطلاحات اُردو میں استعمال ہوتے آئے ہیں۔ وہ سبھی نہ صرف عربی ہیں بل کہ تمام وکمال عربی قواعد سے جوں کے توں لے لیے گئے ہیں۔ بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی ''قواعدِ اُردو'' آج تک اُردو کی سب سے مستند کتاب اس موضوع پر مانی جاتی ہے اور خود مولوی صاحب بھی اُردو میں عربیت کے سخت نکتہ چیں تھے۔ مگر انھوں نے بھی اس کتاب میں ایک آدھ سنسکرت اصطلاح کے سوا عربی الفاظ ہی سے اپنی فہرستِ اصطلاحات تیار کی ہے۔ بل کہ صرف ونحو کے علاوہ قواعد وعروض میں بھی ہمارے علما نے ساری اصطلاحات عربی ہی کی باقی رکھی ہیں۔ بحروں میں ہزج، رمل، متقارب، وغیرہ اوزان میں مثمن مقصور، مسدس محذوف وغیرہ اور ارکانِ بحر میں فاعلن، مفاعیلن، وغیرہ۔ ان میں سے کون سی اصطلاح یا نام ہے جو عربی اور عربیت زدہ نہیں؟ پھر اگر میں نے بھی اسی سنتِ سلف پر عمل کیا تو موردِ عتاب کیوں؟ کیا صرف اس لیے کہ اس سے پہلے قواعد کے اس موضوع کا باب کھولا نہیں گیا تھا؟

عربی اصطلاحات کا یہ فراخ دلانہ استعمال اُردو سے پہلے فارسی کے قواعد نویسوں نے

بھی روا رکھا ہے۔ وہاں بھی انھی فعل، فاعل، مفعول وغیرہ ہی سے کام چلایا جا رہا ہے۔ پھر جناب معترض اس حمام میں مجھے بھی ننگا سمجھ کر درگزر فرما دیں۔

اس کے بعد جنابِ معترض نے بتایا ہے کہ اُردو مصادر پر یہ کام کرنے والا میں پہلا شخص نہیں، مجھ سے پہلے بھی بحر لکھنوی وغیرہ یہ کام کر چکے ہیں۔ میں اس بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا کہ مجھ سے پہلے کیے جانے والے کاموں کی نوعیت کیا تھی اور میرا کام ان بزرگوں سے کہاں تک مختلف ہے۔ البتہ اگر میری اولیت نہ بھی مانی جائے تب بھی سوال یہ ہے کہ جس کام پر میں سزا وار ملامت ہوں وہی کام قدما کریں تو موردِ الزام کیوں نہ بنیں؟ ایں گناہسیت کہ در شہرِ شما نیز کنند۔

رہی یہ بات کہ فعیا، فعوا وغیرہ جیسے غیر مانوس الفاظ کی طرف اُردو کے طلبہ متوجہ نہ ہوں گے تو عرض ہے کہ کوئی بھی علم و فن ہو، اصطلاحات ہمیشہ نامانوس ہی ہوا کرتی ہیں۔ میں نے جب انٹر میڈیٹ کا طالب علم بن کر علم نباتات پڑھنے کا آغاز کیا تو سب سے پہلے ہی جس لفظ سے ''ملاقات'' ہوئی وہ تھا Gynandropsis Pentapylla۔ اب ذرا اس جناتی قسم کے لفظ کی ہیئت اور تلفظ پر غور فرمایئے کہ یہ کس زبان کے طلبہ کے لیے مانوس ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد تو تانتا بندھ گیا اور دو سال ہمیں اسی طرح کے الفاظ نہ صرف پڑھنا بل کہ رٹنا اور ان کے مفاہیم و خصوصیات یاد رکھنا پڑے۔ چند مزید الفاظ ملاحظہ ہوں (ان میں علمِ حیوانات کے اصطلاحی نام بھی شامل ہیں):

1. HIBISCUS ROSA CYNANCIS
2. ALEUROLOBUS BARODENSIS
3. DYSDERCUS SINGULATUS
4. PTHOROEM EA OPERCULELLA
5. LEPTOCORIZA VARICORNIS

وغیرہ وغیرہ۔

میرے خیال میں میری وضع کردہ اصطلاحات مندرجہ بالا ناموں سے زیادہ خوف ناک نہیں ہیں۔ پھر یہ کہ میں نے کم از کم یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ تبویب کی تمام اصطلاحات دستور کے مطابق ''فعل (ف ع ل) ہی سے مشتق ہوں۔ جیسا کہ علم عروض میں ماہرین نے فعلن، فعلون، فاعلن، متفاعلن وغیرہ تمام اوزان اس ایک ہی مادّہ سے اخذ کر کے وضع کیے ہیں اور اگر جنابِ معترض کو یہ الفاظ پھر بھی کریہہ لگیں تو ان کے بدلے کچھ دوسری آوازوں کی ترکیب سے یہ نام وضع

کرلیں، جیسا کہ انشاء نے جدت طرازی کی تھی کہ بحروں کے اوزان اس طرح بدل دیے تھے:

فعولن فعولن فعلون فعلون

پری چھم پری چھم پری چھم پری چھم

فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن

چت لگن پری خانم چت مگن پری خانم

مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن

بی جان پری خانم، بی جان پری خانم

ترازو کے باٹ چاہے لوہے کے ہوں یا سونے کے۔ اگر صحیح وزن دیں تو کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔ یہی حال ان اوزان کا ہے۔ آپ ''فعل'' کے بجائے کوئی اور لفظ اختیار کرلیجیے۔ یہ کوئی سرکاری فرمان تو نہیں کہ انھی الفاظ میں نافذ ہو۔

رہا ان کا یہ فرمانا کہ یہ کوشش ایک سادہ سی چیز کو خواہ مخواہ مشکل بنانا اور طلبہ کو غیر ضروری اوزان کے بارِ گراں کے تلے دبانا ہے تو گزارش ہے کہ قواعد کا یہ مبحث ابتدائی یا ثانوی طلبہ کے لیے ہے ہی کب؟ یہ تو اُن حضرات کے ذوق کی چیز ہے جو اعلا تعلیم سے بھی آگے نکل چکے ہوں۔ عام سادہ قواعد، جو مبتدیوں کو پڑھائی جاتی ہے اس میں ایسے دقیق مباحث شامل نہیں کیے جاتے، لیکن علم و تحقیق کا کام کسی ایک حد پر رُک نہیں جاتا۔ ہم نے عربی قواعد پڑھنے کی ابتدا بچپن میں میزان ''مُنشعب'' اور ''صرفِ میر'' وغیرہ جیسی کتابوں سے کی تھی۔ بعد میں جوں جوں اگلی جماعتوں کے نصاب پڑھنے کے قابل ہوئے تو کافیہ اور پھر شرح جامی جیسی دقیق کتابوں کے پل صراط سے بھی گزرنا پڑا۔ جن میں صرف و نحو کے ایسے حیرت انگیز اور ''دماغ نچوڑ'' مباحث شامل ہیں کہ لوہے کے چنے چبانا بھی شاید ان کو سمجھنے کی نسبت آسان ہو۔

خاں صاحب کا یہ فرمانا بھی تعجب خیز ہے کہ ''کیا ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُردو کا ہر طالبِ علم پہلے عربی پڑھے پھر اُردو شروع کرے....الخ...اگر عام گرامر میں ہم اُردو کے طالب علم کو اسم، فعل، حرف، صفت، ضمیر، مبتدا، خبر، جملہ فعلیہ اور انشائیہ، جار، مجرور، وغیرہ تمام عربی اصطلاحات، سکھانے کے باوجود یہ نہیں کہتے کہ پہلے طالب علم عربی پڑھے تو بابِ ثلاثی، رُباعی، خماسی جیسے گنتی کے چند نام اور سکھا دینے سے یہ الزام ہم پر کس طرح عاید ہو جائے گا؟ ممکن ہے، آج کل بھارت میں نام نہاد ہندی کے چلن کی بدولت اُردو قواعد بھی سنسکرت اصطلاحات میں سکھائی جا رہی ہو۔ اس لیے چند مزید عربی اصطلاحات بھی طلبہ کے لیے سیکھنا مشکل ہو گیا ہو۔ اس

صورت میں، میں مشورہ دوں گا کہ وہاں آپ ان مباحث میں عربی کی جگہ سنسکرت مترادفات سے کام چلا لیجیے۔ ہمارا اصرار ان ناموں پر نہیں کہ ان کے بغیر یہ بحث ہی غلط ہو جائے گی۔ آپ اصطلاحات کا پورا پینل بدل دیجیے۔ مگر مباحث کی اہمیت اور قدر و قیمت سے تو انکار نہ فرمائیے۔

اس کے بعد فاضل معترض نے ''عجیب عجیب مادّے'' جمع کرنے پر نکیر کی ہے اور اس میں سے ایک مثال ''سردیا'' (سردی کھانا) دے کر پوچھا ہے کہ یہ کون سا مادّہ ہے؟ مگر آگے چل کر خود ہی جواب بھی دے دیا ہے کہ ''سردیانا'' ایک مصدر ضرور ہے۔ یہ ''سردی'' سے بنا ہے...الخ۔ پھر اس میں یہ اعتراض کی کیا بات ہے۔ غالباً ان کا یہ اعتراض اس پر ہے کہ میں اس مصدر میں سے علامتِ مصدر ''نا'' حذف کر دی ہے (یعنی ''سردیانا'' کے بجائے صرف ''سردیا'' لکھا ہے) تو اس کی وضاحت میں مقالے کی ابتدا میں کر چکا ہوں کہ مصادر کی جتنی مثالیں اس مقالے میں دی گئی ہیں اُن سے علامتِ مصدر حذف کر دی گئی ہیں۔ لہٰذا پڑھنے والے کو ہر مصدر میں علامت مصدر ''نا'' آپ سے آپ شامل کر لینا چاہیے۔

سب سے دل چسپ اعتراض آخر میں آتا ہے کہ اُردو میں مصادر کو ابواب میں تقسیم کرنا ضروری نہیں، یہ ضابطہ بندی عربی میں تو ہوگئی لیکن فارسی اور اُردو میں اس کی ضرورت نہیں۔ اگر علمی کاوشوں میں ضرورت وافادیت کا فلسفہ دخیل ہو جائے تو دنیا کی یونی ورسٹیوں کا تحقیقی کاروبار کم وبیش بالکل ہی بند ہو جائے۔ کم از کم ادب وزبان کے میدان میں تو تحقیق اور ریسرچ کی بساط ہی لپیٹ دینی چاہیے۔ بابائے اُردو نے قدیم دکنی زبان کی جتنی کتابیں نہایت دماغ سوزی کر کے دریافت کیں اور انھیں نہایت دیدہ ریزی سے پڑھا اور پھر انھیں چھپوا کر عام کیا، یہ سب کاوشیں اور جاں کاہیاں آخر کس مصرف کی؟ ان پرانی کتابوں کے دوبارہ روشنی میں آجانے سے کیا فائدہ ہوا؟ کیا لوگ پھر دکنی زبان بولنے لگے؟ یا ان کتابوں کی بیاض میں سے کچھ طبِ قدیم کے تیر بہ ہدف نسخے حاصل ہو گئے؟ یا ان کے مطالعے سے نجاتِ اُخروی پا جانے کا یقین ہو گیا؟ کسی تحقیقی کام پر خاں صاحب جیسے فاضل کا یہ تحقیر آمیز تبصرہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر فارسی اور اُردو میں مصادر کی باب بندی کی ضرورت نہیں تو بہ حیثیت مجموعی پوچھا جا سکتا ہے کہ مطلق صرف ونحو قواعد مرتب کرنا بھی کیا ضروری ہے؟ اہلِ زبان تو قواعد سیکھے بغیر ہی اپنی زبان درست بولتے ہیں اور غیر اہلِ زبان ان اہلِ زبان کی گفتگو سُن سُن کر اپنی اصلاح کر سکتے ہیں۔ پھر آخر ہر زبان میں قواعد کیوں مرتب کی جاتی ہے؟ اور اگر عربی میں اس کی ضرورت ہے تو اُردو اور فارسی میں کیوں ضرورت نہیں؟

بے شک میں نے کہا تھا کہ فارسی اور انگریزی میں مصادر کے یہ ضابطے موجود نہیں ہیں لیکن

ان کی عدم موجودگی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان کی ضرورت نہیں۔ بل کہ ان زبانوں کے افعال بجائے خود کسی ضابطے کے پابند نہیں۔ لیکن اگر مجھے تحقیق اور مشاہدے سے یہ معلوم ہوا کہ اُردو افعال بھی عربی افعال کی طرح بعض ضابطوں کے پابند ہیں تو ان ضابطوں کو دریافت اور مرتب کر کے اہلِ علم کے سامنے لا رکھنا کوئی جرم بھی نہیں۔ پچیس تیس سال قبل میرے ایک شاگرد نے وؔلی دکنی کی تاریخِ ولادت متعین کرنے کے لیے کم و بیش ایک سال ریسرچ میں لگا دیا اور کئی مقالات کے ذریعے اپنی تحقیقات کے نتائج اہلِ علم کے سامنے لا رکھے۔ اب افادیت وضرورت کے فلسفے کو معیار ماننے والا کوئی دانشوران سے بیزار ہو کر کہہ سکتا تھا کہ بالفرض، وؔلی کی صحیح تاریخِ ولادت متعین ہو بھی گئی تو ان کا فائدہ کیا ہوا؟ اور کیا فرق پڑتا ہے اس سے کہ وہ دو سال پہلے پیدا ہوئے تھے یا چار سال بعد؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب اُس محقق غریب کے پاس کچھ نہیں۔ یہی میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ اگر اُردو مصادر بعض ضابطوں کے پابند ہیں اور میں نے وہ ضابطے دریافت اور مرتب کر لیے تو واقعی اس تحقیقی کام کی افادیت کچھ بھی نہیں۔ یہ نہ ریڈیم جیسی مفید دھات کی دریافت کی مانند کارآمد تحقیق ہے اور نہ پنسلین جیسی دوا کی طرح بہت سی مہلک بیماریوں کے لیے باعثِ شفا۔

البتہ میرے نزدیک اس تبویب کی ایک ضرورت تھی اور وہ یہ کہ اگر آیندہ اُردو میں زیرِ استعمال اسما سے افعال بنانے کا عمل جاری کیا جائے (جیسا کہ پہلے بھی ہوتا آیا ہے) تو اس کے لیے راستے متعین کر دیے جائیں تا کہ ایسے افعال نہ بننے پائیں جو اُردو کے خلافِ مزاج ہوں۔ مثلاً ''بدل'' عربی اسم ہے اور ''خرید'' فارسی۔ ان کو اہلِ اُردو نے فعل بنا کر ''بدلنا'' اور ''خریدنا'' بولنا اور لکھنا شروع کر دیا۔ اب اگر انھیں پر قیاس کر کے کوئی ادیب ''استعمالنا'' اور ''کوششنا'' بنا لے تو عمل اُن میں سے کسی ضابطے کے تحت نہیں آتا جو میں نے دریافت کیے ہیں۔ آپ ہنسیں گے کہ کوئی ایسی جسارت کیوں کرے گا۔ مگر میں نے ایسی کوشش بعض حضرات کو کرتے پایا بھی ہے اور میرے خیال میں یہ ناگزیر بھی ہے۔ زبان کی لغات و محاورات کسی ایک حد پر جا کر ٹھہر نہیں جاتیں۔ ان میں فروغ اور اضافہ اور اخذ و ترک ہوتا رہتا ہے۔ اب سے سو سال پہلے جو طریقِ اظہار بالکل نامعلوم تھا وہ آج عامتہ الورود بن گیا ہے اور دو سو سال پہلے جس محاورے کا چلن تھا آج اسے کوئی پہچانتا بھی نہیں۔ مصحفی یہ لکھ سکتے تھے کہ ''وے صورتاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں'' مگر آج اس طرح کون لکھتا ہے؟ آج ہمارا ریڈیو اعلان کرتا ہے۔ ابھی آپ پاکستان و بھارت کے درمیان کھیلے جا رہے میچ پر تبصرہ سُن رہے تھے، لیکن گذشتہ صدی کے اہلِ زبان اس '' کھیلے جا رہے'' پر حیرت و کراہت سے منھ کھول کر رہ جاتے ہیں کہ ''یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ زبان کو وسعت دینے کے عمل کے لیے مولوی

وحیدالدین سلیم مرحوم نے ''وضع اصطلاحات'' لکھ کر جو بے نظیر اصول مرتب کیے تھے، میں نے انھی کے کام کو اپنی بساط بھر آگے بڑھانے کی یہ حقیر کوشش کی ہے۔آپ کو ناگوار محسوس ہوئی تو آپ کو اس کے اظہار کا حق ہے۔

فاضل معترض کو لفظ ''تبویب'' بھی ناپسند ہے۔کہ اس طرح ''اُردو پن'' مرحوم ہو جاتا ہے اور اُردو کے ''مشرف بہ اسلام'' ہونے کا ''خطرہ'' پیدا ہونے لگتا ہے۔شاید ایسا ہی ہو۔اگر عربی کے بابِ تفعیل کے سیکڑوں مصادر (تشریح، تقریب، تجدید، تمہید، تحقیر، تردید، تائید، تحسین، تنقیص وغیرہ) کے استعمال سے نہ تو اُردو مشرف بہ اسلام ہو سکی اور نہ اس کا اُردو پن مرحوم ہوا تو اس ایک مزید مصدر سے ایسا کیوں ہو جائے گا؟ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

موصوف کے خیال میں ''جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ از خود اپنی جگہ بنا لیتی ہے'' اور چوں کہ الماریوں میں چُنی ہوئی کتب قواعد میں سے کسی کتاب میں یہ تبویبِ مصادر از خود چُپکے سے داخل نہیں ہو گئی۔لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔خاں صاحب ذرا خود فرمائیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ان کے نزدیک اگر اُردو کے کسی قواعد نویس نے ان کی ضرورت محسوس نہیں کی تو بجا طور پر نہیں کی۔حالاں کہ قواعد بھی دیگر علوم کی طرح ارتقا کی منازل طے کرتی رہتی ہے۔عربی کے عظیم الشان علوم صرف و نحو وغیرہ کئی کئی نسلوں تک کی تحقیق و بحث کے نتیجے میں وسعت پاتے چلے گئے۔اُردو میں ابھی ان علوم میں وسعت کی بہت گنجایش ہے۔میں نہیں تو میرے بعد بھی یہ سلسلہ چلتے رہنے کی اُمید ہے۔خواہ یہ مساعی کسی کے نزدیک بے ثمر ہی کیوں نہ ہو۔

بے شک عربی اور اُردو الگ الگ خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ عربی اپنے لسانی خاندان کی خصوصیت کے باعث کچھ قواعد کی پابند ہو اور اُردو کے ساتھ لسانی خاندان کی خصوصیت بے اصولا پن اور قواعد سے مادر پدر آزادی ہو۔

(ماہ نامہ سیّارہ، سال نامہ 1986، لاہور، جلد 51، شمارہ 2-1، ستمبر اکتوبر 1986، ص 181 تا 185)

حواشی:

ا: آسی ضیائی نے اس مضمون نما خط کو رشید حسن خاں کے مضمون ''اُردو مصادر کی تبویب: ضروری یا غیر ضروری'' رسالہ سیّارہ (لاہور)، سال نامہ 1986، جلد 51 شمارہ 2-1، ص 180 تا 181 کے جواب میں لکھا تھا۔خاں صاحب کا مضمون کتاب کے آخر میں ''ضمیمہ اوّل'' کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔مرتب

❁❁❁

آل احمد سرور بہ نام رشید حسن خاں

انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

ANJUMAN TARAQQI URDU HIND ALIGARH

21 اکتوبر 1959

مکرمی تسلیم

ایک اہم ادبی مسئلے میں آپ کی رائے لینا ہے۔ کیا آپ کسی اتوار کو علی گڑھ آ کر مجھ سے مل سکتے ہیں؟ مجھے خواجہ احمد فاروقی سے معلوم ہوا کہ آپ دہلی آگئے ہیں۔ کبھی کبھار دہلی جاتا رہتا ہوں، مگر اِدھر میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اس کے بعد سے دس پندرہ دن نہ نکل سکوں گا۔

وہ مسئلہ ایسا ہے کہ خط بھی لکھنا شاید مناسب نہ ہو۔ دراصل ایک ایسا کام درپیش ہے جس میں آپ نہایت مفید اور مناسب ہو سکتے ہیں اور غالباً آپ کو بھی اس سے نہ صرف دل چسپی بل کہ گیرا لگا رہے گا۔ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں تو بہتر ہوگا۔

آپ کا خط مل گیا تھا ہماری زبان[1] (کذا)

جناب رشید حسن خاں صاحب Q311 سرسید روڈ، دہلی۔

حواشی:

[1] یہاں سے خط پھٹا ہوا ہے۔ اس خط کو پروفیسر آل احمد سرور نے انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ کے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ درمیان میں انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ انگریزی اور اُردو رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔ بائیں جانب TELEGRAM ANJUMAN اور دائیں جانب telephone:29 لکھا ہوا ہے۔ مرتب

❁❁❁

ابراہیم یوسف بہ نام رشید حسن خاں

13 مارچ 76

مکرمی تسلیم[1]

گرامی نامہ سے سرفرازی ہوئی۔مشکور ہوں کہ آپ نے بروقت جواب دے کر مجھے ایک بڑی اُلجھن سے بچالیا۔آپ نے جوابی خط رکھنے پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔واقعی مجھے جوابی خط نہ رکھنا چاہیے تھا مگر چوں کہ مجھے جواب کی جلدی تھی۔اس لیے یہ گستاخی کی۔جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔درحقیقت بات یہ تھی کہ یہاں پانچویں کلاس تک کی کتابیں تیار ہو چکی تھیں۔ اکسپرٹ کمیٹی کے سامنے جب یہ کتابیں رکھی گئیں،جس کا میں بھی ایک ممبر تھا،تو ایک صاحب جن کا تعلق ساگر یونی ورسٹی کے شعبۂ تاریخ سے تھا،تشریف لائے تھے۔چوں کہ کتابوں کی املا،حروف تہجی اور اعراب کا روایتی طریقہ ان کتابوں میں استعمال نہیں کیا گیا تھا۔اس لیے انھوں نے غیر ضروری اعتراضات شروع کردیے۔لاکھ ان کو سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ آپ جو کچھ فرمارہے ہیں موجودہ طریقۂ تعلیم میں اب تقریباً متروک ہو چکا ہے مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔اور انھوں نے لکھ کر بک کارپوریشن کو دے دیا کہ اگر موجودہ شکل میں کتابیں چھپوائی گئیں تو اعتراضات ہوں گے۔ بک کارپوریشن میں بدقسمتی سے کوئی بھی اُردو داں موجود نہیں ہے۔جس پر وہ لوگ گھبرا گئے۔اس لیے آپ کو میں نے ذاتی طور پر تکلیف دی تھی تا کہ بک کارپوریشن والوں کو مطمئن کیا جا سکے۔خدا کا شکر ہے کہ آپ کے جوابات سے میری تائید ہوگئی۔بڑی حد تک سوال پر سٹیج کا بھی بن گیا تھا۔

ایک لفظ کے متعلق میرے ذہن میں تھوڑا شک باقی ہے۔اور وہ لفظ ہے''دھواں''۔جس کی حرف صورت آپ نے ''دھویں''لکھی ہے۔''رواں'' کی دیگر صورتیں رواں، روئیں،روؤں ہیں۔پھر دھواں کی دیگر صورت ''دھوئیں'' کیوں نہیں ہوسکتی۔جب کہ اصول کا اطلاق دونوں لفظوں پر ایک جیسا ہی ہونا چاہیے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔والسلام

نیازمند

ابراہیم یوسف

Ibraheem Yusuf
Principal
Govt.Hr.Sec. School
Kotie(Disst.Sehore)M.P

حواشی:

۱؎ ابراہیم یوسف نے مذکورہ خط ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔ رشید حسن خاں کو یہ خط شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر ارسال کیا گیا ہے۔ پتا انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ خط کے دائیں جانب 15 MAR 76 کی مہر ثبت ہے۔ مرتب

❁❁❁

اعجاز حسین بہ نام رشید حسن خاں

نشیمن
7- منٹو روڈ، الہ آباد
2-11-61

عزیزی رشید صاحب، تسلیم

آپ کا مضمون اُردو ادب میں دیکھ کر بے ساختہ جی چاہا کہ آپ کو مبارک باد پیش کروں۔ آپ مضمون تو ہمیشہ محنت و قابلیت سے لکھتے ہی ہیں مگر اس میں معلومات و تحقیقات کے علاوہ جس بات نے مجھے زیادہ متاثر کیا کہ وہ آپ کا وہ نظریہ ہے جس کے سایہ میں اُردو زبان پروان چڑھی جس کو لے کر وہ آگے بڑھی عربی فارسی یا دوسری زبانوں کے الفاظ کو اپنے طور پر اپنے مزاج سے ہم آہنگ کراتی رہی خواہ وہ الفاظ بہ لحاظ تلفظ یا معنی اصل زبان سے مختلف بھی ہوں مگر جب ہمارے مستند ادیبوں نے استعمال کرلیا تو ہمارے لیے ان کا رویہ جواز بن گیا، خواہ عربی فارسی والے کتنا ہی ناک بھوں چڑھائیں۔ آپ نے جس نقطۂ نظر سے لغات[1] لکھنے والوں کی غلطیوں اور ذہنیت وفروگزاشت پر نظر ڈالی ہے میرے نزدیک اس طرح کسی اور نے ہمت نہیں کی۔ کاش اسی خیال کے تحت کوئی لغت وجود میں آجائے۔

دعا گو
اعجاز

حواشی:

1. پروفیسر اعجاز حسین نے رشید حسن خاں کے مضمون ''قاموس الاغلاط پر ایک نظر'' جو سہ ماہی اُردو ادب، نئی دہلی شمارہ 1، صفحہ 91 تا 175، اشاعت 1961 میں شائع ہوا تھا پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ مکمل مضمون راقم الحروف کی آیندہ آنے والی کتاب ''اُردو لغات وقواعد کے مسائل اور رشید حسن خاں کے فکری ابعاد'' میں پڑھا جا سکتا ہے۔ پروفیسر اعجاز حسین نے اس خط کو رشید حسن خاں کے نام پانچ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر، 1 لکھنؤ روڈ دہلی-6 کے پتے پر ارسال کیا۔

❁❁❁

امتیاز علی خاں عرشی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

4 دسمبر 59 [1]

محترمی تسلیم

دعوت نامہ ملا۔ آپ بھی میری فہرستِ رجال میں داخل ہیں۔ میں نے بزور بازو یہ مقام حاصل کیا ہے۔ اس لیے جو میری طرح زدوخورد کے بعد اپنی زندگی بناتا ہے، میں صرف انھیں کو مرد جانتا اور مانتا ہوں۔ خدا کرے آپ کامیاب زندگی کے مالک بنیں اور آپ جیسے ہمارا قوم میں روازنہ پیدا ہوں۔

آپ جب بھی تشریف لائیں، اسٹیشن پر اُتر کر رکشا والے کو چوک محمد سعید خان کا پتا بتایئے اور وہاں پہنچ کر میرا نام بتایئے، ہر کوئی آپ کو غریب خانے کی نشان دہی کرادے گا۔

کتب خانہ جمعرات کو بند رہتا ہے اور دسمبر میں 24، 25 کو بند ہوگا۔ 27، 28 دسمبر کو میں علی گڑھ میں رہوں گا۔ پہلی جنوری کو بھی تعطیل ہوگی۔ ان تعطیلوں کو سامنے رکھ کر آپ اپنا پروگرام بنائیں۔

میں اب اچھا ہوں اور آپ کی صحت و عافیت کا خواستگار۔ نثار فاروقی صاحب اور خلیق انجم صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہہ دیجیے گا۔ ان دونوں حضرات کے کرم نامے آئے تھے میں اپنی مصروفیت کی بنا پر جواب نہ دے سکا۔ والسلام

مخلص

عرشی

(2)

یکم فروری 60

مکرمی، سلام مسنون [2]

(1)اداۃ الفضلا کا سال تالیف 812 ہے یا 822ھ اس کی مجھے تحقیق نہیں ہے۔ میں نے اس مدت سے تاریخ، تالیف نقل کر دی تھی، جو میرے سامنے تھی۔ آپ خود تحقیق کر لیجیے۔

(2)مہذب اللغات نام کی کسی لغت کا مجھے علم نہیں۔ مہذب الاسماء نام کی ایک عربی بفارسی لغت سے البتہ واقف ہوں۔

(3)ارمغان آصفی فارسی کا لغت ہے۔ اس کے مولف مولانا عبدالغنی خاں فرخ آبادی خسر تھے، مولانا حبیب الرحمٰن خاں یزدانی مرحوم کے۔ انھیں کے بیٹے کے پاس غالب کا وہ خط ہے جس میں ان کے باپ کا نام مذکور ہے۔

(4)محمد امیر لکھنوی جنھوں نے قاطع برہان کے علاوہ قطعہ لکھا تھا، کون ہیں جیسا کہ امیر مینائی یا کوئی اور، سردست مجھے اس کے بارے میں یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں۔

(5)گرفتن ماہ کا مطلب گہن ہی ہے اور غالب کے نزدیک بھی یہی مراد ہے۔ چاند گرہن، ہمیشہ چودھویں رات کو ہوا کرتا ہے جب کہ چاند پورا ہو جاتا ہے۔

اُمید ہے کہ آپ بہ خیر دہلی پہنچ چکے ہوں گے۔ خواجہ صاحب کو اور فاروقی صاحب کو سلام۔ مقالہ آج یا کل روانہ کر رہا ہوں۔ خواجہ صاحب کو مطلع کر دیجیے گا۔ والسلام۔

دعا گو

عرشی

(3)

2 مئی 61

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

خط ملا۔ دل سے دعا نکلی۔ اور یہ خوشی بھی ہوئی کہ آپ نسخۂ عرشی کو اوّل سے آخر تک بہ نظر غائر دیکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ میں دوسرے اڈیشن کی تیاری کر رہا ہوں۔ دل چاہتا ہے کہ اب اس میں کوئی غلطی نہ رہے۔ آپ ہر چھوٹی بڑی غلطی کو نوٹ کر لیں۔ اور جب آئیں تو ساتھ لیتے آئیں یا مجھے دے دیں۔ جن غلطیوں سے مجھے اتفاق نہ ہوگا اُن پر زبانی یا تحریری گفتگو ہو جائے گی۔

نشہ عربی میں بے شک نشا نہیں ہے۔ یہ نشوہ ہے۔ میں نے غلط لکھوایا ہے۔ آپ اس کی پروا نہ کریں۔

نوید کو بکسر ن و واو میں نے فرہنگ نظامی سے لکھا ہے۔ آپ مزید تحقیق کر لینا۔ صاحب فرہنگ فرماتے ہیں فرہنگ نویسی حرکت نون را بہ اختلاف ضبط مراد، مرند۔ بعض باضم، بضیم، فتح

را،نون درفتح سبزوارخراسان ایں لفظ باکسراول ویعنی مژاگانی ہست من باکسراوّل ضبط کرام۔ اور(کذا) اس درشکریہ (fuon) نوید بہ معنی بیان کران و پیغام رسانندن ہے باکسراوّل است۔ بیدارصاحب کہتے ہیں کہ غالب کی رباعی کے متعلق مضمون اُردوئے معلّیٰ 1929 میں چھپا تھا اور خاقان حسن عبارت کا تھا۔

عرشی

پس نوشت:

آرزبزاہی ہے۔ یہ عبارت کی غلطی ہے۔ میں نے بھی یہی عبارت اس غلطی کو دیکھ کر اپنے یہاں درست کرلی ہے۔

خاورنامہ کے مصرع میں درا کا ہندی مترادف گھنٹالا ہے۔ چھپائی میں نون کا نقطہ اُبھرا نہیں ہے۔

اک وغیرہ کی بابت بھی غور کروں گا۔ آپ اس قسم کی تمام اُلجھنوں کو نوٹ کرلیجیے، میں آج کل بے حد مصروف ہوں۔ حسب وعدہ دستنبو[5] کے ترجمہ کو دیکھ نہ سکوں گا۔ اس لیے معافی چاہتا ہوں۔ ویسے مجھے آپ پر اعتماد ہے۔ گمان ہے کہ آپ سے غلطی کم ہی ہوگی۔ اکبراور بیدار صاحب سلام کہتے ہیں۔ خدا آپ کی حفاظت فرمائے۔ والسلام۔

عرشی

(4)

27 جولائی 63[6]

عزیزقوم

سلام اورمحبت

خطِ شکستہ اور خطِ شفیعا دو الگ الگ خط ہیں۔ اور یہ دونوں خط نستعلیق کی رواں دواں شکلیں ہیں۔ ان میں سے رواں شکل شفیعہ ہے اور دواں شکستہ۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ نستعلیق کو تیزی سے لکھا جاتا ہے تو وہ شفیعا ہے اور بے حد تیزی سے لکھا جاتا ہے تو وہ شکستہ ہے۔ بالفاظ دیگر نستعلیق میں پیچ وخم کم ہے تو شفیعا اور زیادہ ہے تو شکستہ۔ بہرحال دونوں خط باہم ملتے جلتے ہیں اور نستعلیق سے پہلے سے ہیں۔

خطِ شکستہ کا موجد مرزا محمد حسن بن مرزا شکراشہ ہے۔ یہ صاحب، حسب اس کا تحرانی تھا، سلفان محمد خراسندن بادشاہ کے عہد میں ایران سے بھاگ کر ہندوستان آگیا تھا۔ پہلے ہمایوں سے

وابستہ ہوئے پھر اکبر کی قدر دانی سے وابستگی کی۔ خطِ تعلیق، نستعلیق اور ثلث کا بہترین خطاط تھا۔ اس سے پہلے خطِ شکستہ کا کوئی ضابطہ اور املا مقرر نہ تھا اور اسے کوئی الگ خط نہیں کہا جاتا تھا۔ محمد حسن نے اس کے ضابطے مقرر کیے۔ اور آخر اس نے اسے درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔ نتیجتاً اس کے خاندان میں عرصے تک خطِ شکستہ کے ماہر پیدا ہوتے رہے۔

اس نے عہد جہاں گیر میں 1026ھ میں انتقال کیا ہے۔ اس کا حال، اس کے شاگردوں کا حال اور اس کے بیٹوں اور پوتوں کا ذکر تذکرہ خوشنویسان، مولفہ خلیفہ غلام محمد ہفت قلمی (شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی) میں مندرج ہے۔

خط شفیعہ کے موجد کا نام محمد شفیع تھا۔ یہ کون تھا اور کب تھا اس کا پتا نہیں مل سکا ہے۔

والدعا

دعا گو

عرشی

(5)

12 جولائی 64ء

عزیزم، سلمک اللہ تعالیٰ

یقین کا سال وفات 1169ھ ہی درست ہے اور میں نے غالباً یقین وغیرہ ہی کے قطعات پر اپنے خیال کی بنیاد رکھی ہے۔ تاریخ محمدی میں بھی 1169ھ ہی کے ذیل میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ 5 کا ہندسہ طباعت کی غلطی ہے۔ اسے درست فرما لیجیے۔ میں نے آپ سے پہلے اپنی تحریر میں تصحیح کر لی ہے۔

بنی نرائن جہاںؔ کے بارے میں مشہور یہی ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ چناں چہ گارساں دتاسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے تاریخ وفات میرے علم میں نہیں۔

یہاں پرسوں رات سے زور کی بارش جاری ہے اور موسم نہایت ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ والدعا۔

احقر

عرشی

(6)

28 ستمبر 64ء

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

لفافہ ملا۔ بچے کی علالت کی خبر سے دکھ ہوا۔ خدا وند عالم تمھیں اور تمھارے سب متعلقین کو اپنی حفظ و امان میں رکھے! بھائی یہ چھوٹے موٹے مرض تو صحت کی زکوۃ ہوتے ہیں۔ زندگی برقرار رہے تو ان کی کیا حیثیت ہے، ایک ہوا چلتی ہے کہ چلی اور تھم گئی اس کا شکر ادا کرو کہ بچے کی جان بچ گئی۔ آیندہ بھی وہی حافظ و ناصر ہے جس نے اس بار مدد فرمائی۔

لفظ اُردو کے بارے میں تمھارا یہ خیال درست ہے کہ غالب نے اسے مذکر لکھا ہے۔ منشی شیو نرائن آرام کو 18 دسمبر 1858 کے خط میں لکھا ہے: ''ایڈر صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اُردو میں اتنا کہاں کیا ظاہر کر سکتا ہوں۔ تین مہینے میں گنجایش عبارت آرائی کی کہاں ہے! بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ میرا اُردو بہ نسبت اوروں کے اُردو کے فصیح ہوگا۔ خیر، بہر حال کچھ کروں گا، اور اُردو میں اپنا زورِ قلم دکھاؤں گا۔''

یہ عبارت خطوط غالب مرتبہ مالک رام صاحب، شائع کردہ انجمن ترقی اُردو کے ص 433 پر موجود ہے۔ اکبر سلمہ بہ خیر ہیں اور سلام کہتے ہیں۔ احباب کی خدمت میں سلام شوق۔ والسلام والدعا۔

دعا گو
عرشی

(7)

6 نومبر 64ء

عزیز محترم میں نے منشی اُمیداللہ تسلیم مرحوم کا دیوان دیکھا۔ اُس میں شعر زیر بحث یوں درج ہے:

رشکِ اعدا سے کیا تسلیمِ خستہ کو شہید
دیکھیے ایجاد اُس ترکِ ستم ایجاد کا

(دیوان تسلیم موسوم بہ نظم دل آرز و ص 304)

الاپ اور لفظ وغیرہ کی جمع الاپیں اور لفظوں کے بارے میں ذرا سی تحقیق کر کے یہ بتایئے کہ ان کے نور الاپ اور لفظ مونث بھی بولے جاتے ہیں یا نہیں۔ لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاں مونث بھی بولے جاتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو لوگ ان کو مونث مانتے ہیں اور ان کی جمع میں ''یں'' سے بناتے اور لفظیں اور الاپیں بولتے ہیں۔

طوطی بھی مختلف فیہ لفظ ہے،اس لیے جس نے اس کی جمع کو مونث لکھا ہے وہ مفرد کو بھی مونث مانتا ہوگا۔

چوں کہ یہ معاملہ استقرائی ہے،اس لیے ذرا نظر رکھیے اور یہ بتائیے کیا جو لفظ بالاتفاق مذکر ہے،اُس کی جمع مونث آتی ہے یا نہیں۔مجھے سرِ دست کوئی مثال یاد نہیں آ رہی ہے۔

آپ آیندہ حصہ بھی ضرور شائع کرا دیجیے۔اس سے بہت سے لوگ مستفید ہوں گے۔والدعا۔

دعا گو

عرشی

(8)

تاریخ:13 اگست 65ء

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

آپ کی بیماری کی خبر نے دکھ دیا۔خدا آپ کو صحت کاملہ عطا کرے!نزلہ و بخار کے لیے بعض اوقات ٹھنڈائی مفید ہوتی ہے۔کسی طبیب سے مشورہ لیجیے اگر آپ کو بخار نزلہ ہو گیا ہے تو ان شاءاللہ شرطیہ بہت فائدہ ہوگا۔میں اپنے اوپر تجربہ کر چکا ہوں۔

میں نے فرہنگ صاحب نگراں کے ایک ایسے نسخے میں چربک کو دیکھا جس پر عہد عالم گیر کی مہریں ثبت ہیں اور اس پر لکھا ہے ''مسیوم سر شیر بود۔آن را چربہ نیز گویند دسبز کی قیماغ گویند وملائی نامند''

اس عبارت سے آپ کا قیاس درست ٹھہرتا ہے۔''افغان اور اُردو'' منگا دوں گا۔میں اب تک فراموس کیے رہا۔والسلام والدعا۔

دعا گو

عرشی

(9)

تاریخ:20 اگست 65ء

محترم،تسلیم

فرہنگ صاحب نگراں کا جو مطبوعہ نسخہ یہاں ہے وہ بھی ثمر ہند پریس کا مطبوعہ ہے۔غالبًا یہ اور کہیں چھپا ہی نہیں ہے صرف ثمر ہند ہی نے چھاپا تھا۔

آپ کا یہ خیال درست ہے کہ بالائی [۱۲]لبعد کی ایجاد ہے اور اس لیے فرہنگ صاحب نگراں نے اس پر اضافہ کسی کاتب مابعد کی کارستانی ہے اور کچھ نہیں۔ والسلام مع الدعا۔

مخلص

عرشی

(10)

10 ستمبر 65 [۱۳]

عزیز مکرم، سلام مسنون

میر حسن اور گلزار نسیم کے سلسلے میں غالب کے نام سے جو قول مجھ کو آپ نے تحریر فرمایا ہے، میں نے کہیں غالب کے یہاں نہیں پایا۔ نہ کسی ایسے راوی کی سند سے سنا جو غالب کا قول نقل کرنے میں مستند مانا جاتا ہو۔ پھر جیسا کہ آپ نے خود تحریر فرمایا ہے کوئی پڑھا لکھا اس انداز پر لفظ فصاحت و بلاغت کو اس طرح استعمال نہیں کرے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کے گھر پر مزاج کیسا ہے۔ اس سے پہلے اُن کے پھسل پڑنے کا حال آپ نے لکھا تھا۔ بچوں کا دعا۔ والدعا۔

مخلص

عرشی

(11)

5 اگست 66 [۱۴]

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ

آپ کا تفصیلی خط ملا۔ جذاک اللہ فی الدارین خیرا۔ میری بڑی محنت آپ نے برداشت کر لی۔ اب میں بقیہ باتوں کا منتظر رہوں گا۔ اور آپ جب سب کچھ لکھ بھیجیں گے تو جن باتوں سے اختلاف ہوگا ان پر یا لکھوں گا یا آپ سے مل کر طے کروں گا۔

اب یہ بتایئے کہ وہ بقیہ حصہ کب تک آئے گا۔ میں جب تک بے چین رہوں گا۔

لغت نامۂ دہخدا آپ کی یونی ورسٹی کی لائبریری میں ہو تو اس میں دیکھ کر بتایئے کہ اس نے واو معروف و مجہول، یای معروف و مجہول، نون غنہ ہائے مختفی کے ماقبل کی حرکت اور اس فاعل قیاس کی علامت ''ندہ'' سے پہلے حرف کی حرکت کیا بتائی ہے۔ اور اگر دیباچہ یا قافیہ میں ان ضابطوں سے بحث نہیں کی ہے تو الفاظ کا تلفظ بنانے میں اس کا التزام کیا ہے یا نہیں کہ کس لفظ میں واو اور یا مجہول ہے۔

مجھے ایک مضمون کے سلسلے میں ان باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی بیان کر دوں کہ عبدالرحیم ہمایوں فرخ کی قواعد فارسی میں ہے۔ دستور فرخ میں ہے یا نہیں۔ یہاں اس کی پہلی جلد ہے اگر بقیہ جلد لائبریری [یہاں سے خط پھٹ چکا ہے] ل، وہ، اوری کی بحث مل سکے [یہاں سے خط پھٹ چکا ہے] مارتو اور جو لکھی ہے وہ مجھے بالفاظ نقل کر کے بھیج دیجیے [یہاں سے خط پھٹ چکا ہے] بار تو ہوگا۔ مگر بہر حال کرنا ہے [یہاں سے خط پھٹ چکا ہے] فوری لکھ بھیجیے۔

خدا کرے آپ سب بہ خیر ہوں۔ والسلام۔

مخلص

عرشی

(12)

24 اکتوبر 66 [۱۵]

مکرمی سلام و رحمت

لفافہ ملا۔ خدا آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں آرام کا مکان عطا کرے۔ آمین۔

میں نے آپ کا خط سابق خط کی طرح محفوظ کر لیا ہے۔ ابھی طباعت کا کام شروع نہیں ہوا ہے۔ انتظام ہو رہا ہے۔ آپ کے مشوروں سے بھر پور فائدہ اٹھاؤں گا اچھا یہ ہو کہ اگر [اس] قسم کی باتیں آپ برابر لکھتے رہیں۔ ہرگز سے کہ مروت آپ تک نہ پہنچیں، اور میں مبینہ باتوں سے لاعلم رہوں۔

بہ ہر صورت مجہول سے متعلق آپ کی رخصت ہو سکتی ہے اس کی ضرورت نہ رہے کام چل چکا اور مزید مسالہ بھی خاصا مل گیا۔ نیز بل کہ دو ایرانی محققوں سے ملاقات کی تھی ان سے بھی گفتگو کی۔ پتا چلا کہ ایران اور علمی بات اس میں ہے جس سے اہل ہند غافل اور جس پر عامل ہیں۔ یہ لیجیے اختلاف جو آج نظر آ رہا ہے یہ بحث کی چیز ہے اور اسے علمی درجہ حاصل نہیں ہے۔

سب کو دعا والسلام مع الدعا

مخلص

عرشی

(13)

26 اکتوبر 66 [۱۶]

عزیز گرامی سلمک اللہ تعالیٰ

میرا ایک خط مل چکا ہوگا۔ اس میں جو کچھ میں نے لکھا ہے، اس کی تکمیل کر دیجیے۔ سر ستر اور ملائی کے سلسلے میں چراغ ہدایت کو دیکھا۔ اُس میں یہ لفظ یعنی سر ستر سرے سے موجود نہیں ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ صرف ایک نسخے میں دیکھ کر لکھوایا ہے۔ چار چار نسخے دیکھے، جن میں سے ایک 1184ھ کا ہے۔ مگر کسی میں بھی سر ستر نہیں ہے۔ رہا سراج اللغات اور فرہنگ صاحب نگراں اور اوّل کے دو نسخے ہیں۔ دونوں میں ملائی ہے اور دوسرے کے تین نسخے ہیں۔ جن میں ملائی ہی ہے۔ لہٰذا جس فرہنگ کے مجموعی نسخے میں بالائی بعد کی اصلاح ہے جو بالیقینی کاتب نے دی ہے۔ محمد لاڈ میں اضافت رہتی ہے۔ محمد ڈن لاڈ ہی درست ہے۔ والدعا

احقر

عرشی

(14)

25 فروری 67[۱۷]

عزیز گرامی سلام

بے شک یہ دونوں تاریخیں غلط ہیں۔ اور جو آپ نے لکھی ہیں وہ درست ہیں۔ جواب میں دیر اس لیے ہوئی کہ الیکشن کی وجہ سے لائبریری بند تھی اور میں بغیر فہرست مخطوطات فارسی اس کا جواب نہیں لکھ سکتا تھا۔

والسلام

مخلص

عرشی

(15)

11 جنوری 69[۱۸]

عزیزم دعائیں!

میں اب لائبریری آ رہا ہوں، مگر تھوڑے وقت کے لیے۔ نہ زیادہ بیٹھ سکتا ہوں نہ چل سکتا ہوں۔ دیکھیے لکھنے پڑھنے کے قابل ہوتا ہوں یا نہیں۔ ابھی تو ضعیفی کی یہ حالت ہے کہ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا ہے۔

آپ نے مجھے بیماری میں نہ پوچھا، مگر کیا کوئی تعزیتی انداز کا مقالہ بھی نہیں لکھا جس میں حق دوستی ادا کیا جاتا۔

خدا کرے آپ مع متعلقین بہ خیر ہوں۔ والسلام

مخلص

عرشی

(16)

19 فروری 69ء[19]

عزیز گرامی برادرم، سلمک اللہ تعالیٰ!

کل کا لکھا ہوا خط آج صبح کی ڈاک سے ملا۔ اگر آپ کو میرا خط نہیں ملا تو شکایت بجا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے غالباً ہر خط بیماری میں پائے تھے۔ ان میں سے ایک دیوان غالب[20] کے سلسلے میں تھا۔ میں اس زمانے میں اس قابل نہ تھا کہ جواب خود دیتا، اس لیے اکبر سے جواب لکھوایا تھا، اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ آپ کے مشوروں کی تائید کر دی جائے۔ اب تقریباً 4 ہفتے سے یا اس سے کچھ زیادہ ہوتا ہے کہ میں لائبریری آنے لگا ہوں۔ چناں چہ اس عرصے میں آپ کو خط لکھا جس میں اپنی حالت لکھی اور اوپر بیان کی ہوئی باتیں درج کیں۔ افسوس کہ وہ خط آپ کو نہ ملا۔

رہا آپ کا وہ دعوت نامہ جس میں شمشیر میراں کے متعلق استفسار تھا، وہ مجھ تک نہ پہنچ پایا ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ اچھا بچھا ہو کر جواب نہ لکھتا۔ گو جواب یہی ہوتا کہ میرے علم میں اس نام کی کتاب نہیں۔ آپ کو میری غفلت سے دُکھ پہنچا اس پر میں معذرت خواہ ہوں مگر باور فرمایئے کہ میں اس بار کے دردِ دل سے ایسا خستہ ہوا ہوں کہ گویا کسی کام کے قابل نہیں رہا، دونوں ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو گیا۔ چلنے میں سینہ میں درد ہو رہا ہے۔ معمولی لکھنے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا کام انجام دیا ہے۔ دماغ سست رہتا، اور اس کے تخلیقی سوتے سوکھ گئے۔ اسی حالت کا تقاضا ہے کہ جشن غالب تک میں شریک ہونے کی بھی ہمت نہ پڑی، ورنہ لندن، امریکہ اور روس سے تو غالب دوست دلّی آتے اور میں رام پور میں بیٹھا افسوس و حیرت کا شکار رہتا۔

خیر، اس میں بھی میری ہی بہتری منظور قضا مقدر ہو گی۔ اس بہتری کا یہ پہلو بہر حال یوں سمجھ میں آ گیا کہ اتنے ملکی و غیر ملکی اہل علم و ادب کے سامنے میری جہالت کا پردہ چاک ہونے سے بچ گیا۔

میری صحت دعا کی متقاضی ہے۔ آپ جواں صالح ہیں۔ دعا کیجیے کہ جو دن اس زندگی ناپائے دار کے باقی ہیں وہ کام میں گزر سکیں، ورنہ صبر کے علاوہ چارۂ کار کیا ہو گا؟

اپنے متعلقین کو میری طرف سے دعا کہیے، اور مجھے اپنا خیر خواہ یقین کیجیے۔ والسلام۔
دعا گو
عرشی

(17)

15 ستمبر 70ء[۲۱]

آپ کا ایک خط جواب سے 2 سال پہلے 28 اگست 68 کو آپ نے لکھا تھا، میرے سامنے رکھا ہوا جواب طلب خطوں میں نکلا۔ اس میں آپ نے دیوان غالب (نسخۂ عرشی) کے تسامحات بتائے تھے۔ میں اس عرصے میں درد دل کے پھیر میں جامد ہو کر ہفتوں بستر پر پڑا رہا۔ یاد نہیں آتا کہ اس کی رسید آپ کو بھیجی تھی یا نہیں۔ نہ یہ یاد آ رہا ہے کہ طبع نسخۂ عرشی میں آپ کی بتائی ہوئی باتوں کی تعمیل کی یا نہیں۔ بہ ظاہر نہیں کی اس لیے کہ حصہ متن اس وقت تک طبع ہو چکا تھا۔

بہر حال، جواب نہ دیا ہو، تو معاف کیجیے۔ بوڑھا اور بے کار ہوں اور بیماری بھی دل کی ہے اس لیے زیادہ استحقاق معافی رکھتا ہوں، رہی نسخۂ عرشی سے متعلق باتیں تو مطبوعہ نسخہ دیکھوں گا۔ اگر یہ باتیں عمل میں نہیں آئی ہیں تو غلط نامے میں اس کی تلافی کر دوں گا۔

مجھے آپ برابر یاد رہتے ہیں۔ کوئی دلّی سے آتا ہوا اور آپ کو جانتا ہو میں تو اس سے جستجو احوال کرتا ہوں۔ خدا جانے آپ بھی میرے لیے دعا کرتے ہیں یا نہیں۔

اکبر سلمہ بہ خیر ہیں۔ آپ کو سلام کہتے ہیں۔ بچوں کو دعا کہیے اور پیار کیجیے اور مجھ بے خبر کو اپنے حالات سے خبردار فرما کر ممنون کیجیے۔ زیادہ دعا۔

احقر
عرشی

(18)

26 دسمبر 70ء[۲۲]

عزیز محترم، سلام و رحمت!

آپ نے جن الفاظ کے بارے میں استفسار فرمایا ہے اُن میں سے کنج بھینا کو بتانے والا اب کوئی نہیں۔ میں آپ کے اس خیال سے متفق ہوں کہ یہ فیلبانور کے گروبل کہ جگت گرو ہوں گے۔ ایک اور لفظ کٹھواپا بھی بالاتر از فہم رہا۔ بقیہ کے متعلق ذیل کی سطریں ملاحظہ کیجیے:

(1) کٹھ بندھن، لکڑی؟ بڑا سا لکڑا ہے یا گول گھیرے کی شکل کا جس سے ہاتھی کا پانو اسی سے

باندھ دیتے تھے۔ یہ اتنا وزنی ہوتا تھا کہ ہاتھی کے لیے اسے کھینچ کر چلنا پھرنا ناممکن نہ تھا۔

(2) کلاوا، ایک رنگین رسّی جو ہاتھی کی گردن میں بندھی ہوتی تھی، تاکہ فیل بان اُس میں اپنے پانو ڈال کر ہاتھی کی گردن پر بیٹھا رہے۔ یہ گویا گھوڑے کی رکاب زین کی قائم مقام تھی۔

(3) پولک، گھاس کا پولا جو بانس کے سرے پر باندھا جائے اور غضب ناک ہاتھی کو ڈرا کر کام کرنے کے لیے چرخی کے ساتھ استعمال کیا جاتا تھا۔

(4) تلاوڈی، سرہند شریف کے پاس ایک مقام تھا، جہاں پر لٹیرے بہت رہتے تھے۔ مجازاً ہر خطرناک جگہ کو کہنے لگے تھے۔

(5) سرچوٹی، گھوڑے کے سر کے بال جنھیں عورتوں کی چوٹی کی طرح گوندھ لیا جاتا تھا۔

(6) بھاڑی، مردے کا تابوت اُٹھانے والوں کو جسے معمولی اجرت دی جاتی تھی۔ یہ بھاڑا ہی کی مونث شکل ہے۔ میں بحمداللہ اچھا ہوں۔ خدا کرے آپ بھی بہ خیر ہوں۔ والسلام

دعا گو

عرشی

پس نوشت:

اُردوئے معلٰی فوری بھجوایئے۔ کب تک شائع ہوگی؟ برادر محترم کیا گلشن نہہ یا دیوان شیفتہ کا کام نہیں مل سکتا؟ رام پور چار روز کی چھٹی لے کر آیئے یہ ضرور اطلاع دیں۔

عرشی

(19)

3 ۲۳ اپریل 72ء

محترمی تسلیم

میں نے تحریک میں قاضی صاحب کا استفسار پڑھ لیا تھا، مگر چکابو کی تلاش آپ کی فرمایش پر کی۔ فارسی اور ترکی لغات میں یہ لفظ ہنوز نہ مل سکا، نہ اشعار میں، اس کے معنی کیا ہوں گے، یہ میری سمجھ میں آیا۔

پلاٹس نے اس کے معنی نہر لکھے ہیں۔ یہ کسی شعر میں بھی درست نہیں بیٹھتے۔ بہر حال یہ لفظ ذہن میں رکھوں گا۔ اُمید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔ عرصے سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ والسلام۔

مخلص عرشی

(20)

15اپریل72 [۲۴]

عزیز گرامی اور سلمک اللہ تعالیٰ!

مکتوب ملا۔ آپ کی محبت وسعادت کا پہلے سے اداری ہوں۔ اس خط نے ایمان کو اور تقویت بخشی۔ واقعی میں نے غلطی کی کہ نسخۂ عرشی [۲۵] کے پروف آپ کو نہیں بھیجے۔ مگر کیا کرتا کہ اس میں بڑی دشواریاں تھیں۔ اب یہ دیوان طباعت کے آخری مرحلے میں ہے۔ اس لیے سوچتا ہوں کہ ذرا سی زحمت اور اٹھانا ہے، اٹھالو۔ آپ کو البتہ اس کی کاپی دوں گا کہ جو نسخہ آپ کو ملے، اُس کے حواشی پہ تصحیح، ترمیم، حذف اور اضافہ، جو مناسب نظر آئے وہ کر کے میرے پاس بھیج دیجیے تاکہ میں اگلا اڈیشن مرتب کر کے دنیا سے رخصت ہوؤں۔

اچھا اب چکابو کی سنیں۔ ہندی شبد ساگر میں لکھا ہے کہ قدیم زمانے میں جنگ کے دوران کسی چیز یا شخص کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف ایک کے پیچھے ایک کئی گول صفوں میں فوج کی ترتیب۔ اور یہ ایسی ہوتی تھی کہ اندر گھس جانا بڑا کٹھن تھا۔ یہ ایک طرح کی بھول بھلیا ہوتی تھی۔ چکابو میں پڑنا یا پھنسنا بہ معنی پھیر میں پڑنا، چکر میں پڑنا یا ایسی حالت میں پڑنا کہ کوئی راہ عمل نہ سوجھے، یہ محاورہ ہے۔

تو بھائی، اس بھول بھلیا کے تحت سوداؔ کے اشعار کو پڑھیے اور سوچیے کہ کیا مطلب نکلتا ہے۔ چکابو کا حوض، وہ حوض جس میں پانی چکردار نالیوں میں سے نکل کر آتا ہو، اور آب چکابو، وہ پانی جو بھول بھلیا جیسی نالیوں میں بہے، کیا یہ بات درست نظر آتی ہے۔ اپنی رائے سے مطلع کیجیے گا۔

اکبر سلمہ علی گڑھ میں بی۔ایب کر رہے ہیں۔ شاید مئی جون میں فارغ ہو کر آئیں۔

خدا کرے بچے بہ خیر ہوں۔ زیادہ دعا۔

احقر

عرشی

(21)

10اگست74 [۲۶]

عزیز گرامی منزلت۔ سلمک اللہ تعالیٰ

آپ کا خط جناب ذکا صدیقی نے دیا۔ اس میں یہ مژدہ بھی تھا کہ ''اُردو املا'' [۲۷] کا ایک نسخہ رجسٹری سے بھیجا جا چکا ہے۔ میں ان دونوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ایک کام وقوع کے بعد اور

دوسرے کی پیشگی مبارک باد۔ اللہ کرے، کتاب مجھ تک صحیح سالم پہنچ جائے۔ اُسے پڑھ کر اپنی رائے بھی لکھوں گا۔ دعا سر دست کرتا ہوں کہ پروردگار حسن عمل کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے اور ملک وقوم کے لیے سرمایۂ عز وافتخار بنائے۔ آمین!

عزیز من، اب میں چراغ سحری ہوں۔ کسی وقت بھی بجھ سکتا ہوں۔ کیا اچھا ہو کہ کم از کم ہر مہینے مجھے اپنی خیریت لکھ کر شاد کرتے رہا کریں۔ مجھے آپ کی مصروفیت کا اندازہ ہے۔ اگر کبھی کبھار ایک ماہ سے زائد وقت گزر جائے تو مضائقہ نہیں۔ مگر آپ اور دوسرے عزیزوں کا مہینوں اور برسوں نہ پوچھنا دل کو کسی طرح گوارا نہیں۔ پرسانِ احوال میں دوست نما بھی ہوتے ہیں۔ یہ کیا کچھ خوش نہ ہوں گے، جب یہ سنیں گے کہ اس کے دوست احباب خیریت تک نہیں پوچھتے اور اب یہ بوڑھا جانے کیسی زندگی گزار رہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ کو بھی میری کسمپرسی پسند نہ ہوگی اور اس لیے میری مذکورہ بالا خواہش پوری کی جاتی رہے گی۔

میں اچھا ہوں، لائبریری آتا ہوں اور آرام کر کر کے کام بھی کرتا رہتا ہوں۔ مگر نظامِ عصبی پر اتنا بوجھ پڑ چکا ہے کہ اب آہستہ آہستہ رعشہ پیدا ہو رہا ہے اور پانو کام کرنے میں سب سے زائد مضمحل نظر آرہے ہیں۔ بازار آنا جانا ختم ہو گیا۔ لائبریری تک رکشا میں آتا جاتا ہوں۔ دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔ اور کب تک موجودہ حالت بھی برقرار رہتی ہے۔ طاقت بخش دوائیں استعمال میں ہیں، انگریزی بھی اور یونانی بھی۔ مگر فائدہ برائے نام ہے، دعا فرمائیے کہ جب تک زندہ (کذا) بھی کارآمد رہیں۔ آمین! بچوں کو دعائیں۔ والدعا۔

احقر
عرشی

پس نوشت:

اس کتاب کے سلسلے میں مخمور صاحب کے ذریعے آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کر چکا ہوں۔ اب تحریری بھی سہی۔ بہر حال بہت بہت مبارک ہو۔

(22)

یکم اکتوبر 74[۲۸]

عزیز گرامی ارز، سلامت باشید!

آپ کا لفافہ ملا۔ میں آپ کی کتاب[۲۹] سبق سبق کر کے پڑھ رہا ہوں اور برابر داد دے رہا ہوں۔ استقصا اور احصا کی ایسی جامع و مانع بحث کی ہے آپ نے اس کا نقاد اپنا گریبان

پھاڑنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے گا۔ بندۂ خدا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اتنی بڑی کتاب پڑھ کر دو چار چٹکیاں لینے کا موقع بھی آپ نہیں دیتے۔ میں نے تقریباً آدھی کتاب پڑھ لی ہے۔ مگر صرف تین جگہ بہ طور احتیاط نشان لگا پایا ہوں۔ ایک دو بار کو اپنی تہ بہ دستی دیکھ کر جی چاہا کہ کتاب یہ لکھ کر واپس کر دوں کہ جناب مجھ سے یہ بے صرفہ مطالعہ نہیں ہوتا۔ کسی اور سے تبصرے کا کام لیجیے۔ پھر ''دنیا بامید قائم'' نے ڈھارس بندھائی ہے۔ دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

میں صاف لکھے دیتا ہوں جناب کہ اگر آپ مجھ سے اس کتاب پر کچھ لکھوانا چاہتے ہیں تو مجھے بتا دیجیے کہ کہاں یا کہاں کہاں آپ کے قلم سے چوک ہوئی ہے۔ اور جو خود آپ کو بھی نہ معلوم ہو تو میری کامیابی کی دعا کیجیے۔ صرف مدح وستائش مجھ سے نہ ہو سکے گی۔ اور اگر سچی بات ہونے کی وجہ سے لکھوں بھی تو مانے گا کون۔ ننانوے فی صدا سے بھٹئی قرار دیں گے۔

آپ میرے نام اپنی کتاب معنون کر کے اُن حضرات کی حق تلفی کر رہے ہیں جو میرے پیش رو ہیں۔ ڈاکٹر صدیقی مرحوم و مغفور کے نام ''اُردو املا'' آپ نے منسوب کی، بالکل بجا کیا۔ اس دوسری کتاب کو قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔ میں تیسری کتاب ابھی سے اپنے لیے رزرو کرائے لیتا ہوں۔ خدا آپ کو زندہ و سلامت رکھے۔ میرا حق بھی پہنچا دیجیے گا۔ میں پچھلے مہینے بہت کمزور رہا۔ چلنا پھرنا گویا بند تھا۔ اب پہلے سے بہتر ہوں۔ دعا کیجیے گا دماغی ضعف سے نجات مل جائے۔

دیکھیے، آپ نے آنے کا وعدہ پھر وفا نہ کیا۔ والدعا!

دعا گو

عرشی

(23)

12 جنوری 75ء

عزیزم سلمک اللہ تعالیٰ!

پہلے عید الضحیٰ اور سالِ نو آمد کی دوسرے اور پھر آپ کی رجسٹری کی رسید لکھوں، اور آخر میں یہ کہوں کہ آپ کا کوئی خط مجھے نہیں ملا، اکبر ایک خط کے اقراری ہیں، اور ذکا صاب لا پتا ہو رہے ہیں، جیسے ہی ملیں گے اُن سے جواب لے کے حقیقتِ حال بتاؤں گا۔ اکبر سلمہ نے دیوانِ مومن نقل کرایا یا نہیں، اسی خط کی پشت پر خود اُنھیں سے لکھوا رہا ہوں۔

گرمی کی چھٹیوں میں آپ کو آنا ہے، خواہ ہم لوگ بھلے ثابت ہوں، خواہ برے۔

ہماری سست جوابی آپ کے رام پور آتے ہی مخل نہ ہو یہ بات نوٹ کر لیجیے۔

کتاب[۳۲] پر تبصرہ ہنوز نہیں لکھا۔مگر اس میں میری سستی سے زیادہ کتاب کی اچھائی کو دخل ہے۔آپ نے اسے اتنا جامع المانع کیوں بنایا۔کچھ تو کوتاہیاں بھی چھوڑی ہوتیں تاکہ نقادوں کا دل بھی خوش رہتا اور دوسرے اڈیشن میں آپ کو بھی یہ لکھنے کا موقع ملتا۔نقائش نقش ثانی بہتر کشد زاول۔اب میں کیا لکھوں۔آپ یہ بتائیے۔میں آپ کو یہ بتاؤں گا اور دوسرے اڈیشن میں آپ کیا لکھیں۔اس طرح آپ تو مجھ سے اور مجھے آپ سے گلہ نہ ہوگا۔والدعا۔

عرشی

لال قلم سے لکھی گئی سطر: برائے کرم تمام خطوط آپ اپنے ساتھ لیتے آئیں۔یہیں نقل کر کے اگر آپ چاہیں گے اصل آپ کے حوالے کر دوں گا۔

پس نوشت:

خاں صاحب محترم۔آپ کا کوئی خط مجھے اُس خط کے جو آپ نے میرے نام جواب میں لکھا ہے ملا نہیں۔ڈاک کا بہت برا حال ہے اس لیے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے اور آپ کے خطوط۔

دیوان مومنؔ نقل کے لیے دے دیا ہے۔ناقل نے اگر کام بھی کرنا شروع کر دیا ہے تو یہ ہو بھی جائے گا۔حالاں کہ اس کی آسان صورت یہ تھی کہ موجود نسخے کی فائل لے کر اس پر نوٹ کرتے جاتے۔

اور صاحب آپ کا حافظہ اتنا کمزور کیسے ہو گیا ہے۔آپ نے دسمبر میں آنے کی دعوت کی اور اب گرمیوں میں ٹال دیا۔یہ بھی طے ہوا تھا کہ قرآن کریم کے رسم الخط سے متعلق کتاب کا ترجمہ احباب بولتے جائیں گے آپ لکھتے جائیں گے۔میرے خیال میں اگر آپ چار پانچ روز کے لیے بھی آ جائیں تو کام ہو جائے گا اور کچھ اور بھی ہو سکے گا۔تو پھر کب آ رہے ہیں۔

(24)

5اپریل75[۳۳]

عزیز گرامی سلمک اللہ تعالیٰ

آج صبح ایک دوست نے بتایا کہ اُردو اکادمی لکھنؤ نے آپ کی کتاب ''اُردو املا'' پر تین ہزار روپے کے انعام کا اعلان کیا ہے۔اس مژدے نے بے حد مسرور کیا۔خدا کرے آپ اس سے بھی بڑے انعام پائیں۔آمین!

مئی کا مہینا آ رہا ہے۔اس ماہ میں آپ ہم لوگوں سے وعدہ کر چکے ہیں کہ ایک ہفتے کے

لیے رام پور ضرور آئیں گے۔ خدا کرے آپ بھول نہ جانا۔

ہم سب یہاں بہ خیر ہیں اور متوقع ہیں کہ آپ بھی عافیت سے ہوں زیادہ دعا۔

دعا گو

عرشی

(25)

رضا لائبریری، رام پور

یکم اپریل 80 ۳۴

عزیزم عبث ہے خوفِ شکایت، بس آ کے مل جاؤ۔ رہے ہیں یاد ستم ہائے بے شمار کسے

دعا گو

عرشی

حواشی:

۱؎ یہ خط رضا لائبریری کے لیٹر ہیڈ پر لکھا گیا ہے۔ درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ بائیں جانب ref...615/R/L اور دائیں جانب Dated...195 لکھا ہے۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو کٹے ہوئے قلم سے رقم کیا ہے۔

۲؎ یہ خط رضا لائبریری کے لیٹر ہیڈ پر لکھا گیا ہے۔ درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ بائیں جانب...ref اور دائیں جانب Dated...195 لکھا ہوا ہے۔ خط کے دائیں جانب حواشی چھوڑے گئے ہیں۔ چوتھے نکات پر سوالیہ نشان (؟) بنایا گیا ہے۔ اس خط میں اُردو لغات پر تبادلۂ خیال کیا گیا ہے۔ دراصل رشید حسن خاں کے اس دورانیے میں لغت کے حوالے سے متعدد مضامین ملک کے موقر رسائل و جرائد میں شائع ہوئے تھے۔ مہذب اللغات پر ان کا ایک تبصرہ نما مضمون رسالہ 'نوائے ادب'، بمبئی میں جنوری 1966 کو شائع ہوا تھا۔ ممکن ہے کہ رشید حسن خاں اس لغت کی مختلف جلدوں کو یک جا کرنے کے بعد مضمون لکھنا چاہتے ہوں۔

۳؎ یہ خط رضا لائبریری کے لیٹر ہیڈ پر لکھ کر ان لینڈ لیٹر میں ملفوف کیا گیا ہے۔ خط کی پشت پر librarian, Raza library,Rampur,U.P(INDIA) اور درمیان میں RAZA LIBRARY

RAMPUR U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ بائیں جانب ref...615/R/L اور دائیں جانب Dated...195 لکھا ہوا ہے۔لفافے پر رام پور ڈاک خانے اور دہلی ڈاک خانے کی مہریں ثبت ہیں۔رشید حسن خاں کا پتا اُردو میں ''محترم جناب،رشید حسن خاں صاحب 8 / 1 لکھنؤ روڈ،دہلی-6 لکھا ہوا ہے۔امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو کٹے ہوئے قلم سے لکھا ہے۔

۴۔ رشید حسن خاں نے نسخۂ عرشی کا بغائر مطالعہ کرنے کے بعد اس پر کچھ نشانات لگائے تھے۔اس لیے عرشی صاحب چاہتے تھے کہ جب اس نسخے کا دوسرا اڈیشن منظرِ عام پر آئے تو رشید صاحب اس کی پروف ریڈنگ کریں۔کیوں کہ رشید حسن خاں نے گنجینۂ معنی کا طلسم (جلد اوّل، دوم اور سوم، اشاعت 2017,2018,2019، غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی) کے مقدمے میں اس بات کی جانب اشارے کیے ہیں کہ وہ غالب کے کلام کا ایسا اشاریہ تیار کرنا چاہتے تھے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ غالب نے کس لفظ کو کتنی بار مرکب اور مفرد استعمال کیا ہے۔خاں صاحب نے گنجینۂ معنی کا طلسم کے لیے نسخۂ عرشی کو بنیاد بنا کر کام کیا تھا۔

۵۔ رشید حسن خاں نے دہلی یونی ورسٹی کے رسالہ'' اُردوے معلیٰ'' کے لیے غالب کے فارسی روزنامچے''دستنبو'' کا ترجمہ کیا تھا۔خاص بات یہ رہی کہ سال 1961 میں دستنبو کے دو تراجم منظرِ عام پر آئے۔مخمور سعیدی کا ترجمہ رسالہ تحریک، دہلی، اپریل مئی 1961،ص 53 تا73، شائع ہوا۔رشید حسن خاں کا ترجمہ رسالہ اُردوے معلیٰ، دہلی، جلد دوم،شمارہ3، بابت فروری 1961،ص 177 تا232 شائع ہوا۔موصوف کا یہ اُردو ترجمہ رسالہ افکار(کراچی) کے غالب نمبر میں، اُردوے معلیٰ سے نقل کیا گیا تھا۔بعد میں یہی ترجمہ غالب اور انقلابِ ستّاون از ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، سالِ طبع 1988 میں ص 94 تا148 شائع ہوا۔اس ترجمے پر حواشی خود ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے لکھے ہیں۔مکمل تفصیل کے لیے راقم الحروف کی مرتبہ کتاب''رشید حسن خاں کی غالب شناسی''(اشاعت 2020) کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو رضا لائبریری رام پور کے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔خط کے درمیان میں انگریزی میں Raza Library Rampur,U.P(INDIA) لکھا ہے۔خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا اُردو میں'عزیز محترم جناب رشید حسن خاں صاحب ۴۰ جبلی ہال دہلی یوی ورسٹی، دہلی ٦ لکھا ہوا ہے۔خط کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں نے عرشی صاحب سے خطِ شکستہ اور خط نستعلیق کے حوالے سے کوئی بات دریافت کی ہوگی اس کے جواب میں موصوف نے انھیں یہ خط رقم کیا۔جس میں عرشی صاحب نے خطِ شکستہ اور خط شفیعا پر اپنا نکتہ واضح کیا۔روزنامہ دنیا، پاکستان میں 6 نومبر 2019 کو شائع مضمون''خطِ شکستہ'' میں سید محمد سلیم لکھتے ہیں:

''خط کی مقبولیت اور پھر بے توجہی میں ایک اصول کارفرما نظر آتا ہے۔پہلے ایک خط اختراع ہوتا

ہے۔مختلف قلم کاراوراساتذہ فن اس کی تحسین اورتزئین کے درپے ہوجاتے ہیں۔اس کی نوک پلک درست کرتے ہیں اوراس کوحسین سے حسین تر بنادیتے ہیں۔اس محنت اور جانفشانی کے بعد بلاشبہ وہ خط بڑا حسین اور جاذب نظر بن جاتا ہے۔سب لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں،مگر دوسری جانب وہ لکھنے والوں کے لیے دشواراورمشکل بھی بن جاتا ہے۔صرف ماہر اساتذہ ہی ویسا خوب صورت لکھ سکتے ہیں۔عام کاتب اتنا حسین خط نہیں لکھ سکتا۔مزید برآں اس کے لکھنے میں مہارت فن کے ساتھ ساتھ اچھا خاصا وقت صَرف ہوتا ہے۔انسانوں کی ضرورت اس امر کی متقاضی ہوتی ہے کہ تحریر جلدی سے جلدی لکھی جائے،خواہ فنی اعتبار سے وہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔اس لیےفن تحریر کی ایک اہم قدر زودنویسی ہے،جس کی اہمیت حسنِ نظر سے بھی بڑھ کر ہے۔خطِ کوفی سے خطِ ثلث پیدا ہوا۔پھرسہولت کی خاطر خطِ محقق پیدا ہوا۔زودنویسی نے خطِ ریحان ایجاد کیا۔مزید عجلت پسندی کی وجہ سے رقاع اور خطِ غبار پیدا ہوئے۔زودنویسی کی ضرورت نے ہی خطِ تعلیق کو پیدا کیا پھرتعلیق سے شکستہ تعلیق پیدا ہوا۔اس کلیے کے تحت خطِ نستعلیق سے خطِ شکستہ نستعلیق پیدا ہوا۔خطِ شکستہ کی ایجاد ایران میں دفتر کے منشیوں نے کی ہے۔دفتر کے منشیوں کی ایک عادت ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تحریر کوکوئی آسانی سے نہ پڑھ سکے۔وہ اس کو پیچیدہ بنا کر لکھتے ہیں۔اس طرح خطِ شکستہ کی دو قسمیں ہیں،سادہ اور پیچیدہ،شکستہ پیچیدہ کے پڑھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔اس میں حروف کو باہم ملادیتے ہیں،جس کی وجہ سے حروف کی شکلیں بدل جاتی ہیں اوران کو پہچانا مشکل ہوجاتا ہے۔

خطِ شکستہ کی خصوصیات:

ا۔حرف منفصل کوبھی متصل لکھ دیتے ہیں۔۲۔دوائر پھیل جاتے ہیں۔۳۔اس خط میں التباس کے مواقع بہت زیادہ ہیں۔۴۔اس خط میں دور ہی دور ہے،سطح بہت کم ہے۔

اس خط کے چندابتدائی انداز اور ماہر درج ذیل ہیں۔

شاملو: یہ خط عہد صفوی (ایران) میں پیدا ہوا۔ہرات کے حاکم مرتضیٰ قلی خاں فرزند حسن خاں شاملو نے یہ اختراع کیا۔وہ شاہ سلیمان صفوی کے دربار سے وابستہ تھے۔تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے خط شکستہ مرتضیٰ قلی خاں شاملو نے لکھا ہے۔ان کی وفات 1689 میں ہوئی۔

خطِ شفیعا: محمد شفیع ہروی حسینی ہرات کے مشہور خاندان سادات کے فرد تھے۔خط تعلیق،نستعلیق اور شکستہ کے ماہر تھے۔شکستہ انہوں نے شاملو سے سیکھا تھا۔پھر اس خط کو منقح اور مہذب کیا۔اس کے اصول وقواعد متعین کیے۔انہوں نے اس خط میں اس قدر انہماک دکھایا کہ بعض لوگ اس کو خط شفیعا کہنے لگے۔

روش کفایت خاں: برصغیر میں یہ خط عہد شاہجہانی میں پہنچ گیا تھا۔یہاں اس خط کو محمد کفایت خاں نے مقبول عام بنایا۔ان کا اصلی نام محمد جعفر خاں بن محمد مقیم خاں تھا۔عہد عالم گیری میں محاسب مقرر

ہوئے۔خطِ تعلیق اور شکستہ لکھنے میں کوئی ان کا مدمقابل نہ تھا۔خطِ شکستہ لکھنے میں ایک خاص روش کے موجد ہیں۔اس کی روش کو روش کفایت خاں کہتے تھے، جو بے حد دل کش اور نظر افروز تھی۔ بہت سے لوگ ان کے شاگرد تھے، جو ان کا تتبع کرتے۔1674 میں ان کا انتقال ہوا۔

درایت خانی: درایت خان کا اصلی نام عبداللہ تھا اور کفایت خاں کے بیٹے تھے۔ یہ بھی شاہی دربار سے وابستہ تھے۔شکستہ خط کی تعلیم انھوں نے اپنے والد سے حاصل کی تھی اور پھر مشق سے خود ایک طرز خاص ایجاد کی تھی، جس کو درایت خانی کہتے تھے۔اساتذۂ فن کا اتفاق ہے کہ یہ اپنے والد سے بڑھ کر لکھتے تھے۔غلام محمد نے صاحب تذکرہ خوش نویساں میں اس کی اس قدر تعریف کی ہے کہ اگر میر علی تبریزی زندہ ہوتا اور درایت خان کا خط دیکھ لیتا تو وہ خطِ نستعلیق کو بھول جاتا۔‘‘

۷ یہ خط پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے اور درمیان میں RAMPUR RAZA LIBRARY FORT, RAMPUR,U.P(INDIA) لکھا ہے۔خط کے دائیں جانب سب سے اوپر Call:385 لکھا ہوا ہے۔بائیں جانب In reply please qoute 278/RL اور دائیں جانب Date...196 لکھا ہوا ہے۔عرشی صاحب نے اس خط کو رشید حسن خاں کے نام 20 جبلی ہال دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر ارسال کیا ہے۔پوسٹ کارڈ پر رام پور ڈاک خانہ سنہ 64 کی مہر ثبت ہے۔

۸ امتیاز علی خاں عرشی نے یہ خط رشید حسن خاں کے نام Inland Letter پر f/9 جبلی ہال، دہلی-7 کے پتے پر ارسال کیا ہے۔اس خط میں خاں صاحب کے لڑکے کی بیماری کا ذکر ہے۔اس میں یہ نہیں لکھا گیا کہ ان کا کون سا بیٹا یعنی خورشید حسن خاں یا خالد حسن خاں بیمار تھا۔خط کے درمیان میں RAMPUR RAZA LIBRARY RAMPUR,U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔بائیں جانب In reply please qoute اور دائیں جانب Date...196 لکھا ہوا ہے۔

۹ یہ خط امتیاز علی خاں عرشی نے INLAND LETTER پر لکھا ہے۔اس خط میں موسیقی کے لفظوں ’الاپ‘ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ممکن ہے رشید حسن خاں نے اس سے پہلے عرشی صاحب کے نام خط لکھ کر ’الاپ‘ کے بارے میں معلوم کیا ہوگا۔خط کے درمیان میں RAMPUR RAZA LIBRARY RAMPUR,U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔بائیں جانب In reply please qoute اور دائیں جانب Date...196 لکھا ہوا ہے۔ خط کے سب سے اوپر Phone:385 لکھا ہوا ہے۔خط میں رشید حسن خاں کا پتا عزیزم رشید حسن خاں صاحب، 182 جبلی ہال، دہلی-6 اور بھیجنے والے کا پتا The Librarian, Raza Library, Rampur,U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔

۱۰ عرشی صاحب نے یہ خط پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔پوسٹ کارڈ پر ڈاک خانہ رام پور کی مہر بہ تاریخ

14.08.65 اور وقت 5:45pm ثبت ہے۔ خط میں رشید حسن خاں کا پتا 11/11 سی ماڈل ٹاؤن دہلی-9 درج ہے۔ خط کے درمیان اُردو میں 'رامپور رضا لائبریری،، رامپور' درج ہے۔ خط کے بائیں جانب سب سے اوپر فون:385 لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب 'حوالہ' اور بائیں جانب 'تاریخ' درج ہے۔

۱۱ عرشی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ پر رام پور کی مہر اور دہلی جی پی او کی مہریں ثبت ہیں۔ رشید حسن خاں کا پتا c,11/11 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 لکھا ہوا ہے۔ خط کے درمیان میں 'رامپور رضا لائبریری،، رامپور' درج ہے۔ خط کے بائیں جانب سب سے اوپر فون:385 لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب 'حوالہ' اور بائیں جانب 'تاریخ' درج ہے۔

۱۲ در اصل رشید حسن خاں کا ایک مضمون رسالہ ملائی اور بالائی 'نوائے ادب' بمبئی، جلد 18، شمارہ 10، بابت 10 جنوری 1967، صفحہ 47 تا 65 شائع ہوا۔ بعد میں اس مضمون کو خاں صاحب نے اپنی کتاب 'زبان اور قواعد (1976) میں صفحہ 226 تا 241، شامل کیا۔ عرشی صاحب سے خاں صاحب نے لفظ 'بالائی' کے بارے میں تفصیلات معلوم کی تھیں۔ اہلِ لکھنؤ لفظ 'ملائی' کی مقابلے 'بالائی' کو ترجیح دیتے ہیں دونوں جگہ تذکیر و تانیث کی بحثیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ رشید حسن خاں نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''گذشتہ لکھنؤ'' میں بھی اس لفظ پر تنقیدی اور تحقیقی بحث کی ہے۔

۱۳ عرشی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ پر رام پور کے ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 11.9.65 درج ہے جب کہ دہلی ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 15.9.65 درج ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا c,11/11 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 لکھا ہوا ہے۔ خط کے درمیان میں 'رامپور رضا لائبریری، رامپور' درج ہے۔ خط کے بائیں جانب سب سے اوپر فون:385 لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب 'حوالہ' اور بائیں جانب 'تاریخ' درج ہے۔

۱۴ یہ خط ان لینڈ لیٹر پر لکھا گیا ہے۔ خط کے درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب Dated...196 اور بائیں جانب In reply please quote درج ہے۔ خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔ خط کے پتے پر ''جناب رشید حسن خاں صاحب، c-11/11 Model Town,Delhi-9 لکھا ہوا ہے۔ جب کہ ارسال کردہ کے پتے کے طور پر The Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 8.8.66 ثبت ہے۔

۱۵ خط چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے۔ خط پر پتا ''بخدمت شریف عزیز مکرم رشید حسن خاں صاحب E2/116 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 لکھا ہوا ہے۔

۱۶۔ عرشی صاحب نے اس خط کو 6 نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ E2/16 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 کا پتا درج ہے۔ خط پر پتا ''بخدمت شریف عزیزم رشید حسن خاں صاحب E2/116 ماڈل ٹاؤن دہلی -9 لکھا ہوا ہے۔ خط کے درمیان میں رامپور رضا لائبریری رامپور لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب حوالہ اور بائیں جانب تاریخ اور سب سے اوپر فون 385 لکھا ہوا ہے۔

۱۷۔ عرشی صاحب نے پوسٹ کارڈ پر چار نئے پیسے کے ٹکٹ لگائے ہیں اور خط کی پشت پر بخدمت شریف جناب رشید حسن E2/16 Model Town Delhi-9 کا پتا درج ہے۔

۱۸۔ عرشی صاحب نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر بخدمت شریف جناب رشید حسن 70 Jublee Hall, Mall Road Delhi-7 کا پتا درج ہے۔ خط کے دائیں جانب رامپور رضا لائبریری رامپور اور بائیں جانب فون: 385، حوالہ اور تاریخ لکھا ہے۔ خط کی پشت پر 69-1-13 ڈاک خانہ Delhi-7 کی مہر ثبت ہے۔ اس خط میں عرشی صاحب نے اپنی بیماری کا احوال خاں صاحب کو لکھا ہے۔ ساتھ ہی یہ شکایت کی کہ انھوں نے ان کی بیماری میں کوئی خط کیوں نہیں لکھا؟

۱۹۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ خط میں رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں 70 Jublee Hall, Mall Road Delhi-7 درج ہے۔ خط کے درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب Dated...196 اور بائیں جانب In reply please quote درج ہے۔ خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔ ارسال کردہ کے پتے کے طور پر The Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔

۲۰۔ عرشی صاحب نے اس خط میں دیوانِ غالب نسخۂ عرشی سے متعلق خاں صاحب کی رائے معلوم کی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ اس زمانے میں اتنے بیمار تھے کہ غالب صدی تقریبات میں حصہ نہ لے سکے۔

۲۱۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ خط میں رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں Janab Rasheed Hasan Khan,70 Jublee Hall, Mall Road Delhi-7 درج ہے۔ خط کے درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب Dated...196 اور بائیں جانب In reply please quote درج ہے۔ خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔ ارسال کردہ کے پتے کے طور پر The Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ خط پر دائرہ بنا کر لفظ 'نجی' لکھا گیا ہے۔ خط پر ڈاک خانہ رام پور کی مہر کے ساتھ 70-9-16 کی تاریخ

ثبت ہے۔عرشی صاحب نے اس خط میں بھی دیوانِ غالب نسخۂ عرشی پر خاں صاحب کے تسامحات کا ذکر کیا ہے۔

۲۲ اس خط کو امتیاز علی خاں عرشی نے INLAND LETTER پر لکھا ہے۔خط میں خاں صاحب کا پتا جناب رشید حسن خاں صاحب، F/9 جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7 لکھا ہوا ہے۔ارسال کردہ کے پتے کے طور پر The Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔خط کے درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔دائیں جانب Dated...196 اور بائیں جانب In reply please quote درج ہے۔خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔اس خط میں عرشی صاحب نے چھے لفظوں کی تفصیل درج کی ہے جن پر خاں صاحب نے موصوف کی رائے مانگی تھی۔

۲۳ یہ خط عرشی صاحب نے ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔پتے کے طور پر بہ خدمت جناب رشید حسن خاں صاحب F/4، جبلی ہال، مال روڈ، دہلی-7 درج ہے۔پشت پر ڈاک خانہ دہلی کی مہر اور 72-4-6 کی تاریخ ثبت ہے۔خط کے دائیں جانب رامپور رضا لائبریری رامپور اور بائیں جانب فون:385، حوالہ و تاریخ درج ہے۔

۲۴ عرشی صاحب نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں Janab Rasheed Hasan Khan,70 Jublee Hall, Mall Road Delhi-7 درج ہے۔

۲۵ امتیاز علی خاں عرشی چاہتے تھے کہ رشید حسن خاں دیوان غالب نسخۂ عرشی کی اشاعت دوم کے پروف پڑھیں۔لیکن بعض وجوہات کی بنا پر نسخۂ عرشی کے پروف رشید حسن خاں تک نہیں پہنچ سکے۔عرشی صاحب نے اس بات کا افسوس خط میں ظاہر کیا ہے۔

۲۶ یہ خط ان لینڈ لیٹر میں لکھا گیا ہے۔خط کے درمیان میں RAZA LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔دائیں جانب Dated...19 اور بائیں جانب In reply please quote درج ہے۔خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔خط کے پتے پر ''خدمتِ عزیزِ گرامی جناب رشید حسن خاں صاحب، F-3/04, Model Town,Delhi-9 لکھا ہوا ہے۔جب کہ ارسال کردہ کے پتے کے طور پر The Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) خط پر رام پور ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 74-9-10 ثبت ہے۔دہلی ڈاک خانے کی مہر پڑھی نہ جا سکی۔

۲۷ رشید حسن خاں اپنی کتاب ''اُردو املا'' (اشاعت 1974) کا ایک نسخہ ذکا صدیقی کے ہاتھ رام پور امتیاز علی خاں کی خدمت میں ارسال کر چکے تھے۔

۲۸ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔خط کے درمیان میں RAZA

LIBRARY RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ دائیں جانب Dated...19اور بائیں جانب In reply please quoteدرج ہے۔ خط کے سب سے اوپر دائیں جانب CALL:385 لکھا ہوا ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں Mr. Rasheed Hasan Khan, F-3/Model Town, Delhi-9 لکھا ہوا ہے۔ ارسال کردہ میں امتیاز علی خاں عرشی Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔

۲۹۔ امتیاز علی خاں عرشی، رشید حسن خاں کی کتاب ''اُردو املا'' کا بغور مطالعہ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی وہ خاں صاحب کو داد بھی دے رہے ہیں کہ انھوں نے اس عظیم کارنامے میں کوئی غلطی نہیں کی۔ عرشی صاحب نے آدھی کتاب پڑھنے کے دوران احتیاطاً صرف تین جگہ نشان لگائے ہیں۔

۳۰۔ امتیاز علی خاں عرشی اس بات پر نالاں ہیں کہ رشید حسن خاں اپنی کسی نئی کتاب کا انتساب ان کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے خاں صاحب کو اپنی تیسری کتاب کا انتساب ان کے نام کرنے کی اجازت دی۔ لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ عرشی صاحب کے کہے کے مطابق رشید حسن خاں نے 'ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' کا انتساب قاضی عبدالودود کے نام کیا۔ اور 'باغ و بہار' کا انتساب اُردو میں تدوین کے معلمِ اوّل مولانا امتیاز علی خاں عرشی (مرحوم) کی یاد میں، جن کی شفقت بھری باتوں، پُرخلوص تنبیہوں اور مثالی تحریروں سے میں نے تدوین کے آداب سیکھے ہیں، ذرّہ آفتابِ تابانیم' لکھ کر کیا۔

۳۱۔ اس خط کو امتیاز علی خاں عرشی نے 15 پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں Mohtram Rasheed Hasan Khan, F-3/4,Model Town, Delhi-9 لکھا ہوا ہے۔ خط کی دائیں جانب رامپور رضا لائبریری رامپور اور بائیں جانب فون 385، حوالہ اور تاریخ کا اندراج ہے۔

۳۲۔ امتیاز علی خاں عرشی، رشید حسن خاں کی کتاب ''اُردو املا'' پر تبصرہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن بیماری، لائبریری اور ذاتی کاموں اور ادبی مصروفیت کے سبب یہ کام نامکمل ہی رہا۔

۳۳۔ امتیاز علی خاں عرشی نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں Rasheed Hasan Khan, F-3/4,Model Town, Delhi-9 لکھا ہوا ہے۔ جب کہ ارسال کردہ کا پتا Librarian, RAZA LIBRARY,RAMPUR, U.P(INDIA) لکھا ہوا ہے۔ خط پر رام پور ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 9-4-75 اور دہلی ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 12-4-75 ثبت ہے۔

۳۴۔ اس خط کو امتیاز علی خاں عرشی نے سادے کاغذ پر لکھا ہے۔

❁❁❁

امیر اللہ شاہین بہ نام رشید حسن خاں

باسمی

میرٹھ

10 اگست 74ء[1]

مکرمی و محترمی جناب رشید حسن خاں صاحب

السلام علیکم

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

ایک طویل مدت سے آپ سے نیاز حاصل نہ کر سکا۔ 12 اگست کو ڈاکٹر قمر رئیس صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہیں اُردو املا پر ڈاکٹر عبدالحق کا تبصرہ[2] دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اسی سے املا نامہ[3] کی حقیقت بھی معلوم ہوئی۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دہلی کے حلقوں میں یہ افواہ گرم ہے کہ نارنگ صاحب مجھ پر مقدمہ چلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی صاحب نے بھی ایک حالیہ ملاقات میں مجھ سے اس کا ذکر کیا۔ اس کے علاوہ نارنگ صاحب کا ایک خط مجھے موصول ہوا۔ مجھ سے انھوں نے مقدمہ قائم نہ کرنے کی بھی درخواست کی۔ مجھے یقین دہانی بھی کرائی۔ دراصل یہ آپ کی تادیب سے بچنے کا طریقہ ہے، جوان موصوف نے اختیار کیا ہے۔ بہرکیف، میں نے ان کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا ہے اس کی نقل یہاں آپ کے لیے ارسال ہے:

’’...مجھے خوشی ہوگی کہ آپ مقدمہ چلائیں تا کہ حقیقتِ حال سامنے آجائے۔ سرکاری عدالت کے بجائے ایک اور طریقہ بھی ہوسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ اپنے اساتذہ، احباب اور کرم فرماؤں کو یہ تکلیف دیں کہ وہ آپ کے کلاس نوٹس اور میری مستقل تصنیف پر اپنی اپنی رائے دیں تا کہ ان دونوں میں کیا چیز مشترک ہے اس کا فیصلہ ہوسکے۔

یہ طریقِ کار میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کیوں کہ آپ نے اس سے قبل بھی دہلی کے کئی حلقوں میں اس کا اظہار کیا ہے اور اس خط میں بھی آپ نے لکھا ہے اور مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میری تصنیف آپ کے کلاس نوٹس ہیں۔ اس الزام تراشی سے میری عزتِ نفس مجروح ہوئی ہے۔ اس

لیے اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم دونوں اس معاملے کو دلّی یونی ورسٹی کے Senior اور مستند پروفیسروں اور محققوں کے روبرو لے جائیں اور وہ ان کو فیصلے کا مجاز بنائیں۔

سب سے پہلے میں اس خط کی نقل جناب رشید حسن خاں صاحب کو روانہ کر رہا ہوں۔ آپ کو بھی یہ زحمت کرنی پڑے گی کہ اپنے اور پروپیگنڈا نوٹس ان موصوف کو روانہ فرمائیں تا کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو سکے۔

اس کے بعد ایک ایک کر کے دہلی یونی ورسٹی کے اُردو اساتذہ کو میں اس خط کی نقل اور اپنی کتاب[۳] بھیجوں گا۔ آپ کو بھی اپنے کلاس نوٹس فرداً فرداً روانہ کر دینے ہوں گے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ از خود ہو سکے گا کہ صحیح صورتِ حال کیا ہے۔ مجھے آپ کے خط کا شدّت کے ساتھ انتظار رہے گا تا کہ میں اس اسکیم کو بروئے کار لا سکوں۔''

مذکورہ خط میں نے 15 اگست کو نارنگ صاحب کو روانہ کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری تجویز اور یہ سب طریق کار سے اتفاق کریں گے۔

کوئی خدمت یا کام میرے لائق ہو تو بلا تکلف تحریر فرمائیں۔ آپ سے ملاقات یا سر دست نصف ملاقات کا شائق:

آپ کا مخلص

امیر اللہ شاہین

مراسلت کے لیے گھر کا پتا مرقوم ہے۔

حواشی:

۱۔ خط ان لینڈ لیٹر پر لکھا گیا ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا JB.RASHEED HASAN KHAN DEPTT OF URDU,UNIVERSITY OF DELHI لکھا ہے۔ جب کہ امیر اللہ شاہین کا پتا A.U KHAN(SHAHIN)68.SWAMI PARA,MEERUT لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر اور 74-8-17 کی تاریخ ثبت ہے۔

۲۔ رشید حسن خاں کی کتاب اُردو املا (1974) پر ڈاکٹر عبدالحق کا تبصرہ ماہ نامہ تحریک، نئی دہلی اگست 1976 میں ص 44 تا 45 شائع ہوا۔

۳۔ گوپی چند نارنگ کی کتاب ''املا نامہ'' کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ رشید حسن خاں کی کتاب ''اُردو املا'' کا سرقہ ہے۔ خود رشید حسن خاں نے مشفق خواجہ کے نام 2 جنوری 1975 اور

15اپریل1975 کو لکھے خطوط میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ گوپی چند نارنگ نے ان کی کتاب کا خلاصہ ''املا نامہ'' کے نام سے شائع کیا ہے۔15اپریل 1975 کا لکھا ہوا خاں صاحب کا مشفق خواجہ کے نام خط ملاحظہ کیجیے:

میری کتاب اُردو املا کا مسودہ بورڈ نے گوپی چند نارنگ کے پاس بھیجا تھا رائے کے لیے، حضرت نے اسی زمانے میں اُس کا خلاصہ تیار کر لیا اور پھر اُس کو رپورٹ کے عنوان سے املا نامہ نام رکھ کر پیش کر دیا اور اب یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ وہ اُن کی عمر بھر کی کمائی اور ریاضت کا نتیجہ ہے، جب کہ روزانہ میرے پاس نیاز مندی کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔اس شخص نے جس طرح دوستی کے منھ پر کالک لگائی ہے اور علمی سچّائی کو تباہ کیا ہے، اُس پر اب میں کیا کہوں۔تو صاحب یہ تو حال ہے ان فریب کاروں کا اور آپ کہتے ہیں کہ کلیات ناسخ کو مرتب کرو۔نا صاحب! میں باز آیا۔اب یہ سوچا ہے کہ دن بھر جاسوسی ناول پڑھو، شام کو کافی ہاؤس میں بیٹھو یا فٹ بال کا میچ دیکھو اور رات کو سو رہو، بس۔حاضری، جوڑ توڑ، چوری، منافقت، گروپ بندی میرے بس کی نہیں اور ان صفات کے بغیر اب کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔''

مذکورہ خط سے پہلے بھی رشید حسن خاں نے اُردو املا، املا نامہ اور گوپی چند نارنگ کی ادبی کارگزاریوں کے بارے میں 2 جنوری 1975 کو مشفق خواجہ کے نام تفصیل کے ساتھ خط لکھا تھا:

''خواجہ صاحب! میں نے عمرِ عزیز کے دس سال اس موضوع کی نذر کیے ہیں، تب تفصیلات کو فراہم کر سکا ہوں اور املا کو ایک موضوع کی حیثیت سے پیش کر سکا ہوں اور آپ سے داد کا طالب ہوں:

حیف بر جانِ سخن گر بسخند اں نرسد

کیا اچھا ہو کہ آپ اس پر کہیں مفصل تبصرہ بھی کر دیں۔نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں۔رسید کا انتظار رہے گا۔ہاں صاحب، یہاں ایک صاحب نے اس پر ڈاکا ڈالا ہے اور دوستی کے چہرے پر کالک پوتی ہے اور پُر فریب انداز سے اس کی تلخیص ، رپورٹ کے نام سے منسوب کی ہے، لعنت ہو اس غارت گری پر!''

۴۔ امیر اللہ خاں شاہین میرٹھ کالج میرٹھ میں صدر شعبہ اُردو رہے ہیں۔ملازمت کے دوران ہی ان کا انتقال میرٹھ میں ہوا۔اُردو املا اور لسانیات سے موصوف کو والہانہ شغف تھا۔ان کی مشہور کتاب 'جدید اُردو لسانیات' (1973) ہے۔علاوہ ازیں اُردو اسالیبِ نثر، تخلیق و تنقید، فن سوانح نگاری، کلیاتِ دلمیر وغیرہ کتابیں اہمیت کی حامل ہیں۔''جدید اُردو لسانیات'' کے پیش گفتار میں پروفیسر گوپی چند نارنگ نے امیر اللہ خاں شاہین کے لسانیاتی پہلوؤں پر بحث کے علاوہ میرٹھ شہر سے ان کے والہانہ

محبت پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا:

''ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین زمانۂ طالب علمی ہی سے دُھن کے پکے اور لگن کے سچے تھے۔ اکثر باتوں میں مجھ سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ لسانیات کا چسکا انھیں دلّی یونی ورسٹی میں میری کلاس سے لگا ہر لیکچر کو غور سے سنتے اور قلم بند کرتے، جو کتابیں بتائی جاتیں انھیں لائبریری میں جا کر کھوجتے اور پڑھتے تھے۔ ایسا ذوق و شوق بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایم۔ اے اُردو کے بعد میں نے انھیں لسانیات میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کرنے کی طرف مائل کیا، ان کا داخلہ بھی ہو گیا لیکن اسی زمانے میں میں وسکانسن یونی ورسٹی چلا گیا۔ اِنھیں دنوں میسور کے سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لینگویجز نے پٹیالہ میں اپنا ریجنل کالج قائم کیا تو اِس میں شعبۂ اُردو بھی کھولا گیا۔ ڈاکٹر پٹنائک سے کہہ کر اس میں میں نے شاہین صاحب کا تقرر کرا دیا لیکن انھیں دنوں میرٹھ کالج میں اُردو کی بحالی کے لیے شاہین صاحب نے تن تنہا تگ و دو شروع کر دی تھی اور ان کی کوششوں سے کامیابی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اسی لیے شاہین صاحب نے پٹیالہ پر میرٹھ کو ترجیح دی اور پھر یہیں پر ترقی کی تمام منزلیں طے کیں۔ میں بس کے سفر سے بہت گھبراتا ہوں لیکن شاہین صاحب کے اصرار پر جب جب میرٹھ جانا ہوتا وہ گھر پر ضرور لے جاتے اور اُن کی خوشی کا عجیب عالم ہوتا۔ اس کارخانۂ قدرت کا اُصول ہے کہ جن کی یہاں ضرورت ہوتی ہے اکثر اُن کی وہاں بھی ضرورت ہوتی ہے۔ لوگ تو آتے جاتے رہیں گے لیکن افسوس دوسرا شاہین نہ ہوگا۔''

(جدید اُردو لسانیات، امیر اللہ خاں شاہین، اشاعت سوم 1991، ص 3 تا 4)

پروفیسر گوپی چند نارنگ کے بعد ڈاکٹر ابن کنول نے بھی ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہین کی لسانیاتی تحقیق و تنقید کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور تحریر کیا کہ اُردو لسانیات کے موضوع پر چند معتبر کتابوں میں ان کی کتاب کا شمار ضرور کیا جائے گا۔ کیوں کہ اس کتاب میں دہلی، لکھنؤ کے علاوہ دوسرے ادبی علاقائی مراکز اور علمی گہواروں پر بھی لسانیاتی گفتگو کی گئی ہے۔ دراصل ڈاکٹر امیر اللہ خاں شاہیؔن نے ایسے مشکل ترین موضوعات پر کام کیا جن سے ناقدین اور محققین اکثر بچ کر صاف نکل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ابن کنول، امیر اللہ خاں شاہیؔن کی ادبی و لسانی کاوشوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عجیب بات ہے کہ جن موضوعات کو محقق اور نقاد اس لیے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ دینا خود کو امتحان میں ڈالنا ہے۔ ڈاکٹر شاہین نے انھیں موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اس کی ایک مثال اُن کی کتاب ''اُردو اسالیب نثر'' ہے تو دوسری کتاب 'جدید اُردو لسانیات' ہے۔ اُردو میں لسانیات پر لکھی گئی معتبر کتابیں چند

ہی ہیں۔ڈاکٹر شاہین کی کتاب ان میں ایک اہم اضافہ ہے،اگر چہ ڈاکٹر شاہین نے یہ دعوانہیں کیا تھا کہ وہ ماہر لسانیات ہیں لیکن ان کی یہ کتاب ظاہر کرتی ہے کہ انھیں کس قدر اس موضوع سے دل چسپی تھی اور انھوں نے کس محنت اور لگن سے تمام موضوعات پر لسانیات کا مطالعہ کیا ہے۔ڈاکٹر شاہین نے اس کتاب میں صرف اُردو زبان کی ابتدا کے سلسلے میں ہی بحث نہیں کی ہے بل کہ زبان اور زبان کی ابتدا کے بارے میں جو نظر یات پیش کیے گئے ہیں اور ہند یور پی اور ہند آریائی زبانوں اور ان کی درجہ بندی پر روشنی ڈالی ہے۔ڈاکٹر شاہین کی اس کتاب کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس میں شمالی ہند میں دہلی لکھنؤ کی اصلاح زبان کی تحریکوں پر بھی گفتگو کی ہے اور اُردو میں علی گڑھ تحریک کی خدمات،اُردو اور ہندی کا رشتہ اور اُردو رسمِ خط جیسے موضوعات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔''

(امیر اللہ شاہین شخصیت اور فن،جلال انجم،ناشر ادارہ سہ ماہی ملاقات،میرٹھ 1996،ص 143)

❁❁❁

جعفر علی خاں اثرؔ لکھنوی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

کشمیری محلّہ، لکھنؤ[1]

2 جنوری 1959

مکرمی! تسلیم

عنایت نامہ موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔

قسم لے لیجیے جو آپ کے وہ خطوط جن کا حوالہ دیا ہے مجھے پہلے ملے ہوں ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ میں اُن کا جواب نہ دیتا۔ آپ نے جو خیالات میرے متعلق ظاہر فرمائے ہیں اُن کے لیے شکر گزار ہوں اور میرے لیے باعثِ فخر ہیں۔ یقین مانیے کہ میں آپ کے مضامین بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اُن میں مغز ہوتا ہے اور بے جا طرف داری یا مخالفت سے پاک ہوتے ہیں اور اظہارِ خیال میں ایسی اُپج ہوتی ہے جو دل کو موہ لیتی ہے۔ اختلافِ رائے ایک قدرتی امر ہے اور کچھ سیکھنے یا اصلاح خیال کا بہترین وسیلہ۔ واللہ نہ تو میں آپ سے ناراض ہوں نہ ہو سکتا ہوں آپ کی تحریر سے خلوص اور دیانت داری ٹپکتی ہے، اس سے جو نا خوش ہو وہ خود بے ایمان ہے۔

بہاراں پر میں نے آپ کا مضمون پڑھا تھا اور اُس کی بڑی عزت کی تھی۔ رسائل میرے پاس محفوظ نہیں رہتے۔ اُردو ادب کے اُس نمبر کا اگر کچھ پتا یاد ہو تو تحریر فرمایئے تاکہ تلاش کروں اور اس نظر سے پڑھ کر کہ آیا کسی مقام پر آپ سے اختلاف ہے تاکہ اپنی آزاد رائے کا اظہار کروں۔

آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں بہت بیمار رہتا ہوں بہر طور: شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن۔

خدا کرے آپ بہ صحت و عافیت ہوں۔

نیاز مند

اثرؔ

(2)

کشمیری محلّہ، لکھنؤ
12 اکتوبر 1959ء
مکرمی۔ تسلیم

عنایت نامہ موصول ہوا۔ شکریہ۔

آپ کے استفسارات کے جواب میں عرض ہے کہ اُسی کے شعر میں خدا کر کے نہیں بل کہ خدا خدا کر کے (لفظ بتکرار) نظم ہے اور یہ بالکل صحیح محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بدقت، بمشکل تمام۔ غالباً چکبست[3] کا مطلع ہے:

لائے اُس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اور اس طرح لکھنؤ میں برابر مستعمل ہے۔

دوسرا شعر بھی ساقط الوزن نہیں ہے۔ تقطیع اس طرح ہوگی (دوسرے مصرعے کی) پھر نہ آئے (فاعلاتن) گِ چند رو (مفاعلن) زَہمب (فعلن۔ع متحرک) لفظ اب کا الف وصل ماقبل ہم کے میم ساکن کو متحرک کر کے اپنے حرفِ مابعد (ب) سے ملا کر خود ساقط ہو گیا۔ ہم اب ہمب پڑھا جائے گا۔

اگر صاحب کا عام تلفظ (بہ فتح حا) لیجیے تو اب کے ساتھ قافیہ کر سکتے ہیں اگر ح مکسور رکھیے جس طرح صحیح ہے تو قافیہ غلط ہو جائے گا۔

تیسرے شعر میں بیشک ایطا ہے لکھوں اور کاٹوں حرف زائدہ نکال دینے کے بعد لکھ اور کاٹ رہ جاتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض عروضی اور قوافی میں ایطا کے قائل نہیں۔ اس شعر میں ایک عیب اور ہے۔ وقت کاتا جاتا ہے وقت کو کاٹا نہیں جاتا ہے جس طرح نظم ہے۔

اسی طرح چوتھے شعر میں لفظ اب غلط صرف ہوا ہے۔ یا تو حشو ہے یا اس کی جگہ آج ہونا چاہیے تھا: بول چال میں کہیں گے جیسے ایک ہفتہ ہوا ہے یا جیسے آج ایک ہفتہ ہوا ہے نہ کہ جیسے اب ایک ہفتہ ہوا ہے۔

تحریک[4] میں آپ کا عالمانہ مضمون پڑھا تھا، بہت پسند آیا۔ آپ کی دقتِ نظر کا آئینہ دار ہے۔ میری حالت نہ پوچھیے۔ زندہ درگور ہوں۔ خدا کرے آپ بہ صحت و عافیت ہوں۔

دعا گو آثر

حواشی:

۱؎ پہلا خط مرزا جعفر اثر لکھنوی نے رشید حسن خاں کے نام شاہ جہاں پور کے پتے پر ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔اس خط پر 3 جنوری شاہ جہاں پور ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔

۲؎ اس خط کو آثر لکھنوی نے سادہ کاغذ پر لکھا ہے۔

۳؎ یہ شعر چکبست لکھنوی کا نہیں بل کہ پنڈت دیا شنکر نسیم کا ہے۔

۴؎ رسالہ تحریک، ستمبر 1959، جلد 7، شمارہ 5، نئی دہلی میں رشید حسن خاں کا مضمون 'فاعتبروا یا اولی الابصار' ص 8 تا 20 شائع ہوا تھا۔ غالباً جعفر علی خاں آثر نے اسی مضمون کی جانب اشارہ کیا ہے۔

❁❁❁

جعفر حسن بہ نام رشید حسن خاں

Jafer Hasan
Vidyakuti
banjara hill
Hyderabad
10 اپریل 1960[1]

رشید صاحب، حسن اتفاق سے کچھ کام نکل آیا ہے اور میں دو چار روز کے لیے دہلی آرہا ہوں۔ ان شاء اللہ 22 کو ہفتہ کے روز دہلی پہنچوں گا۔ میں وہاں دو روز کے لیے دہلی میں New Delhi, 15A/11East Patel Nagar کے پاس قیام کروں گا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھ سے وہیں مل سکتے ہیں۔ اتوار کے روز 8 بجے آپ تشریف لا سکیں تو مناسب ہوگا۔ اگر ضروری سمجھیں یا آپ کو فرصت ہو۔ فاروقی صاحب[2] کی خدمت میں آداب۔ فقط

جعفر حسن

حواشی:

1. جعفر حسن نے اس خط کو پانچ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر رشید حسن خاں کے نام لکھنؤ روڈ 1B، دہلی-6 کے پتے پر ارسال کیا۔
2. فاروقی صاحب سے مراد خواجہ احمد فاروقی ہے۔ وہ اس وقت صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی تھے۔

❁❁❁

جگن ناتھ آزاد بہ نام رشید حسن خاں

(1)

پریس انفارمیشن بیورو
ریزی ڈینسی روڈ، سری نگر (کشمیر)
10 اگست 1972ء

برادرم رشید حسن خاں صاحب، تسلیم
''آثار محروم'' کی ایک جلد میں نے آپ کو بھجوائی تھی۔اُمید کہ موصول ہوگئی ہوگی۔خدا کرے آپ ہر طرح خیریت سے ہوں۔

نیازمند
جگن ناتھ آزاد

جناب رشید حسن خاں، دہلی۔
پس نوشت: اُمید ہے میری تنقید شعرالعجم کی جلد آپ کے پاس محفوظ ہوگی

آزاد

(2)

پریس انفارمیشن بیورو
ریزی ڈینسی روڈ، سری نگر (کشمیر)
یکم ستمبر 1972ء

برادر بجان برابر، تسلیم
میں دہلی اور لکھنؤ کے مشاعروں میں شرکت کے لیے گیا ہوا تھا۔ پرسوں ہی واپس آیا ہوں۔آپ کا عنایت نامہ واپسی پر ملا سراپا سپاس ہوں۔
''تنقید شعرالعجم'' کے بارے میں مجھے یاد بھی ہے اور ڈائری کا اندراج بھی یہی کہتا ہے کہ آپ ایک بار وِنے مارگ والے مکان میں تشریف لائے تھے اور لے گئے تھے۔لیکن میری

یادداشت صحیح ہے یا غلط اب اس کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ اس لیے کہ سری نگر روانہ ہوتے وقت 1968 میں آپا حمیدہ سلطانہ احمد کی تحویل میں کتابوں کے 12-11 بڑے بڑے بکس جو چھوڑ آیا تھا وہ سب کے سب دیمک کی نذر ہو گئے ہیں۔ ان میں کیا تھا۔ ایک صندوق کا عنوان تھا ''فارسی ادب'' ایک کا نام تھا ''اُردو تنقید'' ایک پر لکھا تھا ''انگریزی لٹریچر''۔ اس طرح ''اُردو نظم''، ''اُردو افسانہ'' وغیرہ کے الگ الگ صندوق تھے۔ اور صندوق بھی اتنے بھاری کہ دو دو چار مزدوروں نے انھیں مل کر اٹھایا تھا۔ کتابوں کی تعداد پانچ اور چھے ہزار کے درمیان تھی۔ یہ سب سرمایہ قریب قریب تلف ہو گیا ہے۔ ایک ''تنقید شعر العجم'' اب میں کیا یاد رکھوں کہ ہے کہ یاد نہیں ہے۔ اس ذخیرے میں ہوتی تو بھی اس کا کیا حشر ہوتا۔ شعر العجم کی پانچوں جلدیں چلی گئیں۔ شعر الہند گئی فردوسی کا شاہ نامہ مطبوعہ ایران، کلیات سعدی کے پانچ مختلف اڈیشن، دیوانِ حافظ کے کئی اڈیشن۔ اب کسے یاد کروں کسے بھلاؤں۔ شمس تبریز کا انگریزی ترجمہ (نکلسن کا) میرے پاس اس تمام سرمائے کی کوئی فہرست تو ہے نہیں کہ گلی گلی اپنا داغ دکھاتا پھروں۔ بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کمزور دل کا شاعر یا ادیب ہوتا تو اس حادثہ جانکاہ کے بعد اس کا زندہ رہنا مشکل تھا۔ نقوش، نگار، سیپ، ماہِ نو پاکستان کوارٹرل کی مکمل فائلیں۔ مخزن اور زمانہ کی فائلیں۔ مولوی عبدالحق کا عطیہ کہ لوہے کے تین بڑے ٹرنکوں میں بھر کے کراچی سے لایا تھا (انجمن کی سلور جبلی کے موقع پر) نمروز سنسز کے تذکرے) انسائکلو پیڈیا۔ اب یہ خط لکھ رہا ہوں تو حافظہ کے سامنے گم گشتہ سرمائے کی ایک فلم چلنا شروع ہو گئی ہے۔

زندگی میں یہ حادثہ دوسری بار رونما ہوا ہے۔ ایک 1947 میں کہ حالات اختیار سے باہر تھے اور میں دو نسلوں کے جمع کیے ہوئے سرمائے کو بچا نہ سکتا تھا۔ ان میں اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال اور پریم چند کے خطوط اور نہ جانے کیا کیا کچھ چلا گیا۔ دوسری بار اب یہ حادثہ رونما ہوا ہے۔ لیکن یہ غلطی سراسر میری ہے۔ میں نے پانچ سال کی مدت میں ان کتابوں کو پلٹ کے بھی نہیں دیکھا۔ اگر 1968 میں دو تین سو روپیہ خرچ کر دیتا تو یہ سب کتابیں بہ آسانی سری نگر آ تیں۔ یہاں نہ دیمک نہ کیڑا نہ مکوڑا نہ سیلن۔ کتابیں نئی کی نئی رہتیں۔ اس وقت دو تین روپیہ خرچ نہ ہو سکا۔ اب ڈھائی سو روپیہ دے کر کتابوں کی چھانٹی اور جھاڑ پونچھ کرائی ہے تو بہ مشکل چند سو کتابیں بوسیدہ حالت میں ہاتھ آسکی ہیں۔

خیر اب یہ رونا کہاں تک روؤں اور آپ کو بے کار روداد سے پریشان کروں۔

دہلی میں آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ میں اسی کتابوں کی پریشانی میں رہا۔ اب ملاقات

آپ سے ان شاء اللہ اکتوبر میں ہوگی۔

خدا کرے آپ ہر طرح خیریت سے ہوں

نیازمند

جگن ناتھ آزاد

جناب رشید حسن خاں، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔

حواشی:

۱۔ جگن ناتھ آزاد نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔اس خط میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد نے ''آثارِ محروم'' میں شامل رشید حسن خاں کے مضمون ''تلوک چند محروم'' کی جانب اشارہ کیا ہے۔یہ مضمون رسالہ پگڈنڈی کے تلوک چند محروم نمبر میں 1969 میں صفحہ 130 تا 135 کو محیط ہے۔مرتب

۲۔ 530 صفحات پر مشتمل کتاب'' آثارِ محروم رسالہ پگڈنڈی امرتسر کا محروم نمبر تھا جسے امریک آنند (مدیر ماہ نامہ پگڈنڈی) نے مرتب کر کے مکتبۂ علم و دانش لاہور، پاکستان سے 1969 میں شائع کیا۔اس کتاب کی اشاعت دوم 1978،اشاعت سوم 1989 اور اشاعت چہارم 2003 کو عمل میں آئی۔ہندوستان میں اس کتاب کے ملنے کا پتا انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی تھا۔آثار محروم میں میں رشید حسن خاں کا مضمون ''تلوک چند محروم'' ص 130 تا 135 شامل ہے۔رشید حسن خاں کا مضمون ملاحظہ کیجیے:

تلوک چند محرومؔ

محرومؔ صاحب کا وطن،سندھ کا وہ ریگستانی علاقہ ہے، جہاں زندگی سخت کوشی کا دوسرا نام ہے۔وہ 1887 میں پیدا ہوئے۔انھوں نے ایک طویل مدت تک اسی ریگ زار کے دورافتادہ علاقوں میں، بہ حیثیت استاد، زندگی کے دن گزارے۔اگر ہم اس پس منظر کو پیشِ نظر رکھیں تو بہ آسانی اس بات کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ ان کے کلام کے خاصے حصے پر سادگیِ فکر و سادگیِ بیان کا جو رنگ چھایا ہوا ہے، اس کی بڑی وجہ کیا ہے؟ انھوں نے شعور کی آنکھیں اُس زمانے میں کھولیں جب ہندوستان میں تعصب اور نفرت کا جال ہر روش پر نہیں بچھایا جا سکتا تھا۔پرانی تہذیبی روایتوں کی روشنی ختم نہیں ہوئی تھی، زندگی ابھی منافقت سے پوری طرح آنکھیں چار نہیں کر سکتی تھی،سادگی کے جلوے روپوش نہیں ہو پائے تھے۔اور علم کے ہنگاموں نے معصوم جہالتوں کو بالکل ختم نہیں کیا تھا۔اس دورِ معصوم اور ان سادہ فضاؤں

کے فیض سے محرؔوم صاحب کی ذہنی نشو ونما میں پاکیزگی خیال وفکر کے عناصر کارفرما رہے اور انھیں عناصر کے فیض سے ان کی شاعری میں اخلاقی وروحانی اقدار سے وابستگی اور رواداری کے وسیع تصور کے انعکاسات جابجا نظر آتے ہیں۔ انھیں کے اثر سے مایوسی، نفرت اور بے زاری کے تاریک سایے ان کی شخصیت اور شاعری پر سایہ فگن نہیں ہو پائے۔

بیسویں صدی کا آغاز ان کی شاعری کا آغاز ہے۔ اس وقت سے اب تک 60، 62 سال کی لمبی مدّت میں زندگی کے ہر شعبے میں نہ معلوم کتنے انقلاب آئے۔ ملک میں بہت سی تحریکیں صورت بدل بدل کر اٹھیں اور ڈوب گئیں۔ سیاسی تحریکوں نے ایک منزل پر پہنچ کر، ہنگامہ ہائے نفرت کا سہارا لیا اور نفرت نے چند قدم آگے بڑھ کر مسرت کے ترانوں کو مناجاتِ بیوہ میں بدل دیا لیکن محرؔوم صاحب کی شاعری میں پہلے دن جو پاکیزہ خیالی تھی وہی آج بھی ہے۔ وہ شروع ہی سے وطن دوستی اور محبت ابنائے وطن کے جذبے سے سرشار رہے ہیں لیکن دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح ان کی وطن دوستی نے تعصب یا منافرت کا سہارا لینا ضروری نہیں سمجھا اور حالات سے گھبرا کر پرانے تصورات کی گرد کو دامن سے جھٹک دینا خلافِ وضع داری سمجھا۔ یہ معمولی بات نہیں۔

محرؔوم صاحب نے غزلیں بھی کہی ہیں، رباعیاں بھی اور نظمیں بھی۔ ایک مشّاق شاعر قدرتِ کلام کے فیض سے ہر صنف میں کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہے لیکن درحقیقت ان کی بیانیہ اور تاثراتی نظمیں اور رباعیاں ان کے کمال کی حقیقی جولاں گاہ ہیں۔ غزلوں میں مشاقی، قدرتِ کلام، لفظوں کا رکھ رکھاؤ اور ردیف وقافیے کا دست وگریباں ہونا، غرض سارے خارجی محاسن موجود ہیں لیکن وہ گھلاوٹ نہیں ہے جو اچھی غزلوں کا سرمایہ ہے اور جس کے بغیر تاثیر ودل کشی کی موج تہ نشین پیدا نہیں ہوتی۔

''کاروانِ وطن'' ان کی سیاسی ووطنی نظموں کا مجموعہ ہے، ان نظموں میں وطن دوستی، آزادی سے تعلقِ خاطر اور وطن کے ذرّے ذرّے سے محبت کرنے کا پُرخلوص جذبہ موجزن ہے۔ ان نظموں میں جذبۂ صادق اور خلوصِ وفا کی نمود ہے لیکن جوش وولولہ اور تاثیر نسبتاً کم ہے۔ اس کی وجہ ان کی سلامتِ طبع بھی ہے اور پُرگوئی بھی۔ کہیں کہیں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ محرؔوم صاحب نے ہر اس عنوان یا واقعے پر فوری طور سے قلم برداشتہ نظم لکھ دی ہے، جو کسی بھی وقت ان کے ذہن میں آیا یا جس کے متعلق کچھ سُنا، کسی خیال کو ذہن وفکر کے پُر پیچ راستوں میں کچھ دیر تک بھٹکنے کے لیے چھوڑ دینا اور اس وقت تک انتظار کرنا کہ وہ جذبے کی دھیمی دھیمی آنچ میں تپ کر نکھر جائے، ضروری ہے۔ اس جذبے کو جب لفظوں میں منتقل کر دیا جائے گا اس وقت تاثیر کا رنگ خود بخود چمک اُٹھے گا۔ اس کے بغیر بیان کی دل کشی خواہ کسی حد تک پیدا ہو جائے لیکن شدّتِ تاثیر کی جھلک بھی نظر نہیں آئے گی۔ ''کاروانِ وطن'' کی بیش تر نظموں کو پڑھ کر اس بات کا واضح طور پر احساس ہوتا ہے۔

''کاروانِ وطن'' کی نظموں کے مقابل میں ''نیرنگِ معانی'' کی نظمیں زیادہ قابلِ توجہ

ہیں۔''نیرنگِ معانی''میں جومنظومات ''جذباتِ فطرت''کے عنوان کے تحت درج ہیں،ان میں سے بیش تر میں حسنِ بیان،زورِ بیان اور تاثیر و دل کشی کا رنگ نمایاں ہے۔اس مجموعے کا پہلا حصّہ خدا کی تعریف،بزرگانِ مذہب کی تعریف اور بعض تہواروں کے بیان پر مشتمل ہے۔اس حصّے میں ان کی وسیع المشربی اور مذہب دوستی کا رنگ تو نمایاں ہے لیکن شاعرانہ نقطۂ نظر سے ان نظموں میں وہ خوبی نہیں ہے جو''جذباتِ فطرت''والی نظموں میں ہے۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ محرومؔ صاحب حقیقی مرتبۂ شاعری کی نمایندہ ان کی بیانیہ اور تاثراتی نظمیں ہیں۔

''جذباتِ فطرت''کے ذیلی عنوان کے تحت 42 نظمیں ہیں اور ان میں بیش تر نظمیں حسنِ بیان میں لطفِ مزید کا اضافہ کر دیا ہے۔مثلاً اس حصۂ منظومات کے شروع ہی میں ایک نظم''آفتاب''کے عنوان سے ہے۔اس کا پہلا بند ہے:

اے شمعِ دل فروزِ شبستانِ کائنات
تیری کرن کرن ہے رگِ جانِ کائنات
سر چشمہ زندگی کا ہے دریا ہے نور کا
مقصد بہت وسیع ہے تیرے ظہور کا
ہنگامہ زندگی کا ترے دم سے گرم ہے
یہ بزم تیری تابش پیہم سے گرم ہے

سورج کی کرن کو رگِ جانِ کائنات کہنا کیسا اچھا اندازِ بیان ہے۔اس کا آخری بند ہے:

گزری ہے شب جہاں کو ترا انتظار ہے
ہر ذرّہ جستجو تری بے قرار ہے
مرغانِ صبح خیز کی مشرق پہ ہے نظر
ہیں راہ دیکھتے تری واماندۂ سفر
چڑیوں کے دل میں پھر ہے چہکنے کی آرزو
کلیاں لیے ہوئے ہیں چٹکنے کی آرزو
چپ چاپ برہمن لبِ دریا ہے منتظر
پہلی کرن کی چشم تماشا ہے منتظر

''محروم کا وطن''کے عنوان سے اپنے وطن پر جو نظم کہی ہے اس میں کسی مبالغے کے بغیر ان ساری مقامی خصوصیات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جو دراصل مصیبت کا دوسرا نام ہیں۔شروع کا بند دیکھیے کس انداز سے بات اٹھائی ہے:

اپنے وطن کی شان میں کہتا ہوں چند شعر

ہر چند شعریت سے ہے عاری یہ سر زمیں
دوزخ عزیزِ اہلِ عقوبت کو ہو اگر
اہلِ جہاں ہمیں بھی ہے پیاری یہ سر زمیں

اور آگے چل کر تیسرے بند کے ایک شعر میں ساری مصیبتوں کو اس طرح بیان کر دیا ہے کہ ایک شعر ساری خصوصیات کا آئینہ دار بن گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

راحت نہ مل سکے گی مسافر یہاں تجھے
قریوں میں لوگ، راہ میں کانٹے اُلجھتے ہیں

ہر دم پیش آنے والی مشکلوں اور وہاں کے رہنے والوں کے عادات و خصائل کی کیسی وسیع الذیل تصویر ہے۔

اس مجموعے کی دو نظمیں ''وادیِ نشاط'' اور ''وادیِ غم'' خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ زندگی کے دو مختلف تصورات کی عکاسی ایسے شاعرانہ انداز سے کی ہے کہ طبیعتوں کے اختلاف اور اس کی کارفرمائی کے احساس کا فلسفہ آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر آجاتا ہے۔ یہ دنیا درحقیقت نہ گہوارۂ آلام ہے نہ شبستانِ راحت، یہ ایسا آئینہ خانہ ہے جس میں دیکھنے والے کے تصورات کی جلوہ گری ہی نظر آتی ہے جن کو وہ دنیا کی حقیقت سے تعبیر کرنے لگتا ہے۔ مسرت و غم کا وجود درحقیقت خارج میں اتنا نہیں ہے جس قدر ہمارے ذہن و احساس میں محفوظ ہے۔ اسی کے فیض سے یہ دنیا کسی کو کبھی جنّتِ شدّاد معلوم ہوتی ہے، کسی کو بت خانۂ چین اور کسی کو محض غم کدہ۔ غم دوست فطرت اور الم چشیدہ دل کو اس دنیا کا ہر گوشہ غموں سے معمور نظر آتا ہے۔ کسی وادی میں مسرتوں کے قافلے خیمہ زن نظر آ بھی جاتے ہیں تو وہ ان کو نصیبِ دیگراں سمجھ کر منھ پھیر لیتا ہے۔ وہ اگر دور سے اس بزمِ عشرت کی جھلک دیکھ بھی لیتا ہے تو معاً اس کی نگاہیں آسمان کو بھی دیکھتی ہیں۔ اور وہ اس بزمِ عشرت کی طرف ملتفت نہیں ہوتا۔ وادیِ نشاط کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

دامنِ کہسار میں ہے اک مقامِ دل نشیں
شوخیوں رنگینیوں رعنائیوں کی سر زمیں

نظم میں نہایت چابک دستی کے ساتھ اس وادی نشاط کی تصویر کھینچی ہے اور دامن کہسار کی رعایت کو ہر جگہ اس حد تک ملحوظ رکھا ہے کہ نظم میں وحدت مکان کی جس حد تک لازمی رعایت ہونا چاہیے، اس کا حق ادا ہو گیا ہے۔ مثلاً:

ناچتی پھرتی ہیں کرنیں اس میں پریوں کی طرح
ندی نالے گیت گاتے ہیں گڈریوں کی طرح
حسن تدبیرِ تکلف سے یہاں آزاد ہے

عشق زنجیر تاسف سے یہاں آزاد ہے
عشرت امروز کو اندیشۂ فردا نہیں
یاد ماضی کی حکایت بھی کوئی سنتا نہیں

ساری تصویر کشی کے بعد شاعر مرکزِ اصلی پر پلٹ آتا ہے۔

گاہے گاہے دور سے اس کی جھلک پاتا ہوں میں
آسماں کو دیکھتا ہوں اور پلٹ آتا ہوں میں

اس کے بعد وادیِ غم کا بیان شروع کر دیتا ہے۔ یہ اس کی پسندیدہ جنت ہے۔ اس ویرانے کا ہر ذرّہ اور ہر کانٹا اس کے احساسات کا امین اور اس کے جذبات کا سرمایہ دار ہے۔ اسی لحاظ سے اس حصۂ نظم میں تاثیر کی فراوانی معلوم ہوتا ہے۔ سچائی نے اپنے چہرے سے نقاب اُلٹ دیا ہے۔

خامشی چھائی ہوئی ہے دامنِ کہسار میں
دم بخود بیٹھی ہے حیرت سایۂ اشجار میں
طائروں کو اس جگہ گانے کی عادت ہی نہیں
ندیوں کو شور کرنے کی اجازت ہی نہیں
پرتوِ خورشید کے منھ پر نقاب سایہ ہے
صبح کا ملبوس جو ہے شام کا پیرایہ ہے
رنگ و بوئے گل میں اصلاح شوخی و تیزی نہیں
فصل گل میں دل کشی ہے پر جنوں خیزی نہیں
چاندنی راتوں میں میلی ہے ردائے ماہتاب
چپکے چپکے جا رہا ہے سر جھکائے ماہتاب
سبزۂ دامن کشاں چاروں طرف خوابیدہ سا
ہر شجر حیرت زدہ دل گیر سا غم دیدہ سا
جلوہ گر تمکین خاموشی ہے اپنی شان میں
جس طرح بیٹھا ہوا ہو کوئی گہرے دھیان میں
سیر اس وادی کی اکثر آ کے کر جاتا ہوں میں
میری نظروں میں یہ رہتی ہے جدھر جاتا ہوں میں

کیسی پُر تاثر نظم ہے اور کس قدر متناسب و دل کش اندازِ بیان سے معمور۔

وارداتی نظموں کے ذیل میں، ان کی نظم ''کمسن بچی کے مدفن پر'' معرکہ کی نظم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جذبات لفظوں کے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔ اس کے ایک ایک مصرعے پر تاثیر کی مہر لگی ہوئی

ہے۔ 'شکنتلا' محرومؔ صاحب کی بچی تھی، جو کمسنی ہی میں اللہ کو پیاری ہوگئی تھی۔ یہی اثر ان نظموں میں ہے، جو انھوں نے اپنی دوسری لڑکی وِدّیا کی خودکشی کے سلسلے میں کہی ہیں... کے مختلف رہنماؤں اور معروف اصحاب کے مرثیے بھی محروم صاحب نے لکھے ہیں جن سے ان کی وسیع المشربی اور صلح کل طبیعت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے لیکن ان مراثی میں تاثیر کا حصہ کم ہے۔

رباعی فارسی الاصل صنف ہے اور وہاں وہ بلندی کی آخری منزل پر ہے۔ رباعی میں فکر بلند کے ساتھ ساتھ مشّاقی اور قدرتِ کلام کی ضرورت ہوتی ہے اور بعض اور اصناف سے زیادہ، یہی وجہ ہے کہ اس خارزار میں کم لوگ قدم رکھتے ہیں اور جو قدم رکھتے ہیں۔ ان میں سے بھی صرف معدودے چند کو منزل مقصود پر پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔ محرومؔ صاحب کے مجموعۂ رباعیات میں ایسی متعدد رباعیاں موجود ہیں، جن کو رباعی کے کسی بھی اچھے منتخب مجموعے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

دروازہ نجات کا بیاباں میں نہیں
دل کا آرام قصر و ایواں میں نہیں
تسکین جنت میں بھی نہیں مل سکتی
جب تک موجود قلب انساں میں نہیں

دنیا نے عجب رنگ جما رکھا ہے
ہر اک کو غلام اپنا بنا رکھا ہے
پھر لطف یہ ہے کہ جس سے پوچھو وہ کہے
اس عالم آب گل میں کیا رکھا ہے

میں خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا، اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ یہ نقطۂ نظر کہ شاعر کا سارا کلام ضرور چھپنا چاہیے، ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اسی غلط اندازِ نظر کی وجہ سے محروم صاحب کی اچھی نظمیں بھی بہت سی معمولی نظموں میں دب کر رہ گئی ہیں۔ یہی حال رباعیوں کا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ محرومؔ صاحب کے سارے کلام کا ایک مختصر اور نمایندہ انتخاب مرتب کیا جائے جو بہ آسانی ایک مختصر مجموعے میں سما سکتا ہے تا کہ ان کی شاعری کی صحیح تصویر سامنے آئے۔ ورنہ دوسرے بہت سے لوگوں کے مجموعوں کی طرح کچھ دنوں کے بعد ان مجموعوں کو بھی کم سے کم لوگ پڑھیں گے۔ میں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ کسی شاعر کی اچھائی یا بلندی کے اثبات کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی دوسرے شاعر سے اس کا تقابل کیا جائے یا یہ دیکھا جائے کہ اس نے وطنی یا سیاسی موضوعات پر کیا لکھا ہے۔ یہ محض مفروضات ہیں۔ شاعر کے مرتبے کا تعین اس کی دس نظمیں بھی کر سکتی ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ دو سو نظمیں پیش کی جائیں جن میں سارے سماجی موضوعات بکھرے ہوئے ہوں اور وہ

شاعر کے مرتبے کو اور پست کر دیں۔ شاعری میں مرتبے کے تعین کو کلام کی کثرت یا موضوعات کی تقسیم لازمی تعلق نہیں ہے۔ وہ شاعر بھی ہمارے سامنے ہیں جن کے سو، پچاس شعران کو زندہ جاوید بنانے کے لیے کافی ثابت ہوئے ہیں اور وہ شاعر بھی ہمارے سامنے ہیں جن کے دس ہزار شعر بھی ان کے نام کو مرحوم ہونے سے نہیں بچا سکتے۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ہر شاعر کا کوئی مخصوص رنگ بھی ہو۔ انفرادیت ایسی دولت ہے جو سیکڑوں نہیں، ہزاروں میں سے چند خوش نصیبوں کے حصے میں آتی ہے۔ اور نہ یہ ضروری ہے کہ شاعر کو اچھا اس وقت مانا جاتا ہے جب اس کے یہاں کوئی انفرادی رنگ بھی ہو۔ شعر کا بجائے خود اچھا ہونا ایک چیز ہے اور وہی درحقیقت شاعر کا آخری سہارا ہے۔ باقی سہارے جلد یا بہ دیر ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

(آثارِ محرومؔ [پگڈنڈی ،امرتسر کا محرومؔ نمبر] مرتبہ امریک آنند، مکتبہ علم و دانش لاہور، پاکستان، 1969،ص130 تا135)

۳؎ اس خط کو جگن ناتھ آزاد نے سادہ کاغذ پر لکھا ہے۔ انھوں نے خاں صاحب سے اپنی ذاتی کتاب ''تنقید شعر العجم'' کو واپس دینے کی بات کہی ہے۔

❁❁❁

جمیل جالبی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

12 مارچ 1978[1]

محبّ گرامی قدر، سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ میرے لیے نوید عبرت لایا۔ شکر گزار ہوں۔ اس خط سے میں نے آپ کو مزید پہچانا اور یہ خیال اور قوی ہو گیا کہ آپ سچے اور مخلص انسان ہیں۔ دل کے اچھے صاف گو اور جھوٹ سے پاک۔ یہ ذرا سی جھلاہٹ جو آپ کے مزاج کے نہاں خانے میں آلتی پالتی مار کر بیٹھی گئی ہے صرف اس وجہ سے بل کہ زندگی نے آپ کو وہ نہیں دیا جس کے آپ، اپنی صلاحیت کے اعتبار سے یقیناً مستحق ہیں۔ آپ سے میری خوب نبھے گی۔ آپ کا خط پڑھا تو آپ مجھے اور اچھے لگنے لگے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔

تنگ دلی تو سارے شرون کی جڑ ہے اور خدا کا شکر ہے آپ بھی اس سے نفرت کرتے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے ''تاریخ ادب''[2] پر بڑا کام کیا اور میں مزید شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری کمزوریوں کی طرف نشان دہی کی۔ اس لیے میں کوشش کروں گا کہ آیندہ جلدیں ان کمزوریوں سے پاک ہوں۔ آپ کے خط سے بہت سے امور کی طرف اشارے تو ملتے ہیں لیکن کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے آپ اس مضمون کی ایک نقل یا فوٹو کاپی مجھے بھجوا دیں تا کہ میں توجہ کے ساتھ جلدوں کو سامنے رکھ کر اسے پڑھوں اور کچھ تفصیل سے آپ کو خط لکھوں۔

آپ کے خط سے یہ بات واضح نہ ہو سکی کہ ''ادبی تاریخ'' کا آپ کے ذہن میں کیا تصور ہے۔ آپ تنقیدی حصہ کیوں کم کروانا چاہتے ہیں۔

میں یہ بات بھی مطلع کرنا چاہوں گا کہ ''تحقیق برائے تحقیق'' بھی کوئی چیز ہے یا تحقیق کا بھی کوئی مقصد ہوتا ہے۔ ادبی تاریخ میں تحقیق کا کیا مقصد ہونا چاہیے۔

تحقیق کے مروجہ اصول کہاں سے آئے ہیں؟ اگر آپ مجھ سے متفق ہیں کہ یہ اصول اور طریق تحقیق مغرب سے آئے ہیں تو مغرب میں اب یہ اصول بدل گئے ہیں جن سے آپ یقیناً

واقف ہوں گے۔

صحت متن کا میں نے بہ طور خاص اہتمام کیا ہے لیکن اگر کہیں غلطی رہ گئی ہے تو ازراہ کرم ضرور نشان دہی کیجیے۔ میں شکر گزار رہوں گا۔

اُردو میرا مذہب ہے اور ادب میری زندگی ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میرا مقصد حیات ہے۔کوئی انسان کامل نہیں ہوتا لیکن کاملیت کی تلاش اس کا مشن ضرور ہوسکتا ہے۔ میں تو اس کا طالب علم ہوں۔ ہر وقت سیکھتا رہتا ہوں۔اور اپنی کم علمی کا احساس ہر دم پریشان کرتا رہتا ہے۔آج تک طلب علم میں لگا ہوا ہوں۔اور ہر اس بات کو جاننے اور سیکھنے کی کوشش میں مصروف ہوں جو میرے مقصد کو اور بڑھائے۔جدید اور قدیم ادب دونوں یکساں طور پر مجھے عزیز ہیں۔مغربی ادب کا بھی میں طالب علم ہوں۔ میں نے پہلا ایم.اے انگریزی میں کیا تھا اور انگریزی میں لکھنا شروع کیا تھا۔ بعد میں یہ خیال آیا کہ اگر اپنی زبان میں لکھا جائے تو بہتر ہے میرا سارا کام آپ کے سامنے نہیں ہے۔وہ متن جو میں نے مرتب کیے ہیں اب انھیں فراہم کر کے آپ کو بھجواؤں گا۔ بہت سے متن جن کی تعداد پندرہ سے زیادہ ہے اب تک غیر مطبوعہ ہیں۔تاریخ سے فارغ ہو کر ان کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں گا۔

ہاں ایک بات تو رہ گئی۔اسلوب بیان ایک چیز ہے اور لفظوں کا کھیل ایک چیز۔میں نے شعوری طور پر یہ کوشش کی ہے کہ ایک ایسا اسلوب دریافت کروں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں نے دریافت کر لیا ہے، جو''ادبی تاریخ'' کے لیے نہایت موزوں ہو۔ براہ کرم یہ ضرور بتائیے کہ میں نے ایسی عبارت آرائی کہاں کہاں کی ہے جس سے تحقیق و تاریخ کا چہرہ لہولہان ہو گیا ہے۔ یہ اس لیے ضروری ہے تا کہ آیندہ جلدوں میں اس عمل سے احتراز کروں۔ میں لکھنے پڑھنے کا کام اس خشوع و خضوع کے ساتھ کرتا ہوں جیسے لوگ فخر سے پڑھتے ہیں یا پھر بائے کاٹ کرتے ہیں۔آپ کا بہت وقت لیا۔معذرت خواہ ہوں آپ کے خط اور مضمون کی نقل کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

مشفق خواجہ صاحب کو آپ کا خط پہنچا دیا تھا۔اُمید ہے کہ آپ بہ خیر و عافیت ہوں گے۔

احقر

جمیل جالبی

(2)

VICE CHANCELLOR

UNIVERSITY OF KARACHI
KARACHI-32 (PAKISTAN)

مورخہ 23 نومبر 1984ء[۳]

محترمی سلام مسنون۔

گرامی نامہ مورخہ 6 نومبر 1984 موصول ہوا۔ جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ نے جس محبت سے خط لکھا ہے اور جس پیار سے یاد کیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں کہ میں اپنے جذبات کا اظہار کر سکوں۔ اس بار مل کر آپ کو پہچاننے اور کسی حد تک سمجھنے کی صورت پیدا ہوئی۔ خدا آپ کو خوش وخرم اور تادیر سلامت رکھے۔ آپ نے اُردو لغت جلد اوّل کے ڈیڑھ صفحات پڑھ کر اپنے تاثرات لکھ کر بھیجے ہیں، جن کے لیے میں شکر گزار ہوں۔ آپ کے اس مسودے کو ٹائپ کروا کر میں بورڈ کی میٹنگ میں پیش کروں گا اور میٹنگ سے پہلے اس کی ایک نقل سب اراکین کو بھجوا دوں گا۔

آپ کے مشوروں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' کب تک شائع ہو رہی ہے اُمید ہے آپ بہ خیر و عافیت ہوں گے۔

مخلص

جمیل جالبی

(ڈاکٹر جمیل جالبی)

بہ خدمت گرامی:

جناب رشید حسن خاں صاحب، ٹی۔ سی، 9 گائر ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔ 7، انڈیا۔

(3)

کراچی، 9 نومبر 2000ء[۵]

محبّ گرامی قدر، آداب۔

ستمبر 2000 میں آپ کی کتاب ''سحر البیان''[۶] مجھے ملی جس کی رسید میں نے فوراً آپ کی خدمت میں بھیج دی اور لندن چلا گیا۔ واپسی پر ایک دن مشفق خواجہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ آپ نے کتاب کی رسید رشید حسن خاں صاحب کو بھیج دی ہے؟ میں نے کہا کہ لندن جانے سے پہلے خط بھجوا چکا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا خط شاید آپ کو نہیں ملا۔ خط آپ کے بھیجے ہوئے پتے پر بھی بھیجا تھا اور یہ خط بھی اُسی پتے پر بھیج رہا ہوں۔ شرمندہ ہوں کہ بے وجہ آپ کو انتظار کی زحمت اُٹھانی پڑی۔ یہ خط احتیاط کے طور پر رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

آپ نے جس محبت کے ساتھ خط لکھا ہے اس کے لیے شکر گزار ہوں اور آپ نے جس محنت و عمیق نظر سے سحر البیان کا متن مرتب کیا ہے اس کی داد اہلِ دل ہی دے سکتے ہیں یا وہ لوگ جنھوں نے جوئے شیر لانے کا کام کیا ہے۔میں آپ کا مداح اور آپ کے کام کا دل سے قائل ہوں۔اب تک میں آپ کی ہر کتاب دلّی سے منگواتا رہا ہوں ۔بے مقصد حوالے میری ''تاریخ'' میں آپ کے کاموں کے آتے ہیں۔زیادہ تر متن میں نے آپ کی کتابوں ہی کے استعمال کیے ہیں۔حواشی آپ کے ہر متن کی جان ہوتے ہیں۔آپ کا ذہن آئینے کی طرح صاف اور آپ کی تحریر کسی ہوئی صاف اور عمدہ ہوتی ہے۔جو لکھتے ہیں جم کر لکھتے ہیں۔دعا ہے کہ خدا آپ کو صحت مند و سلامت رکھے تا کہ اُردو ادب آپ کے کاموں سے اسی طرح مالا مال ہوتا رہے۔کاش یہ کتاب اُس وقت تک شائع ہو چکی ہوتی جب جلد دوم میں میں نے سحر البیان کا مطالعہ کیا تھا۔میر امن، فسانۂ عجائب وغیرہ کے مطالعے میں، میں نے آپ ہی کے تیار کیے ہوئے متن استعمال کیے ہیں۔۔جی ہاں پٹھان ہوں۔یوسف زئی ہوں۔دل شاہ جہاں پوری نمبر نکال کر ان شاءاللہ آپ کی تحریر سے جلد لطف اندوز ہوں گا۔

خواجہ صاحب بتا رہے تھے کہ آپ کلیات جعفر زٹلی مرتب کر رہے ہیں۔میرے پاس مخطوطے کی جو عکسی نقل تھی میں نے آپ کے لیے خواجہ صاحب کو دے دی تھی۔''لغاتِ ٹھگی'' کب تک شائع ہو جائے گی۔سحر البیان کا مقدمہ پڑھ لیا ہے اور متن بھی دیکھ لیا ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔دعا ہے کہ یہ خط آپ کو مل جائے۔

خاکسار

جمیل جالبی

پتا: D-26 BLOCK"B"NORTH NAZIMABAD, KARACHI-74700

PH:6642429-6642684

حواشی:

ا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے پہلا خط D-26;BLOCK "B"NORTH NAZIMABAD KARACHI 3302 PAKISTAN کے پتے سے رشید حسن خاں کے نام TC-4,GWYER HALL DELHI

UNIVERSITY DELHI-7 INDIA کے پتے پر AIR MAIL سے روانہ کیا۔

۲؎۔ ''تاریخ ادب اُردو'' ڈاکٹر جمیل جالبی کی ادبی کاوش ہے۔ یہ تاریخ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔اس کتاب کو ہندوستان میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، نے جنوری 1977 میں شائع کیا۔ یہی اڈیشن خاں صاحب کے پیشِ نظر ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا شمار اُردو کے معتبر محققین اور ناقدین میں ہوتا ہے۔رشید حسن خاں نے 'تاریخ ادب اُردو' پر کیے گئے تبصرے کو اپنی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' (اشاعت اوّل، ایجوکیشن بک ہاؤس علی گڑھ، 1978) میں صفحہ 284 تا 343 تک شامل کیا۔اس کتاب کے بارے میں خاں صاحب نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس انداز میں کیا:

> ''اُردو میں زبان اور ادب کی کوئی اچھّی تاریخ موجود نہیں۔ یہ دونوں موضوع تشنۂ بحث رہے ہیں۔ میں زبان اور ادب کو دو مستقل موضوع سمجھتا ہوں۔''
> (ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ،ص 284)

خاں صاحب کے نزدیک زبان اور ادب دو علاحدہ موضوع ہیں۔ جن میں کسی بھی طرح کی ردّو بدل کی گنجایش نہیں۔ اگر کسی مصنف کو ان دونوں صنفوں میں کام کرنا ہے تو وہ مجموعی شکل میں کرے نہ کہ انفرادی طور پر۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ کاوش بھی انفرادی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی نظر ادب کے ہر گوشے پر نہیں پہنچی بل کہ کئی جگہ اس میں جھول پیدا ہو گیا ہے۔اس لیے رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

> ''جمیل جالبی صاحب کی مرتب کی ہوئی یہ تاریخ فردِ واحد کی کوشش کا نتیجہ ہے اور یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ انفرادی کوشش، اس پنچایتی پیوند کاری سے اس لحاظ سے بہتر ہے کہ یہ مختلف مضامین کا مجموعہ نہیں معلوم ہوتی (اگر اس کتاب کے آخر میں شامل ضمیموں سے قطعِ نظر کو روا رکھا جائے)۔ کتاب پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مؤلّف نے محنت کی ہے۔ ان کے نقطۂ نظر اور طریقِ کار سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے تعلق خاطر کے ساتھ یہ کام کیا ہے۔'' (ایضاً،ص 285)

ڈاکٹر جمیل جالبی نے عرق ریزی، محنت شاقہ اور انفرادی کوشش سے اس کتاب کو شائع کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ کتاب اغلاط سے پاک نہ رہ سکی۔ رشید حسن خاں نے اس کتاب میں در آئی تحقیقی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ خاں صاحب نے جمیل جالبی کی تنقیدی بصیرت کی حمایت اور تعریف کے علاوہ ان کی تاریخ نگاری پر اعتراض بھی کیا ہے۔ مثلاً جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ اُردو پنجاب میں پیدا ہوئی۔ سندھ کا ذکر آتے ہی اُردو کو سندھ اور ملتان کے علاقے سے پیدا کر دیتے ہیں۔ صوبہ سرحد کے کوہستانی حصّے کو بھی وہ اُردو کا مسکن قرار دیتے ہیں اور بلوچستان کو بھی وہ اُردو کی تشکیل سے منسلک کر دیتے ہیں۔ غرض پورے پاکستان کو انھوں نے اُردو کی جنم بھومی بنا دیا ہے۔ کئی

مقامات پر اُردو کو مسلمانوں اور اسلام سے اس طرح سے منسلک کر دیا ہے جیسے ان میں لازم و ملزوم کی نسبت ہو۔اس کے متعلق جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں یہ خواہش تھی کہ وہ ایسی زبان ایجاد کریں جو مقامی بول چال میں ان کی مشترک ایرانی ثقافت اور عربی ورثے کی ترجمانی کر سکے۔ستم ظریفی کا عالم تب ہوتا ہے جب اورنگ زیب کے دور میں مدرسوں اور مکتبوں کی زبان اُردو بتایا گیا۔یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مشفق خواجہ نے اپنے کئی خطوط میں رشید حسن خاں سے کہا تھا کہ اس تبصرے کو شائع ہونے سے پہلے انھیں (مشفق خواجہ کو) دکھایا جائے۔مشفق خواجہ تک یہ تبصرہ پہنچنے سے پہلے ہی شائع ہو چکا تھا۔

۳۔ یہ خط تب ارسال کیا گیا جب ڈاکٹر جمیل جالبی کراچی یونی ورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔یہ خط رشید حسن خاں کو دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر

OFFICE OF THE VICE-CHANCELLOR,UNIVERSITY OF KARACHI,

UNIVERSITY ROAD KARACHI-32(PAKISTAN)

کے پتے سے AIR MAIL کیا گیا۔خط یونی ورسٹی کے لیٹر ہیڈ پر ٹائپ کیا گیا ہے۔درمیان میں یونیورسٹی آف کراچی انگریزی میں لکھا ہوا ہے بائیں جانب کراچی یونی ورسٹی کا Logo ہے اور دائیں جانب تاریخ لکھی ہوئی ہے۔دستخط بھی ٹائپ شدہ ہیں لیکن نام کے اوپر ڈاکٹر جمیل جالبی نے قلم سے اپنا نام لکھا ہے۔

۴۔ رشید حسن خاں کی مدونہ کتاب ''فسانۂ عجائب''،انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی سے 1990 میں شائع ہوئی۔مجلس ترقی ادب،لاہور نے اس کتاب کو 1990 میں شائع کیا۔

۵۔ اس خط کو جمیل جالبی نے اپنے گھر کے پتے سے ارسال کیا ہے۔خط کے بائی جانب درج ذیل پتا لکھا ہے:

Jameel Jalibi

Ph.D,D.Lit,D.Sc(Hon)F.W.L.A

Sitara-e-Imtiaz,Hilal-e-Imtiaz

Former Vice Chancellor,Karachi University

Former Chairmen National Language Authority

۶۔ رشید حسن خاں کی تدوین کردہ یہ کتاب ''سحرالبیان''،انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی سے 2000 میں شائع ہوئی۔

❁❁❁

حافظ صفوان محمد چوہان بہ نام رشید حسن خاں
(''پانی میں ماہتاب'' کے املا کے لیے جناب رشید حسن خاں کا خط)

میں نے مشفق خواجہ صاحب کے حکم پر اپنے والد پروفیسر عابد صدیق صاحب کا کلیات ''پانی میں ماہتاب'' اشاعت سے قبل جناب رشید حسن خاں کو بھیجا تھا۔ اس کے ساتھ ارسال کیا گیا خط اور خاں صاحب کا جوابی خط ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ میں تا زندگی خاں صاحب کی اس عنایت سے روشنی حاصل کرتا رہوں گا۔ یہ خط اور اس کا عکس استفادۂ عام کی اسی نیت سے شائع کیا جا رہا ہے۔

اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ خاں صاحب کے خط کو کاملاً اُن کے روشِ تحریر میں لکھنا اُردو لفظ نگار کے لیے ممکن نہیں۔ خاں صاحب کا مجوزہ املا بھی بوجوہ پورے طور پر اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہ وجوہات نہ صرف تکنیکی ہیں بل کہ ثقافتی اور لسانی بھی ہیں، جن سے اُردو کا درد رکھنے والے اور اہلِ علم خوب آگاہ ہیں۔

(۱) حافظ صفوان محمد چوہان بہ نام جناب رشید حسن خاں

محترم و مکرم جناب رشید حسن خاں صاحب، السلام علیکم ورحمتہ اللہ

اللہ کی ذات سے اُمید کرتا ہوں کہ آپ بہ خیر و عافیت ہوں گے اور آپ کی صحت بہتر ہوگی۔

کل رات آپ سے فون پر بات ہونے کے بعد سے اب تک میں ایک سرور کی کیفیت میں ہوں۔ میں خوش نصیب ہوں کہ آپ سے فون پر بات بھی کر چکا ہوں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض ہے کہ اس خط کے ساتھ آپ کو اپنے پہلے لکھے ہوئے خطوط کی نقول بھی ارسال کر رہا ہوں۔ ان کی تعداد تین (۳) ہے۔ دراصل میری لکھائی اس قدر خراب ہے کہ بعض اوقات ''پڑھے خود آ'' بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اُردو لفظ نگار میں ٹائپنگ کا سہارا اسی لیے لیتا ہوں کہ اس سے مجھ جیسوں کے عیب چھپ جاتے ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ اس کا ایک ضمنی فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر خط ڈاک میں کھو جائے تو اُس کی نقل ارسال کرنے کے لیے بھی اسے استعمال کیا جا

سکتا ہے۔ بہ ہر حال، یہ خط بالترتیب 9 نومبر 2004، 23 فروری 2005 اور یکم مئی 2005 کو لکھے گئے تھے: پہلا خط آپ کے ایک خط کے جواب میں ہے، دوسرا مرحوم مشفق خواجہ صاحب کی وفاتِ حسرت آیات پر آپ سے تعزیت ہے؛ تیسرا خط اُردو اکادمی بہاول پور کے ترجمان سہ ماہی ''الزبیر'' کے اُس شمارے کے ہم راہ ارسال کیا گیا تھا جس میں مرحوم مشفق خواجہ صاحب پر لکھا میرا مضمون: The Passing of the Old Guard شائع ہوا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ یہ تینوں خط آپ تک پہنچ نہیں پائے۔ یہ بھی افسوس ہے کہ مرحوم مشفق خواجہ صاحب والا مضمون اور''الزبیر'' بھی ڈاک میں کھو گئے۔ یہ تینوں خط اولاً تو اس لیے ارسال ہیں کہ میں نے آپ سے یہ وعدہ کیا تھا: ثانیاً یہ اس اُمید سے بھی بھیج رہا ہوں کہ آپ ان میں سے ہر ایک خط کا الگ جواب عنایت فرمادیں گے۔

آمدم برسرِ مطلب۔ گزارش ہے کہ جیسا کہ میں نے فون پر بھی عرض کیا تھا، مجھے اپنے ابّو جان کی شاعری مرتب کرتے ہوئے اُن کے اُردو و ہندی کلام کا مفصل اور گہرا عروضی تجزیہ کرانے کی ضرورت کا احساس ہوا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان میں کئی لوگوں سے رابطہ ہوا، جن میں سے تقریباً سبھی نے معذرت کی ہے کہ چوں کہ وہ ہندی عروض نہیں جانتے اس لیے وہ اس کام کا حق ادا نہ کرسکیں گے کہ میرے ابّو جان کی شاعری کا معتدبہ حصہ ہندی آمیز کلام پر مشتمل ہے۔ ابّو جان کی وفات کے بعد اُن کے فن شاعری پر کئی لوگوں نے لکھا ہے اور میں ان سب کا احسان مند ہوں۔ لیکن (اُن کے یونی ورسٹی کے زمانے میں کے احباب کی چند مستثنیات کے علاوہ) یہ زیادہ تر بھرتی کے لیے چند اشعار کا انتخاب اور ان کے سیاق وسباق کے لیے لکھی گئی، ڈھلی ڈھلائی یا ڈھالی گئی نثری تحریریں ہیں۔ اُن کے لیے یہ سب کچھ کارے دارد ہے بہ شمول میرے، کیوں کہ میں تو کسی شمار قطار میں ہوں ہی نہیں۔ اس سب کے ساتھ ساتھ ابّو جان کا تصوف سے بے نہایت تعلق اُن کے کلام میں ہر ہر جگہ اپنے وجود کا احساس دلاتا ہے بہ شرط یہ کہ دین وتصوف کی گہرائیوں اور مقامات کو جاننے والا کوئی عالم آدمی اسے پڑھے، کیوں کہ یہ اُن کے تقریباً چالیس سالہ تبلیغی اسفار اور ذکر وشغل کے مجاہدات کے علاوہ تصوف کے بنیادی مآخذ (ابن عربی وغیرہ) کے تازندگی مطالعے کا تحصیلِ حاصل ہے۔ فن کی اس جہت کا مطالعہ بھی نہایت ضروری ہے۔ ابّو جان شاعری کے اوزان، عروض اور بحروں وغیرہ اور صنائع بدائع کی بہت باتیں کرتے تھے۔ اُن کی آزاد شاعری میں بھی، جو اُن کے ہاتھ سے لکھی ڈائریوں میں موجود ہے، اُنھوں نے الفاظ کو Underline کر کے اُن کے اوپر فعل فعل وغیرہ لکھا ہوا ہے، جس سے مجھ جیسے آدمی کو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس

قسم کی شاعری بھی اوزان کے تابع ہوتی ہے۔

میں آپ کی خدمت میں اُن کا پورا کلام ارسال کر رہا ہوں۔اس میں اُن کا کلیات اور ہندی آمیز کلام ''کرن پٹاری'' شامل ہے۔ چار غزلیں، پنجابی کی ہیں۔ واللہ اعلم ابّو جان اگر خود اپنی شاعری مرتب کرتے تو کیا کچھ شائع کراتے اور کیا کچھ نظری کرتے، اور جو شائع کراتے اُس کی ترتیب کیا ہوتی۔ میں نے تو اپنی سمجھ کے مطابق چیزیں اکٹھی کر دی ہیں۔ مجھ پر اللہ کا انعام و اکرام ہے کہ مجھے ابّو جان کے احباب بالخصوص ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب کا مکمل اعتماد حاصل ہے۔ اس پرنٹ آؤٹ کے ساتھ اُن کا ایک سوانحی خاکا بھی ہے۔ جو اور چیزیں نتھی کی گئی ہیں، جن سے اُن کی ان علوم پر معلومات اور ادراک کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

محترم انکل! شاعری اور اُردو میرا امیدان ہے ہی نہیں۔ میں تو صرف ڈاکیا کا کردار ادا کر رہا ہوں۔ یوں سمجھیے کہ یہ سب کچھ بھیجنے کے بعد اب میں اپنے فرض سے سبک دوش ہو رہا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ میرے ابّو جان کے کلام کا ایک عروضی تجزیہ کر دیں جس میں اس فن کا تعارف، اس کی قدر و قیمت کی تعیین اور اہمیت پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہو۔ یہ درخواست بھی ہے کہ ایک مختصر فلیف بھی لکھ دیجیے۔ یہ ''مزید'' ہوگا۔

انگریزی کا ایک لفظ ہے denesting یعنی آشیاں بدری۔ میری حیثیت بھی یہی ہے۔ کیوں کہ میں تقریباً سترہ سال سے گھر سے باہر ہوں۔ بل کہ ابّو جان کی وفات کے بعد سے تو میں nestlessness محسوس کرتا ہوں۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے پہلے کوئی چھجا میرے سر پر تھا جواب نہیں رہا۔ اب سیدھی دھوپ مجھ پر پڑتی ہے۔ ابّو جان ایک زاویہ نشین آدمی تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ اُن کا کام محفوظ ہو جائے۔ لیکن یہ کام بڑوں کی نگرانی میں ہو۔ یہی میری خواہش ہے، جو آج الفاظ میں ڈھل کر کاغذ پر منتقل ہو گئی ہے۔ یہ سوال ہے اور سوال وہ چیز ہے جس سے میرے ابّو جان نے ساری زندگی اپنا دامن بچایا تھا۔ وہ آخرِ زندگی میں ایک شعر پڑھا کرتے تھے جس کے درست الفاظ مجھے یاد نہیں، جو کچھ یاد ہے وہ شاید یوں ہے:

ساری عمر اس احتیاط میں گزری
میرا آشیانہ کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

عرض ہے کہ میں نے آپ سے یہ سوال علامہ محمد اقبال پر آپ کے لازوال و بے بدل کام اور آپ کی سلیم الفطرتی کی وجہ سے، بڑی امید کے ساتھ کیا ہے۔ ابّو جان کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''**تحسینات**'' شائع ہونے پر میں آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ اس میں کئی

مضامین حضرت علامہ پر ہیں۔ان سے آپ کواُن کے حضرت علامہ سے قلبی تعلق کا اندازہ ہوگا۔وہ بڑی رقت کے ساتھ ان کے کچھ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

محترم انکل! مجھے معلوم ہے کہ میری فرمایش بہت طویل ہے اوراس کا پورا کرنا ایک لمبا اور تھکا دینے والا کام ہے اور آپ اس وقت عمر اور صحت کے جس حصے میں ہیں اُس میں آرام سب سے بڑی نعمت ہوتا ہے۔لیکن آپ کے زندگی بھر کے علمی کاموں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو یہ دو تین دن سے زیادہ کا کام نہیں ہے۔ مجھے اللہ سے امید ہے کہ آپ مجھ پر یہ کرم ضرور فرمائیں گے۔

''الزبیر'' کا تازہ شمارہ جس میں مرحوم مشفق خواجہ صاحب پر میرا ایک مضمون شائع ہوا ہے، بھی حسب وعدہ بھیج رہا ہوں۔مزید کوئی امر لائق تذکرہ نہیں۔میری سعادت ہوگی کہ آپ مجھے کسی کام سے یاد فرمائیں۔میں آپ کے خط اور رابطے کا منتظر ہوں۔

والسلام

آپ کا برخوردار

حافظ صفوان محمد چوہان

---

(۲) جناب رشید حسن خاں بہ نام حافظ صفوان محمد چوہان

شاہ جہاں پور

17 مئی 2004

مکرمی صفوان صاحب! سلام شوق

خط کا آغاز طلب معذرت سے ہوتا ہے۔آپ سے شرمندہ ہوں کہ جوابِ خط میں ناروا تاخیر ہوئی؛مگر سچ کہتا ہوں کہ اس میں میرا قصور کم سے کم ہے،سارا کیا دھرا میری خرابی صحت کا ہے دوسرے حملہ قلب کے بعد سے یہ احوال ہوگیا ہے کہ اچانک قلب کی رفتار بگڑ جایا کرتی ہے۔ڈاکٹر نے سختی کے ساتھ گھر سے نکلنے پر پابندی لگا دی ہے۔ مدو جزر کا سا عالم رہتا ہے۔آج ٹھیک کل خراب۔بعض دفعہ یہ وقفۂ خرابی بڑھ جایا کرتا ہے۔سو پچھلے دنوں یہی کیفیت طاری رہی۔ بہ ہر طور، تاخیر جواب پر شرمندہ ہوں اور معذرت طلب۔

میں اپنی نارسائی پر متاسف ہوں کہ عابد صدیق صاحب مرحوم سے مجھے نیاز حاصل نہیں رہا۔ حالاں کہ ایسے صاحب علم و صاحب طبع رسا سے غائبانہ سہی ملاقات ہونا چاہیے تھی۔ بہ ہر

طرح، آپ سے اب غائبانہ تعارف میرے لیے باعث مسرت ہے۔

اب کام کی بات: میں نے پورے مسودے کو از اوّل تا آخر دیکھ لیا۔ چند باتوں کے سوا، باقی سب کچھ درست اور بجا ہے۔

(۱) اصول یہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں یاے معروف ہو [جیسے ہستی، زندگی، خفگی وغیرہ] اضافت کی صورت میں ایسے لفظوں کی ی کے نیچے اضافت کا زیر آئے گا۔ جیسے: ہستیِ فانی، زندگیِ جاوید۔ اس ی پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔ یعنی ہستیٔ جاوید یا زندگانیٔ فانی لکھنا غلط ہوگا۔

(۲) جن لفظوں کے آخر میں الف یا واو معروف ہو [جیسے: خدا، دنیا، جادو، گفتگو] اضافت کی صورت میں اُن کے آخر میں ے کا اضافہ کیا جائے گا، جیسے: خداے برتر، جادوے بنگال۔ اس ے پر بھی ہمزہ نہیں آئے گا۔ [مرزا غالب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ اس ے پر ہمزہ لکھنا ''عقل کو گالی دینا ہے''۔]

(۳) جن لفظوں کے آخر میں ہاے مختفی ہو [جیسے: مجموعہ، کعبہ] اضافت کے لیے اس ہ پر ہمزہ لکھا جائے گا۔ اس کے نیچے زیر نہیں آئے گا جیسے: مجموعۂ کلام، کعبۂ مقصود، قبلۂ اربابِ دیں۔

بس ان امور کو ملحوظ رکھ کر چند مقامات کی بہ آسانی تصحیح کی جاسکتی ہے۔ مثلاً:

'سوائے (ص17) ثنائے، آقائے دو جہاں (ص17)۔ سوائے اقرار عجز، خدائے رحیم (18)۔ ماحیِ باطل (ص19)۔ آقائے شفیع (ص21)۔ سوئے خدا (ص22)۔ دریائے کرم (ص 22)۔ پہلوئے ذم (ص23) یاوریٔ بخت (ص27)۔ ان سب مقامات پر ہمزہ نہیں ہونا چاہیے۔ یعنی یوں لکھیے آقاے دوجہاں، سوے خدا، دریاے کرم، ماحیِ باطل، خداے رحیم (وغیرہ)۔ اسی طرح ''رفیقہِ حیات'' اور مجموعہِ کلام کے بجائے رفیقۂ حیات اور مجموعۂ کلام لکھنا چاہیے۔'

آپ نے اضافت کے زیر کا التزام کیا ہے اور یہ عمدہ بات ہے اور ضروری، اسی طرح تشدید کا یہ التزام بھی ضروری ہے۔ صدیق اور صِدیق یہ دو (۲) لفظ ہیں، مجھے نہیں معلوم ہوتا کہ میں عابد صدّیق پڑھوں یا عابد صدیق۔ یہ محض ایک مثال ہے۔ مشدّد حروف پر تشدید ضرور لگایئے، مثلاً:

مدّت، جدّت، ذرّے، اُمّید۔

اسی طرح جہاں ''لکھی'' یا ''لکھا'' آئے وہاں اسی طرح لکھا جائے اور جہاں وزن شعر کے لحاظ سے لکّھی یا لکّھا آئے، وہاں تشدید لکھنا ضروری ہے۔ مثلاً لکھی ہے جب سے نعت رسالت مآب کی (ص 21) یہاں ''لکّھی'' ہونا چاہیے۔ اسی طرح: امید ہے تیرے کرم بے حساب کی (ص22) ''اُمّید ہے'' ہونا چاہیے۔ اسی صفحے پر: ذرے میں آ گئی ہے چمک آفتاب کی۔ ''ذرّے میں'' لکھنا چاہیے (وغیرہ)۔

یہ اصلاحات اور تصحیحات آپ بہ خوبی کر سکتے ہیں۔ بس کچھ مقامات ہیں ایسے، باقی سارے مقامات پر املا کی غلطی مجھے تو ملی نہیں۔ آپ نے اچھّا کیا کہ اس کارِ خیر میں مجھے شامل کر لیا، اسی طرح میں بھی داخلِ حسنات ہونے کا ثواب حاصل کر سکوں گا۔ اُردو املا کیسے بھیجوں! گھر سے نکل نہیں سکتا، کیا کروں! میری معذرت قبول کر لیجیے۔ اگر کوئی صورت نکلی تو ضرور بھیجوں گا۔ اب مجھے اس کتاب کے چھپنے کا اور دیکھنے کا انتظار رہے گا، دیکھیے، وہ وقت کب آتا ہے۔

تاخیرِ جواب کی ایک بار پھر معذرت۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور مجھے دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

رشید حسن خاں

(سہ ماہی الزبیر، بہاول پور، [گوشۂ عابد صدیق] اُردو اکیڈمی، بہاول پور، شمارہ 1، ص194 تا 197، 2010)

❁❁❁

حنیف نقوی بہ نام رشید حسن خاں

''جس دوہے کے بارے میں آپ نے دریافت فرمایا تھا، وہ ڈاکٹر جمیلہ جعفری صاحبہ ریڈر شعبۂ ہندی بنارس ہندو یونی ورسٹی کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق کبیرؔ ہی کا ہے، اور ڈاکٹر رام چندر شکل کی مرتّبہ کبیر گرنتھ ولی میں موجود ہے۔ اِس گرنتھ ولی کے مطابق اِس کا متن حسبِ ذیل ہے:

چلتی چکّی دیکھ کے دیا کبیرا روئے
دوئی پَٹ بھیتر آئے کہ ثابت بچا نہ کوئے''

(مشمولہ باغ و بہار، مرتّبہ رشید حسن خاں، ضمیمہ نمبر1، ص279، اشاعتِ سوم: 2009، انجمن ترقّیِ اُردو (ہند)، نئی دہلی)

وضاحت:

رشید حسن خاں جب باغ و بہار مرتّب کر رہے تھے، اُس وقت اِس کے متن میں آئے بہت سے اشعار کے انتساب سے متعلّق وہ دوسرے حضرات سے مدد لیا کرتے تھے۔ کبیرؔ کے ایک دوہے سے متعلّق وہ حنیف نقوی صاحب کو اپنے مکتوب مرقومہ 25 دسمبر 1985 کے آخری پیراگراف میں لکھتے ہیں:

''اور بھائی! آپ پنڈتوں کے شہر میں رہتے ہیں، کیا کوئی مہاشے آپ کے شناسا ہیں وہاں، یعنی دانش گاہ میں، یہ دوہا:

''چلتی چکّی دیکھ کر دیا کبیرا روئے
دو پاٹن کے بیچ آ ثابت گیا نہ کوئی

یہ دوہا کبیرؔ ہی کا ہے؟ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ کبیرؔ سے منسوب بھی کچھ کلام ایسا ہے جو قابلِ اعتبار نہیں۔ اور کیا اسی طرح ہے؟ کوئی لفظی فرق تو نہیں؟

میری خاطر زحمت گوارا فرمائیے۔ یہاں ہندی کے ایم. اے بہت ہیں، پی.

ایچ.ڈی بھی ہیں، مگر... جو پڑھے لکھے ہیں، اُن تک میری رسائی نہیں، اور میں خود ہندی جانتا نہیں۔ آپ کو زحمت نہ دوں تو کیا کروں‘‘۔

(یہ خط رشید حسن خاں کے خطوط مرتب ڈاکٹر ٹی.آر. رینا، جلد دوم، ص131، اشاعت: نومبر 2015، اُردو بک ریویو، نئی دہلی سے ماخوذ ہے۔ مرتب)

❁❁❁

خلیق انجم بہ نام رشید حسن خاں

(1)

11 اکتوبر 1999[۱]

رشید حسن خاں صاحب السلام علیکم

ابھی آپ کا خط ملا۔

(۱) انجمن کا یہ سمینار چار روزہ ہے۔ جمعہ سے پیر تک۔ آپ کے لیے جو دن مناسب ہوں، اُن میں شرکت فرمائیے اور ہر حال میں شرکت فرمائیے۔

(۲) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام مولانا وحیدالدین تسلیم کے خط کا بہت بہت شکریہ!

(۳) ''باغ و بہار''[۲] پریس میں ہے۔ ابھی تک چودہ، پندرہ فرمے چھپے ہیں۔ پوری کتاب چھپنے میں کم سے کم دس یا بارہ دن اور لگ جائیں گے۔ میں نے اختر صاحب کو ہدایت دے دی ہے کہ کتاب چھپتے ہی آپ کو دس جلدیں بھیج دیں۔

میں مولانا عبدالوحید تسلیم کا یہ خط ''ہماری زبان'' میں شائع کروں گا۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش

خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب

(شاہ جہاں پور (یو۔پی)

(2)

24 اگست 2001[۳]

خاں صاحب السلام علیکم!

کچھ دیر پہلے آپ کا خط اور فرہنگ[۴] کے ابتدائی اجزا موصول ہوئے۔ میں نے کچھ کارڈ غور سے پڑھے۔ آپ نے واقعی یہ بڑا کام کیا ہے اس کا نام ابھی سے سوچ لیجیے۔ میں خوب جانتا

ہوں کہ اگر میں اصرار نہ کرتا تو آپ شاید یہ کام نہ کر پاتے۔ بہر حال ایک بڑا کام ہو گیا۔ میں اسے فوراً ہی کمپوزنگ کے لیے دے رہا ہوں۔

آپ کے حکم کے مطابق کمپوزنگ کا کام رشید صاحب[۵] کے ذمے کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان شاء اللہ کمپوزنگ جلد مکمل کر لوں گا۔ ڈیڑھ دو مہینے اس کام میں لگ جائیں گے۔

خدا کرے آپ بہ خیر یت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں
شاہ جہاں پور

(3)

مورخہ 5 ستمبر 2001[۶]

خاں صاحب، آداب!

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ خدا کرے کہ آپ صحت یاب ہوں۔

جس دن آپ نے لغت کا مسودہ بھیجا تھا، میں نے اُسی دن اس کی کمپوزنگ شروع کرا دی تھی۔ جن صفحات کی کمپوزنگ ہو چکی ہے، وہ میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ ان صفحات کو پڑھ کر واپس کر دیجیے۔ لیکن اصل مسودہ اپنے پاس ہی رہنے دیجیے۔ کیوں کہ اب اس کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی لغت جلد سے جلد شائع ہو جائے۔

خدا کرے آپ بہ خیر ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

جناب رشید حسن خاں

(4)

3 دسمبر 2001[۷]

خاں صاحب، السلام علیکم

آپ کو فون کرتے ہی میں نے فارم منگوانے کے لیے ایک آدمی کو بھیج دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں فارم آ جائے گا اور وہ آپ کو بھیج دیا جائے گا۔ آپ اسے پوری احتیاط سے بھر کے پاسپورٹ

کے ساتھ مجھے رجسٹری کر دیجیے۔ یہ خیال رکھیے کہ وقت بالکل نہیں ہے۔
خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
شاہ جہاں پور (اتر پردیش)

(5)

29 اپریل 2002ء[8]

خاں صاحب۔آداب!

تھوڑی دیر پہلے میں نے آپ کے گھر فون کیا تھا، معلوم ہوا کہ آپ ابھی نرسنگ ہوم میں ہیں اور خدا کا شکر ہے کہ آپ کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔ اس وقت صبح کے ساڑھے نو بجے ہیں۔ دس بجے تک بنک (بینک) کھلے گا، میں ڈرافٹ بنوا کر آپ کو بھیج دوں گا۔

ایک خط کا ڈرافٹ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اس پر دستخط کر کے فوراً واپس کر دیجیے۔ یہ ''مصطلحاتِ ٹھگی''[9] کے سلسلے میں قومی کونسل برائے فروغ اُردو کو بھیجنا ہے۔

خدا آپ کو جلد مکمل صحت یاب کرے۔ (آمین)

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
شاہ جہاں پور (اتر پردیش)

ہاتھ سے لکھی گئی تحریر:

آپ کی رائلٹی 22432 روپے کا ڈرافٹ کل صبح آپ کو بھیجا جائے گا۔ شمیم حنفی یا پروفیسر صدیق الرحمان قدوائی کو چیک پر دستخط کرنے ہوتے ہیں۔ آج دونوں میں سے کوئی نہیں ملا۔ والسلام۔

(6)

7 جون 2002ء[10]

خان صاحب آداب!

ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ نے آپ کی کتاب ''مصطلحاتِ ٹھگی''[11] کی اشاعت کے لیے صرف بائیس ہزار چار سو بیالیس روپے (Rs.22,442) دیے ہیں۔

میں آپ کی طرف سے ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ کے نام ایک خط کی دو نقلیں بھیج رہا ہوں، دونوں پر دستخط کر کے بھیج دیجیے۔ایک خط انجمن میں رکھ لوں گا اور دوسرا حمید اللہ بھٹ صاحب کو بھیج دوں گا۔

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
22-Baroozai-II
Shahjahanpur-242002

(7)

12 جون 2002[12]

خاں صاحب۔السلام علیکم!

اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔خدا کرے کہ صحت یاب ہو گئے ہوں۔''مصطلحاتِ ٹھگی'' کا باقی کمپوز کیا ہوا میٹر آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔''پیش لفظ'' بھی بھیج رہا ہوں۔اس پر ذرا ایک نظر ڈال لیجیے۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
22-Baroozai IInd
Shahjahanpur(u.p)

(8)

مورخہ 12 جولائی 2002[13]

رشید حسن خاں صاحب، آداب!

حرفِ آغاز بھیج رہا ہوں۔ اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ اتنا خیال رہے کہ میری زبان ذرا آپ کی زبان سے مختلف ہے۔ مثلاً میں ہمیشہ لغت کو مونث لکھتے آیا ہوں۔ ایسے ہی میں نے حرفِ آغاز میں کیا ہے۔

میں نے صفحہ 37 کی عبارت دوبارہ کمپوز کرائی ہے وہ بھی منسلک کر رہا ہوں۔ انگریزی عبارت میں نے پڑھ لی ہے، لیکن اب بھی کچھ الفاظ مشکوک ہیں۔ اگر آپ اصل عبارت کی نقل بھیج دیں تو میں اسے درست کر دوں گا۔

کمپوز شدہ مسودہ واپس ملنے پر طباعت کے لیے پریس بھیج دوں گا۔ میں نے پہلے بھی رشید صاحب کو ہدایت دی ہے کہ جلد کمپوز شدہ مسودے کی تصحیح کر دیں۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

جناب رشید حسن خاں
22 باروزئی۔ II
شاہ جہاں پور۔ 242001 (یو۔ پی)

(9)

9 دسمبر 2003 [14]

خاں صاحب۔ السلام علیکم!

کافی عرصے سے عزیز قریشی [15] صاحب پر زور ڈال رہا تھا کہ وہ خصوصی انعام قائم کر کے آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ مگر اُن کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ کل صبح ایک کام سے اُن کا فون آیا، میں نے کہا چوں کہ اب مدھیہ پردیش میں کانگریس کی حکومت نہیں ہے۔ آپ کو جلد ہی اُردو اکیڈمی سے استعفیٰ دینا ہوگا۔ اس لیے اب اگر وہ انعام قائم کر کے خاں صاحب کو دے دیں تو آپ کے اور اُردو اکیڈمی کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ میری بات اُن کی سمجھ میں آ گئی۔ اُنھوں نے فون پر ایک کمیٹی بنائی اور دو تین گھنٹے ہی میں اُردو گھر میں میٹنگ کر کے اُس کی رپورٹ بھیج دی۔ اس کی ایک نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔ شام کو عزیز قریشی صاحب کا فون آیا۔ کہتے تھے کہ اسّی فی صدی

اِمکان ہے کہ یہ کام ہوجائے گا۔اب خدا سے دعا ہے کہ یہ کام ہو جائے۔
خدا کرے آپ مکمل طور پر جلد صحت یاب ہو جائیں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
22-Baroozai,IInd
Shahjahanpur(u.p)242001

(10)

یکم جنوری 2004[۱]

رشید حسن خاں صاحب۔السلام علیکم!

میں فون پر آپ کو انعام کی مبارک باد دے چکا تھا۔ایک بار پھر مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو صحت دے اور اس قابل کرے کہ آپ اپنے تحقیقی کارناموں سے اُردو ادب کو ہمیشہ مالا مال کرتے رہیں۔

آپ کے انعام کی دھوم تمام ہندوستان میں مچ گئی ہے۔آپ کے مداح اور عاشق ڈاکٹر اطہر فاروقی نے مجھے خبر بنا کر دی اور میں نے اُسے کمپوز کرا کے فیکس کے ذریعے ہندوستان کے بیش تر اخباروں کو بھیجا۔

کچھ اخباروں کے تراشے منسلک کر رہا ہوں۔''ہماری زبان'' میں بھی یہ خبر شائع ہو چکی ہے۔خدا آپ کو جلد صحت دے۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

نیاز کیش
خلیق انجم

رشید حسن خاں صاحب
22-Baroozai IInd
Shahjahanpur(u.p)

حواشی:

۱ خلیق انجم صاحب کا یہ خط کمپوز شدہ ہے۔

۲۔ ''انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی رشید حسن خاں کی مرتب کردہ کتاب ''باغ و بہار'' کو از سرِ نو شائع کرنا چاہتی ہے۔ اس سے قبل یہ کتاب انجمن سے 1992 میں شائع ہو چکی ہے۔ خلیق انجم کے پیش لفظ کے ساتھ 'باغ و بہار' کی اشاعت ثانی 2009 میں ہوئی۔

۳۔ یہ خط کمپیوٹر کے ذریعے کمپوز کیا گیا ہے۔

۴۔ یہاں فرہنگ سے مراد 'کلاسکی ادب کی فرہنگ' ہے۔ خلیق انجم کی ایما پر رشید حسن خاں نے اپنے مدونہ متون فسانۂ عجائب، باغ و بہار، گلزارِ نسیم، مثنویاتِ شوق اور سحر البیان میں در آئے کلاسیکی الفاظ کی فرہنگ کو یک جا کیا تھا۔ خلیق انجم نے اپنے پیش لفظ کے ساتھ کلاسکی ادب کی فرہنگ (جلد اوّل) کو بابائے اُردو مولوی عبدالحق میموریل سیریز 6 کے تحت 2003 میں شائع کیا تھا۔ خود خلیق انجم نے کلاسکی ادب کی فرہنگ کے بارے میں لکھا:

> ''میں نے انجمن کی ادبی کمیٹی میں جو تجویز پیش کی تھی کہ رشید حسن خاں صاحب سے درخواست کی جائے کہ وہ انجمن کے لیے اُردو کے وہ اہم کلاسیکی متون مرتب کر دیں، جن کا مطالعہ ہمارے زمانے کے اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے ضروری ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ ادبی کمیٹی نے نہ صرف میری تجویز منظور کر لی بل کہ کلاسیکی متون کو جدید اصولوں کے تحت مرتب کرنے کا طویل المدّت پروگرام ترتیب دے لیا۔ میں نے جب خاں صاحب کو ادبی کمیٹی کے اِس فیصلے سے مطلع کیا، اُس وقت اُن کے پاس فسانۂ عجائب کا متن تیار تھا۔ مجھے دلی مسرّت ہے کہ اُنھوں نے طباعت کے لیے وہ متن انجمن کو دے دیا اور دوسرے کلاسیکی متون تیار کرنے کا وعدہ کیا۔ یہ وعدہ وعدے کی حد تک ہی نہیں رہا، خاں صاحب نے دن رات ایک کر کے اُردو کے ایسے متون مرتب کیے جن کے بغیر اُردو کے کلاسیکی ادب کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ متون ہیں ۱۔ فسانۂ عجائب ۲۔ باغ و بہار ۳۔ مثنوی گلزارِ نسیم ۴۔ مثنویاتِ شوق ۵۔ مثنوی سحر البیان۔
>
> مولوی عبدالحق مرحوم نے انجمن میں کلاسیکی متون مرتب کرنے کی روایت کا آغاز کیا تھا۔ انھوں نے یہ کام خود بھی کیا اور دوسروں سے بھی کرایا۔ اس لیے طے کیا گیا کہ انجمن کلاسیکی ادب کی ایک سیریز طبع کرے گی اور اُس کا نام 'بابائے اُردو مولوی عبدالحق میموریل سیریز' ہوگا۔ چناں چہ اُسی سیریز کے تحت خاں صاحب کی پانچوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔
>
> خاں صاحب نے اپنے ہر تنقیدی اڈیشن کے آخر میں متن سے متعلق فرہنگ مرتب کر کے کتاب میں شامل کی ہے۔ یہ فرہنگ کلاسیکی متن کی فرہنگ نویسی کا اعلا ترین نمونہ ہے۔ اِس کام میں خاں صاحب نے بڑی محنت و جستجو اور ژرف

نگاہی سے کام لیا ہے۔ ہمارے زمانے میں ایسے کام کرنے والے شاذ و نادر ہی ہوں گے۔ کئی پروفیسروں نے خاں صاحب سے درخواست کی تھی کہ وہ پورے کلاسیکی ادب کی ایک فرہنگ مرتب کر دیں، لیکن خاں صاحب اپنے دوسرے کاموں میں اتنے مصروف تھے کہ یہ فرمایش پوری نہ کر سکے۔ مجھے خاں صاحب کے مزاج میں خاصا دخل ہے۔ میں نے جب اِس کام کی اُن سے درخواست کی تو انھوں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا، لیکن میرے اصرار پر بالآخر اُنھوں نے یہ درخواست منظور کر لی۔ طے پایا کہ وہ کلاسیکی ادب کی فرہنگ تین جلدوں میں مرتب کریں گے۔ اِس فرہنگ میں پُرانے شاعروں کے دواوین، مثنویات، داستانوں اور دوسری منظوم و منثور تحریروں میں استعمال ہونے والے ایسے الفاظ شامل کیے جائیں گے، جن کا ہمارے زمانے میں چلن نہیں رہا یعنی اب وہ متروک ہو چکے ہیں یا جن کا تلفظ اور جن کے معنی بدل گئے ہیں۔

اُردو میں متون کی فرہنگیں کافی تعداد میں تیار کی گئی ہیں۔ یہ بات پوری ذمے داری کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ فرہنگ نویسی کے سلسلے میں اِس پایے کا عالمانہ اور محققانہ کام اُردو میں پہلی بار ہوا ہے۔ اِس سلسلے کی پہلی جلد پیش کیا جا رہی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ باقی دو جلدیں بھی جلد تیار ہو جائیں گی۔

میں نے گلزارِ نسیم کے پیش لفظ میں لکھا تھا: ''رشید حسن خاں صاحب کا شمار اُن محققوں میں ہوتا ہے جن کے لیے ادبی مصروفیات عبادت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُنھوں نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے، اپنی ساری زندگی علم و ادب کی خدمت میں گزار دی ہے۔ لگاتار محنت اور دیدہ ریزی کا نتیجہ ہے کہ اُن کا شمار اعلا ترین محققوں اور متنی نقادوں میں ہوتا ہے۔'' اِس فرہنگ کی یہ پہلی جلد میرے اِس قول کی مزید تصدیق اور توثیق کرے گی۔

(کلاسکی ادب کی فرہنگ (پہلی جلد)، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، اشاعت دوم، 2013، ص 10-9)

۵ عبدالرشید صاحب انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں کمپوزر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ رشید حسن خاں کی مدونہ کتابوں کی کتابت موصوف نے کی ہے۔ زیرِ مطالعہ کتاب کی ترتیب و اشاعت میں راقم الحروف کی عبدالرشید صاحب نے دامے، درمے، قدمے اور سخنے مدد کی ہے۔ میں موصوف کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔

٦ مکمل خط کمپوز شدہ ہے۔ اس خط میں کلاسکی ادب کی فرہنگ (پہلی جلد) کے مسودے کے پروف پڑھنے کے سلسلے میں رشید حسن خاں سے مشورہ کیا گیا ہے۔

۷ اس خط کو بھی کمپوز کیا گیا ہے۔ اس خط میں خلیق صاحب نے خاں صاحب سے کسی خاص فارم کو

بھرنے کی بات لکھی ہے۔ یہاں تک کہ فارم اور پاسپورٹ رجسٹری کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۸۔ یہ خط انجمن ترقی اُردو (ہند) کے لیٹر ہیڈ پر لکھا گیا ہے۔ اس خط میں رشید حسن خاں کی بیماری کا احوال درج ہے۔ خلیق انجم صاحب نے اپنے دستخط ہاتھ سے کیے ہیں۔

۹۔ رشید حسن خاں کی کتاب ''مصطلحات ٹھگی'' کا مسودہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی میں جمع کرنے کی بات تحریر ہے۔ اس کے لیے ایک فارم میں خاں صاحب کے دستخط ہونے ہیں۔

۱۰۔ خط کمپوز شدہ ہے۔

۱۱۔ رشید حسن خاں کی کتاب ''مصطلحات ٹھگی'' کا مسودہ برائے اشاعت قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی نے منظور کرتے ہوئے =/22,422 کی رقم منظور کی۔ موصوف کی یہ کتاب 2002 میں انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ رشید حسن خاں نے ''مصطلحات ٹھگی'' کے ابتدائیہ میں شمس الرحمٰن فاروقی اس کتاب کی اشاعت اور مسودے کی منظوری کے لیے تگ ودو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا:

> ''محبّ مکرم شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا بہ طور خاص شکرگزار ہوں۔ اس کتاب کی تکمیل میں اُن کی تشویق شامل رہی ہے اور اُنھی کی تجویز پر کونسل نے اس کی طباعت کے لیے گرانٹ منظور کی۔ اس مرحلے کو طے کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔'' (ص40)

۱۲۔ خط کمپوز شدہ ہے۔ اس خط میں رشید حسن خاں کی کتاب ''مصطلحات ٹھگی'' کی کتابت کے بارے میں باتیں لکھی گئی ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں حواشی نمبر 4۔

۱۳۔ خط کمپوز شدہ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں حواشی نمبر 4۔

۱۴۔ خط کمپوز شدہ ہے۔ اس خط میں خلیق انجم صاحب نے مدھیہ پردیش اُردو اکیڈمی سے خاں صاحب کو انعام دینے کی سفارش کی ہے۔

۱۵۔ محترم عزیز قریشی 3 فروری 1940 کو بھوپال (مدھیہ پردیش) میں پیدا ہوئے۔ موصوف ہندوستانی سیاست میں سرگرم رہے ہیں۔ اتر پردیش، اتراکھنڈ اور میزورم کے گورنر رہے۔ وزیر اعلا مدھیہ پردیش دگ وجے سنگھ (1998-2003) نے موصوف کو مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کا صدر منتخب کیا تھا۔ دوسری بار کمل ناتھ حکومت نے انھیں مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کا صدر 24 جنوری 2020 کو منتخب کیا تھا۔

۱۶۔ خط کمپوز شدہ ہے۔ ساتھ ہی رشید حسن خاں کو ''مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کے راجا رام موہن رائے اعزاز 2004 ملنے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ ''ہماری زبان'' انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 4 تا 8 جنوری 2004، شمارہ نمبر 2، جلد نمبر 63، ص 5 میں جو خبر شائع ہوئی، وہ اس طرح تھی:

ممتاز محقق رشید حسن خاں مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کے

راجا رام موہن رائے اعزاز سے سرفراز

اُردو کے ممتاز محقق جناب رشید حسن خاں کو ان کی مجموعی خدمات پر مدھیہ پردیش اُردو اکادمی کے راجا رام موہن رائے اعزاز سے سرفراز کیا گیا ہے۔ رشید حسن خاں اس انعام کو حاصل کرنے والے اُردو کے پہلے محقق اور ادیب ہیں۔ یہ انعام ایک لاکھ پچاس ہزار روپے اور ایک توصیفی سند پر مشتمل ہے۔

جناب رشید حسن خاں کا شمار اُردو کے محققینِ اربعہ میں حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود اور مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے ساتھ ہوتا ہے۔ خاں صاحب آج بھی ایک زندہ روایت کے طور پر آیندہ نسلوں کے لیے اُردو کے کلاسیکی متون مرتب کر رہے ہیں۔ ان کے معرکتہ الآرا تحقیقی کارناموں میں 'باغ و بہار'، 'فسانۂ عجائب'، 'گلزارِ نسیم'، 'سحر البیان'، 'مثنویاتِ شوق'، 'زٹل نامہ (کلیاتِ جعفر زٹلی) کے مبسوط مقدموں کے ساتھ مستند متون اور 'مصطلحاتِ ٹھگی' اور 'کلاسکی ادب کی فرہنگ' وغیرہ شامل ہیں۔ ان سبھی کتابوں کو انجمن ترقی اُردو (ہند) نے نفیس کاغذ پر عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ انجمن صفِ اوّل کے ممتاز محقق، ادیب اور نقادوں کی کتابیں شائع کر کے اُردو کی بہت بڑی خدمت کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ رشید حسن خاں صاحب نے اُردو املا کی معیار بندی کا سب سے اہم اور ضخیم دستاویز 'اُردو املا' کے عنوان سے مرتب کیا، نیز 'زبان اور قواعد'، 'ادبی تحقیق: مسائل اور تجزیہ'، 'انشا اور تلفظ'، 'املاے غالب' اور 'انشاے غالب' جیسے اہم موضوعات پر بھی انھوں نے مبسوط کتب تحریر فرمائیں۔ علاوہ ازیں رشید حسن خاں صاحب نے مکتبہ جامعہ نئی دہلی کی معیاری سیریز کے تحت درد، سودا، ناسخ، نظیر اکبر آبادی کے کلام کا انتخاب اور انتخابِ مراثی انیس و دبیر اور انتخابِ شبلی بھی عرصہ پہلے مرتب کیا تھا۔ یہ کتابیں آج بھی اُردو ادب کے طالب علموں کے مطالعات کی راہوں کو منور کرتی ہیں۔ ان کے مضامین کے تین مجموعے 'تلاش و تعبیر'، 'تفہیم' اور 'تدوین تحقیق روایت' بھی منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ (ادارہ)

(ہماری زبان، انجمن ترقی اُردو (ہند)، نئی دہلی، 8 تا 14 جنوری، شمارہ نمبر 2، جلد نمبر 63، ص 5)

❁❁❁

خواجہ احمد فاروقی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

DEPARTMENT OF URDU
FACULTY OF ARTS
UNIVERSITY OF DELHI
DELHI-7
PHONES:228991/227108/221421/27

6/2

رشید حسن خاں صاحب مکرم[1]

ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب کا مقالہ 'غالب کا غم عزت اور غم روزگار' بھیج رہا ہوں۔ اس کی نوک پلک آپ درست فرمائیں۔ علوی صاحب کا مقالہ اب ضروری ہو گیا۔ اس کا عنوان شاید یہ ہے 'غالب کے زمانے کی ادبی فضا اور معرکے'۔ اگر آپ اس میں کسی بات کا اضافہ کرانا چاہیں تو علوی صاحب اُسے خوشی سے کر دیں گیں۔

خواجہ احمد فاروقی

MR.RASHEED HASAN KHAN

(2)

28 CAVALRY LINES
UNIVERSITY OF DELHI
TELEPHONE:227108
KHWAJA AHMAD FARUQI

[2] 2/5

رشید حسن خاں صاحب

آپ سے ملاقات کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ براہ کرم جس روز فرصت ہو صبح کو 9/10/11 بجے کرم فرمایئے عنایت ہوگی۔

خواجہ احمد فاروقی

(3)

28 CAVALRY LINES
UNIVERSITY OF DELHI
TELEPHONE:227108
KHWAJA AHMAD FARUQI

30/10

رشید حسن خاں صاحب مکرم[۳]

آپ سے نیاز حاصل کرنے کا بہت اشتیاق ہے۔کل 10:30 بجے صبح اگر آپ کرم فرمائیں تو میں بہت ممنون ہوں گا۔وہ مخطوطہ اوراس کی نقل بھی لیتے آئیے گا۔

عزیزہ نزہت کی شادی کا کارڈ بھیج رہا ہوں۔اگر آپ تشریف لاسکیں تو بڑی خوشی ہوگی۔

خواجہ احمد

حواشی:

۱۔ اس خط کو پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی کے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔خط کی بائیں جانب دہلی یونی ورسٹی کا logo بنا ہوا ہے۔logo کے نیچے انگریزی میں Head of the Department لکھا ہوا ہے۔درمیان میں Department of Urdu,Faculty of Arts,University of Delhi,Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

۲۔ اس خط کو پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے ذاتی لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔اس خط کے بائیں جانب انگریزی میں Khwaza Ahmad Faruqi لکھا ہوا ہے اور بائیں جانب 28,Cavalry Lines,University of Delhi,Delhi-7,Telephone:227108 درج ہے۔

۳۔ تیسرا خط بھی مذکورہ بالا پتے سے لکھا ہوا ہے۔

❁❁❁

ذاکر حسین بہ نام رشید حسن خاں

راج بھون، پٹنہ

17اکتوبر1961

مکرم۔ تسلیم

نوازش نامہ ملے ہوئے کوئی چھے مہینے ہوئے۔معافی چاہتا ہوں کہ بر وقت رسید نہ بھیج سکا۔ساہتیہ اکاڈمی کی کتاب ''اُردو شاعری کا انتخاب''[1] مجھے مل چکی تھی۔مگر اسے دیکھنے کا موقع نہ نکال سکا تھا۔آپ کا ریویو[2] ملنے پر اسے بھی دیکھا۔اوراگرچہ تاریخ ادب اُردو سے بہت ہی مبتدیانہ واقفیت رکھتا ہوں اور حکم لگانے اور گلم بننے کا مطلق اہل نہیں ہوں۔یہ ضرور فکر کرتا ہوں کہ آپ نے بے باک تنقید کی ہے اوراس کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے۔میں اس مہینے کے آخری ہفتے میں دہلی جاؤں گا اور وہاں اکادمی کے کارکنان سے ملاقات بھی ہوگی۔انھیں اس طرف ضرور متوجہ کروں گا۔

ہمارے یہاں تبصرہ نگاری کا حق معمولی سا ادا نہیں کیا جاتا۔لوگ موافق اصراف پر لکھتے ہیں۔لیکن آپ نے جس تحقیق اور اور محنت سے تبصرہ کیا اس پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔والسلام

مخلص

ذاکر حسین[3]

حواشی:

[1] ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی کی جانب سے ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی مرتبہ کتاب دسمبر1960[بار اوّل] مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے شائع ہوئی۔کتاب کے سرورق پر انگریزی میں

Urdu Shairi Ka Intkhab(An Anthology of Urdu Poetry)
Edited by Dr. S.M.Q. Zore Published by Sahitya Akademi,
New Delhi(1960)Price7/50

لکھا ہوا ہے۔ اس انتخاب میں 108 شاعروں کا منتخب کلام شامل ہے۔ کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے لکھا ہے۔

۲۔ ''اُردو شاعری کا انتخاب'' پر رشید حسن خاں کا تبصرہ ماہ نامہ تحریک، دہلی، جولائی 1961، ص11 تا20 شائع ہوا۔ بعد میں خاں صاحب نے اس تبصرے کو اپنی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' میں شامل کیا۔ رشید حسن خاں نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ساہتیہ اکیڈمی نے ''اُردو شاعری کا انتخاب'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے، جسے اکیڈمی کے ایک رکن ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ نے مرتّب کیا ہے۔ بہ قولِ مرتّب اِس میں ''1450 سے آج تک کے پانچ سو سالہ طویل دور'' کی شاعری کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ اِس انتخاب میں ''اُردو کے بہترین اور اپنے اپنے دور اور مکتبِ خیال کے نمایندہ 150 شعرا کا منتخب کلام شریک ہے۔''
ساہتیہ اکیڈمی اور مولّف دونوں کی شہرت کے پیشِ نظر یہ امید کی جاسکتی تھی کہ یہ انتخاب آیندہ کے لیے ایک معیار قائم کرے گا لیکن اسے دیکھ کر اچھے انتخاب کا جو معیار واقعی سامنے آیا وہ یہ ہے کہ (1) اشعار میں زیادہ سے زیادہ تحریف کی جائے۔ (2) جن اشعار میں تحریف نہ کی جاسکے، اُن کو بحر سے خارج کر دیا جائے۔ (3) دوسروں کی نظموں یا غزلوں پر عنوان تصنیف فرما کر چسپاں کر دیے جائیں۔ (4) کچھ شاعروں کے سنہ ولادت و وفات، دونوں غلط ہوں، یا کم از کم ایک ضرور غلط ہو۔ نیز ضروری واقعات وحالات یا تو لکھے ہی نہ جائیں یا اس کا اہتمام کیا جائے کہ اگر دو باتیں صحیح ہوں، تو توازن قائم رکھنے کے لیے دو غلط باتیں بھی درج کی جائیں۔ (5) تنقیدی رائے کے اظہار میں ایسا اندازِ بیان اختیار کیا جائے کہ چھٹے درجے کے طالبِ علموں کو وہ عبارت نامانوس نہ معلوم ہو۔ (6) کہیں کہیں ایسا بھی ہو کہ نظموں کی ترتیب اور کتابت اُن کی ہیئت کے لحاظ سے نہ ہو، مثلاً کوئی نظم بہ صورتِ مربع ہو، تو اس کو بہ صورتِ مثنوی لکھا جائے۔ (7) ہر صفحے پر کتابت کی 4،6 غلطیاں ضرور ہوں۔

۳۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے جب یہ خط لکھا تھا تب وہ صوبہ بہار کے گورنر تھے۔ بعد میں وہ ملک کے نائب صدر جمہوریہ اور صدر جمہوریہ منتخب ہوئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین سیاست داں کے ساتھ ساتھ ادب نواز بھی تھے۔ اس خط میں انھوں نے رشید حسن خاں کے بے باک اور دوٹوک تبصرے کی خوب تعریف کی ہے۔
(مذکورہ بالا خط ''ذاکر صاحب کے خط''، دوسری جلد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔1197، ص53 سے ماخوذ ہے۔)

نوٹ :اس خط کو فاران نظامی [پاکستان] نے 30/12/2022 کو بہ ذریعہ Messenger ارسال کیا۔

❁❁❁

رشید احمد صدیقی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

ذکاء اللہ روڈ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

بدھ، 22 ستمبر 1965

خان صاحب مکرّم، سلام شوق[1]

آپ کی بھیجی ہوئی دونوں کتابیں گلزارِ نسیم اور باغ و بہار ملیں، پہلی حال ہی میں، دوسری اِس سے بہت پہلے۔

بہت دنوں سے ''کشاکش غم پنہاں'' میں مبتلا رہتا تھا۔ اُن سے فرصت تو کیا ملتی، کچھ دنوں سے اِس میں ''غم پیدا'' بھی شامل ہوگیا اور کیسا غم پیدا! مگر شاید انگریز قوم ہی نے ایسے موقعے کے لیے کہا ہے: ''یہ سب کھیل ہی کا جزو ہے، کھیل ڈالو''[2]۔ کیا قوم ہے یہ بھی!

گلزارِ نسیم[3] اور باغ و بہار[4] کو اپنی توجّہ و تحقیق کا مرکز بنا کر آپ نے مجھ جیسے بہتوں پر یہ احسان کیا ہے۔ بعض کتابوں سے میرا رشتہ کچھ اِس طرح کا ہے جیسا اقبال نے ''والدۂ مرحومہ کی یاد میں'' لکھا ہے کہ ہم اپنی ہر طاقت و تکبّر کو بھول کر آغوشِ مادر میں صرف طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں جیسے کھوئی ہوئی جنّت میں پھر سے آباد ہوگئے ہوں، وغیرہ۔ باغ و بہار، گلزارِ نسیم اور چند اور کتابیں میرے لیے ایسا ہی درجہ رکھتی ہیں۔ پڑھنے لکھنے کی تمام عمر مشق بہم پہنچائی، شہرت پائی، نفع کمایا، کبھی کبھی ہمچو من دیگرے نیست کا بھی گمان گزرا لیکن باغ و بہار، گلزارِ نسیم، فسانۂ آزاد، مثنوی میر حسن، الف لیلہ اور اِس قبیل کی بعض دوسری کتابوں کے آغوش میں پہنچ کر اپنے کو طفلِ سادہ ہی محسوس کرنے لگتا ہوں لیکن ''عبارت، اشارت اور ادا'' کا وہ لطف پہلے کبھی نہیں آیا تھا، جو اَب آیا۔ آپ نے خوب کیا کہ صحت کے ساتھ صحیح نسخہ چھپوا دیا اور آخر میں ایک فرہنگ کا اضافہ کردیا۔ آپ کے لیے یہ سفر کتنا دشوار رہا ہوگا لیکن آیندہ آنے والوں کے لیے یہ راستا کتنا صاف، ہموار اور خوش گوار ہوگیا۔ اُن پر آپ کا کتنا بڑا احسان ہے، دیا شنکر نسیم اور میر امّن پر بھی۔ یہ سب سے موزوں اور قیمتی نذرِ عقیدت ہے جو ایک فن کار دوسرے فن کار کو پیش کرسکتا ہے۔

لوگوں کی مصروفیت اور زندگی و زمانے کے طرح طرح کے تقاضے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ شعر وادب میں درک حاصل کرنا درکنار، اُن سے آشنا اور لطف اندوز ہونے کا بھی موقع نہیں ملتا۔ آپ نے یہ کام آسان کردیا۔ مگر اب بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اپنے شعر وادب، اپنی تہذیب اور اپنی روایات کی گراں مائیگی، نزاکت و نفاست سے موجودہ اور آیندہ نسلوں کو آشنا کرانے کے لیے ضروری ہے کہ مزید سہولتیں فراہم کی جائیں یعنی وضاحتی نوٹس کا اضافہ کیا جائے۔ حوصلہ اِسی کا رکھیے، پورا کرنے والا خدا ہے۔ آپ تو جانتے ہیں لبِ یار شیوہ ہائے بُتاں کی مانند شعر وسخن کے بھی شیوے ہیں۔

ایک زمانے میں دہلی کوئی جانے لگتا ہے اور صاحبِ علم وفن یا اثر واقتدار ہوتا تو اُس سے تاکید سے کہہ دیتا کہ رشید حسن خاں پر لطف ونوازش کی نظر رکھنا، شکر ہے کہ اب آپ اِس سے بے نیاز ہوگئے۔ کتنی خوشی کی بات ہے کہ آج یہ لکھنے کا موقع مل رہا ہے کہ ہر ہونہار اور ذی استعداد نوجوان پر جہاں تک ممکن ہوسکے رشید حسن خاں پر لطف ونوازش کی نظر رکھیں!! یہ بہت بڑی امانت ہے جو آپ کے سپرد کی جارہی ہے!

عزیزوں، دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں دعا وسلام۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

(2)

جون 1969

ذاکر باغ

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

خاں صاحب مکرم، تسلیم

آج میں آپ کی خدمت میں ایک کارڈ بھیج چکا ہوں۔ ابھی معلوم ہوا کہ نظامی صاحب کے یہاں بیگم فاروقی تشریف لائی ہیں۔ موصوفہ کی معرفت خواجہ صاحب کا خط ملا کہ نظام لیکچرز بھیج دیے جائیں تاکہ کتابت و درستی کے لیے آپ کے سپرد کر دیے جائیں۔ چناں چہ مطلوبہ مسودہ (لیکچرز) ارسال خدمت ہیں منسلکہ عریضہ میں جو کچھ عرض کیا ہے اسے بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ چاہتا ہوں کہ ایسا ہی کیا جائے۔ یہی ہفتہ عشرہ کے اندر خدا کرے مضامین کی ترتیب کاتب صاحب کی سمجھ میں آجائے۔ لیکن تفصیلات اس کی یہ ہے کہ آپ ان کی نشان دہی اور مجھ پر کرم

فرمائیں۔ بہت بہت شکریہ۔

(3)

بہ خدمت رشید حسن خاں صاحب، دہلی یونی ورسٹی، شعبۂ اُردو[۵]

نظام لیکچرز حوالہ نمبر 1 ''غالب کی شخصیت''، صفحہ ۳۹ (39)

خاں صاحب مکرم۔ تسلیم

صفحہ بالا (39) پر ایک عبارت کے گرد سرخ حلقہ ملے گا۔ اس کی کتابت ملتوی رکھیے گا۔ عنقریب اس کو مزید وضاحت سے لکھ کر بھجوائے گا۔ اس کی کتابت کراؤں گا۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

5/6/69

(4)

16 جولائی 1969

ذاکر باغ

علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ[۶]

خاں صاحب محترم

سلام شوق

محترم بیگم فاروقی صاحبہ سے آپ کو میرے اوراق ملے ہوں گے۔ جس کا افتتاح نظام توصیفی لیکچرز (پہلا خطبہ ''غالب کی شخصیت'') میں کرانا چاہتا ہوں۔ اور آپ نے سمجھ لیا ہوگا انھیں اوراق میں (جو آپ کو بیگم فاروقی صاحبہ سے ملے ہوں گے) ایک خطبہ اور کچھ اضافہ اور ترمیم کرنا چاہتا ہوں۔ اوراق یہ ہے:

آخری صفحہ غالباً 3 پر ایک عبارت ہے ''... جس کا غالب کی فلم اور تنقید دونوں میں بہت چرچا ہے۔'' اس کے بعد وہ صفحات نقل کیے جائیں جو آپ کو بھیج رہا ہوں اور اس عریضے سے منسلک ہیں۔ جو شروع ہوتے ہیں اس فقرے سے ''... غالب کی سیرت وشخصیت پر اب تک جو فلمیں تیار کی گئی ہیں...'' اور ختم ہوتی ہیں اس فقرے پر ''... اس طرح لغزش ہو ہی جاتی ہیں۔''

بیگم صاحبہ محترمہ سے آپ کو جو صفحات ملے ہوں گے ان میں آخری صفحے پر یہ عبارت ملے گی ''لیکن بہت کم لوگوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غالب اسے بھی مصیبت سمجھ کر

کرتے تھے۔''اس عبارت کے بجائے یہ کر لیجیے:''لیکن بہت کم لوگوں نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غالب شراب پینے کو مصیبت خیال کرتے تھے لیکن وہ اس مصیبت کو مرتفع و مکرم کرنا بھی جانتے تھے۔اور یہی غالب کا اسٹائل تھا۔'' پھر سلسلہ ملا لیا جائے یعنی'' تجھے ہم ولی سمجھتے جو تو نہ بادہ خوار ہوتا'' وغیرہ۔

اس اضافے اور اصلاح میں اگر پیرا گراف کو چھوٹا بڑا کرنا ہو یا ربط کے لیے عبارت میں تبدیلی مناسب ہو تو مختصر کر دیجیے گا۔جس کے لیے شکر گزار رہوں گا۔

مجھے آپ کا شاہ جہاں پور کا پتا نہیں معلوم تھا اور مجھے نوازش نامہ [جو ملا تھا] میں دہلی یونی ورسٹی کا جو پتا لکھا تھا اس کا صرف اتنا یاد رہ گیا old jubilee hall اولڈ جبلی ہال، نمبر ذہن سے اتر گیا تھا۔آپ نے تحریر کیا تھا کہ شروع جولائی میں دہلی واپس آ جائیں گے۔نیز یہ کہ توصیفی خطبات کی کتابت کا انصرام بھی جولائی میں ہوگا۔15 تک آپ کی یونی ورسٹی بند تھی۔کسی کو خط بھی نہیں لکھ سکتا تھا کہ آپ کے بارے میں کچھ اطلاع دے سکے۔کل فاروقی صاحب کا ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے نام خط آیا۔اس سے معلوم ہوا کہ آپ دہلی واپس آ گئے اور محترمہ بیگم فاروقی صاحبہ جو اوراق لے گئی تھیں وہ آپ کو بھیج دیے گئے۔

ان شاء اللہ عنقریب دہلی آنا ہوگا۔چاہتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے لیے آپ سے ملاقات ہو جائے۔پھر ان خطبات کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔معلوم نہیں پنسل سے لکھے ہوئے متعدد اوراق صاف پڑھے بھی جا سکے یا نہیں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ایک کارڈ لکھ کر مطلع فرما دیں تا کہ سارے کاغذات آپ کو مل گئے۔نیز یہ کہ میں اپنا مطلب بھی واضح کر سکا یا نہیں۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

16 جولائی 69

منجانب محبّ کرم رشید حسن خاں

اولڈ جو بلی ہال

دہلی یونی ورسٹی، دہلی (7)

ملاحظہ ہو عریضہ منسلکہ:

غالب کی سیرت و شخصیت پر اب تک جو فلمیں تیار کی گئی ہیں ان سے ''غالب شناسی'' کا

ثبوت ملتا ہے۔اس ضمن میں سب سے پہلے سب سے معمولی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اپنی اعلانسبی اور غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر اس وقت کی دلّی کے اعیان واکابرین شمار ہوتے تھے۔شرفائے دلّی کا شیوہ یہ نہ تھا کہ وہ کسی ڈومنی کے ساتھ شراب میں بدمست منظر عام پر نظر آئیں۔اس ڈومنی کا غالب کی شخصیت،شاعری اور شیوہ زندگی سے کوئی ربط نہ تھا۔شراب میں سرشار ہو کر عورت سے بے تکلف ہونا غالب کا مزاج نہ تھا۔اُن کا عیّاش یا اوباش profligate ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ان کی شاعری میں کسی عورت سے لمس ولذت کا کوئی لوث نہیں ملتا۔

عوام اور عوامی ہونے سے غالب دور تھے اور تمام عمر رہے اسے غالب کا ہر طالب علم جانتا ہے۔عوام کی خاطر غالب کو مسخ کرنا کسی قیمت پر گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ان فلموں کا میلان اور پرداخت ذومعنی اور شراب کے پس منظر میں نہیں بل کہ غالب کے کلام کے اعجاز واحترام کو ملحوظ رکھ کر کسی معتبر غالب شناس کی نگرانی میں ہونی چاہیے تھی۔غالب اتنے شراب خور نہ تھے جتنے شراب کے ادا شناس (تھے)۔ایسے ادا شناس جس کی مثال اُردو کے سوا شاید ہی کسی اور شعر وادب میں ملے۔شراب نے غالب کو جتنا رسوا کیا غالب نے اسے اتنی ہی آبرو بخشی۔شراب کو غالب نہ میسر آتے تو اُردو شاعری بعض کتنے زرخیز وزرّیں تصورات سے محروم رہ جاتی۔جیسا کہ عرض کیا گیا غالب کی بندش کو ان کے کلام کے بے مثل رنگ وآہنگ میں دیکھنا چاہیے۔مثلاً اُن کے ان اشعار کی روشنی میں:

ے جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
ے گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
ے پھر دیکھیے انداز گل افشانیٔ گفتار،وغیرہ۔

اس طرح سے غالب کے خطوط سے ان کی شخصیت کے ''نقش ہائے رنگ'' لیے جا سکتے ہیں۔اس طرح کی فلموں پر حکم لگانے کا تعلق میرے اگلے وقت،آپ کے فی الوقت اور کسی اور کے ابن الوقت ہونے میں اتنا نہیں ہے جتنا صحیح اور صحت مند ذوق اور ظرف سے ہے۔اور ذوق و ظرف ہمیشہ خواص کا ''جورس ڈکشن'' (عدالتی اختیار سماعت) رہا ہے اور رہے گا۔سیاست کو دین سے جدا کر دینے سے بڑی چنگیزی،معاشرے کو حیا اور حمیت سے بے گانہ کرنا اور رکھنا ہے۔

شراب اور عورت کے بارے میں چاہے جتنے اقتناعی احکام جاری اور نافذ کیے گئے ہوں اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مصلحت الٰہی کو بہشت میں بھی ان کی رعایت رکھنی پڑی خواہ ان دونوں کو کتنا ہی بے ضرر بنا کر رکھا گیا ہو۔بہشت میں شاعر کی گنجایش رکھی گئی۔یہ تو

نہیں معلوم لیکن جہاں شراب اور عورت ہوگی وہاں شاعر کا ظہور ہو کر رہے گا۔فرق صرف ذوق اور ظرف کا ہوگا۔یعنی جیسی شراب اور عورت ہوگی ویسا ہی شاعر ہوگا۔گفتگو ضمنی ہونے کے باوجود طویل ہوگئی جس کے لیے معذرت خواں ہوں۔موضوعات ایسے مبہم اور مفصل اس لیے تو اس طرح کی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔

(5)[۷]

دوسری عبارت لکھ کر مجھے دیں۔کیا یہاں آکر آپ دوسری کتاب یعنی ''غالب کی شاعری'' کی کتابت آپ شروع کرا دیں۔پہلے کی یعنی غالب شخصیت کی (کذا) ہو جائے گی۔میرا خیال ہے کہ یہ بہتر ہوگا۔اگر دونوں لیکچرز ایک ہی cover (جلد) کے اندر شائع کیے جائیں۔الگ الگ رکھنے میں ان کے منتشر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔صفحات کم کرنے (کذا) یہ لاگت بھی کم آئے گی۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

(6)

ذاکر باغ،علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

شنبہ، 2 ستمبر 1972[۸]

سلام شوق

آپ کی تالیف انتخاب ناسخ ملی۔یہ کرم اب آپ کی وضع داری اور میری عزّت افزائی میں داخل ہو چکا ہے۔آنکھوں کی طرح طرح اور دیرینہ تکالیف کے سبب سے لکھنا پڑھنا بہت محدود ہو گیا ہے اور اِس انبساط و افتخار سے تقریباً محروم ہو چکا ہوں جو اِس عبادت سے کبھی حاصل ہوا کرتا تھا۔تاہم جب بھی متعلّقہ آزاد چشم پوشی سے کام لیتے ہیں تو ہیرا پھیری کر لیا کرتا ہوں۔

پہلے سے اب آپ کی تحریروں کی سطح اور لب ولہجہ بہت بلند ہو گیا ہے،اتنا بلند کہ بذاتِ خود آپ کا شمار ایسے بہتر محقّقین میں کرنے لگا ہوں جن کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔میرا خیال ہے کہ اِس پر آپ کو بھی کچھ کم خوشی یا تعجّب نہ ہوا ہوگا کہ یہ امتیاز نسبتاً بہت جلد آپ کے حصّے میں آیا۔یونی ورسٹیوں کی اُردو کی پی ایچ.ڈی کی ڈگری اور اِس کے پانے والوں کی طرف سے آپ کو ایک طرح للّٰہی یا الرجی (ایسا آزار جس کا سبب نہ دریافت ہو سکا ہو) تھی۔خیال تھا کہ یونی ورسٹی سے وابستہ رہنے کی صحّت مند فضا سے آپ کو اِس سے نجات ہوگئی ہوگی لیکن اِس انتخاب میں ایک جگہ اِس کا اظہار ملا۔آپ اِسے کلّیۃً ترک کر دیجیے۔آپ محسوس کریں گے کہ آپ کو توقّع سے زیادہ فائدہ

پہنچا۔ طنز و تعریض کا حربہ سب سے آخر میں کام میں لانا چاہیے اور جلد ہی باز آجانا چاہیے۔

انتخاب ناسخ میں آپ کی قابلیت وسیع اور گہرا مطالعہ اور ترقّی پسندی پورے طور پر جلوہ گر ہے۔ یہ آیندہ ترقّی کی بڑی مبارک نشان دہی کرتی ہے۔ پیام تعلیم[9] میں آپ کے مضمون سے بچّے کھلّم کھلّا اور بوڑھے چوری چھپے فائدہ اٹھائیں گے۔ انتخاب کے تعارف کے آخر میں ایک فقرہ نظر سے گزرا— ''اِس صنّاعی میں آج بھی دل کشی کی چمک اور دل چسپی کی مقناطیسیت اپنا اثر دکھاتی ہے''۔ یہ بڑی مبتدیانہ عبارت ہے۔ اتنا لکھ دینا کافی تھا۔ ''اس صنّاعی میں آج بھی دل کشی ہے''۔ ارمغانِ مالک کی تنقید میں ایک جگہ آپ نے ''مبالغہ آفریں'' کا فقرہ لکھا ہے۔ لفظ مبالغہ کی جو اور جتنی حیثیت ہے، اُس کو مدِ نظر رکھیے تو ''آفریں'' کے ساتھ اِس کا ربط نہیں ہوتا۔ غالب نے اِس لفظ ''آفریں'' کو جو حیثیت دی ہے اُس کو اِس مصرعے میں ملاحظہ فرمائیے:

بہار آفرینا، گنہ گار ہیں ہم!

حکومت ہی کے درباروں میں Protocol (محکمۂ تشریفات) نہیں ہوتا۔ ادب اور انشا پردازی میں سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

احباب کو تسلیم۔ دعا ہے کہ آپ مسرور و مع الخیر ہوں۔

مخلص

رشید احمد صدّیقی

(7)

ذاکر باغ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی

بدھ، 13 ستمبر 1972ء[10]

مشفقی، تسلیم

7 ستمبر کا مفصّل نوازش نامہ 11 ستمبر کو موصول ہوا تھا، شکریہ۔ آس پاس کی بدعنوانیوں پر آپ نے جس بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے جو کہیں کہیں بے صبری اور بیزاری تک پہنچ گئی ہے، اِس سے انکار نہیں لیکن یہ ناگفتنی کہاں نہیں ملتی۔ اِس سے اچھے لوگ اپنے اوپر زندگی تلخ نہیں کر لیتے بل کہ اپنی اچھی اور اعلا صلاحیتوں کا سہارا لے کر ضمیر اور ذوق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔ غم و غصّہ کرنے یا ملول و بیزار رہنے سے اپنے کو نقصان پہنچتا ہے اور بدخواہ خوش ہوتے ہیں، اِس لیے ایسا سودا کبھی نہیں کرنا چاہیے۔

آپ نے ناسخ کی شاعری اور لکھنؤ کی تہذیب کی جس وسعتِ نظر قابلیت اور سلامتِ طبع

سے وضاحت اور وکالت کی ہے وہ نہایت درجہ قابلِ تعریف اور اتنی ہی قابلِ اتّباع ہے۔ میرا خیال ہے کہ یکسو ہو کر آپ اِس طریقۂ کار کو ترقّی دیتے رہیں گے تو جلد ہی ایک مستند محقق ہی نہیں بہترین تنقید نگار بھی تسلیم کیے جانے لگیں گے۔ یہ قرأن بہت کم دیکھا گیا ہے۔ اِس سے فن اور فن کار دونوں میں گراں مائیگی آتی ہے۔ اِس کے لیے اور باتوں کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ آپ کے دل میں ہر بڑے کے لیے جگہ ہو یہاں تک کہ آپ کا برا چاہنے والا بھی برا چاہنے سے شرمانے لگے۔ یہ منزل و منزلت آسان نہیں ہے ورنہ اتنا زور نہ دیتا۔ معیاری کتب کی تالیف و تہذیب میں آپ کا حصّہ کچھ کم معیاری نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ دن زیادہ دور نہیں جب آپ کا نام ایسے کاموں میں بہ طور سند کے لیا جانے لگے گا، ایسا ہونا شروع ہو گیا ہے جس کے لیے آپ ہم سب کی تہنیت کے یقیناً مستحق ہیں۔ خدا آپ کو خوش رکھّے اور آپ کی مدد فرمائے۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

حواشی:

۱۔ رشید احمد صدیقی صاحب کا یہ خط ڈاکٹر ٹی.آر.رینا کی مرتب کردہ کتاب ''رشید حسن خاں کے خطوط (جلد سوم) صفحہ 351 سے ماخوذ ہے۔ اس خط میں باغ و بہار اور گلزارِ نسیم دونوں کتابیں بھیجنے کا ذکر ہے۔ مکتبہ جامعہ، نئی دہلی کی معیاری سیریز کے تحت ان کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔

۲۔ رشید حسن خاں نے گلزارِ نسیم (طلبہ اڈیشن) کو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے معیاری ادب سیریز کے تحت مارچ 1966 میں مرتب کیا تھا۔

۳۔ رشید حسن خاں نے باغ و بہار (طلبہ اڈیشن) کو مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے معیاری ادب سیریز کے تحت 1965 میں مرتب کیا تھا۔

۴۔ رشید احمد صدیقی نے اس خط کو جامعہ اُردو علی گڑھ کے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ دائیں جانب جامعہ اُردو علی گڑھ 69 لکھا ہوا ہے۔ درمیان میں جامعہ اُردو علی گڑھ کا logo بنا ہوا ہے۔ بائیں جانب فون نمبر 60 لکھا ہوا ہے۔ فون نمبر کے نیچے ''نمبر'' لکھا ہوا ہے۔

۵۔ رشید احمد صدیقی نے اس خط کو سادے کاغذ پر تحریر کیا ہے۔ اس خط میں نظام لیکچرز کے حوالوں کی کتابت کے بارے میں لکھا ہے۔

۶۔ اس خط کو رشید احمد صدیقی نے ایگزام کاپی پر لکھا ہے۔ اس خط میں غالب کی شخصیت پر دیے جانے والے توسیعی خطبے کا تفصیلی ذکر ہے۔

۷۔ اس خط کو رشید احمد صدیقی نے سادے کاغذ پر تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے کتاب ''غالب کی شخصیت'' کی کتابت اور اس کی اشاعت کے سلسلے میں گفتگو کی ہے۔

۸۔ رشید احمد صدیقی نے اس خط میں رشید حسن خاں کی کتاب 'انتخابِ ناسخ' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1972 پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

۹۔ پیامِ تعلیم میں رشید حسن خاں نے بچوں کے لیے املا اور قواعد کے تعلق سے بہت سے مضامین لکھے ہیں۔ ''اُردو کیسے لکھیں'' کے 'پیش لفظ' میں رشید حسن خاں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ''یہ کتاب طلبہ کے لیے لکھی گئی ہے۔ اصل بحث اُردو املا میں شامل ہے۔'' دراصل پیامِ تعلیم کے مدیر محمد حسین حسان کی فرمایش پر موصوف نے اس کتابچے کو تیار کیا تھا تاکہ طلبہ کو زبان وقواعد کے رموز اوقاف سے واقفیت ہو جائے۔ رشید حسن خاں نے پیامِ تعلیم کے لیے مئی 1972 میں ''حرفوں کا جادو'' عنوان سے اِملا کے حوالے سے لکھنا شروع کیا۔ جون 1973 تک اس موضوع کی کئی قسطیں شائع ہوئیں۔ اس عنوان کی مقبولیت کے مدِّ نظر انھوں نے آسان زبان میں طلبہ تک اپنی بات پہنچانے کی کامیاب کوشش کی۔

۱۰۔ اس خط میں رشید احمد صدیقی نے رشید حسن خاں کو یونی ورسٹیوں کی سیاست سے دور رہنے اور معیاری ادبی وعلمی کام کرنے کی نصیحت دی ہے۔

وضاحت:

خط نمبر 1، 6 اور 7 کو ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا کی کتاب ''رشید حسن خاں کے خطوط (جلد سوم) اشاعت، 2019، ص 351 تا 355 سے ماخوذ کیا گیا ہے)۔ رینا صاحب کی تحقیق کے مطابق رشید احمد صدیقی کے یہ تین غیر مطبوعہ خط بہ نامِ رشید حسن خاں پہلی بار اُتر پردیش اُردو اکادمی کے ماہ نامہ ''خبر نامہ'' کی جلد: 10، شمارہ: 7 کے صفحہ 37 تا 40 پر شائع ہوئے ہیں۔

❁❁❁

رفیع الدین ہاشمی بہ نام رشید حسن خاں

786

محبّ مکرم، رشید حسن خاں صاحب[1]

سلام مسنون۔ ''تلاش و تعبیر''[2] ان دنوں بالاستیعاب دیکھنے کا موقع ملا۔ بہت دنوں بعد، ایک عمدہ تنقیدی کتاب پڑھ کر لطف آیا اور کچھ حاصل بھی ہوا۔ ''دہرا کردار'' میں تنقید کے افشانی اسلوب کے بارے میں آپ کا نکتہ بالکل نیا ہے مگر اس پر بہت سے لکھنے والے بھڑکیں گے۔ محمد علی جوہر کے حوالے سے آپ نے ہماری، بہ طور خاص مسلمانوں کی جذباتیت کا ذکر کیا ہے، وہ ہمارا بڑا المیہ ہے۔ کیا یہ قیادت کا بحران نہیں کہ ہمارے لیڈر اس پہلو پر غور ہی نہیں کرتے؟

میں نے اس کتاب پر مختصراً ''سیّارہ'' میں کچھ اظہارِ خیال کیا ہے۔ افسوس ہوا کہ اتنی اچھی کتاب، بہت پہلے آئی اور میں اب تک پڑھ نہیں سکا۔ اپنی بے توفیقی۔

سنا کہ آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، اللہ کرے آپ بہ خیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے۔ غالباً آپ یونی ورسٹی کی ملازمت سے سبک دوش ہو گئے ہیں۔ کیا قیام دلّی ہی میں ہے؟ اب یہ خط خلیق انجم صاحب کی معرفت بھیجتا ہوں۔ خدا کرے آپ تک پہنچ جائے۔

اگر دسمبر میں، عبدالحق کانفرنس میں دلّی آنے کا موقع ملا، تو ان شاء اللہ ملاقات ہوگی۔ ''باغ و بہار''[3] کی تدوین کس مرحلے میں ہے؟

نیازمند

رفیع الدین ہاشمی

8 دسمبر 1991

حواشی:

[1] ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے یہ خط اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ جس کے دائیں جانب اُردو رسم الخط میں درج ذیل پتا لکھا ہوا ہے:

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی
اُستاد شعبۂ اُردو
پنجاب یونی ورسٹی اورینٹل کالج لاہور

۲۔ رشید حسن خاں کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''تلاش و تعبیر'' دہلی اُردو اکادمی کے مالی تعاون سے 1988 میں منظرِ عام پر آیا۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے رسالہ 'سیّارہ' میں اس کتاب پر تبصرہ کیا تھا۔تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

''اُردو کے ایک نامور اسکالر اور محقق کی حیثیت سے جناب رشید حسن خاں کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔راقم کے نزدیک وہ (اُردو ادبیات کے حوالے سے) حافظ محمود شیرانی، قاضی عبدالودود، ڈاکٹر زور، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مسعود حسن رضوی ادیب، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر وحید قریشی اور جناب مشفق خواجہ وغیرہ ایسے نامور محققین پر مشتمل کاروانِ تحقیق کے ایک اہم فرد ہیں۔اُردو املا، زبان و قواعد، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، فسانۂ عجائب (تدوین) اور باغ و بہار (تدوین) ان کی اہم تصانیف ہیں۔انھوں نے تحقیق کے نظری اصولوں کے ساتھ ہمیں عملی تحقیق کے چند معیاری نمونے بھی عطا کیے ہیں۔وہ ایک طویل عرصے تک شعبۂ اُردو دلّی یونی ورسٹی کے شعبۂ تحقیق و تصنیف سے وابستہ رہے ہیں۔انھوں نے اُردو کے چند کلاسیکی متون، مرتب کیے ہیں اور کلام ناسخ کا اہم انتخاب کرتے ہوئے، اس پر 132 صفحات کا ایک نہایت سیر حاصل مقدمہ تحریر کیا، جس میں پہلی بار یہ بتایا کہ ناسخ سے اصلاحِ زبان کے جن قاعدوں کو منسوب کیا جاتا ہے اُن سے ان کا تعلق نہیں، در اصل یہ ان کے شاگرد رشک کے بنائے ہوئے قاعدے تھے۔جناب رشید حسن خاں کے علمی کام کے پیشِ نظر ان کا شمار (بجا طور پر) محققین میں کیا جاتا ہے، مگر حال ہی میں ان کے مضامین کا جو مجموعہ ''تلاش و تعبیر'' کے نام سے دہلی سے شائع ہوا ہے (204 صفحات، 45 روپے، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی) اُس سے ان کی شخصیت کی ایک نئی جہت (بہ طور نقاد) سامنے آتی ہے۔جو اس سے پہلے اُن کے بیش تر قارئین کی نظر سے اوجھل تھی۔

''تلاش و تعبیر'' کے سترہ تنقیدی مضامین، بیش تر تو شاعری (جوشؔ، جوہر، مومنؔ، سیمابؔ، چکبستؔ، فیضؔ، حالیؔ، دیا شنکر نسیمؔ، جعفر زٹلی وغیرہ) سے بحث کرتے ہیں، تاہم چند مضامین اصولی اور نظری نوعیت کے ہیں۔پہلا مضمون ''دہرا کردار'' اُردو کی علمی و ادبی دنیا کے ایسے (ظاہر و باطن کے تضاد اور منافقت) سے متعلق ہے۔ادیب اور استاد کی آواز مآثر کیوں نہیں؟ رشید حسن خاں کے خیال میں، اس

لیے کہ ہم اپنا قلم، اپنا ذہن، اپنے خواب اور اپنی بصیرت، سب کچھ بیچنے کے لیے تیار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہوس نے ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رکھا ہے حالاں کہ ہم میں سے کوئی بھوکوں نہیں مرتا زندگی گزارنے کے لیے مناسب آمدنی موجود ہے۔'' آدمی اگر ایمان داری کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مصروف رہے تو اس کے پاس اتنا وقت ہی نہیں بچ سکتا کہ وہ ہوس کا کاروبار چلا سکے۔

ہمارے بعض نقادوں کے ہاں جو انشائی طرزِ نگارش موجود ہے، ان کے نزدیک وہ دہرے کردار اور مزاج کی منافقت ہے کیوں کہ اس پُر فریب انداز میں ہر بات پہلو دار ہوتی ہے۔ خاں صاحب صاف گوئی اور سادہ بیانی اور بے لاگ اندازِ تنقید کے قائل ہیں۔ چناں چہ ان کے تنقیدی مضامین میں ہمیں وثوق و صراحت کے ساتھ دو ٹوک انداز میں بات کہنے کا انداز نظر آتا ہے۔ انھوں نے دوسروں کی آواز کو دُہرانے یا ان کی تائید کے بجائے اپنے آزادانہ مطالعے کے نتائج پیش کیے ہیں۔ ان کے خیال میں ''قادرالکلام'' جوشؔ کی شاعری نظرِ فریب ضرور ہے مگر وہ ایک بات کو لفظوں میں دُہرانے کے شوقِ بے حد کا مارا ہوا شاعر ہے۔ بے محابا لفّاظی، ناگوار تصنع، پُر شور طرزِ بیان اور طبیعت کے تضاد کے سبب ان کی شاعری تہ داری سے خالی اور تاثر سے محروم ہے۔ فیضؔ کی شاعری پر بھی ان کا مضمون نہایت جامع اور بھرپور ہے۔ ان کے نزدیک فیضؔ کا ایک المیہ تو یہ ہے کہ اُن کی افتادِ طبیعت اور نظریاتی وابستگی کے تقاضوں میں ہم آہنگی نہیں۔ ان کی وہی نظمیں، ان کا سرمایۂ کمال قرار دی جا سکتی ہیں جن میں حکایتِ دل کا بیان ہوا ہے اور جن میں کسی سیاسی اثر یا نظریے کی ترجمانی کو دخل نہیں۔ مگر ان کے ہاں فضول لفظی آزمایش، نامناسب صفاتی الفاظ اور استعاروں اور زبان و بیان کے مختلف النوع عیوب کی بہتات ہے اور اس بے راہ روی کے فروغ میں ان کے مصلحت پسند ثنا خوانوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جعفر زٹلّی کو محض فحش گو سمجھا جاتا ہے، خاں صاحب نے مفصل تجزیے کے بعد، یہ رائے دی ہے کہ بلاشبہ اس کے ہاں طنز، ظرافت، تمسخر اور سنجیدگی سب کچھ، مگر اس نے اپنے زمانے کے آلام و مصائب کو دیدہ وری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مزید برآں ارتقائے زبان کے نقطۂ نظر سے بھی اس کا کلام لائقِ مطالعہ ہے۔

یہاں مختلف شعرا کے بارے میں خاں صاحب کے سبھی مضامین کا تعارف کرانا مشکل ہے، مگر یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ ان کے تنقیدی تجزیے رسمی اور روایتی نہیں، بل کہ اورجنیل ہیں۔ محمد علی جوہر کی شخصیت کا، انھوں نے بہت حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا ہے۔ ان کے خیال میں جوہر کی زندگی بلاشبہ حق گوئی اور بے باکی کا نمونہ تھی، مگر ان

کی سیاسی زندگی کے زوال کی بیش تر ذمہ داری ان کی اُس بے امان اور بے کراں جذباتیت پر عائد ہوتی ہے جس نے ساری عمر اُن کو سکون اور سنجیدگی کے ساتھ سیاسی منصوبہ بندی سے باز رکھا اور اس کا اندوہ ناک پہلو یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلم معاشرہ آج بھی اُن کی اس امانت اور اس وراثت کو سینے سے لگائے ہوئے ہے اور ہمارے زعماء کی بے مثال جد و جہد اور قربانیوں کے باوجود آج تک اس ''سراب نظر'' سے نجات کی صورت نظر نہیں آ رہی۔

جناب رشید حسن خاں بنیادی طور پر محقق ہیں چناں چہ ان کا تحقیقی اندازِ نظر، ان تنقیدی مضامین میں بھی نمایاں ہے۔ لفظوں کے طوطے مینا بنانے کے بجائے، وہ اپنی سوچی سمجھی اور بے لاگ رائے قطعیت اور ثبوت و سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ''نقوشِ سلیمانی'' زبان و بیان کے بعض پہلو'' اور ''نصابی کتابوں کی ترتیب میں املا، رموزِ اوقاف اور علامات کا مسئلہ''، مسائلِ املا اور زبان و قواعد سے ان کی خاص دل چسپی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ثانی الذکر مضمون، خصوصاً جدید ادب اور شاعری کے شائقین کے لیے ''سرمۂ بصیرت'' ہو سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ رشید حسن خاں ادب و شاعری اور تحقیق و تنقید میں سہل انگاری اور ''آساں گزرنے'' کے مخالف ہیں۔ اُن کی تنبیہ نقادوں کے ساتھ ساتھ تخلیقی ادب لکھنے والوں کے لیے بھی یکساں طور پر کار آمد و مفید ہے۔ خود ان کا اپنا انداز بہت مثبت اور متوازن ہے۔ اُردو کے ایک نامور محقق کی جانب سے اس انداز و معیار کے مضامین، اُردو و تنقید کے لیے ایک نیک فال ہے۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ''تلاش و تعبیر'' کا شمار عملی تنقید کی معتبر اور اہم کتابوں میں ہوگا۔

(ماہ نامہ سیّارہ، جلد 61، شمارہ 4، دسمبر 1991، لاہور، ص 485 تا 486)

۳۔ رشید حسن خاں کی مرتبہ کتاب ''باغ و بہار'' انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے 1992 میں شائع ہوئی۔ اس سے قبل معیاری ادب سیریز کے تحت مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی سے باغ و بہار کا طلبہ اڈیشن 1965 میں شائع ہوا۔

نوٹ:

رشید حسن خاں نے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی کے نام جو خطوط ارسال کیے تھے انھیں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے انھیں ''مکاتیب رشید حسن خاں بہ نام رفیع الدین ہاشمی'' عنوان سے ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور سے جون 2009 میں شائع کیا۔ اس کتاب میں رشید حسن خاں کے 63 غیر مطبوعہ خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔

❁❁❁

سحرؔ عشق آبادی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

تحریک اپریل 1960ء[1]

کسی اچھے مضمون کی داد نہ دینا واقعی کفر ہے۔اللہ اور ترقی بخشے۔چند معمولی معمولی ردو بدل حاضر کرتا ہوں اگر پسند ہوں تو قبول فرمائیں ورنہ چھوڑ دیں۔

صفحہ 23 کالم 2 سطر 3، مفعولُ مفاعیلُ مفاعیل

صفحہ 25 کالم 1 سطر 9، مفعولُ مفاعلن مفاعیل

بہتر ہے کہ مکفوف اور مقصور میں امتیاز رہے لہٰذا عروض وضرب میں مفاعیل کی جگہ فعولان لکھا جاتا تو صفحہ 26 کالم 2 سطر آخر میں مفاعیل کے آگے بسکون لام لکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔صفحہ 23 کالم 2 سطر 9 ''مفعولاتُ مطوی موقوف ہو کر فاعلات رہے گا۔'' اگر فاعلات کی جگہ فاعلان کہا جائے تو زیادہ اچھی بات ہے۔تاکہ فالاتُ مطوی سے التباس یا شبہہ ہی نہ رہے اور دوسرے رکن فاعلاتُ کو مطوی لکھنا بھول ہی گئے۔صفحہ 24 کالم 1 سطر 1، فعلن کو ابتر تحریر فرمایا ہے۔صفحہ 26 کالم 2 سطر 18 میں بھی ابتر ہی لکھا ہے لیکن صفحہ 25 کالم 2 سطر 16 میں ابتر با مشعث محذوف لکھا ہے۔

فاعلاتن سے فعلن (بسکون عین) مشعث محذوف صحیح ہے اور مجذوف مسکّن محذوف صحیح ہے۔زحاف بتر، کسی نے ثلم وحذف سے مرکب مانا ہے۔کسی نے حذف وقطع سے اجتماع گردانا ہے۔کسی نے جب وتخنیق کا مجموعہ لکھا ہے اور کسی نے تینوں ہی صحیح مان لیے ہیں۔اس صورت میں زحاف بتر نہ ہوا چوں چوں کا مربہ ہوا۔فاعلاتن میں زحاف قطع آ ہی نہیں سکتا کیوں کہ وتد مجموع سے تعلق رکھتا ہے پھر فعلن ابتر کس طرح ہو سکتا ہے؟ صفحہ 24 کالم 2 سطر 10 مضارع مثمن اخرب مفعولُ فاعلاتن، مفعول فاعلاتن۔یہ دونوں بحر رمل مشکول مسکن کا ہے اگر فاعلاتن کو بہ صورت انفعال نارع مدتن لکھا جاتا تو بحر مضارع ضرور ہو جاتی۔صفحہ 25 کالم 2 سطر 28 میں یہ اور لکھنا تھا کہ اس کا صحیح وزن یہ ہے، شاید لکھنا بھول گئے۔

صفحہ 46 کالم 1 سطر 7، 28، 30۔ مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلات کو اگر مفصل لکھا جاتا تو کچھ اور ہی حسن نمودار ہوتا۔ یعنی مفعولُ فاعِ لاتُ مفاعیلُ فاعلان۔ جیسا سطر 28 و 30 میں فاع لن لکھا ہے۔

صفحہ 26 کالم 2 سطر 17 میں اگر مفاعلن کی جگہ مفاعِ لن لکھا جاتا تو تیکھا پن ضرور آ جاتا۔ صفحہ 27 کالم 1 سطر 11 میں فعالت کی جگہ فاعلن حسین تر ہو جاتا۔

یہ چند اشارات لکھے ہیں۔ میری رائے سے اتفاق کرنا کوئی ضروری نہیں۔ رسالہ اُردو ادب علی گڑھ جون 1957 میں ''ایطا کے بعض متعلقات''[2] بغور دیکھے معقول بحث فرمائی اور 99 فی صدی اتفاق ہے۔

پگڈنڈی میں عروضی سمرقندی کی ہڑبونگ کا جواب لکھ دیا تھا۔ شائع ہونے پر حاضر کروں گا۔

آپ کا

Seher Ishqabadi

فیض تسکین پر آپ کی رائے کا انتظار کروں یا نہیں؟ مضمون کے آخر میں باقی جو لکھا ہے وہ میرزا نوشہ دہلوی کی رباعی سے متعلق ہے باقی فیض تسکین ختم ہو چکی۔

29/03/60

سحر عشق آبادی

(2)

Delhi[3]

16/05/1960

My Dear Sir

آج ہی عشق آباد[4] سے آیا ہوں۔ گرامی نامہ 25 اپریل کا جواب لکھ رہا ہوں۔ فیض تسکین کے متعلق جو چند باتیں زبانی کرنا ہیں بہ ذریعہ تحریر ہی سہی۔ ممنون ہوں گا۔ آپ زحاف ''بتر'' کی تعریف میں متفق نہیں۔ نہ سہی۔ وقت آئے گا تو متفق بھی ہو جائیے گا۔ میں فعلن اور فعالتن میں زحاف بتر نہیں مانتا۔ بل کہ (مفاعیلن) میں جب د تخنیق کا مجموعہ جانتا ہوں۔

فاعلاتن سے تعلق کو مجنوں محذوف مسکّن یا مشعث محذوف کہتا ہوں۔ زبانی موقع کی اُمید میں تحریری موقع کو کیوں کھویا جائے۔ غور فرمالیجیے؟ قہار و جبار موقع دے نہ دے کون کہہ سکتا ہے۔

آپ بے تکلف اظہار رائے فرمائیے۔

آپ کا مخلص

4808 عقب مسجد کلاں، دہلی

حواشی:

۱۔ علامہ سحرؔ عشق آبادی نے اس خط کو سادہ کاپی کے صفحے پر لکھا ہے۔ اس خط میں موصوف نے رشید حسن خاں سے علم عروض پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ ساتھ ہی رسالہ اُردو، علی گڑھ جون 1957 کے شمارے میں شائع ہوئے مضمون ''ایطا کے بعض متعلقات'' کو بغور دیکھنے کی بات رقم کی ہے۔

۲۔ رشید حسن خاں کا مضمون ''ایطا کے بعض متعلقات'' سہ ماہی اُردو ادب' 'انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، جون 1957، ص106 تا 117 شائع ہوا۔ سہ ماہی اُردو ادب کے مدیر آل احمد سرور تھے۔ در اصل سہ ماہی اُردو ادب، مارچ 1957، میں حبیب احمد صدیقی کا مضمون ''ایطا'' شائع ہوا تھا۔ اسی مضمون کو بنیاد بنا کر رشید حسن خاں نے اپنا مضمون تحریر کیا۔ خاں صاحب کے مضمون شائع ہونے کے بعد حبیب احمد صدیقی نے سہ ماہی اُردو ادب، جلد6، نمبر3، دسمبر 1957 میں اپنا جواب نما مضمون ''ایطا'' تحریر کیا۔ مضمون کے آخر میں صفحہ 51 پر حبیب احمد صدیقی نے رشید حسن خاں کے سخت جملوں اور تنقید پر اپنے موقف کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

> ''جناب رشید حسن خاں کی خدمت میں ایک گزارش ہے، ادبی تنقید میں ایسے جملوں، لفظوں یا چٹکیوں سے حتی الوسیع احتراز کرتا ہوں جن سے دوسروں کی دل آزاری ہو۔ ان کا مضمون پڑھ کر میں بہت دیر تک یہ سوچتا رہا کہ اس کے جواب میں کچھ لکھنا بہتر ہوگا یا خاموشی سے کام لینا۔ بہت جی چاہتا تھا کہ خاموشی اختیار کروں اور اس بحث کو جو ممکن ہے اور بحثوں کی طرح ناگوار صورت اختیار کرلے دبا دوں۔ مگر چوں کہ رشید حسن خاں صاحب کے مضمون سے یہ گمان غالب ہوتا ہے کہ میں نے غالب، مومن، اقبال، اصغر، حسرت اور نوح کے کلام کو قابلِ مذمت سمجھا اور بحر الفصاحت کے اصولوں کو حرفِ آخر جانا اور ان کی حمایت یہاں تک کی کہ سب عروضیوں کو ایک پلّے میں رکھ کر جناب نجمی کا پلّہ بھاری کر دیا تو ضروری ہوا کہ اپنے مقصد کی مزید توضیح کر دوں۔ میں نے اپنی دانست میں کوئی فقرہ ایسا استعمال نہیں کیا جس میں کوئی چٹکی یا نشتر پوشیدہ ہو لیکن اگر کوئی بات ایسی لکھی گئی ہو جو جناب رشید حسن کو ناگوار گزرے تو اس کی

معافی چاہتا ہوں۔"

۳۔ علامہ سحؔر عشق آبادی نے پانچ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر اس خط کو رشید حسن خاں کے نام 3118 سرسید روڈ، دریا گنج، دہلی کے پتے پر ارسال کیا ہے۔ خط کی پشت پر local لکھا ہوا ہے۔

۴۔ علامہ سحؔر عشق آبادی میرٹھ کے ایک بھٹنا گر کایستھ خاندان میں 16 ستمبر 1903 کو پیدا ہوئے تھے۔ 31 مارچ 1978 کو 73 سال کی عمر میں ان کی وفات دہلی میں ہوئی۔ علم عروض پر انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ میرٹھ کے کا ایک نام عشق آبادی بھی ہے۔ اسی مناسبت سے انھوں نے اپنے آپ کو سحؔر عشق آبادی لکھا ہے۔

❁❁❁

سکندر علی وجد بہ نام رشید حسن خاں

(1)

عزیز مکرم، مختصر خط ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔[1]

زخیل دُور کشان غیر یا نماند کسے
بیار بادہ کہ ماہم غنیمتیم بسے!

تمھارا

وجد

4 فروری 1981

اورنگ آباد

(2)

اورنگ آباد[2]

30 جولائی 1981

بھائی خاں صاحب، عید مبارک!

اگر آپ نے اورنگ آباد کے لیے بستر باندھ لیا ہے تو براہِ کرم کھول ڈالیے۔ میں خود 7 اگست کو 8 بجے رات میں جھیلم اکسپریس سے دہلی پہنچوں گا، انشاء اللہ۔ ٹکٹ میری میز پر رکھا ہے، سیٹ رزرو ہوگئی ہے، میں صرف سات دن کے لیے آرہا ہوں۔ اُمید ہے اپنا کارِ خیر اس مدت میں پورا ہو جائے گا۔ آپ 8 اگست کو چار سے چھے بجے کے درمیان C-97 Sarojni Nagar آجائیے گا۔ پورے کام کا نقشا بنا لیں گے اور دوسرے دن سے جُٹ جائیں گے۔

بھائی آپ کی اتنے دور کی آمد و رفت کی زحمت کے خیال ہی سے میں پریشان ہوں۔ یہ آپ کی دوستی آج کل کی نہیں پُرانے وقتوں کی معلوم ہوتی ہے۔ میرے خط کا جواب شاید کل آجائے۔ اس مرتبہ آپ نے خلافِ معمولی دیر کی۔

دلم بُردی و دلداری نکردی

اس غزل کی ضرورت ہے۔ اپنے گنگنانے کے لیے! حالاں کہ یہ کفرانِ نعمت ہے!!! اُمید ہے آپ بہ خیر و عافیت ہوں گے۔

آپ کا

وجد

(3)

خانِ عزیز،[۳]

ایک تفصیلی خط لکھ چکا ہوں۔ خلافِ معمول جواب نہیں ملا۔ معلوم ہوتا ہے آپ وطن چلے گئے۔ آج صرف یہی بات پوچھنی ہے کہ آپ دسہرے یا دیوالی کی چھٹیوں میں کہاں رہیں گے؟ کلیات کا ہدیہ کب اور کہاں بھیجوں؟ اس کی تصحیح اور کتابت کے سلسلے میں ایک بالکل واجبی بات کہنا چاہتا ہوں بشرطے کہ آپ خفا نہ ہوں....! میں محسوس کرتا ہوں کہ میں آپ کی دوستی کا ضرورت سے زیادہ فائدہ اُٹھا تا رہا ہوں۔ چوں کہ آپ خود ایک مصروف اہلِ قلم ہیں اس لیے آپ کو اپنی علمی مصروفیت سے ہٹا کر املا کی تصحیح اور نظر ثانی کے کام میں لگا دینا ذرا اپنی خود غرضی معلوم ہوتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اب مروجہ املا مجھے بالکل پسند نہیں آتا اس لیے کبھی کبھی ایک قسم کی ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو جاتا ہوں!

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری[۴]
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

والسلام
مخلص

وجد

حواشی:

ا۔ اس خط کو سکندر علی وجد نے 15 پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی موٹے قلم سے خط لکھا ہے۔

۲۔ اس خط کو سکندر علی وجد نے ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں:

Janab Rasheed Hasan Khan,T.C.9 Guayer Hall University of Delhi

لکھا ہوا ہے جب کہ سکندر علی وجد نے اپنا پتا اس طرح لکھا ہے:

Sikander Ali Wajd Punchakki Road, Aaurangabad-431001

خط کی قرأت سے معلوم ہوتا ہے کہ رشید حسن خاں اورنگ آباد سکندر علی وجد کے پاس کسی ادبی کام کے سلسلے میں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن خود سکندر علی وجد نے خاں صاحب کے آنے سے پہلے ہی جھیلم ایکسپریس سے دہلی کا ٹکٹ بک کرا لیا اور تاکید کی کہ وہ ان سے سروجنی نگر دہلی میں ملاقات کریں۔

۳۔ سکندر علی وجد نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں موٹے قلم سے لکھا ہے۔ خط پر تاریخ ندارد ہے اور اس خط پر ثبت ڈاک خانے کی مہر پڑھی نہ جا سکی۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں:

Janab Rasheed Hasan Khan,T.C.4 Guayer Hall University of Delhi

لکھا ہوا ہے جب کہ سکندر علی وجد نے اپنا پتا انگریزی میں اس طرح لکھا ہے:

Sikander Ali Wajd Punchakki Road, Aaurangabad-431001

۴۔ خط کے آخر میں جو شعر لکھا ہے وہ میر انیسؔ کا ہے۔ شعر ملاحظہ کیجیے:

تمام عمر اسی احتیاط میں گزری
کہ آشیاں کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

☸☸☸

سید محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی بہ نام رشید حسن خاں

Syed Mohammed Ali Shah Makesh
Meva Kattra Agra
07/02/1969

محبّ گرامی قدر السلام علیکم [1]

غالب پر مضمون مکمل کر کے حاضر کر رہا ہوں از راہِ کرم رسید سے مطلع فرمائیے۔ اگر طباعت کے بعد یہ مضمون مجھے واپس فرما دیں (اگر کوئی حرج نہ ہو) تو ممنون ہوں گا۔ چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں دوسرے صوفی شعرا پر بھی کچھ کام ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے کچھ صفحات حذف و اضافہ کے ساتھ اس میں شامل ہو جائیں گے۔ یہ تصنیف مکمل تو ہو گئی ہے مگر اس میں اضافے کی گنجایش ہے۔ کئی سال ہوئے سرور صاحب نے فرمایش کی تھی مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ انجمن ترقی اُردو میری زندگی میں اسے شائع نہ کر سکے گی۔ چاہتا ہوں کہ میں اسے مکمل کرلوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی اڈیٹر صحیفہ، لاہور نے اس موضوع پر لکھنے کی مجھے فرمایش کی تھی مگر انھوں نے جو تاریخ متعین کی تھی میں اس تاریخ تک مضمون کی طرف توجہ نہ کر سکا۔ البتہ مواد ذہن میں جمع ہو گیا تھا۔ مجھے خوشی یہ ہے کہ آپ سے شرمندگی نہیں اٹھانا پڑی اور صحیح تاریخ پر یہ مضمون حاضرِ خدمت کر سکا۔ پوری طرح مطمئن اب بھی نہیں ہوں۔ کچھ صحت کی خرابی کچھ مصروفیات کہ جیسا چاہتا تھا ویسا اب بھی نہ لکھ سکا۔ خدا کرے آپ کو پسند آ جائے۔ اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز کیش
میکش اکبر آبادی

حواشی:

[1] میکش اکبر آبادی نے اس خط کو اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ بائیں جانب میکش صاحب کا نام انگریزی میں اور دائیں جانب پتا بھی انگریزی میں لکھا ہے۔

❁❁❁

سید محمد عقیل رضوی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

S.M AQUIL RIZVI
Professor & Head
Urdu Deptt.Retd.
University of Allahabad

Phone;0532 659535
pine view
80-B daryabad
ALLAHABAD
U.P(INDIA)

30 ستمبر 1999

برادرم رشید حسن خاں[1]

تسلیم

آپ کا عنایت نامہ آج شام کی ڈاک سے موصول ہوا۔آپ جس کام[2] میں لگے ہوئے ہیں وہ مکمل ہو جائے تو آپ کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہوگا۔اتنے دنوں سے لوگ مثنویوں پر کام کر رہے ہیں مگر یہ کسی کو توفیق نہ ہو سکی کہ متن پر کام کرتے۔ یہ تو طے ہے کہ ایسا کام محقق حضرات ہی بہ حسن خوبی کر سکتے ہیں مگر کسی نے نہ کیا۔مگر محقق میں بھی جو صاحبِ سلیقہ ہو وہی کرے نہیں تو اکبر حیدری کی طرح گدھا گاڑی کھینچتا رہ جاتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی میر انیس کے مرثیوں کے متن بہت اچھے اور مستند تیار کر سکتے تھے اُن کے پاس تمام نسخے تھے مگر کچھ نہ کیا اور اب کسی اور کا یہ کام کرنا بہت مشکل ہے۔مسعود صاحب نے انیس پر کوئی کام نہ کیا۔صرف کوائف ہی مرتب کر دیتے تب بھی کچھ کام ہو جاتا۔ چند مضامین لکھے جو ان کے صاحب زادگان نے کسی طرح چھاپ لیے۔ یہ کام بھی کیا کام ہوا؟

صاحب مجھے مصطلحات ٹھگی[3] کبھی نہیں ملی۔ ہاں میں نے اس کتاب کا نام ضرور سُنا ہے۔ یہاں صرف یونی ورسٹی کی لائبریری کچھ غنیمت تھی مگر وہ دستبرد طفلاں کا شکار ہو گئی۔ کہہ نہیں سکتا ممکن ہے کہیں پڑی ہو مگر مجھے ملی نہیں۔ ہاں جعفر زٹلی[4] کا ایک خطی نسخہ ضرور تھا اب پتا نہیں یہاں ہے یا کہیں غائب ہو گیا۔علی جاوید[5] جواب دلّی یونی ورسٹی میں ریڈر ہیں جب وہ جواہر لعل نہرو یونی ورسٹی میں تھے، انھیں میں نے اس کی نقل فراہم کی تھی۔انھوں نے جعفر زٹلی پر کوئی امتحانی

مقالہ لکھا تھا،ممکن ہے ان کے پاس اُس کی نقل ہو۔الہ آباد یونی ورسٹی لائبریری میں کہیں ہوگا۔میرا تو اب وہاں جانا نہیں ہوتا۔اگر آپ جعفر رضا کو لکھیں تو ممکن ہے وہ آپ کا کام کر دیں۔یہ نسخہ یقیناً خطی نسخہ ہے۔اب کچھ یاد نہیں کہ کب کا مکتوبہ ہے۔گوَ دھول جلد آپ کی خدمت میں ضرور پہنچے گی۔اُس کے بعد ایک اور کتاب ''جدید ناول کا فن'' شائع ہوئی۔معلوم نہیں وہ بھی آپ تک پہنچی یا نہیں۔ایک اور افسانے کی تنقیدی تاریخ ادھوری پڑی ہے۔اس پر کام کر رہا ہوں۔ساتھ ہی ساتھ اُردو نظم پر بھی کچھ لکھ رہا ہوں۔مگر ''دل ٹھگنے والیوں'' سے تو فرصت ملے!ارے بھئی میرے استاد فراق صاحب کا شعر ہے:

اس کی شیطانی کو کہاں توفیق
عشق کرنا، گناہِ آدم ہے

تو استاد کے کہے پر عمل کر رہا ہوں۔کیا برا ہے؟ستّرا کہتّر سال میں اگر کوئی اس پیر فرتوت پر ملتفت ہے تو کیا بُرا ہے۔آخر ٹیگور وا قبال اور برٹرینڈ رسل،خواجہ اختر رومی کی وراثت،کوئی تو پائے۔سو یہ ناتواں اُٹھائے ہوئے ہے۔اس میں بُرا کیا ہے؟''خطائے پیر عشق بورز'' کا سبق بھی تو اُردو والوں میں سے کسی کو سیکھنا ہی چاہیے۔پھر بہ قول شاعر (معلوم نہیں کون شاعر ہے۔)

بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے، چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

یہ کیا کہ یوں ہی چلے گئے!ہاں صاحب لذت دنیا سے کہرہ ہے تمھیں۔بھئی استاد داغؔ پر ایمانِ جوانی میں ایک کتاب لکھی جو صندوت نی اکڈمی سے چھپی (اصلاً یہ داغؔ کا انتخاب ہے مع مقدمہ)اور ہمہ وقت اُن کا یہ شعر پڑھیے:

اپنے دم کو آدمی ہر دم غنیمت جان لے
خاک کا اک ڈھیر ہے بعد فنا کچھ بھی نہیں

سو آج بھی اُس کی کچھ لہر موجود ہے۔امریکی محقق گیان چند صاحب نے غالباً آپ کو یہ اطلاع دی ہوگی۔مجھ سے بھی انھوں نے لکھ کر دریافت کیا تھا۔میں نے انھیں بھی لکھا کہ حضرت موقع اچھا ہے'بتان سیمیں بدن کے ملک میں آپ پہنچ گئے ہیں۔منّت آزمائی کیجیے؟کیا برا ہے؟:

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی؟....

اُمید ہے کہ آپ بہ خیریت ہوں گے۔آپ کی کتاب کے پر ریویو،نیا سفر کے نئے شمارے میں آ رہا ہے۔میں نے فاطمی سے کہا تھا کہ مجھے پروف دکھا دینا مگر انھوں نے مجھے پروف

دکھائے بغیر خود ہی دیکھ کر چھاپ دیا۔اب دیکھنا ہے کہ کمپیوٹر علیہ الرحمہ کیا گُل کھلاتے ہیں۔مگر میرے پاس اُس کی نقل موجود ہے۔خلیق انجم کو بھی ایک کاپی بھیجی تھی مگر شاید انھوں نے شائع نہیں کیا۔کم از کم مجھے علم نہیں۔یہ شعر کس کا ہے؟

کچھ تو ہوتے ہیں محبت میں جنوں کے آثار
اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں

والسلام
سید محمد عقیل

(2)

S.M AQUIL RIZVI
Professor & Head
Urdu Deptt.Retd.
University of Allahabad

Phone;0532 659535
pine view
80-B daryabad
ALLAHABAD
U.P(INDIA)

28 نومبر 2002ء

مجی تسلیم!

رات آپ سے ٹیلی فون پر جو کھڑا دونا اور کھڑی نیاز کے سلسلے میں باتیں ہوئیں، دل چسپ تھیں۔حضرت اس دور میں بھلا یہ باریکیاں کون ڈھونڈے گا۔یہ آپ ہی کا جگرا ہے کہ ایسی مہمات سر کرنے کا بیڑا اٹھائے ہیں (آج کے جرائم پیشہ دور میں سپاری لینا بھی کہہ سکتے ہیں)۔

حضرت، الہ آباد تو اودھ نہیں ہے مگر شجاع الدولہ کے زمانے میں کچھ دنوں تک یہ شہر کچھ حد تک اودھ کی اقلیم میں ضرور شامل رہا ہے۔اس لیے بہت کچھ طور طریقے اور تہذیب کی کچھ صورتیں علی الخصوص تھیں۔تہذیبی صورتیں یہاں بھی آ گئی ہیں۔جہاں تک مجھے معلوم ہے کھڑا دونا ایک منّت کا اتارنا ہوتا تھا جس پر بی بی فاطمہ (دختر رسول اکرم) کی نیاز دی جاتی تھی اور نیاز دینے والا احتراماً کھڑے ہو کر نیاز دیتا تھا۔شرط یہ بھی ہوتی تھی کہ یہ نذر کوئی عورت ہی دے کیوں کہ یہ اُس کی نیاز ہوتی جو پردے کا یہ اہتمام کرتا تھا کہ مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ پردہ شب میں اٹھایا جائے تا کہ نامحرموں کی نظر نہ پڑے۔کم از کم شیعہ روایتیں یہی بتاتی ہیں لیکن اگر عورت یہ کام نہ کر سکے تو مرد ثقہ بھی یہ نیاز دے [دیا] کرتا ہے۔کھڑی نیاز میرے علم میں نہیں ہے

صاحبِ نوراللغات نے جو حوالہ واجد علی شاہ کی کسی مثنوی کے شعر کا دیا ہے کہ:

اک دیتی تھی دونے پر کھڑی نیاز
روزہ کوئی کھولتی تھی دم ساز

یہاں بھی دونے پر کھڑی نیاز دینے والی عورت ہی ہے۔اور اسی شعر نے غالباً نورالحسن نیر نے کھڑی نیاز کا محاورہ لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہاں شعر کی قافیہ میں کچھ پھیر ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ اس شعر میں''ی'' کی آواز واضح نہیں ہے۔''نیاز''میں ہر جگہ 'ی' کی آواز واضح رہتی ہے(عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا۔غالب) میں نے نیاز، بروزن پیاز، کہیں نہیں دیکھا۔ پھر یہ بھی تعجب ہے کہ واجد علی شاہ جیسا شاعر یہ غلطی کیسے کر گیا؟ پھر اس شعر کے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ''کھڑی ہو کر نیاز دے رہی تھی۔''لکھنؤ میں یہ بھی سنا کہ چودھویں شعبان کو بعض حضرات رات میں گومتی کنارے جا کر جب عریضے ڈالتے ہیں اس اُمید میں کہ یہ عریضے امام عصر یعنی امام مہدی کی خدمت میں پہنچیں گے تو وہاں گومتی کے لوہے کے پُل پر کھڑے کھڑے نذر دلوا دیتے ہیں کہ پُل پر بیٹھنے کا کہاں موقع اور اسی لیے اسے کھڑی نیاز کہتے تو نہیں ہیں مگر کہہ سکتے ہیں۔ایک بار یک بات اور عرض کرنے کی ہے۔لکھنوی تہذیب میں پلے بڑھے شیعہ حضرات فاتحے کے لیے 'نیاز' کا لفظ نہیں استعمال کرتے بل کہ ایسے فاتحے کو 'نذر' کہتے ہیں جب کہ حنفی سنّی حضرات اسے 'نیاز' کہتے ہیں۔ یہ 'نیاز' کا لفظ خانقاہوں اور صومعہ جات میں بھی رائج ہے۔ میں نے لکھنؤ میں قدیم محلوں کے کسی شرفہ کے منھ سے نیاز کا لفظ اس سلسلے میں نہیں سنا ہے۔ یہ شاید شیعہ حضرات نے ایک ذہنی تحفظ یہ بنا لیا ہے کہ نیاز کا لفظ سنّی مسلک کے لوگوں کے لیے ہے۔ یہ بات کہیں لکھی ہوئی نہیں ہے۔مگر برتنے میں اس لفظ کا صرف اسی طرح کیا جاتا ہے(ذرا دیکھیے کہ کس حد تک فاصلے بنائے گئے ہیں!)۔ایک بات اور ،اودھ شاہی میں بھی دہلوی بادشاہوں کی طرح عامی، نذر پیش کرتا تھا۔اسی لیے مرثیوں میں بھی رسول اکرم کے خانوادے کے افراد، بادشاہوں جیسے تزک و احتشام کے ساتھ پیش کیے جاتے ہیں۔تو جب اُن کا فاتحہ ہو تو اُسے بھی بادشاہوں کی طرح 'نذر' پیش کرنا سمجھنا چاہیے:

خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار
نذریں خوشی کے دینے کو حاضر ہے جاں نثار

انیسؔ

اس طرح، اگر کوئی محاورہ''کھڑی نیاز'' ہے بھی تو قیاس یہی کہتا ہے کہ یہ لکھنؤ کی شیعی تہذیب سے

نہیں آیا۔''کھڑا دونا'' کی صراحت میں نے اوپر کر دی ہے۔آپ کے ٹیلی فون کے بعد کھڑا دونا، کی مزید صراحت کے لیے میں نے لکھنؤ کے ایک اپنے عزیز کو ٹیلی فون کر کے، اُن سے بھی وضاحت چاہی تو انھوں نے بتایا کہ یہاں کبھی کبھی مولا مشکل کشا کی نذر بھی کھڑے دونے، پر دلائی جاتی ہے تا کہ مُراد جلد پوری ہو۔مگر میں اپنی پہلی ہی صراحت کو ترجیح سمجھتا ہوں۔اب آپ جیسا نتیجہ چاہیں نکال لیں۔

یہ معلوم کر کے افسوس ہوا کہ جعفر زٹلی کا کلیات جو آپ نے بڑی محنت سے مرتب کیا تھا، چھپ نہیں سکتا کہ اس میں گالیاں بالجُہر تحریر ہیں۔حضرت! گالیوں کے الفاظ اور اُن کے معانی، لغات میں بھی دیے ہوئے ہیں،لوگ ان کو کیسے برداشت کرتے ہیں۔اور یہ تو وہی بات ہوئی کہ جب اصغر گونڈوی نے گلزار نسیم مرتب کی (غالباً ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کہاں سے صحیح یاد نہیں) تو انھوں نے اشعار حذف کر دیے جوان کے نزدیک مخرب اخلاق تھے۔آخر پروفیسر نعیم احمد مرحوم نے کیسے جعفر زٹلی کا کلیات شائع کر دیا اور لوگوں نے برداشت بھی کیا۔سنا تھا کہ میر ضاحک کا کلیات بھی اس لیے شائع نہیں ہو سکا کہ اُس میں ''تبرّہ'' بھی در پے تھا۔خیر وہاں تو خوف فساد خلق تھا مگر یہاں کیا ہے؟۔جان صاحب کی ریختی شائع ہوئی تو کون سا طوفان اُٹھا۔بھئی جعفر کا کلام اُردو شاعری کا تقریباً ابتدائی کلام با قاعدہ ہے۔یہ نمونہ بھی ہے۔اسے تو شائع ہونا ہی چاہیے۔میں خلیق انجم صاحب کو خط لکھ رہا ہوں۔دیکھیے کیا جواب دیتے ہیں۔وہی سرکاری ادارے کا بہانہ ہوگا۔دسمبر کے ہماری زبان کے شمارے میں، گیان چند صاحب کی کتاب 'اُردو کی ادبی تاریخیں' پر میرا ریویو شائع ہوا ہے۔ملاحظہ کیجیے گا۔والسلام

سید محمد عقیل

بہ ملاحظہ: جناب رشید حسن خاں صاحب، بروزئی شاہ جہاں پور۔

(3)

محمود منزل ۹

دریا آباد، الہ آباد

2 ستمبر 2003

برادرم، تسلیم

ایک مدت سے آپ کی خیریت معلوم نہ ہوئی۔اُمید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے۔ میرے بھی خط نہ لکھنے کا سبب تھا کہ وہ ڈائری ہی گُم ہو گئی جس میں آپ کا پتا لکھا ہوا تھا۔بڑی

مشکل سے پتا ملا ہے تو اب لکھ رہا ہوں۔ حضرت دو باتیں دریافت طلب ہیں۔
(1) پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا، کس کا مصرع ہے۔ اصلاً یہ شعر رہا ہوگا۔ مجھے کچھ یاد پڑتا ہے کہ سب سے پہلے کسی سے سنا تھا کہ یہ پورا شعر یوں تھا:

گِل اپنی صرف خشت در میکدہ ہوئی
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اور یہ شعر جہاندار شاہ کا بتایا جاتا ہے۔ مگر چوں کہ یہ صرف سنی سنائی بات ہے اس لیے اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ پھر یہ بھی کہ کہیں دوسرا مصرع ضرب المثل تو نہیں ہے اور کسی نے بہت کوشش کے ساتھ پہلا مصرع گڑھ کر لگا دیا ہے۔ کیوں کہ یقیناً پہلا مصرع خاصی محنت سے بنایا گیا معلوم ہوتا ہے۔
(2) میرؔ کی ایک مثنوی (اب نام یاد نہیں) میں ایک شعر یوں چھپا ہوا ملتا ہے۔ پہلے اس کا سلسلہ یوں ہے:

ایک دُکّان تھی پیاری کی
اُس نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
جاکے اُس سے جو مانگے ہلدی
زرد مٹّی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے
بس میاں جی تم اس بستی میں رہے

ابھی تک جتنے بھی چھپے ہوئے نسخے مجھے دیکھنے کو ملے سب میں یہی لکھا ہے۔ تو حضرت اوّل تو یہ مصرع 'بستی' کی وجہ سے بحر میں نہیں رہ جاتا۔ پھر میرؔ سے ایسی غلطی کیوں کر [سے] ہوگی؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مصرع یوں رہا ہوگا:

بس میاں جی تم اس بسی میں رہے

اب یہ مصرع بحر میں آجائے گا۔ تو کیا کہیں اور آپ نے دیکھا ہے کہ ''بسی'' کا لفظ بستی کے لیے استعمال ہوا ہے؟ ہو تو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ''بستی بسی ہے''۔ ''بسا بسایا گھر اُجڑ گیا'' اور اسی طرح کے جملے استعمال تو ہوئے ہیں۔ مگر کہیں 'بست' کے بجائے 'بسی' نہیں دیکھا۔ آپ کی نظروں سے تو ماشاءاللہ ہزاروں کتابیں گزرتی رہتی ہیں، تو یہ بات اب صرف آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ حضرت، اس قحط الرجال میں آپ کا دم غنیمت ہے۔ ورنہ ضرورت یہ ہے کہ ع 'ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ والا وقت

آن لگا ہے۔کیا کوئی نئی کتاب الفاظ اور محاوروں سے متعلق آپ نے لکھی ہے؟ اِدھر دلّی جانا نہیں ہوا ورنہ ہوگا، شاید کہیں مل جاتی۔الٰہ آباد بھی اب سرور کا ''کوردہ کانپور'' ہو چکا ہے۔اُمید ہے کہ مزاج گرامی بہ خیر ہوگا۔والسلام

سید محمد عقیل

بجانب عالی رشید حسن خاں صاحب، شاہ جہاں پور۔

(4)

محمود منزل

دریاباد، الہ آباد

Ph.(0532)2659535

مورخہ 27 مئی 2005ء

تسلیم

آپ کا خیر و عنایت نامہ ملا۔شکریہ۔آپ بخیریت ہیں۔یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی۔اس زمانے میں بخیر رہنا بڑی بات ہے۔حضرت آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی اہمیت وافادیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔تاہم یہ بھی سوچنا چاہیے کہ

ہے کون دکھائیں کسے یہ گوہر شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

اُردو کی جو حالت ہے اور جس طرح وہ مستقل سیاست اور اُردو والوں کی بے اعتنائیوں کا شکار ہے، اُسے دیکھتے ہوئے تو مجھے تقریباً یقین ہو چلا ہے کہ شاید اس صدی کے ختم ہوتے ہوتے اُردو کے صرف حرف شناساں رہ جائیں ورنہ بس اس کا خاتمہ ہی سمجھنا چاہیے۔ایسی صورت میں یہ لغات وغیرہ اور وہ بھی اس ڈھنگ کی چیزیں کون دیکھے گا اور کون سمجھے گا۔نور اللغات، گوہر اللغات ہی لوگ سمجھ لیں یہ ہی بہت ہوگا۔یہ ہانسوی!! وغیرہ تو دور کی چیزیں ہیں۔بہر حال آپ کا جی لگ گیا ہے تو کر ڈالیے۔یہ جو ہم لوگ مضامین وغیرہ لکھ کر مزاح المومنین کیا کرتے ہیں، بس ان حالات میں انھیں صرف تفریح اور بیکار جانیں کچھ کیا کرتے سمجھنا چاہیے۔بہر حال میں آپ کو بد دل نہیں کرنا چاہتا مگر نئی نسل کو شاید ہی ان کاموں سے دلچسپی ہو سکے۔یہ قاموسی کام نہ کوئی پڑھے گا اور نہ دیکھے گا۔اپنا تو یہی خیال ہے۔اِدھر گوپی چند نارنگ کے خلاف ایک کتاب تقریباً دو

سو صفحات کی دلّی سے فاروق ارگلی صاحب نے شائع کی ہے۔ کہیں ملے تو دیکھیے گا۔ مگر کوئی نارنگ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ جب معرکۂ جامعہ ملیہ 1977 میں اُن کا کچھ نہ بگاڑ سکا تو یہ نہ نوشتے اُس کا بھلا کیا کریں گے۔ امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام

سید عقیل محمد عقیل

بملاحظہ جناب رشید حسن خاں صاحب، شاہ جہاں پور۔

حواشی:

۱۔ اس خط کو پروفیسر سید عقیل رضوی نے اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ دائیں جانب موصوف کا پتا اور بائیں جانب الہ آباد یونی ورسٹی کا پتا لکھا ہوا ہے۔ خط کے حاشیے پر موصوف نے باریک سطریں تحریر کی ہیں۔

۲۔ مصطلحاتِ ٹھگی کی جانب اشارہ ہے۔

۳۔ رشید حسن خاں نے پروفیسر سید عقیل رضوی سے مصطلحات ٹھگی کے کسی نسخے کو تلاش کرنے کو کہا ہوگا۔ خاں صاحب کا کام کرنے کا انداز یہ تھا کہ جس کتاب کو وہ مدون کرتے اس کے تمام دستیاب نسخوں کو ضرور سامنے رکھتے تھے۔ مصطلحات ٹھگی انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے 2002 میں شائع ہوئی۔

۴۔ کلام جعفر زٹلی پر خاں صاحب کام کر رہے تھے۔ انھیں الہ آباد آرکائیوز میں کسی نسخے کی تلاش تھی۔ اسی لیے انھوں نے پروفیسر سید عقیل رضوی کو خط لکھا ہوگا۔

۵۔ دہلی یونی ورسٹی شعبۂ اُردو میں استاد پروفیسر علی جاوید کا انتقال 31 اگست 2021 کو نئی دہلی میں ہوا۔ وہ کمیونسٹ تحریک سے وابستہ تھے۔ الہ آباد یونی ورسٹی سے گریجویشن کے بعد علی جاوید نے جواہر لال نہرو یونی ورسٹی سے ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ 1983 تا 1998 تک دہلی یونی ورسٹی کے ذاکر حسین کالج کے شعبۂ اُردو سے منسلک رہے۔ وہ قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان کے ڈائرکٹر بھی رہے۔ ایم فل میں ان کا موضوع 'جعفر زٹلی کے کلام کی تدوین' تھا۔ اسی سلسلے میں جاوید صاحب نے سید عقیل رضوی سے رابطہ قائم کیا تھا۔

۶۔ 'گرد دھول' پروفیسر سید عقیل رضوی کی خودنوشت سوانح حیات ہے۔ یہ کتاب 'فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی، لکھنؤ کے جزوی مالی تعاون سے، انجمن تہذیب نو، 57 مالویہ نگر، الہ آباد 211003 سے نومبر 1995 میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ کتاب کی قیمت 200 روپے ہے۔

۷۔ پروفیسر سید عقیل رضوی نے رشید حسن خاں کی کتاب ''تحقیق تدوین روایت'' پر تبصرے کی بات لکھی ہے۔ پہلے یہ تبصرہ شعبۂ اُردو الہ آباد یونی ورسٹی کے رسالہ نیا سفر میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ تبصرہ

موصوف نے اپنی کتاب ''ادب اور ادیب'' (حصہ اوّل) اشاعت 2002 میں صفحہ 544 تا 548 شامل کیا۔

۸۔ اس خط کو پروفیسر سید عقیل رضوی نے اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ بائیں جانب گھر کا پتا اور دائیں جانب الہ آباد یونی ورسٹی کا پتا لکھا ہوا ہے۔ موصوف نے اس خط میں 'کھڑی نیاز' پر بہت ہی عالمانہ باتیں تحریر کی ہیں۔ ساتھ ہی خاں صاحب کی مرتب کردہ کتاب ''کلیات جعفر زٹلی'' کے شائع نہ ہونے کا افسوس بھی کیا ہے۔

۹۔ اس خط کو پروفیسر سید عقیل رضوی نے سادے کاغذ پر لکھا ہے۔ خط کی دائیں جانب اپنا پتا اور آخر میں رشید حسن خاں کا شاہ جہاں پور کا پتا لکھا ہوا ہے۔ اس خط میں اصل شعر اور اس کے خالق تک پہنچنے کی بات موصوف نے خاں صاحب سے معلوم کی ہے۔

۱۰۔ اس خط کو پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے سادے کاغذ پر لکھا ہے۔

۱۱۔ رشید حسن خاں عبدالواسع ہانسوی کے لغت ''غرائب اللغات'' کو از سرِ نو تدوین کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ موصوف نے اس لغت کی تدوین کے سلسلے میں اپنے احباب سے مشورے طلب کیے تھے۔ اسی سلسلے میں خاں صاحب نے پرفیسر سید محمد عقیل رضوی سے خط لکھ کر مشورہ کیا ہے۔ اسی مناسبت سے عقیل صاحب نے یہ بات لکھی ہے کہ اس کام میں آپ کا جی لگ گیا ہے۔ دراصل عقیل صاحب کی نظر میں لغات کو تدوین کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ آنے والی نسلیں اگر اُردو کے حروف سے ہی شناسا نہیں ہوں گی تو لغت وغیرہ کی تدوین کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ البتہ وہ خاں صاحب کی محنت شاقہ کے قائل تھے تبھی انھوں نے ''غرائب اللغات'' کی تدوین کو جدید اصولوں کے تحت کرنے کا مشورہ رشید حسن خاں کو دیا۔

نوٹ:

پروفیسر سید عقیل رضوی کے خط نمبر چار مورخہ 27 مئی 2005 کو انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی کے آرکائیوز انچارج ہاشم رشیدی نے احقر کو انجمن کے آرکائیوز میں 17 نومبر 2022 کو دیا تھا۔ در اصل میں عقیل صاحب کے خط نمبر ایک کی ورق گردانی از سرِ نو کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلے میں رشیدی صاحب سے موبائل پر کئی بار گفتگو ہو چکی تھی۔ انھوں نے راقم کو 17 نومبر 2022 کو 11 بجے اپنے دفتر میں بلایا۔ موصوف نے انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی میں میرے پہنچنے سے پہلے ہی پروفیسر سید محمد عقیل رضوی کی فائل اپنے ٹیبل پر نکال کر رکھ لی تھی۔ خط نمبر ایک کی ورق گردانی کے بعد انھوں نے بتایا کہ عقیل صاحب کا ایک نیا خط بنام رشید حسن خاں انجمن کی لائبریری میں دستیاب ہوا ہے۔ انھوں نے اس خط کا عکس لینے کی اجازت راقم کو دی۔

❁❁❁

سیّد معین الرحمٰن بہ نام رشید حسن خاں

(1)

لاہور

نومبر 1998

محبّی رشید خاں صاحب، ''دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ'' آپ کی نذر:

''عشق میں ہم نے یہ کمائی کی!''

اِس کمائی میں جو جان کھپی ہوگی، اس کا اندازہ آپ سے زیادہ کون کرسکتا ہے، یہ کمائی آپ کی نذر!

''نسخۂ خواجہ'' کی تدوین واشاعت کے سلسلے میں کیا کچھ کرنا چاہیے تھا، جو نہ کیا جاسکا ہوگا، لیکن جو کچھ کرسکا اُس کی داد تو چاہیے!

دادا ور دُعا کا طالب: معین الرحمٰن

(2)

لاہور

25 جون 1999

برادر گرامی (رشید حسن خاں صاحب): 'تدوین۔ تحقیق، روایت' کا ایک نسخہ کل (24 جون 1999) کو ملا، اِس پر 24 اپریل 1999 کی تاریخ ثبت ہے۔ اِس قیمتی متاع کے ہم دست ہونے میں دو ماہ لگ گئے۔ یہ بہ غور پڑھنے والی نعمت ہے، ''نسخۂ خواجہ'' کی تدوین سے پہلے یہ تحریریں میسر آ گئی ہوتیں تو اِن سے رہ نمائی پاتا، لیکن کوئی اچھی چیز تو جب بھی میسّر آ جائے لائقِ صد شکر ہے۔

معین الرحمٰن

(3)

لاہور

12 جولائی 1999

برادرِ گرامی رشید حسن خاں صاحب! آج ہی 6 جولائی (1999) کا اردو گرام پایا۔ میری

درخواست اب بھی یہی ہے کہ دیوان کی ترتیب میں، میں کیا نہ کرسکا، وہ تسلیم! یا، اور کیا کیا کرتا، یہ سر آنکھوں پر— لیکن جو کچھ کر سکا، اُسے کسی حساب اور شمار میں لیا جائے تو کرم اور احسان۔

آپ نے لکھا ہے کہ ''دیوانِ غالب ابھی تک کماحقہٗ دیکھ نہیں پایا، نسخہ اِس قدر دیدہ زیب ہے کہ حواشی پر کچھ لکھتے ہوئے جھجکتا ہوں، مگر کروں کیا اور کوئی صورت نہیں— چند نشانات لگا لیے ہیں—'' کچھ ایسے ہی محسوسات ''نسخۂ خواجہ'' پا کر مشتاق احمد یوسفی صاحب کے بھی تھے۔ میں نے ''تحقیق نامہ'' کے تازہ شمارے (نمبر 8) میں اِس کا حوالہ دیا ہے (دیکھیے، ص 76)۔

''دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ'' کا ایک مزید نسخہ آج ہی الگ، رجسٹرڈ ڈاک سے آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اسے اپنے میز پر سجایئے اور پچھلے نسخے پر آزادانہ نشانات لگایئے۔ سجانے والی اِس جلد میں کچھ طباعتی سہو میں نے بہت احتیاط کے ساتھ درست کر دیے ہیں۔ ان ''دُرستیوں'' کی ایک الگ کاغذ پر نشان دہی کر دی ہے۔ اِس کاغذ کو پچھلے نسخے پر کہیں چسپاں کر لیجیے تا کہ یہ سامنے رہیں۔

آپ کا، ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے مشاہدات کو ''ناقص'' بتانا کیا محض اِس مفروضے کو بہ حدِ یقین دل میں جگہ دے لینے کا نتیجہ ہے یا شاخسانہ تو نہیں کہ ''نسخۂ لاہور'' بس ایک ہی تھا اور وہی تھا جس کا تذکرہ عرشی صاحب کرتے ہیں؟

میرا احساس ہے کہ پنجاب یونی ورسٹی (لاہور) میں اُردو دیوانِ غالب کے وہ خطّی نسخے رہے ہیں (یہ اب دونوں موجود نہیں)، ایک وہ جسے قاضی عبدالودود نے دیکھا اور جسے عرشی صاحب نے ''نسخۂ لاہور'' بتایا ہے—اِس سے مختلف، دوسرا نسخہ وہ تھا جسے ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے متعارف کرایا ہے۔

''نسخۂ خواجہ''، ''نسخۂ لاہور'' ہی نہیں ہے تو اِس کا توام تو ضرور ہے، لیکن یہ سیّد عبداللہ کے نسخے سے مماثل مگر اُس سے مختلف ہے۔

''نسخۂ خواجہ'' کے بارے میں میرا پختہ یقین ہے کہ یہ غالبؔ کی نظر سے گزرا ہے اور اگر یہ آپ کے ابتدائی اندازے کے مطابق ''عین مین نسخۂ لاہور ہی معلوم ہوتا ہے'' تو پھر اِس کے بارے میں گویا عرشی صاحب کا مشاہدہ بھی یہ ہے کہ ''اندرونی شہادت ثابت کرتی ہے کہ اسے اوّل سے آخر تک میرزا صاحب نے پڑھا ہے اور اکثر جگہ اغلاطِ کتابت کی اصلاح بھی ہے''۔ (ص 26)

مولانا امتیاز علی خاں عرشی مرحوم نے جن سات مقامات پر غالبؔ کے قلم کی گواہی دی ہے، وہ ساتوں صورتیں ''نسخۂ خواجہ'' میں بھی من وعن موجود ہیں۔ ''نسخۂ خواجہ'' میں مزید آٹھ دس ایسے

مقامات کی نشان دہی میں نے کی ہے (تعارف ص 21-20)، جہاں تصحیح کے لیے غالبؔ کا قلم لگا ہے۔ اِس تقابلی مطالعے میں میرے بڑے شب و روز لگے ہیں— لیکن میری، عرشی صاحب یا کسی دوسرے کی رائے سے قطعِ نظر مناسب غور و فکر اور مزید مطالعے کے بعد اِس بارے میں آپ کا تامّل رفع ہو تو میری خوش نصیبی اور تقویت...

''تحقیق نامہ'' کا تازہ شمارہ (نمبر 8) آپ کو مل گیا، اِس سے اطمینان ہوا۔ اِس کا دوسرا نسخہ آپ دہلی جائیے تو نثار احمد فاروقی صاحب کو دے دیجیے گا (یا مقامی ڈاک سے بھیج دیجیے)، خلیق انجم صاحب کو میں نے براہِ راست روانہ کر دیا ہے۔

توجہ کا طالب: معین الرحمٰن

(4)

لاہور

22 اگست 1999

برادرِ گرامی رشید حسن خاں صاحب! 28 جولائی 1999 کا خط 18 اگست کو ملا۔ یہ آپ کے ہاں سے پوسٹ دیر سے ہوا...

''دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ'' پر تفصیل سے لکھنے کے لیے آپ فی الوقت فرصت یا فراغت نہیں پا رہے، نہ سہی، اِسے جانے دیجیے۔ آپ کی صحت مقدّم ہے، ساری باتیں اِس کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ کلّی عطا فرمائے اور مجھ پر مہربان رکھے۔

''نسخۂ خواجہ'' اور اُس مخطوطے میں جسے ''نسخۂ لاہور'' کہا گیا ہے مماثلتوں کے باوجود اختلاف اور فرق بھی نمایاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ''نسخۂ لاہور'' اور ''نسخۂ خواجہ'' ایک ہی وقت میں لکھّے گئے اور ان دونوں کا ماخذ ''دیوانِ غالب'' کا کوئی ایک ہی مسوّدہ رہا ہے۔ اِس لیے اِن کے مابین مشابہتیں بہت ہیں اور جو فرق یا اختلاف ہے وہ خطّی نسخہ ہونے کی بنا پر کاتب کے ''بندہ بشر'' ہونے کا نتیجہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ''نسخۂ خواجہ''، ''نسخۂ لاہور'' ہی نہیں ہے تو اس کا توام تو ضرور ہے، لیکن یہ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کے نسخے سے مماثل مگر اِس سے مختلف ہے۔

میں ''نسخۂ خواجہ'' کا ڈی لکس اڈیشن شائع کرنے کا آرزومند ہوں اور ان دنوں اِس کے وسائل کی فراہمی کی فکر میں ہوں، اِس دوسری اشاعت میں اوّل تا آخر مخطوطے کو اصل رنگ اور روپ میں محفوظ اور پیش کر دینا مقصود ہے۔ اُس طرز اور روش پر جیسے ''نسخۂ خواجہ'' (مطبوعہ) میں صفحہ 16 اور 17 کے مابین چار اوراق کے رنگین عکس دیے گئے ہیں۔ کوشش رہے گی کہ یہ اعلا عکسی

اڈیشن اِسی سال کر پاؤں۔ اِس کے بعد میں نے یہ پیش کش کی ہے کہ ''نسخۂ خواجہ'' کا اصل خطّی نسخہ پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کو ہدیے کے طور پر دے دوں۔ اِس ذرا سی ''شرط'' کے ساتھ اور یہ ''ضمانت'' حاصل کرنے کے بعد کہ یونی ورسٹی کے فاضل وائس چانسلر ''نسخۂ خواجہ'' کی حفاظت کا کوئی ایسا مستقل انتظام فرماسکیں کہ یہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، لاہور میں دستیاب رہے اور غالبؔ کے پچھلے خطّی نسخوں کی طرح معدوم یا ضائع نہ ہو جائے۔

پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر خالد حمید شیخ صاحب کے نام اپنی پیش کش مورخہ 7 اگست 1999 کی ایک نقل آپ کے ملاحظے کے لیے ملفوف ہے۔ یہ واضح بالذات ہے۔آپ کبھی (میری زندگی میں یا مابعد) ''نسخۂ خواجہ'' پر کچھ لکھیں تو میری یہ پیش قدمی آپ کے سامنے رہے۔

دعاؤں کا طالب: معین الرحمٰن

نوٹ:

ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن نے ''دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ'' مرتب کیا۔اشاعت کے بعد اُس کی ایک جلد نومبر 1998 میں لاہور سے چھے سطری خط کے ساتھ رشید حسن خاں صاحب کی خدمت میں ارسال کی اور داد طلب کی۔ رشید حسن خاں نے اپنے مکتوب مرقومہ 28 جولائی 1999 اِسے ''نسخۂ خواجہ'' نہیں لکھا، بل کہ اِسے ''نسخۂ لاہور'' یا ''نسخۂ معین الرحمٰن''۔ اِس کی وجہ اُنھوں نے یوں بتائی کہ ''یہ بہ طورِ اصل نسخۂ لاہور ہے اور آپ کے توسّط سے ہم تک پہنچا ہے''۔

(رشید حسن خاں کے خطوط [جلد سوم] مرتب ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، 2019، ص 391 تا 395)

❁❁❁

سید نعیم حامد علی الحامد بہ نام رشید حسن خاں

(۱)

محترم رشید حسن خاں صاحب!

سلام ورحمت!

تمھارے حلقہ بگوشوں میں ہم بھی ہیں صاحب
پڑی رہے یہ صدا کان میں گہر کی طرح

خدا گواہ ہے کہ میں آپ کو اپنے اساتذۂ معنوی میں شمار کرتا ہوں۔ میرے اس اعتراف کو تملق نہ تصور فرمائیں، جس کے نہ آپ محتاج ہیں نہ میری عادت۔ میری بدقسمتی سے شدید خواہش کے باوجود، اب سے پہلے آپ سے رابطہ نہ ہو سکا۔ اس لیے کہ رابطے کا کوئی معتبر ذریعہ یا عنوان البرید نہ تھا۔ اللہ کا احسان ہے کہ اُس نے ربابؔ رشیدی[1] صاحب کو خضرِ راہ بنا کر بھیجا اور اُن کے وسیلے سے مجھے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع عطا فرمایا۔

حضرت! میں اپنے بارے میں اس سے زیادہ کیا عرض کروں کہ آپ کی خدمت میں اپنا ادبی نامۂ اعمال بھیج رہا ہوں، اب آپ اُسے داہنے ہاتھ میں دیے جانے کے قابل قرار دیتے ہیں یا بائیں ہاتھ میں! مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ''عکاظِ غزل'' اور ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ''[2] پر تجزیاتی مضمون تحریر فرمائیں یہ میرے لیے بڑے اعزاز کی بات ہوگی۔

مگر یہ درخواست اس شرط سے مشروط ہے کہ اگر اُن کو پڑھ کر آپ کے ذہن وقطب میں کچھ لکھنے کا حقیقی داعیہ پیدا ہو تو قلم اٹھائیں۔ اس خیال سے ہرگز نہ لکھیں کہ فرمایش آئی ہے اس لیے لکھنا ہے۔

''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کے ایک مضمون ''نقوشِ بیدلؔ'' کی کمپوزنگ مکمل نہیں ہوئی ہے اس لیے نہیں بھیج سکا۔ یہ مضمون 175 صفحے کا ہے۔ ''نقوشِ بیدلؔ'' کی تالیف کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ مستقبل کے محققین بیدلؔ کے لیے زیادہ سے زیادہ مراجع کی نشان دہی کی جائے۔ ''نقوشِ

بیدلؔ''کومیں نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔
ا۔آثارِنظم ونثرِ بیدلؔ کامختصرتعارف ودیگر کیفیات۔
۲۔ممتاز ونامور بیدلؔ شناسانِ پاکستان وہنداوراُن کی نگارشات کااجمالی تعارف وتذکرہ۔
۳۔کارنامہ ہائے بیدلؔ شناسانِ افغانستان ووسطی ایشیا۔

میں نے مدینہ منوّرہ کے قدیم شخصی کتب خانے کھنگال کر بیدلؔ کے 6 مخطوطے دریافت کیے ہیں۔جن سے برّصغیر کے بیدلؔ شناس اب تک لاعلم ہیں۔مذکورہ مخطوطوں کا تعارف اور رنگین عکس بھی شامل کتاب ہوں گے۔میں نے بیدلؔ کی تصویر بھی دریافت کی ہے اوراُس کانقشِ ثانی مدینہ منوّرہ کےایک آرٹسٹ سے بنوارہاہوں۔

حضرت مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی تکلّف نہیں ہے کہ میری فارسی کی استعداد بہ قول آپ کے''است''''بود''ہی تک ہے۔واقعہ یہ ہے کہ میں تعلیم یافتہ نہیں ہوں اس لیے اغلاط کی نشان دہی سے محروم نہ رکھیں۔ہرقسم کی اغلاط املا،کمپوزنگ وغیرہ وغیرہ۔

نہ دے نامے کو اتنا طول غالبؔ،مختصر لکھ دے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہائے جدائی کا

مخلص
سیدنعیم حامدعلی الحامد
23 شعبان1425ھ
7/اکتوبر2004
مدینہ منوّرہ

(2)

الاخ الکبیرالکریم رشیدحسن خاں!
حفظہ اللہ!

چہ پُرسی از عروجِ نامۂ من
بوالا دستگاہے می نویسم

(میرقمرالدین شاگردآصفؔ)

5مئی2005 کوشاہ جہاں پورمیں آپ کی خدمت میں حاضرہونا میری زندگی کی خوش گوار

یادوں میں سرِ فہرست ہے۔ آپ نے مجھ اُمّی محض کی جس طرح پذیرائی کی اُس کے تصور سے روح پر انبساط کی جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ محسوس کی جاسکتی ہے۔ بیان نہیں ہو سکتی۔

لکھنؤ، مراد آباد، دہلی اور ممبئی ہوتا ہوا چودہ (14) مئی کو کراچی پہنچا اور اکیس (21) جون کو مدینہ منوّرہ۔

اکتیس (31) جنوری 2006 کو جناب رباب رشیدی مدینہ منوّرہ پہنچے اور یکم فروری سے آٹھ (8) فروری تک اُن سے طویل ملاقاتیں رہیں۔ انھوں نے ''بہار ایجادیِ بیدل'' پر آپ کا تحریر کردہ مضمون دیا اور:

کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید!

آپ نے یہ مضمون تحریر کر کے مجھ پر احسان فرمایا ہے:

دوستانت ہمیشہ خرّم و شاد
دُشمنانِ تو دایماً مقہور

(میر قمر الدین شاگرد آصف)

رہ نیابد خزاں بگلشنِ تو
چشمِ بد از بہارِ رُوے دور

آپ نے مضمون میں جن اُمور کی طرف اشارہ کیا ہے اُن میں سے جناب نبی ہادی کے حوالے سے وضاحتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اگر نبی ہادی صاحب واقعی علمی اختلاف کرتے تو برہمی کا کوئی جواز کسی کے لیے بھی نہیں ہو سکتا۔ لیکن انھوں نے بیدل کی تنقیص بل کہ توہین کی ہے۔ مثلاً ہندوستان، پاکستان، ایران اور وسطی کے اکثر معتبر سخن شناس و صاحبانِ علم نے بیدل کی شاعری کو سبکِ ہندی کی معراج اور اُن کو ''تخیل کا بادشاہ''، ''ندرتِ بیان کا خدا''، ''نئی ترکیبوں اور نئے اسالیب کا پروردگار'' کہا ہے۔ اور جس بیدل کے بارے میں خاصانِ شعر و ادب و تنقید کی یہ رائے ہو:

> ''بیدل کو محض شاعر کہنا اور شاعر سمجھ کر اُس کے کلام پر تنقید کرنا درست نہیں وہ شاعر سے بلند چیز بل کہ خنذیذ تھا بل کہ اس سے بھی ارفع ایک خلّاق سخن تھا، ایک پیام رَسانِ قدرت تھا''، ''بیدل مجرد کو مجسم اور غیر محسوس کو محسوس بنا دینے کے فن میں بے مثل دستگاہ رکھتا تھا۔''

اُس بیدل کی شاعری کے بارے میں جناب نبی ہادی استعارہ و تشبیہ کے پردے میں اپنی

کتاب کے پڑھنے والوں کو اس طرح گمراہ کرتے ہیں:

''میرزا کے منظوم کلام میں شروع سے آخر تک افکار کی سنجیدگی، بیان کی سنگینی اور اسلوب کے اغراق و ابہام کا وہ عالم ہے کہ جرمن فلسفی کانٹ کا واقعہ رہ رہ کے یاد آتا ہے۔ کانٹ نے اپنی تالیف ایک دوست کو پڑھنے کے لیے دی تھی۔ اُس نے آدھی پڑھ کر واپس کر دی۔ جب اُس سے کتاب کے بارے میں رائے دریافت کی گئی تو کہنے لگا دماغ میں خشکی ہو چکی ہے اور جنون کا خطرہ ہے۔''

بیدلؔ کی نثر کے بارے میں جناب نبیؔ ہادی کی یہ رائے ہے:

''بیدلؔ ابہام و پیچیدگی کا ضرورت سے زیادہ شوقین ہے اور اُس کے جملے دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ لفظ خواہ مخواہ بیگار میں پکڑ لیے گئے ہیں جن کو پڑھنے سے مطلب واضح ہونے کے بجائے اُلٹا ہو جاتا ہے۔''

کاش نبیؔ ہادی صاحب بیدل کے کلامِ نظم و نثر کا مطالعہ کر کے اُس پر عاشق ہو جانے والوں کی ایک طویل فہرست ہے؛ اور سرِ فہرست غالبؔ و اقبالؔ ہیں۔

اب رہا بیدلؔ کا ہندوستانی فلسفوں سے متاثر ہونا؛ یہ کوئی تعجب کی بات ہے نہ عیب کی۔ آخر بیدلؔ ہندوستانی تھے اور اپنے عہد میں رائج نظریات سے کسی حد تک اُن کا اثر پذیر ہونا فطری بات ہے۔ لیکن نبیؔ ہادی صاحب کا، بیدلؔ کے افکار و فلسفے کو تمام تر ہندو (ہندوستانی) فلسفہ سے ماخوذ و مبنی کہنا خلافِ حقیقت ہے۔ فکرِ بیدلؔ کی بنیاد قرآن و حدیث ہے یہ امر متفق علیہ ہے۔ جناب نبیؔ ہادی کی کتاب ''میرزا عبدالقادر بیدل'' (سوانح، انتقاد، انتخاب) پر میں نے اظہارِ برہمی نہیں، اظہارِ حقیقت کیا ہے۔ میں نے جن چند امور کی طرف اپنے تبصرے میں اشارہ کیا تھا وہ تو سامنے کی باتیں ہیں ورنہ: مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں!

مخدومی! جو وضاحتیں جناب نبیؔ ہادی کے حوالے سے میں نے سطور مندرجہ بالا میں پیش کی ہیں انھیں کسی بحث کا آغاز تصور نہ کریں۔ اور اگر میری کسی بات سے آپ کا مزاج مکدّر رہا ہے تو میری معذرت قبول فرمائیں۔ یہ معذرت صرف آپ کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں۔

''زٹل نامہ'' میں آپ نے کلامِ جعفر زٹلی کے چار (4) مطبوعہ نسخوں[4] کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک نسخہ مطبوعہ مطبع حیدری بمبئی، سالِ طبع 1248ھ (68-1667) بھی ہے۔ اس کے بعد ''زٹل نامہ'' صفحہ 42 پر آپ نے قوسین میں تحریر فرمایا ہے: ''یہ دل چسپ بات ہے کہ دیوانِ جعفر

زٹلی بمبئی میں کئی بار چھپا ہے۔تلاش کے بعد مجھے کسی دوسری اشاعت کا نسخہ نہیں مل سکا،انڈیا آفس لائبریری کے فہرست نگار بلوم ہارٹ نے اپنے کٹلاگ میں کلیاتِ زٹلی نمبر 133 کے تحت بمبئی میں چھپے ہوئے دو نسخوں کا حوالہ دیا ہے جو 1853 اور 1857 کے چھپے ہوئے ہیں۔''

حسنِ اتفاق سے کلیات زٹلی کے ایک نسخے کی فوٹو کاپی میرے کتب خانے میں محفوظ ہے جو 1275ھ کے اُس نسخے کی لوح پر مندرجہ ذیل عبارت مرقوم ہے:

''شکر و سپاس بیقیاس بدرگاہِ خداوند حقیقی کہ نسخۂ عجیبیہ و کتاب غریبہ اعنی کلیاتِ جعفر زٹلی حسب فرمایش حضرت قاضی ابراہیم صاحب بن قاضی نور محمد صاحب پُل بندری بشراکت نور الدین بن جیوا خان در مطبع حیدری بتاریخ دوازدہم ماہ ربیع الاول 1275 ھجری یہ مقدمہ''میں مذکورہ بالا ''کلیات جعفر زٹلی'' کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔خدا آپ کو سلامت با کرامت رکھے۔

ذوقِ من قاصدِ بے درد کجا می داند
آنقدر شوقِ تو دارم کہ خدامی داند

(صائب تبریزی)

اُمید ہے کہ خط کے جواب سے محروم نہ فرمائیں گے۔

مخلص

سید نعیم حامد علی الحامد

مدینہ منوّرہ

8 فروری 2006

مطابق 9 محرم 1427ھ

عنوان البرید: صندوق البرید رقم 5800 المدینہ المنورہ المملکہ العربیۃ السعودیۃ ۔ملحوظ: جواب میرے جدّہ کے پتے پر بھیجیں جو 'عکاظِ غزل' کے دوسرے صفحے پر لکھا ہے۔

(کِلکِ مُشکبار،مکاتیبِ نعیم،ترتیب و تقدیب: سید نعیم حامد علی الحامد،ص 63 تا 68)

حواشی:

1. رباب رشیدی،رشید حسن خاں کے ہم وطن اور بچپن کے دوست تھے۔وہ اکثر حج و عمرہ کرنے مکہ مکرمہ اور مدینہ منوّرہ جاتے تھے۔رباب صاحب کی سید نعیم حامد علی الحامد سے ملاقات مدینہ منوّرہ

میں ہوئی۔ رباب صاحب کا انتقال لکھنؤ میں 6 اکتوبر 2022 کو ہوا۔

۲۔ رشید حسن خاں نے سید نعیم حامد علی الحامد کے مسودے ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کا مطالعہ کرنے کے بعد مضمون ''بہارِ ایجادیِ بیدل''، مضمون تحریر کیا۔

۳۔ رشید حسن خاں کے مضمون کو نعیم صاحب نے اپنی کتاب ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' میں ص 49 تا 52 شامل کیا ہے۔ قارئین کی خدمت میں رشید حسن خاں کا مضمون پیش کیا جارہا ہے:

''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ''

اس سے تو ہم سبھی واقف ہوں گے کہ مرزا غالبؔ کے شاعرانہ ذہن کی تشکیل میں بیدلؔ کے گہرے اثرات کارفرما تھے، جس کا بھرپور اظہار مرزا صاحب کی دورِ اوّل کی شاعری میں ہوا ہے۔ اس موضوع پر اُردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے؛ لیکن خود بیدلؔ کی شاعری سے واقفیت کا دائرہ وسیع نہیں ہو پایا اور اب تو اس صدی میں فارسی زبان سے واقفیت جس نسبت سے بیدلؔ کی شاعری سے کم آشنائی بڑھتی گئی اور بڑھتی جارہی ہے۔ تنقید اور تحقیق کے لحاظ سے یہ صورتِ حال پریشان کُن ہے۔

ایسے حالات میں سید نعیم حامد علی صاحب کی یہ کتاب ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ انھی کے الفاظ میں ''اِس کتاب کا مقصدِ تالیف اپنے ذوق وشوق کی تسکین اور نئی نسل کو بیدلؔ سے متعارف کرانا ہے۔''

اِس کتاب کی دو (۲) خوبیاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کتاب کا آغاز منتخب اشعار بیدلؔ کے ترجموں سے ہوتا ہے۔ یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ ایک زبان کی شاعری کا ترجمہ دوسری زبان میں اس طرح نہیں ہوسکتا کہ اصلی زبان اور بیان کے حقیقی محاسن اور نزاکتیں کسی دوسری زبان میں پوری طرح منتقل ہوجائیں۔

نعیم صاحب نے لفظی ترجمے کے بجائے مفہوم کی ترجمانی پر نظر رکھی ہے؛ اِس کے لیے انھوں نے یہ نہایت مناسب طریقۂ کار اختیار کیا ہے کہ پہلے نثر کا مفہوم بیان کیا ہے اور پھر اُس مفہوم کی ترجمانی دونوں سطحوں پر اِس طرح ہوگئی ہے کہ اصل خیال اچھی طرح بیان میں آگیا ہے اور بیان کا حُسن بھی برقرار رہا ہے۔ ادب کے طالب علموں کے لیے بیدلؔ کے خیالات کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔ اگر صرف نثری ترجمہ ہوتا یا محض منظوم ترجمہ ہوتا تو یہ بات پیدا نہ ہو پاتی۔

دوسری خصوصیت اِس کتاب کی یہ ہے کہ بیدلؔ سے متعلق بہت سی بکھری ہوئی معلومات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ حیرت آمیز مسرّت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو ایران، افغانستان اور ہندوستان سے بہت دور مدینہ منوّرہ میں اقامت گزیں ہے، اُس نے وہاں بیٹھ کر بیدلؔ سے متعلق وہ تفصیلات کس طرح مہیا کرلیں جن کی جمع آوری خود اِن ملکوں میں رہنے والوں کے لیے کارِ آسان نہیں۔

ایک اور قابلِ توجہ بحث ''چہار عنصر'' کے سلسلے میں تاریخ گوئی سے متعلق ہے۔ بہت دل چسپ اور فکر انگیز گفتگو کی گئی ہے بعض مصرعوں سے تاریخ نکالنے کے تعلق سے۔ اس تفصیل کو پڑھ کر ذہن روشن ہو جاتا ہے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیدلؔ کی معروف تصنیف ''چہار عنصر'' کا نئے انداز سے مرتب کیا جانا ضروری ہے۔

ادب کا کوئی باخبر اُستاد اِس مشکل کام کو انجام دینے کا اگر حوصلہ پیدا کر لے تو اِن تاریخوں کے ساتھ ساتھ بعض دوسری باتوں پر سیر حاصل بحث کر کے بعض نتائج کا تعین کیا جا سکتا ہے اور بعض نتائج کی توثیق کی جا سکتی ہے۔

نعیم صاحب نے ترجمۂ ''نکاتِ بیدلؔ'' کے ایک ایسے نسخے کی نشان دہی کی ہے جس سے کم لوگ واقف ہوں گے۔ بیدلؔ شناسی کی بحثوں کے سلسلے میں اِسے ایک عمدہ دریافت کہا جانا چاہیے۔

میں یہ بات اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ بیدلؔ سے متعلق اب تک اُردو میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اُس سرمایے میں یہ کتاب ایک اہم اضافہ ہے اور ہمارے اچھے طالب علموں کے لیے یہ ایک عمدہ تذکرے کی حیثیت سے نمایاں رہے گی۔

آخر میں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ بیدلؔ شناسی کی اپنی اہمیت ہے اور ضرورت بھی لیکن تنقید اور تحقیق میں بیدلؔ پرستی کی گنجایش نہیں ہو سکتی، اِس کا ضرور خیال رکھا جانا چاہیے۔ اگر نعیم صاحب کبھی اِس کتاب پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کریں تو اِس پہلو کو ضرور نظر میں رکھیں۔

ہاں! ایک بات رہ گئی ''استدراک'' میں ایک میں شعر کے انتساب سے متعلق مفصل گفتگو کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ شعر دردؔ کا نہیں، میر سوزؔ کا ہے۔ یہ بات بجائے خود درست ہے، مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس پوری بحث کو دو (2) سطروں میں اس طرح سمیٹا جا سکتا ہے کہ زیرِ بحث شعر دیوانِ میر سوز (شایع کردہ شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی) میں موجود ہے اور اس طرح یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی کہ یہ شعر دردؔ کا نہیں، میر سوزؔ کا ہے۔

ایک یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ آخر مرزا غالبؔ نے اپنے ''مرشد'' بیدلؔ کو آ کر، آخر میں کیوں بھلا دیا تھا؟ نظرِ ثانی میں اگر نعیم صاحب اس طرف بھی کچھ توجہ کریں تو خوب ہو۔

بس ایک بات مجھے اور کہنا ہے۔ اختلافِ رائے کا حق سب کو ہے، خاص کر علمی بحثوں میں۔ اگر نبی ہادیؔ صاحب نے کلامِ بیدلؔ پر ہندوستانی فلسفے کے اثرات کا ذکر کیا ہے تو یہ خالص علمی مسئلہ ہے اور تفصیلی بحث کا متقاضی ہے، اِس میں برہمی یا ناراضی کو دخل نہیں ملنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اربابِ نظر کے حلقے میں نعیم صاحب کی اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

19 نومبر 2005، شاہ جہاں پور

(بہارِ ایجادیِ بیدلؔ، از ڈاکٹر نعیم حامد علی الحامد، ناشر پاکستان نیشنل بک فاونڈیشن، 2015، ص 49 تا 51)

۴؎ ''زٹل نامہ'' مرتبہ رشید حسن خاں کے صفحہ 32 پر چار مطبوعہ نسخوں کے نام اس طرح ہیں:

(ا) مطبوعہ مطبع علوی علی بخش خاں (لکھنؤ) 1271ھ (1855)

(۲) مطبوعہ مطبعِ حیدری بمبئی، سالِ طبع 1284ھ (1867-68)

(۳) مطبوعہ مطبع محمدی (دہلی) سالِ طبع 1289ھ (1872)

(۴) مرتبہ ڈاکٹر نعیم احمد (علی گڑھ) سالِ طبع 1979

نوٹ:

ڈاکٹر نعیم حامد علی الحامد کیمذکورہ بالا دونوں خطوط کو فاران نظامی (پاکستان) نے 8 دسمبر 2022 کو بہ ذریعہ Messenger احقر کو ارسال کیے۔ اس ادبی تحفے کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔

❁❁❁

شمس الرحمٰن فاروقی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

Room No 1104
Suchna Bhawan
New Delhi 110001
27/11/1981

پیارے خاں صاحب۔ میں نے ترقی اُردو بورڈ کیا چھوڑا آپ بھی چھوٹ گئے۔ ملاقات کے مواقع وہاں ملتے رہتے تھے۔ اب آپ الگ ہم الگ۔ فرصت ہو تو ملیے یا بلائیے۔ میؔر کے اس شعر کا مفہوم واضح نہیں ہو رہا ہے:

شوخی کو دیکھ آپی کہا آؤ بیٹھو میر
پوچھا کہاں تو بولے کہ میری زبان پر

(دیوان چہارم)

''زبان پر بیٹھنا''* محاورہ یا روز مرہ مجھے لغات میں نہیں ملا۔ (نور میرے پاس نہیں ہے) فارسی میں ''درزبان آمدن'' تو ملتا ہے لیکن معنی مناسب نہیں۔ ''برزبان آمدن'' ہوا تو بھی ایک بات بن جاتی۔ کیوں کہ میؔر نے ''زبان پر'' لکھا ہے۔ اگر انھوں نے ''درزبان آمدن'' ہی کا ترجمہ کیا ہوتا تو ''زبان میں'' ہونا چاہیے تھا، لیکن ردیف مخالف پر اس لیے ظاہر ہے کہ ''زبان پر'' لکھا ہے۔ شبلی نے ''بہ زبان افتادن'' کو ایک محاورہ بتایا ہے اور معنی بتائے ہیں ''بیت تحیف و نزار ہو جانا۔'' یہ محاورہ بھی کہیں نہیں ملا۔ اب آپ ہماری رہنمائی کیجیے۔ میری سمجھ تو یہی آتا ہے کہ یہ محاورہ وغیرہ نہیں ہے۔ ''زبان'' معنی ''وعدہ''، ''قول و قرار ہے'' اور ''میری زبان پر بیٹھو'' سے مراد ہے ''میرے وعدے کی (یا وعدہ پورا ہونے کی) آس لگائے رہو۔'' (کیوں کہ ''بیٹھنا'' اس معنی میں لیا جا سکتا ہے۔ (اور میں آپ کے وعدے پر بیٹھا ہوا ہوں اور آپ توجہ ہی نہیں دیتے''* وغیرہ)

دیگر آں کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ شوق نیموی کی ''اصلاح'' اور ''ایفاح'' مجھے عاریتاً عطا کریں گے کہ میں ان کی نقل کرالوں۔ یاددہانی کے لیے عرض کر رہا ہوں۔

مزید آں کہ ''مصطلحات الشعرا'' کے مصنف کا پورا نام کیا ہے! اگر ''وارستہ'' نام ہے تو کیا یہی تخلص بھی ہے؟

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی
27 نومبر 1981

*۔ یا ''میری زبان پر''۔
*۔ مجھے ''میری'' کا لفظ اس شعر میں اہم معلوم ہوتا ہے۔ یعنی میرے خیال میں ''زبان پر بیٹھنا'' کی اہمیت ''میری'' کی وجہ سے ہے۔

پس نوشت:
جوابی لفافہ بھیجتا تو آپ کی رگِ خاں صاحبی حرکت میں آ جاتی، اس لیے احتراز کر رہا ہوں۔

(2)

22 دسمبر 1981ء[2]

خان بابا۔ ''مصطلحات شعرا'' کے بارے میں آپ کا محققانہ خط پڑھ کر عش عش[3] کر اُٹھا۔ اس قدر علم اور اتنا مستحضر!

بھائی جان! اگر کتاب ہونا، محاورہ نہیں تو شعر کے معنی مجھ پر روشن نہیں ہوں گے۔ میں اس کی صرف نثر کر سکتا ہوں۔ اس کا کتابی چہرہ میرؔ کے مجموعے کی طرح خوب صورت ہے۔ ایسی صورت میں اس کے منھ سے نکلا ہوا ایک حرف، کتاب کیوں کر ہوتا۔ اگر یہ نثر درست ہے تو میں تو اس شعر کے معنی فی لطیف شاعری سمجھتا ہوں۔ ورنہ پھر اس شعر میں معشوق کی تصویر ہوتی ہے اور یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ معشوق کے منھ سے نکلنے والے ایک حرف کو کتاب کہنے یا نہ کہنے کی توجیہہ کیا ہوگی؟ اور اگر اسے دہن فرض کر لیا جائے اور دہن کو بڑے میاں کا دہن سمجھیں تو بھی بات بنتی نہیں۔ اچھا اس شعر پر دانت تیز کیجیے:

واجب کا ہو نہ ممکن مصدر مفت ثنا کا
قدرت سے اس کی لب پر نام آوے ہے خدا کا

(دیوان دوم)

آپ کہتے ہیں میرؔ کو استاد ذوقؔ نہ فرض کیجیے اور محاوروں کے چکر میں نہ پڑیے۔ میرؔ نے ذوقؔ سے کہیں زیادہ تعداد میں اور تنوع کے ساتھ محاورے اور کہاوتیں استعمال کی ہیں۔ کیا آپ کا خیال

ہے کہ محاورے اور کہاوتیں استعمال کرنے کا شوق یگانہ کو ذوق کا کلام دیکھ کر ہوا تھا؟ بڑے میاں نے تو عربی محاورے اور کہاوتیں بھی نظم کر دی ہیں:

شیخ ہو دشمن زن رقاص
کیوں نہ القاص لا محیب القاص

رعایت لفظی، رعایت معنوی محاوروں کا کثرت سے استعمال، یہ تو میر کی خاص صفات ہیں۔ میر کے بہت سے استعارے، رعایت لفظی اور محاورے سے بنے ہیں۔ خالص استعارے سے زیادہ ان کے یہاں پیکر کی کارفرمائی ہے۔ محاورہ اور رعایت لفظی کے امتزاج پر میرؔ اور میر سوز کے دو شعر دیکھیے:

میر سوز:

کیوں طفل اشک تجھ کو آنکھوں میں میں نے پالا
تو اتنا گرم ہو کر میرے ہی منھ پہ آیا

میر:

ہمارے منھ پہ طفل اشک دوڑا
کیا ہے جس بھی لڑکے نے بڑا دل

اچھا یہ تو فرمائیے کہ جب آپ نے سمینار میں ہمارے اتنے بہت سے دوستوں کو جمع کیا ہے تو ان کو سننے کے لیے کیوں نہ بلایا؟

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی

(3)

18 ستمبر 1982ء

خان بابا، آپ کا خط مورخہ 16 ستمبر ملا۔ پچھلے خطوط کا تو جواب لکھ چکا ہوں۔ تیسرے کا جواب اس لیے نہیں لکھا کہ میرا خیال تھا انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے باقاعدہ خط آئے گا جس میں شرائط تحریر ہوں گی۔ تو غور کر کے جواب لکھوں گا۔ صورت حال یہ ہے کہ میرا دل اس کام میں نہیں ہے، لیکن اگر رقم اچھی اور جلد مل سکے تو کسی نہ کسی طور کر ڈالوں گا۔ کیا آپ کچھ اشارہ دے سکتے ہیں کہ معاوضہ کتنا ملے گا؟

آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ جرأت کی ہجو ظہور اللہ نوا کے بعض الفاظ کے بارے میں آپ

سے مشورہ کرنا ہے۔اتوار 26 ستمبر کو چار بجے آجاؤں گا تو کیسی رہے؟ کھانا تو آپ کے پاس ملتا نہیں۔چائے بھی واجبی ملتی ہے۔لیکن اس پر قناعت کرلیں گے۔آپ سے ملاقات تو ہو جائے گی۔

داستانِ امیر حمزہ کی بعض جلدوں کی تلاش ہے۔فہرست ادھر کے صفحے پر درج کرتا ہوں۔دلّی کے باہر کن دکان داروں یا لوگوں سے مدد مل سکتی ہے؟ کیا آپ کے پاس ان میں سے کوئی جلد ہے؟

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی

پس نوشت:
نوشیرواں نامہ جلد اوّل
ہرمز نامہ
بالا باختر
ایرج نامہ ہر دو جلد
آفتاب شجاعت، جلد سوم، چہارم، جلد پنجم حصہ اول
ملتان باختر، جلد سوم
طلسم فتنہ نور افشاں ہر سہ جلد
علم خیال سکندری جلد دوم و سوم
طلسم زعفراں زار سلمانی جلد اول

(4)

24 اپریل 1986ء[5]
خان بابا، السلام علیکم

آپ کا خط ملا میں ''تفہیم غالب''[6] کے بارے میں آپ کو خط لکھ چکا ہوں۔بھئی یہ خفگی کیوں، کہ آپ نے خط نہ لکھنے کا تہیہ کر رکھا تھا؟ خیر! ''شب خون'' نے حاضر ہو کر کچھ تو میری تقصیر معاف کرائی۔اگلے مہینے کی تین تاریخ کو ایک مہینے کے لیے ملک سے باہر جانا پڑ رہا ہے۔اس لیے اب آپ سے ملاقات جون کی ٹھہری۔

''تفہیم غالب'' کے صفحے سے دل چسپی کے لیے شکر گزار ہوں۔

(1) ''کیوں کہ'' اور ''نہ جانے'' دونوں سہو کاتب ہیں۔میں نسخۂ عرشی سے اشعار نقل کرتا ہوں۔لہٰذا

اس طرح کی غلطی کا حدوث مستعبد ہے۔آپ اطمینان رکھیں نسخہ مالک رام میرے پاس شاید ہے ہی نہیں۔لہٰذا اس سے استفادہ کہاں سے کروں گا۔

(2) ''آئینہ'' کو میں اسی طرح لکھتا ہوں۔کیوں کہ اگر دو املوں کا تکلف اختیار کیا بھی جائے تو اس لفظ کے تمام تلفظ نہیں ادا ہو سکتے۔اور ہمارا رسم الخط ہر لفظ کے تلفظ کو ادا کرنے کا دعوے دار ہی نہیں،تو یہ جھگڑا کیوں پالا جائے۔اگر مان بھی لیا جائے تو ہر جگہ کیوں نہیں؟ مثلاً اگر وزن کا تقاضا ہو تو ''پانی ''کو محض''پان'' *اور''اور'' بروزن ''فعل''کو''ار''اور''لطف و نفیس'' بروزن''فعولن''کو''لطیفونفیس''وغیرہ کیوں نہ لکھا جائے؟

(3) میں ہر غزل سے اکا دکا اشعار کی شرح کرتا ہوں۔بعض غزلوں سے کوئی شعر نہیں لیتا۔شعر کی تقطیع وہی لکھتا ہوں جو اس شعر کی ہے،وعام اس سے کہ اگلے پچھلے اشعار کی تقطیع کیا ہوگی۔کتاب کی شکل میں ترتیب دوں گا تو آپ کے ارشاد کا لحاظ رکھوں گا۔

''تفہیم غالب'' کی تجویز کے بارے میں آپ کی منظوری مل جائے تو کام شروع کروں (یعنی کتاب کی شکل میں مرتب کرنے کا)اب چند ہی اشعار باقی ہیں جن کی شرح مقصود ہے۔

میں عرصے(سے)''نور اللغات'' کی تلاش میں ہوں۔اگر کوئی صاحب آپ کی نظر میں ہوں جو فروخت کرنا چاہیں تو منھ مانگے دام دوں گا۔

آپ کا

شمس الرحمٰن فاروقی

*۔اس طرح کی ایک تجویز طباطبائی نے پیش کی تھی،شاید آپ کو خیال ہو۔

(5)

Post Master General
Patna -800001
23 اگست 1988ء

خان بابا،سلام علیکم۔میں نے دلّی کیا چھوڑی آپ نے پٹنہ آنا جانا ترک کر دیا۔ہم نہ یہاں کے رہے نہ وہاں کے رہے۔خیر،خدا کرے آپ اچھی طرح ہوں۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے آپ نے''تفہیم غالب'' چھاپنے کی سلسلہ خیالی کی تھی،کیا وہ امکان اب تک باقی ہے؟ میرا کام پورا ہو گیا ہے۔کوئی ڈھائی سو شعر معرض بحث میں آئے ہیں۔کتاب کوئی چار سو صفحے کی ہوگی۔اگر انسٹی ٹیوٹ چھاپنا چاہے تو میں ستمبر کے آخر تک حتمی طور پر مسودہ حاضر کر دوں گا۔آپ کی طرف سے ضابطے کا خط آ جائے تو میں کام میں لگ

جاؤں۔ (مراد یہ ہے کہ پریس کے لیے مسودہ تیار کرنا شروع کروں) موجودہ صورت میں کتاب کے مطالب ''شب خون'' میں شائع شدہ عبارت سے خاصے مختلف ہیں۔یعنی میں نے جگہ جگہ اضافہ اور کتر بیونت کی ہے، گویا نئی کتاب تیار ہوئی ہے۔

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی

(6)

عظیم آباد[8]

19 ستمبر 1988

خان بابا،سلام علیکم۔آپ کا خط ملا۔شکریہ میں کتاب کا منتظر تھا کہ اب تو اس کی رسید بھی لکھ دوں۔ کتاب چند دن ہوئے ملی۔ بہت بہت ممنون ہوں۔

سب سے پہلے تو اپنی آنکھ کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔کیا دونوں آنکھوں میں برابر کا موتیا بند ہے!ابھی آپ کی عمر تو اتنی نہیں ہوئی کہ موتیا بند اتنی ترقی کر گیا۔کیا کسی ڈاکٹر سے مشورہ کیا ہے؟ آپریشن کب تک ہوگا؟ مجھے بڑی تشویش ہے جلد مفصل لکھیے۔

آنکھوں کی ایک دوا ITONE نام کی آیورویدک والوں نے بنائی ہے۔ان کا تو دعوا ہے کہ موتیا بند اس میں کھل جاتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ علم بصری صحت اور نگہداشت کے لیے لاجواب دوا ہے۔آپ صبح شام دوا ضرور ڈالیں۔ان شاءاللہ اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔

یہ معلوم کر کے مایوسی ہوئی کہ انسٹی ٹیوٹ کی اس کمیٹی میں آپ اب نہیں ہیں جو اشاعت کا کام دیکھتی ہے۔کامل بے چارے سخت ناقص ہیں اور شاہد سے مجھے زیادہ اُمید نہیں کہ وہ مستعد ہوں گے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ کتاب کہیں اٹک کر رہ جائے اور میری سالوں کی محنت پر پانی پھر جائے۔میں شاہد کو خط لکھ کر دیکھتا ہوں کہ کیا جواب آتا ہے۔اس درمیان آپ سے ملنا ہو تو ان سے کہہ دیجیے گا۔یہ بھی لکھیے کہ میں اس بات کو کس طرح آگے بڑھاؤں یعنی وہ کیا ترا کیب اختیار کروں کہ مسودہ کے پڑے رہ جانے یا گم ہو جانے کا امکان نہ رہے۔

''فسانۂ عجائب'' اور ''باغ و بہار'' کا بے چینی سے منتظر ہوں۔آپ نے تو کئی لوگوں کی کئی عمروں کا کام ان دو کتابوں میں اکیلے ہی کر ڈالا ہے۔آپ کی تلاش بھی اور علمی لیاقت بھی ایک دوسری کا جواب ہیں۔

''تلاش و تعبیر'' بہت دل چسپی سے پڑھی۔وہ سب مضمون بھی جو میں پہلے پڑھ چکا

تھا۔ جوش کے بارے میں آپ کی رائے سے میں پوری طرح متفق ہوں۔ فیض کے بارے میں ہم آپ کم و بیش ہم خیال ہیں۔ جدید شاعری میں استعارے اور تشبیہ کے استعمال پر آپ کے اور میرے خیالات میں اختلاف ہے۔ جعفر زٹلی پر آپ نے بہت عمدہ لکھا ہے۔ مومن والے مضمون میں آپ نے مندرجہ ذیل عبارت واوین میں لکھی:

شعر میں معنی آفرینی سے مراد یہ ہے کہ مانوس یا عامتہ الورود باتوں میں نئے پہلو نکالے جائیں۔ یا ان کو نئے پہلو سے دیکھا جائے۔'' (صفحہ 177) واوین کے باعث گمان گزرتا ہے کہ آپ نے کسی کا قول نقل کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو از راہِ کرم صراحت فرمایئے کہ کس کا ہے۔

آپ کا

شمس الرحمٰن فاروقی

(7)

8 جنوری 1990ء

خان بابا، سلام علیکم۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ آپ کی محنت، لیاقت، سوجھ بوجھ اور سعی و تلاش کی داد دینا حد امکان سے باہر ہے۔ ''فسانۂ عجائب'' پر آپ کے رشحاتِ قلم دیکھتا ہوں اور عش عش (اش اش) صحیح کرتا ہوں۔ متن کو آپ نے جس طرح اور جس دقت نظر سے پیش کیا ہے وہ الگ لائق تحسین ہے۔ ہمت چھوٹ جاتی ہے کہ اور لوگ ایسا کام کس طرح کر پائیں گے؟

بعض بعض جگہ مجھے آپ کے نتائج اور طریق کار سے خفیف سا اختلاف ہے۔ لیکن اگر اتنی بھی چٹنی نہ ہو تو کھچڑی کا مزہ کیا؟

مبارک باد صد مبارک باد۔

دوسری بات یہ کہ گل کرسٹ کے دیباچے کے بارے میں مجھے غلط یاد تھا۔ جس عبارت کا میں نے ذکر کیا تھا وہ خلیل علی اشک کے بارے میں ہے اور ''باغ و بہار'' کا دیباچہ نہیں ہے۔ دیباچے کے لیے میں نے اب بعض لوگوں سے کہا ہے کہ اگر ان کی دسترس میں پورا دیباچہ ہو تو مطلع کریں۔

آپ کی آنکھوں کا اب کیا حال ہے؟ اُمید ہے آپ میرا خط پڑھ سکیں گے۔ بد خطی کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ کا

شمس الرحمٰن فاروقی

نیر مسعود آئے تھے۔ایک دن ایک رات میں تھوڑی سی ملاقات مجھ سے ہوئی کیوں کہ میں ان کو اپنے یہاں لے آیا تھا۔فسانۂ عجائب دکھائی۔انھوں نے بھی حسب توقع بہت داد دی۔

شمس الرحمٰن فاروقی

(8)

10 فروری 1990 [12]

خان بابا سلام علیکم۔مولانا آزاد کی نثر پر آپ کا مضمون [13] مل گیا۔بہت عمدہ مضمون ہے،اس معاملے میں آپ کے میرے خیال تقریباً بالکل ہم آہنگ ہیں۔مضمون کے لیے شکر گزار ہوں۔ اس کو اشاعت کے لیے رکھ لیا ہے۔ایک بات مگر آپ کی فوری توجہ چاہتی ہے۔مضمون کا حصہ دوم جہاں شروع ہوتا ہے وہاں کی عبارت چھوٹ گئی ہے۔پہلے صفحے پر عبدالرزاق ملیح آبادی کا اقتباس ہونا تھا، وہ نہیں ہے۔دوسرا صفحہ بھی بے ربط ہے۔از راہِ کرم تصحیح کر دیں۔

''تفہیم غالب'' [14] معلوم نہیں آپ کی نظر سے گزری کہ نہیں۔اگر شاہد نے مجھ سے پوچھا کہ کیا رائلٹی کے بدلے یک مشت رقم مجھے قبول ہوگی؟ میں نے کہا ہاں، بل کہ یہ صورت میرے لیے بہتر ہے۔آج اس بات کو کئی مہینے ہو گئے لیکن انھوں نے کچھ لیا دیا نہیں۔میں تین چار بار کہہ چکا وہ ہر بار کہتے ہیں آج کل میں کام ہو جائے گا۔اب مجھے مزید کہتے شرم آتی ہے۔آپ مشورہ دیں کہ اس باب میں کیا کیا جائے؟ اُمید ہے آپ کی آنکھیں اب بہتر ہوں گی۔

آپ کا

شمس الرحمٰن فاروقی

(9)

2 اگست 1990 [15]

خان بابا سلام علیکم

کل شام کو 'کتاب نما' میں آپ کو گوشے میں نمایاں دیکھا تو یہ بات شدت سے یاد آئی کہ میں نے حسب وعدہ آپ کو خط نہیں لکھا ہے۔داستان سے متعلق میرے کاغذات تین چار بستوں میں بندھے ہوئے ہیں۔ان میں کسی کاغذ کو تلاش کرنا مشکل ہے۔اور جب بستوں کو کھولتا ہوں تو رنج ہوتا ہے کہ کئی برس کی محنت اور تلاش اور فکر کے باوجود میں ابھی داستان کے بارے میں کہنے پر خود کو آمادہ نہیں پاتا۔

بہر حال، شرمندگی سے عرض کرتا ہوں کہ گل کرسٹ کی وہ تحریر جسے میں پہلے ''باغ و

بہار'' کے دیباچے کا حصہ کہہ رہا تھا اور بعد میں آپ سے اس کے بارے میں کہا کہ وہ میر امن کے بارے میں ہے، دراصل خلیل علی اشک کے بارے میں ہے۔ لاحول ولاقوت۔ نامحقق ہونے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ میں نے پڑھا اور محفوظ کیا کچھ یاد رکھا کچھ۔ آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔

''باغ و بہار'' کی جو مختصر جھلک کتاب نما میں ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فسانۂ عجائب سے بھی آگے بڑھ جائیں گے۔ (اگر ایسا ممکن ہے) مجھ ہیچ مداں کا ذکر بھی آپ نے ولزلی کے تلفظ سے بحث کرتے ہوئے کیا ہے۔ اس دوست نوازی کا شکریہ۔

''کتاب نما'' سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ان دنوں کلاسیکی شعریات کی طرف خاص طور پر متوجہ ہیں۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں بھی کئی برس سے کلاسیکی غزل کی شعریات مرتب کرنا چاہتا ہوں۔ اس موضوع پر بہت غور وخوض کیا ہے۔ لیکن ابھی لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔

گوشہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا گوشہ نکل رہا ہے تو میں بھی اس میں لکھتا۔ کبھی اور سہی۔

مندرجہ ذیل اشعار کے بارے میں آپ کی مدد درکار ہے۔ جلدی کوئی خاص نہیں۔ ایک آدھ مہینے میں جب بھی آپ کو فرصت ہو۔

پرانے اساتذہ کے دیوان رکلیات کے بارے میں میری درخواست کا خیال رکھیں۔ آپ سے جو وظیفے کے بارے میں گزارش کی تھی اس پر آپ نے غور کیا؟

آپ کا
شمس الرحمٰن فاروقی

مندرجہ ذیل شعروں کے حوالے درکار ہیں۔

(1) گر چہ یک سرد بہ رعنائی آں قامت نیست
چوں کہ تقطیع کند مصرع موزوں گرد — محمد قلی سلیم

(2) غضب ہے کہ سر باندھا اس پری کے قد گگروں کو
یہ کس شاعر نے ناموزوں کیا مصرع دو سروں کو — ناسخ

(3) باغ میں تقطیع اس سرد رواں کی دیکھ کر
سرد کا مصرع مری نظروں میں ناموزوں ہوا — ناسخ

(4) اختر ہیں کہ معنویاں چوں نوشتہ اند
الفاظ را نگندہ و مضموں نوشتہ اند — طالب آملی

(5) لفظے کہ تازہ است بہ مضمون برابر است — طالب آملی
(پورا شعر درکار ہے)

(6) تن شعلہ ہائے غم سے ہوا خاک اے نسیم
دیکھیں گے استخواں نہ ہمارے ہما کے ناز — اصغر علی خاں نسیم دہلوی

(7) پڑا ہنگامہ ہے شاید ہمارے استخوانوں پر
ہوا جھگڑا ہما میں اور سگان کوے دلبر میں — سید محمد خاں رند

(8) تلخی فرقت تھی جو بے حد نہ ہرگز کھا سکا
ہڈیاں مری مگر جاناں چبا کر رہ گیا — سطوت لکھنوی شاگرد لطافت لکھنوی

(9) اے محتسب نہ پھینک مرے محتسب نہ پھینک
ظالم شراب ہے ارے ظالم شراب ہے — ریاض خیرآبادی

(10) چلے بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھہرے گا — مصحفی

(11) موزوں قد اس کا چشم کی میزاں میں جب کھلا
طوبیٰ تب اس سے ایک قدم ادھ کسا ہوا — شاکر ناجی

فضل الحق کے مرتبہ دیوان میں یہ شعر یوں ہے:

موزوں قد اس کا چشم کی میزاں میں جب کھلا
طوبیٰ تب اس میں یک قد آدم کسا ہوا

مندرجہ بالا صورت میں یہ شعر بے معنی ہے۔ زحمت دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

شمس الرحمٰن فاروقی

(10)

لکھنؤ [۱۶]

20 جولائی 1992

خان بابا، سلام علیکم۔ آپ کی بیماری کے بارے میں خبر اس زمانے میں ملی جب میں خود

خاصا بیمار تھا۔ دوستوں کے ذریعے آپ کی پرسش حال کرتا رہا۔ پھر میں خود آپریشن کے مرحلے سے گزرا۔ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ تندرست ہیں۔

''باغ و بہار'' نے باغ و بہار کر دیا۔ جگہ جگہ سے غور سے پڑھا، جگہ جگہ ذرا تعجیل سے گزرا آپ کی تلاش، نکتہ دانی، نکتہ رسی، زبان فہمی، ہر چیز اپنی مثال آپ ہے۔ مجھ حقیر کے لیے کا بھی آپ نے تذکرہ کر دیا۔ آپ کی محبت ہے۔ اُردو اکیڈمی کے ایوارڈ کی خبر نے دل خوش کیا۔ مبارک ہو۔

اب جب آپ کو خط لکھ رہا ہوں تو دو چار چیزیں آپ سے پوچھ کیوں نہ لوں۔ مندرجہ ذیل فقرے میرؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتے۔ اکثر لغات بھی اس سے خالی ہیں۔ کیا آپ نے کہیں اور انھیں دیکھا ہے؟ اور ان کے معنی کیا ہیں؟

اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغ وقف
مخلوق جب جہاں ہیں نسیم و صبا نہ تھی

(اوّل)

وصل کیوں کر ہو اس خوش اختر کا
جذب ناقص ہے اور طالع شوم

(ششم)

اور جگہ اسے بھی لکھا ہے جلد کرتا تھا رات (چراغ وقف) زمن ہے۔ دیوان دوم مثنوی ''جوش عشق'' میں بھی ہے (خوش اختر) یہ دیوان اوّل میں نہیں ہے، مطلع کا مصرع ہے:

کس حسن سے کہوں میں اس کی خوش اختری کی
لڑکی کو نیک اختر کہتے ہیں، معشوق کو خوش اختر کہنا

یعنی چہ؟

بے پیچ

اس کو کی تو دل آزاری بے پیچ ہی تھی یارو
تقصیر نظر آئی (اوّل)

ایک اور جگہ بالکل مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے:

ہم مست عشق واعظ بے پیچ بھی نہیں ہیں
غافل جو بے خبر ہیں کچھ ان کو بھی خبر ہے

(اوّل)

دولت سے (یعنی بہ دولت)

امیر زادوں سے دلی کے مل نہ تا مقدور
کہ ہم فقیر ہوئے ہیں انھیں کی دولت سے

(اوّل)

ایک جگہ اور استعمال کیا ہے۔ ردیف و قافیہ ہے ''دولت سے ہم'' (دیوان دوم) میں تقریباً تمام لغات دیکھ چکا ہوں۔ یہ فقرے یہاں تو نہیں ملے، یا اگر ملے بھی (مثلاً بے پیچ اور خوش اختر) تو اطمینان نہ ہوا۔

زحمت دی اور بد خطی کی معافی چاہتا ہوں۔

آپ کا شمس الرحمٰن فاروقی

(11)

202 Dak Bhawan
New Delhi 110001
25 نومبر 1993[18]

خان بابا سلام علیکم۔ اُمید ہے مزاج بہ خیر ہوگا۔ آپ کی صحت کے بارے میں فکر لگی رہتی ہے۔

نثار احمد فاروقی[19] کا جواب آپ نے خوب لکھا۔ تفصیل سے دو بار پڑھ کر اگر کوئی بات ذہن میں آئی تو عرض کروں گا۔

محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' کے ناسخ کے ذکر میں شروع ہی میں لکھا ہے کہ حکیم مہدی جب شہر بدر ہوئے تو ناسخ نے تاریخ کہی جس کا مادہ ہے:

کاشوبرائے پنجتن شلغم گریختہ

یہ لفظ کاشو کیا ہے؟ کسی لغت میں نہیں ملا اور نہ قرینے سے معنی سمجھ میں آتے ہیں آپ رہنمائی کریں۔ اگر کلیات ناسخ آپ کے سامنے ہو تو دیکھیں کہ اس میں یہ لفظ ایسے ہی ہے یا کچھ اور۔ پھر مصرع بھی پوری طرح واضح نہیں ہوتا کہ بات کیا ہوئی۔ ممکن ہے پورے قطعۂ تاریخ سے کچھ معلوم ہو۔

مزید یہ کہ یہ مصرع تو مادۂ تاریخ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ (آزاد نے پورے مصرعے کا مادہ لکھا ہے) ''ہاں گریختہ'' سے ضرور 1235 نکلتے ہیں جو قرین قیاس ہے۔ اگر پورا قطعہ لکھ بھیجیں تو ممنون ہوں گا۔

آپ کا شمس الرحمٰن فاروقی

گریختہ

گ	020
ر	200
ی	010
خ	600
ت	400
ہ	005
	5

نوٹ: کا شو برائے پنجتن سطح کو لکھ کر کاٹا گیا ہے۔

حواشی:

۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔ خط کے دائیں جانب دفتر کا پتا انگریزی میں تحریر ہے۔ ساتھ ہی روز مرہ میں استعمال ہونے والے اشعار اور محاورات کی تشریح، تحقیق کی روشنی میں دریافت کی ہے۔ خط کے دائیں حاشیے پر گول دائرے کے نشان بنا کر وضاحت طلب کی گئی ہے۔

۲۔ فاروقی صاحب نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔

۳۔ فاروقی صاحب ''عش عش'' کو ''اش اش'' پر ترجیح دیتے تھے۔

۴۔ یہ خط ان لینڈ لیٹر میں لکھا گیا ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں:

Janab Rasheed Hasan Khan,T.C-9 Gwyer Hall,
Delhi University,Delhi 110009

لکھا ہوا ہے۔ خط پر نویں ایشین کھیل 1982 دہلی کا logo بنا ہوا ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 21-9-82 ثبت ہے۔ مہر کے نیچے مہاتما گاندھی کی تصویر کے ساتھ ہندی اور انگریزی میں ان کا مشہور قول:

UNTOUCHABILITY IS A CRIME AGAINST GOD AND MAN لکھا ہوا ہے۔

۵۔ فاروقی صاحب نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں:

Janab Rasheed Hasan Khan, t.c-9 Gwyer Hall,
Delhi University,Delhi 110009

لکھا ہوا ہے۔ مہاتما گاندھی کی تصویر کے ساتھ ہندی اور انگریزی میں ان کا مشہور قول:

UNTOUCHABILITY IS A CRIME AGAINST GOD AND MAN لکھا ہوا ہے۔

٦۔ شمس الرحمٰن فاروقی ایک مدت سے ''رسالہ شب خون'' میں مرزا غالب کے منتخب اشعار کی شرح شائع کررہے تھے۔انھوں نے غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی اور خاں صاحب سے رجوع کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ ''تفہیم غالب'' کتابی صورت میں شائع ہو۔

٧۔ اس خط کو شمس الرحمٰن فاروقی نے ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں لکھا ہے۔

٨۔ اس خط کو بھی ان لینڈ لیٹر میں لکھا گیا ہے۔اور رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں درج ہے۔

٩۔ کتاب سے مراد ''تفہیم غالب'' ہے۔فاروقی صاحب چاہتے تھے کہ یہ کتاب غالب انسٹی ٹیوٹ سے جلد از جلد شائع ہو جائے۔

١٠۔ اس خط کو بھی فاروقی صاحب نے ان لینڈ لیٹر میں لکھا اور خاں صاحب کا پتا انگریزی میں سابقہ خطوط کی طرح ہی لکھا ہے۔اس خط میں ڈاک ٹکٹ کے طور پر انگریزی میں SHAMSUR REHMAN FARUQI لکھا ہے۔

١١۔ فاروقی صاحب کو اش اش کے املا میں خاں صاحب سے اختلاف تھا۔انھوں اسے عش عش لکھنے پر زور دیا ہے۔دراصل اُردو میں ''اش اش''ایک عام مستعمل ترکیب ہے۔عموماً اسے ''عش عش'' لکھا جاتا ہے۔ڈاکٹر رؤف پاریکھ اور دوسرے کئی صاحب نظر نے ''اش اش'' کو صحیح تسلیم کیا ہے۔فرہنگ آصفیہ میں سید احمد دہلوی نے لفظ ''عش عش'' کے بارے میں لکھا کہ یہ لفظ عربی اشاش تھا جس کے معنی شادی یعنی خوشی منانے کے ہیں۔اُردو والوں نے اسے بگاڑ کر اش اش کر لیا اور یہاں تک کہ ہاتھ صاف کیا کہ عین سے عش عش لکھنے لگے اور اپنے ذہن میں خلافِ قاعدہ عیش اس کا ماخذ بھی قرار دے لیا حالاں کہ ''عش عش'' کے معنی گھونسلے کے ہیں۔''یہی بات احسان دانش نے بھی لکھی ہے کہ اس کا صحیح املا ''اش اش'' ہے۔رشید حسن خاں نے بھی ''عش عش'' کے بجائے ''اش اش'' کو ترجیح دی ہے۔انھوں نے حوالے کے طور پر ناسخ کا درج شعر پیش کیا:

ہم سفر وہ ہے جس پہ جی غش ہے
دشتِ غربت مقام اش اش ہے

خاں صاحب نے یعقوب میرا مجتہدی کے نام 18 نومبر 2004 کو لکھے خط میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ ''اُردو کے بڑے لغات میں ''اش اش'' کو درست لکھا گیا ہے اور میں اسی کو ترجیح دیتا ہوں۔''

لیکن شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی کتاب ''لغات روزمرہ'' میں ''اش اش'' اور ''عش عش'' پر باقاعدہ تنقیدی اور تحقیقی بحث کی ہے۔انھوں نے اپنے دلائل سے ''اش اش'' کی بجائے ''عش عش'' لکھنے کو درست قرار دیا۔فاروقی صاحب کا مضمون ملاحظہ کیجیے:

اَش اَش

اوّل سوم مفتوح ۔ بہت سے علما کا خیال ہے کہ اس لفظ کا املا ''عش عش'' غلط ہے۔ کیوں کہ یہ عربی نہیں ہے، اور حرف عین ''ہندی'' میں نہیں ہے۔ اور باتوں سے قطع نظر کہ ہماری گفتگو ''اُردو'' زبان سے ہے، اس میں ''ہندی'' کی سند لانا درست نہیں، اُردو کے حروف تہجی میں عین شروع سے شامل ہے۔ وہ چاہے جہاں سے آیا ہو، لیکن وہ ہے اُردو کا حرف، اور اُردو کو اختیار ہے کہ وہ اسے استعمال کرتے ہوئے نئے لفظ بنائے یا کسی پرانے لفظ کا املا عین سے متعین کرے۔

جناب رشید حسن خاں اور ان کے تتبع میں جناب عبدالرشید نے ''سحر البیان'' اور ''فسانۂ عجائب'' کے حوالے سے اس لفظ کو ''اَش اَش'' لکھا ہے، کیوں کہ ان کے مطابق ان دو کتابوں میں یوں ہی درج ہے: اَش اَش۔'' لیکن یہ قیاس مع الفاروق کی مثال ہے۔ وہ ''سحر البیان'' اور ''فسانۂ عجائب'' کے مصنفین نہیں، بل کہ ان کے کاتبوں کی سند پر اس لفظ کو 'اَش اَش' کہہ رہے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ لغاتِ مثلاً ' آصفیہ'' اور ''نور' کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ وہاں بھی 'اَش اَش' ہی لکھا ہے۔ لیکن صاحبان لغت تو ''ہے'' نہیں، بل کہ ''چاہیے'' پر عمل کرتے ہیں، لہٰذا یہ سب استدلال بے معنی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارا معاملہ عربی یا ہندی سے نہیں، بل کہ اُردو سے ہے۔ اب یہ محض اتفاق ہے کہ اُردو کے جن لفظوں میں عین ہے، وہ اکثر وبیش تر عربی سے آئے ہیں۔ لیکن یہ بات خیال میں رکھیے کہ وہ لفظ کبھی عربی سے لیے گئے ہوں گے، لیکن اب اُردو کے لفظ ہیں۔ بہت سے لفظوں کے معنی بدل گئے ہیں، ان کو استعمال کرنے کے نحوی قاعدے عربی سے مختلف ہیں، اور تلفظ تو تقریباً ہر لفظ کا بدل گیا ہے۔ لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ جو حروف اصلاً عربی کے ہیں ان سے کوئی اُردو لفظ نہیں بن سکتا۔ آخر عربی کے حرف بھی تو عبرانی سے لیے گئے ہیں اور اس سے عربی لفظ بنائے گئے ہیں۔ یہ تو ہر زبان کا طریقہ ہے کہ غیر زبانوں سے لفظ، یا حرف، یا دونوں ہی مستعار لیے جاتے ہیں اور پھر انھیں اپنا لیا جاتا ہے۔

''عش عش'' کو عربی نہ ہونے کی بنا پر 'اَش اَش'' کی موافقت میں مسترد کرنا اپنی زبان کے ساتھ بے انصافی کرنا ہے۔ آخر علیٰ حدہٖ کو ہم لوگوں نے

''علیحدہ/علٰیحدہ/علاحدہ'' کی انوکھی شکلیں اور تلفظ دے دیے اور معنی بالکل ہی بدل دیے۔ تشنیع کو ''تشنا'' اور طعن و تشنیع کو ''تانا تشنہ'' بنا ڈالا۔ ''طمانیت'' جیسا فرضی لفظ گھڑ لیا، حالاں کہ عربی میں ''طمانیت'' ہے اور ANGLO ARABIC COLLEGE کو ''اینگلو عربک کالج'' کہا۔ ہم لوگوں نے انگریزی ARABIC کو اُردو میں لیا اور اس میں عین بھی ڈال دیا حالاں کہ انگریزی میں عین کا وجود نہیں۔ ہم نے فارسی ''شان'' سے عربی کے طرز پر ''تشنین'' بنا لیا۔ صَلٰواۃ جیسے مقدس اور پاکیزہ لفظ کو ہم نے ''صلواتیں'' کر کے ''گالیاں، سخت سست باتیں'' کے معنی دے دیے، تو کیا ہم ''عش عش'' جیسا لفظ بنانے کا اختیار نہیں رکھتے؟

اگر استدلال یہ ہے کہ ''ہندی'' لفظ میں عربی حرف نہیں آ سکتے، تو پھر مفلوک الحال'' اور ''ماتحت'' کو بھی چھوٹی ہ سے کیوں نہ لکھا جائے کہ وہ بھی تو آخر ''ہندی'' لفظ ہیں؟ تیسری اور آخری بات یہ کہ اگرچہ ''عش عش'' عام لغات میں نہیں ملتا، لیکن جو لوگ ملک عرب میں مدتوں رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اہلِ عرب جب کسی بات پر تحسین یا استعجاب کا اظہار کرتے ہیں تو اکثر ''عش عش!'' کہتے ہیں۔ اُردو میں بھی یہی محاورہ ہے، ''عش عش کرنا''، ''عش عش کہہ اُٹھنا۔''

اس بحث کی روشنی میں یہی فیصلہ درست ہے کہ ''عش عش'' کو صحیح اور ''اَش اَش'' کو غلط قرار دیا جائے۔ جناب عبدالرشید کی یہ سفارش کچھ بہت زیادہ معنی نہیں رکھتی کہ دونوں کو درست مان لیا جائے۔ ہم اپنی اُردو صرف اس لیے کیوں بگاڑیں کہ محض لوگوں کو ضد ہے کہ ہم وہی لکھیں اور بولیں گے جو عربی کتابوں سے ثابت ہو؟ ''اَش اَش'' ابھی رائج نہیں ہوا ہے۔ اسے ٹکسال سے باہر کرنا چاہیے۔''

(لغات روزمرّہ، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 2011، ص 68 تا 69)

۱۲۔ یہ خط بھی ان لینڈ لیٹر میں لکھا گیا ہے۔ سابقہ خطوط کی طرح خاں صاحب کا پتا انگریزی میں درج ہے۔ اس خط میں بھی ڈاک ٹکٹ میں SHAMSUR REHMAN FARUQI لکھا ہوا ہے۔

۱۳۔ فاروقی صاحب رسالہ شب خون میں مولانا ابوالکلام آزاد کے حوالے سے لکھا گیا خاں صاحب کا مضمون چھاپنا چاہتے تھے۔ بعد میں رشید حسن خاں نے اس مضمون کو اپنی کتاب 'تفہیم' اشاعت دسمبر 1993 میں 'مولانا آزاد کا اُسلوب' عنوان سے صفحہ 9 تا 36 شامل کیا۔

۱۴۔ ''تفہیم غالب'' کو 1989 میں غالب انسٹی ٹیوٹ نے شائع کیا۔ اس میں فاروقی صاحب نے

138 اشعار کی تشریح کی ہے۔

۱۵۔ فاروقی صاحب نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔ شعر والا حصہ الگ کاغذ پر موٹے قلم سے لکھا گیا ہے۔ اس خط میں ''کتاب نما'' کے گوشۂ رشید حسن خاں (اگست 1990، جلد 30۔ شمارہ 8) پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس خاص گوشے میں لکھنے والوں میں شمس الحق عثمانی، مخمور سعیدی، شمیم حنفی، انور خاں، اطہر فاروقی، تنویر احمد علوی، انتظار حسین، نیر مسعود، خلیق انجم اور حسن امام وغیرہ کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔

۱۶۔ اس خط کو فاروقی صاحب نے سادے کاغذ پر لکھا ہے۔

۱۷۔ رشید حسن خاں کی مرتب کردہ کتاب ''باغ و بہار'' انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے 1992 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مقدمے میں خاں صاحب نے اُن تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے اس کتاب کی ترتیب میں ان کا علمی وادبی تعاون کیا۔

۱۸۔ اس خط کو فاروقی صاحب نے ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں لکھا گیا ہے۔ خط کی پشت پر شمس الرحمٰن فاروقی انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔

۱۹۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے رشید حسن خاں کی مرتبہ کتاب ''فسانۂ عجائب'' پر رسالہ آج کل نئی دہلی، شمارہ 52، جلد نمبر 4، بابت نومبر 1993 ص 3 تا 15 میں ''فسانۂ عجائب پر ایک نظر'' مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون کا جواب رشید حسن خاں نے رسالہ آج کل، دسمبر 1993، ص 34 تا 47 ''فسانۂ عجائب پر ایک نظر، میرے معروضات'' عنوان سے مضمون لکھ کر دیا تھا۔

❁❁❁

شان الحق حقی بہ نام رشید حسن خاں

17/اے، خیابان تنظیم، ڈیفنس سوسائٹی،[1]
کراچی-6
4 جولائی 1975

مشفق و مکرم رشید حسن خاں صاحب، تسلیم

آپ کا الطاف نامہ مجھے کسی قدر دیر سے پہنچا۔اس کے بعد کتاب[2] کا انتظار کیا، وہ بھی مل گئی اور میں اسے تفصیل سے بل کہ یہ کہیے کہ سبقاً سبقاً پڑھ رہا ہوں ۔اس اثنا میں متعدد بار دوروں پر جانا ہوا۔اور بہت سے ذہنی اُلجھاوے ایسے رہے کہ اب تک آپ کی خدمت میں رسید بھی ارسال نہ کر سکا۔ بڑی کوتاہی ہوئی۔ بہت نادم ہوں ۔اُمید ہے آپ درگزر فرمائیں گے۔

آپ کا خط پا کر جو خوشی ہوئی اس کا اظہار اب کروں تو آپ تکلف سمجھیں گے۔ کیوں کہ اس کا تقاضا تو واقعی یہ تھا کہ فوراً تمام ذہنی مصروفیات کو بھول کر آپ کو خط لکھتا۔آپ یقین مانیں کہ ہوا بھی ایسا ہی تھا۔ چند سطریں لکھنے پایا تھا کہ پھر کوئی کام سر پر سوار ہو گیا۔اب وہ پرچہ معلوم نہیں کہاں ہے۔ایک دفتر میں یا دوسرے دفتر میں۔ بہر حال اس وقت موجود نہیں۔اور اتفاق سے آپ کی کتاب بھی سامنے نہیں، یہ میرے ساتھ دفتر آتی جاتی ہے۔ بہت سے لوگوں کو اس کی زیارت کرا چکا ہوں ۔موضوع کی اہمیت اور اس پر آپ کے نہایت معقول اور فاضلانہ مقالات سے قطع نظر لوگ اس کی ہیئت وصورت اور طباعت کی نفاست کے بھی مداح ہیں۔ بہت بہت مبارک باد! آپ نے کئی اُلجھی ہوئی بحثوں کا نہایت خوبی سے سرانجام کیا ہے۔ یہ مسئلے واقعی اب حل ہو جانے چاہئیں اور عین اسی طرح جیسا کہ آپ نے تجویز کیا ہے۔ مجھے آپ کے محاکمات سے عموماً بہت اتفاق ہے۔ چند جزوی باتیں ایسی ہیں جن پر شاید اختلاف ملتا ہے۔ عادتیں مشکل سے بدلتی ہیں۔ میرے خیال میں بعض الفاظ کو ملا کر لکھنے کا رواج بالکل متروک نہ قرار دیا جائے تو کوئی ہرج نہیں (یا حرج نہیں؟) جیسے کہ چنانچہ، حالانکہ، چہ جائیکہ، دستگیری، عالمگیر، غمخوار، ہمراز، خاکسار، طالبعلم جانہار، دلبر، خوبصورت، آپ کے ذہن میں خود اس کی بہت سی مثالیں ہوں گی۔ انگریزی

میں بھی آج کل مرکبات کو ملا کر لکھنے کا رواج ہے۔ جب تک کہ ایک مرکب لفظ بہت ہی طویل نہ ہو جائے، جیسے کہ بعض جرمن cumpounds ہوتے ہیں۔اس کے اجزا کو ملا کر لکھنے میں دقت اور زحمت کی بچت ہے۔ پھر بغیر اجزا اس طرح یکجان ہو جاتے ہیں کہ ان کے اشتقاق یا ترکیب کو واضح کرنا سوائے تکلف کے کوئی فائدہ نہیں رکھتا۔ ہماری زبان کی ایک خوبی یہ ہے کہ تحریری جگہ کم گھیرتی ہے۔اس خوبی کو برقرار رکھنا چاہیے۔ خیر، یہ ایک معمولی سا نکتہ ہے۔ دوسرے اہم مسائل طے ہو جائیں تو اس معاملے میں تھوڑی بہت variation منہداں مضائقہ کی بات نہ ہوگی۔اس قسم کی مضحکہ خیز صورت البتہ نہیں پیدا ہونی چاہیے۔ جیسے کے میں نے ایک کتبے میں دیکھی تھی۔ جو خطاطی کا بڑا اچھا نمونہ تھا مگر اس میں حسب ذیل شعر اس انداز میں لکھا ہوا تھا جیسے کہ ذیل میں ہے:

چمنمیںنمستگلر وویابجر ملپیکےجھکےھینگے

نوپا بو سیکو پھر کسکسطر حسیگلبھکینگے

قافیہ مل اور گل ہے ،ردیف :جھکے ہینگے

وقفہ کامل کے لیے یہاں بعض اصحاب نے ٹائپ کی طباعت میں نقطہ یعنی انگریزی کے فل اسٹاپ کو اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، جسے ہمارے بورڈ نے قبول بھی کر لیا ہے۔اتفاق سے اُردو املا پر ایک مضمون ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا لکھا ہوا اُردو نامہ کے تازہ شمارے میں شائع ہوا ہے جو عنقریب آپ کو پہنچے گا۔ یہ شمارہ جو ہمارا پچانواں شمارہ ہوگا جو جبلی نمبر کے طور پر شائع ہونے والا تھا۔ مگر اچانک ہمارے ادارے کے صدر جناب ممتاز حسن نے 28 نومبر کو انتقال کیا۔اب اسے ان کی یاد سے منسوب کیا جا رہا ہے۔اور بہت سے مضامین اس میں شامل کر دیے گئے ہیں۔اس لیے طباعت میں تاخیر واقع ہوگئی۔ فرمان فتح پوری صاحب کا مضمون اتنا مفصل اور جامع ہے، مگر ان کی رائے آپ کی رائے کے عموماً مخالف ہے اب لغت کی طباعت کا آغاز ہونے والا ہے ہم علی العموم اس کتاب کی پیروی کریں گے جو آپ نے مرتب کی ہے اور اس سے کیا آپ کی کاوش کا اعتراف بھی واجب ہوگا۔

ہمارے لغت کی اب گیارہ جلدیں مرتب ہیں۔ پہلی جلد (الف مقصورہ) کی پریس کاپی تیار کر لی گئی ہے،اس میں 1962 سے اب تک بے شمار اضافے اور ترمیمات کی گئی ہیں۔ دوسری جلد کی پریس کاپی تیار ہو رہی ہے۔ارادہ یہ ہے کہ چھ مہینے میں ایک جلد چھپ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اگلی جلد کی پریس کاپی تیار ہوتی رہے۔اس طرح کل جلدیں سات پریس میں تیار ہو جائیں گی۔ ہم عنقریب اپنا پریس لگانے والے ہیں۔اس کی منظوری مل گئی ہے۔ابتدائی کارروائی

کی جا رہی ہیں۔موجودہ حالات میں بہت سے اتار چڑھاؤ آتے رہے۔بہر حال اب حالات موافق ہیں۔

آپ کے اُردو املا کی کارگزاری بھی لائق تعریف ہے۔جو کچھ سننے میں آیا ہے یہی اندازہ ہو پایا ہے۔دیکھنے میں تو ابھی یہی ایک کارنامہ آیا ہے اور یہی اُردو زبان کی تاریخ پر ایک سنگ میل ہے۔حالات کچھ اور موافق ہوں تو آپ حضرات سے ملاقات کی بھی سبیل نکلے۔اُمید ہے گاہے گاہے یاد فرماتے رہیے گا۔آپ کے خطوط خالص آکسیجن کے جھونکے ہیں جو زندگی کی لو کو اکساتے ہیں۔

باقی باقی۔زورِ قلم زیادہ،

مخلص

شان الحق حقی

حواشی:

۱۔ شان الحق حقی صاحب نے اس خط کو اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا۔اس کے لیے انھوں نے تین لیٹر ہیڈ کا استعمال کیا۔بائیں جانب شان الحق حقی کا Logo عربی رسم الخط میں آویزاں ہے۔پہلے اور دوسرے صفحے پر موصوف نے دائیں جانب کے حاشیے پر ترچھی سطور کا استعمال کرتے ہوئے خط کو رقم کیا ہے۔تیسرے صفحے پر ترچھی سطور کا استعمال نہیں کیا گیا۔

۲۔ کتاب سے مطلب ''اُردو املا'' ہے۔شان الحق حقی نے ''اُردو املا'' کی سفارشات کو کافی حد تک تسلیم کر لیا تھا۔

❁❁❁

شاہد احمد دہلوی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

ساقی، کراچی-5/ا

جنابِ مکرم سلام مسنون

11 دسمبر 1964

5 دسمبر کا عنایت نامہ ملا۔ شکریہ۔

آپ میرے خط کے اقتباسات اپنے مضمون میں شامل کر لیجیے تین حوالے اور مل سکتے ہیں:

1۔ ''آج کل'' کے موسیقی نمبر (مطبوعہ اگست 1956) کے صفحہ 86 کالم نمبر 1 کی سطر 7 میں لکھا ہے کہ ''دھر پدئے کا الاپ یا بین کار کا جوڑ وہ ماحول پیدا کر دیتا ہے جو دوسری گائیکوں یا باج نے ابھی تک پیدا نہیں کیا ہے۔'' مضمون نگار ہیں اُستاد رحیم الدین خاں ڈاگر، جن کا کام ہی الاپ کرنا اور دھر پد گانا ہے۔''

2۔ کتاب اسرار کرامت عرف نغماتِ نعمت، مطبوعہ 1908، ص 87 سطر 9: ''ہر راگ کے الاپ کے واسطے تین لَے مقرر کی گئی ہیں۔'' یہ کتاب نعمت اللہ خاں نے لکھی تھی۔ نعمت اللہ خاں دربار نیپال کے گائک تھے۔

3۔ ''سُر سنگیت'' مصنف کنور خالد محمود، عنایت الٰہی ملک، مطبوعہ 1961، ص 77، بین سطر میں لکھا ہے کہ ''کسی بھی راگ کی ادائیگی کے لیے اس کا الاپ جاننا از حد ضروری ہے۔'' الاپ کو مونث بھی بولا جاتا ہوگا، جیسا کہ اُستاد چاند خاں صاحب نے بتایا ہے۔ خاں صاحب سے زیادہ موسیقی کا علم آج کسی کے پاس نہیں ہے۔ بڑے اُستاد بھی چاند خاں صاحب ہی ہیں۔

لکھنؤ والوں کے ہاں عجب تماشا ہے۔ واحد مذکر اور جمع مونث۔ مثلاً گیند مذکر گیندیں مونث۔ لفظ مذکر لفظیں مونث۔ ہوسکتا ہے کہ الاپ مذکر ہو اور الاپیں مونث۔

میر حسن کے شعر میں تو ''سُتھری'' ہی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ مثنوی کا ایک

اڈیشن کبھی مخزن والے شیخ عبدالقادر نے شائع کیا تھا۔ جس کا مقدمہ میرے چچا اشرف حسین مرحوم نے لکھا تھا۔ وہ اڈیشن بہت صحیح چھپا تھا اور اس کا مقدمہ بہت مشہور ہوا تھا۔ اگر وہ کہیں سے مل جائے تو آپ ضرور دیکھ لیجیے۔

میر حسن کے شعر کے مصرع ثانی میں ''تھاپ'' واحد آیا ہے۔ اس کی مناسبت سے مصرع اوّل میں الاپ بھی واحد آیا ہے اس سے پہلے ستھرا ہونا چاہیے اور مونث ہونے کی صورت میں ستھری۔ ''ستھرے'' کا جواز نظر نہیں آتا۔

میں دلّی انھی دنوں میں آنا چاہتا ہوں مگر ہندوستان جانے کے لیے اجازت وزارت داخلۂ ہند سے ملتی ہے۔ بارہ دن بھی لگتے۔ اب تک اجازت نہیں آئی۔ اگر پیر تک اجازت نہ آئی تو مجھے اپنا ارادہ مجبوراً ملتوی کرنا پڑے گا۔ میں چوں کہ ریڈیو پاکستان سے متعلق ہوں اس لیے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اگر دلّی آسکا تو ضرور آپ سے ملوں گا۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

خاکسار

شاہد احمد دہلوی

(2)

ساقی، کراچی-5

30/11/1965

جنابِ مکرم سلام مسنون۔

آپ کا 26 نومبر کا عنایت نامہ ملا۔ شکریہ۔

پیشہ وروں کی زبان پر ''الاپ'' مذکر ہے اور کتابوں میں بھی، اس لیے میں بھی مذکر ہی بولتا ہوں۔

'معارف الفصاحت'' مصنف ٹھاکر نواب علی خاں، جو اُردو کی واحد مستند کتاب ہے اس میں بھی ص 104 پر یہ عبارت درج ہے: '' آج کل الاپ بھی دھرپد کی طرح چار حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔'' میرے پاس اس کتاب کا جو نسخہ ہے اس کا ٹائٹل اور پہلا صفحہ نہیں ہے اس لیے اڈیشن کی نشان دہی نہیں کر سکتا۔ یہ غالباً آخری اڈیشن ہے جو تقریباً چالیس سال پہلے شائع ہوا تھا۔

ایک اور چھوٹی سی کتاب ''ہماری موسیقی'' کے نام سے ادارۂ مطبوعاتِ پاکستان نے شائع کی تھی، کوئی دس سال پہلے۔ اس میں خادم محی الدین صاحب نے ص 35 پر لکھا ہے'' گانے سے پہلے راگ کا الاپ کیا جاتا ہے۔ یہ الاپ، لے اور تال کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔

''الاپ'' مذکر ہی بولا جاتا ہے مگر غیر پیشہ وروں سے مونث بھی سُنا ہے۔ لغت میں شاید اسی وجہ سے دونوں طرح درج کر دیا گیا ہے۔

میرا ارادہ 15 دسمبر کے بعد چند روز کے لیے دلّی آنے کا ہے۔ اگر آ سکا تو آپ کو دلّی پہنچ کر اطلاع دوں گا۔

اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

خاکسار

شاہد احمد دہلوی

حواشی:

۱۔ دونوں خط شاہد احمد دہولی (1906-1967) نے رسالہ ساقی، کراچی کے لیٹر پیڈ پر لکھے ہیں۔ جس پر بائیں جانب ساقی بک ڈپو، کراچی کا logo بنا ہوا ہے۔ اس logo کے درمیان میں ایک رقاصہ سراحی کے سامنے رقص کر رہی ہے۔ لیٹر پیڈ کے مرکز میں ایک گلاس کی تصویر بنی ہوئی ہے جس کی شعائیوں کے ساتھ تتلیاں اُڑ رہی ہیں۔ اس گلاس میں پانی ہے کہ شراب یہ قاری کے اندازے پر منحصر ہے۔ لفظ 'ساقی' اور 'کراچی' اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تحریر ہے۔ شاہد احمد دہلوی کو علم و ادب کے علاوہ موسیقی سے والہانہ شغف تھا۔ وہ ریڈیو لاہور سے وابستہ رہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں ''دلّی کی بپتا''، ''گنجینۂ گوہر''، ''اور فائسٹ''، ''چند ادبی شخصیتیں'' اہمیت کی حامل ہیں۔ موصوف رسالہ ساقی کے مدیر اور دہلی کی ٹکسالی زبان کے پروردہ تھے۔

❁❁❁

شہباز صدیقی امروہوی بہ نام رشید حسن خاں

چاہ غوری، امروہہ

786

مکرمی جناب خان صاحب[1]

سلام مسنون و آداب

آج آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ میری بات کے جواب میں اپنا کچھ قیمتی وقت صرف کرنے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ مثنوی گلزارِ نسیم کے وزن کا آخری رکن کبھی فعولن اور کبھی مفاعیل آتا ہے مرزا یاس نے بھی چراغ سخن میں اس بحر کے یہی دو اوزان یعنی مفعول و مفاعلن، مفعول یا مفاعیل تحریر کیے ہیں اور مندرجہ ذیل شعر کا آخری رکن مفاعیل قرار دیا ہے:

مشکیں زلفوں سے مشکیں کسواؤ

کالے ناگوں سے مجھکو ڈسواؤ

لیکن میرا خیال ہے کہ اس شعر کا آخری رکن مزاحف ہیں بل کہ سالم مفاعیلن ہے یعنی اس رکن میں مقصود محذوف اور سالم تینوں کا اجتماع جائز ہے۔ شیخ سعدؔی کا مندرجہ ذیل شعر ملاحظہ فرمائیے:

از دست تو مشت ہر دہاں خوردن

خوشتہ کہ بد دست خویش ناں خوردن

اسی طرح مثمن بحر میں بھی مفاعیل، مفاعیل کے ساتھ فعولن، مفاعیل اور مفاعیلن تینوں رکن آئے ہیں۔ مثلاً

(1) یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر (2) کس اوج پہ خورشید جہانتاب ہے معمور (3) ناخوشتاز آوازۂ مرگ بدر آوازش۔ ان مثالوں کو پیش نظر رکھ کر نسیم کے مذکورہ بالا شعر کا آخری رکن مفاعیلن قرار دینے میں کیا قباحت ہے اور ''کسواؤ'' کے واؤ کو ہمزہ لگا کے کیوں پڑھا جائے اور اس طرح تقطیع کیوں نہ کی جائے۔

کالے نا مفعولن گو صحیح فاعلن کو ڈسواؤ مفاعیلن۔'' اس مسئلہ میں آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت سعدیؔ کا یہ شعر ''من گرمنھ در برابرسعراۂ ناں، ہچوعزبم بر درحمام زباں''، بحر جرید مطوی میں ہے۔ جس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن متعلق ہے۔ پہلے مصرعے میں دوسرے رکن فاعلاتن کے مقابل میں ''در برابر'' آتا ہے۔ حالاں کہ موقع و محل اس کا متقاضی ہے کہ یہاں برابر کو معاف کی طرح اضافت کے ساتھ برابرسعراۂ ماں یعنی سعرۂ ناں کے برابر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا قصہ ہے، تحریر فرمائیے کہ یہاں کیا فک اضافت کیا گیا ہے اور کیا ایسے مقامات پر فک اضافت صحیح ہے یا یہ بات اہل زبان کے تصرفات کے حکم میں آتی ہے اور دوسرے مصرع میں لفظ عزب عین اور زا کے فتح کے ساتھ ہے اور اس صورت میں یہ فاعلاتن کے وزن پر نہیں آتا بل کہ را کے سکون کے ساتھ مجوعزبم فاعلاتن کے وزن پر موزوں ہوتا ہے کیا یہاں بھی اہل زباں کا وہی تصرف ہے کہ وہ کبھی کبھی دو یا دو سے زیادہ متحرک جمع ہونے پر دوسرے کو ساکن بنا لیتے ہیں جیسے بُکشا سے بُکْشا۔ بشرک سے بشکند۔ عظمت سے عظْمت، شفقت سے شفقّت وغیرہ۔ گلستاں کے بعض نسخوں میں غرب کے بجائے حیز درج ہے اس لفظ سے شعر کا لفظ تو ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن اس سے لفظ گرسنہ کا جواز ٹھیک نہیں بیٹھتا کیوں کہ حیز میں جنسی گرسنگی ہوتی ہی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہاں تو غرب کے بجائے عزب ہے یعنی عین مفہوم اور زائے کے عزب اعزب کی جمع ہے جو عزب کا مرادف ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ میں بھی جو آپ کی رائے ہو اس سے مطلع فرمائیے۔ اپنی جسارت کا معذرت خواں ہوں۔ زیادہ نیاز۔

نیاز کیش

شہباز صدیقی امروہوی

03/09/1962

حواشی:

۱؎ شہباز صدیقی امروہوی نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔ اس خط میں موصوف نے دیا شنکر نسیم کے اشعار اور دیگر شعرا کے اشعار کی تشریح علم عروض کے مطابق رشید حسن خاں سے مطلوب کی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاں صاحب علم عروض پر دسترس رکھتے تھے۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ شہباز صدیقی کا اصل نام سلطان احمد صدیقی تھا۔ ان کا شمار طنز و مزاح کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ان کی مشہور کتابوں میں ''ط ظ''، ''ساز ظرافت'' قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے مداحین نے ان کی شاعری اور شخصیت کے حوالے سے ''آئینۂ شہباز'' اور ''شہباز امروہوی: فن اور شخصیت'' جیسی کتابیں ترتیب دی ہیں۔ مرتب

❁❁❁

ظفر احمد صدیقی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

ماعرفناك حق معرفتك کے سلسلے میں آپ کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن یہ کہ یہ کس کا قول ہے؟ اس کی تحقیق کی میں نے کوشش ضرور کی لیکن مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ میں کسی قدر اس کی تفصیل عرض کیے دیتا ہوں۔

جلال الدین سیوطی نے الجامع الصغیر میں حروف تہجی کی ترتیب سے مشہور احادیث و آثار کے ابتدائی ٹکڑے نقل کرتے ہوئے اُن کے مآخذ کی نشان دہی کی ہے، اس کتاب میں یہ قول مذکور نہیں۔

شمس الدین سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں مشہور اقوال و آثار جمع کیے ہیں اور پھر اُن کے حدیث، اثر یا قول ہونے کی تحقیق کی ہے۔ اس میں بھی ماعرفناك الخ کا ذکر نہیں۔

ملّا علی قاری نے تذکرۃ الموضوعات میں اُن تمام اقوال کو بڑی حد تک جمع کر دیا ہے جن کے بارے میں "حدیث" ہونے کا دعوا کیا گیا ہے، حالاں کہ وہ حدیث نہیں ہیں۔ لیکن زیرِ بحث قول اُن کے یہاں بھی موجود ہے اور اس کے بارے میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ حدیث نہیں بل کہ یحییٰ بن معاذ الرازی کا قول ہے۔

قرآن پاک کی ایک آیت ہے "وما قدر و الله حق قدره" (سورۂ زُمر) یہ خیال آیا کہ ممکن ہے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کسی مفسر نے متذکرہ بالا قول نقل کیا ہو، چناں چہ متقدمین میں حافظ ابنِ کثیر کی تفسیر ابنِ کثیر اور متاخرین میں علامہ آلوسی کی روح المعانی دیکھ ڈالیں، لیکن اُن میں بھی اس کا پتا نہ چلا۔

جرمن مستشرقین کی ایک جماعت نے احادیث کے دس مشہور مجموعوں کا اشاریہ تیار کیا ہے، احتیاطاً اسے بھی دیکھ لیا۔

آیندہ اگر کہیں اس کا سراغ مل گیا تو ان شاء اللہ لکھ بھیجوں گا۔

ظفر احمد صدیقی

(2)

17 مئی 2005

مکرم و محترم

سلام مسنون

گرامی نامہ زرف صدور لایا۔ **بَکَی یَبکی** ماضی اور مضارع ہے۔ ماضی میں با مفتوح ہے، لیکن بُکاء مصدر ہے وہاں با پر ضمّہ ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً **نَصَرَ یَنصُرُ** ماضی مضارع ہے۔ اس میں نون مفتوح ہے لیکن مصدر **نُصرَۃُ** ہے، اس میں نؔ مضموم ہے خلاصہ یہ کہ بُکاء بالضم نہ خلافِ قیاس ہے نہ خلافِ لغت۔ آپ "**فی بُکایك**" بالضم لکھ دیں۔

ہجو دختر مرزا ذوالفقار بیگ کوتوال میں آپ نے متن میں ایک لفظ "لائقہ" لکھا ہے اور حاشیے میں لکھا ہے: "عربی میں: چمکنے والی، چمٹنے والی۔"

میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے مذکورہ معنی "لائقہ" کے نہیں، بل کہ "لاعقہ" کے ہو سکتے ہیں جس سے مُعلق اور متعلق نکلا ہے۔

اسی ضمن میں "ساہدہ" بھی آیا ہے (بہ معنی کم نیند والی، بیدار رہنے والی) اس کا صحیح املا "ساہرہ" ہونا چاہیے، یعنی دال کے بجائے رؔ سے۔

آپ نے جو اوراق بھجوائے ہیں، انھیں بالاستعاب نہیں دیکھ سکا ہوں۔ اس وقت اتفاقاً ص 116 سامنے ہے اس پر عربی میں لکھا ہوا ہے "**توبته النصوحا**" یہ قرآن پاک کی سورۂ تحریم کی آیت 8 ہے۔ اس کا صحیح املا اس طرح ہے "**تَوبَۃً نَّصوحاً**" یعنی نصوحا پر الف لام نہیں ہوگا۔ اسی صفحے پر **ارجلهم الخ** یہ سورہ یٰسین کی آیت 65 کا ٹکڑا ہے۔ حاشیے میں آیت مع ترجمہ کا حوالہ دیں۔

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا

فقط والسلام

ظفر احمد صدیقی

پس نوشت:

ص 24: آواز شیپورہ الخ (...ناموزوں ہے)۔ ایضاً ص 24 صرفِ نظر نہیں کر سکتا"، "نظر انداز نہیں کر سکتا" (تکرارِ غیر ضروری)۔

ص 64: "**یشبہ** کے بجائے یُشبہہ ہونا چاہیے۔ آپ نے اس صفحے پر حاشیے میں کسی لفظ کے معنی نہیں لکھے۔

ص67 والدُ الحرام کے بجائے والدُ الحرام ہونا چاہیے۔اَشرب کے بجائے اِشرب ہونا چاہیے۔
ص68 بھوک گئے الخ اسے دوہے کی طرح لکھنا چاہیے۔
ص69 خوے بدالخ اسے بھی شعر کی طرح لکھنا چاہیے۔
ص72 دھونتی کے کانٹا الخ اسے بھی دوہے کی طرح لکھنا ہے۔
ص80 فی رساند کے بجائے می رساند ہوگا۔
ص81 پورا صفحہ حواشی سے خالی کیوں ہے؟
ص83 ڈنکور وڈھنڈور پر آپ کے حواشی دل کو نہیں لگتے۔اس کی اصل ڈنکا اور ڈھونڈورا میں ہوسکتی ہے۔
ص84 اپنے نین الخ کا مطلب صحیح نہیں یہ حاشیہ 4 کی مثل 5 کے ہم معنی ہے۔
ص88 حاشیہ(1) میں تصحیح کا نشان ہے لیکن تصحیح رہ گئی ہے۔
ص90 عرضداشت کے پہلے جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ زر مذکور سبھا چند کی عورتوں نے اپنے گھر بحفاظت رکھا تھا۔(درخانہ نگاہ داشتہ بودند) دوسرا جملہ بتاتا ہے کہ زر مذکور میر جعفر کے گھر رکھا ہوا تھا۔تیسرے جملے سے مترشح ہوتا ہے کہ خود سبھا چند نے رکھ چھوڑا تھا۔خلاصہ یہ مختلف نسخوں کی مدد سے متن کے اضطراب کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔
ایضاً90 بحر طویل پر بھی حاشیے کی ضرورت ہے اور یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ آیندہ عبارتیں نثر نہیں بحر طویل کے مصرعے ہیں۔
ص91 یہ تمانفس لکڑ الخ نفس پر حاشیہ واضح نہیں ہے مزید برآں پورے جملے کا مطلب حاشیے میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔
ص92 خلاصۃ الموسیقار میں یہ خلاصہ کے معنی اوّل کا اندراج غیر ضروری ہے صرف معنیِ ثانی کا اندراج مناسب ہے۔
ایضاً92 بیٹھورہ کے معنی حاشیے میں بتانے کی ضرورت ہے۔
,, ,, اربابِ الپھڑک کے بجائے اربابُ الپھڑک (کیوں کہ بہ حرف فارسی ہے اس کا مابعد مجرور نہ ہوگا)
,, ,, ''ڈوباک الشرۃ'' سے پہلے کسی حرف (مثلاً بہ) کی ضرورت ہے۔
ص104 زٹل گفتن الخ مصرع ثانی کی نثر یوں ہوگی ''تو اندر زٹل گفتن میر شدہ ای رشدی'' مصرع کی موجودہ صورت سید اٹل کا لسانی تصرف ہے۔حاشیے میں اس کی وضاحت کر سکتے ہیں۔

ص109 **عقد** کے بجائے **عقت** ہونا چاہیے۔

'' '' ومرغک الدین کے بجائے ومرغک الذی ہوگا۔ نیز ''سفر'' سے بہتر ''سقر'' ہوگا۔

پہلا خط لکھنے کے بعد پورا حصۂ نثر جو آپ نے بھیجا تھا بالاستعاب دیکھ کر جو باتیں طبع ناقص میں آئیں لکھ دی ہیں۔ آپ ان حصوں پر نظر ثانی کر لیں۔ اصل متن میں تصحیح ممکن نہ ہو تو آخر میں استدراک کا اضافہ کر دیں۔

ایک بات اور جب آپ اپنے مقدمے میں یہ مان چکے ہیں کہ زٹل نامہ کی تصنیف کے بعد کی چیزیں بھی پیشِ نظر کتاب میں شامل ہیں تو اب اسے زٹل نامہ کا عنوان دینا درست نہ ہوگا کیوں کہ آپ زٹل نامہ تو مرتب نہیں کر رہے ہیں، اگر یہ زٹل نامہ ہے تو باقی کلام اس میں شامل کرنا منشائے مصنف کے خلاف ہوگا۔ میرے خیال میں اس کا نام کلیاتِ جعفر زٹلی (مع زٹل نامہ) رکھنا صحیح ہوگا۔

آپ کی تحقیق کے مطابق زٹل نامہ عہد عالم گیری میں تصنیف کیا جا چکا تھا۔ تو آپ نے اس کی شاعری کے پس منظر کے طور پر اورنگ زیب کے ناخلف جانشینوں کے عہد انتشار و اختلال کا ذکر کیوں فرمایا؟ اگر یہ شاعری اپنے عہد کی سیاسی و سماجی اتھل پتھل کا ردعمل ہے تو اسے بعد میں وجود میں آنا چاہیے تھا۔ اگر اس میں دونوں زمانے کا کلام شامل ہے تو اس شاعری کے بھی دو رنگ ہونے چاہیے تھے۔ ایک آسودگی کا اور دوسرا نا آسودگی کا۔ یہ پوری گفتگو بڑی حد تک ترقی پسندوں کے غلط نقطۂ نظر پر مبنی ہے۔

آپ نے کلامِ جعفر کے پھکڑ پن اور فحشات کو اس کی تمام شاعری کا دسواں حصہ بتایا ہے۔ لیکن مشاہدے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہ تناسب سہ چند بل کہ چہار چند ہے۔

آپ نے مقدمے میں یہ نہیں بتایا کہ جعفر نے زٹل کو بہ طور رنگِ سخن اور صنفِ سخن اختیار کیا تھا اور یہ کہ اس فن میں زٹل نارنولی اس کا استاد تھا جب کہ ''جواب رقعۂ سید اٹل'' سے ظاہر ہے۔

ص19 کے حاشیے پر مصحفی کی عبارت کا جو مطلب آپ نے تحریر فرمایا ہے، اس کی تائید عبارت سے ہرگز نہیں ہوتی۔ سکہ محمد شاہی سے قبل کی غزلیں کہاں ہیں؟ کیا آپ تاریخی طور پر اس کا ثبوت بہم پہنچا سکتے ہیں؟ یہ محقق کا شیوہ نہیں۔

(مذکورہ بالا دونوں خطوط ڈاکٹر ٹی۔ آر۔ رینا کی مرتب شدہ کتاب 'رشید حسن خاں کے خطوط جلد سوم' 2015 اگست 2021، فرزلی سنز، کراچی، ص515 تا 520 سے ماخوذ ہیں۔)

❁❁❁

ظہورالدین بہ نام رشید حسن خاں

(1)

برادرم تسلیم،

میں ایک عرصے سے آپ کی فکر میں تھا۔ مجھے چند حضرات نے یہ خبر دے دی تھی کہ آپ بمبئی میں زیرِ علاج ہیں اور ابھی تک (ٹھیک) نہیں ہیں۔ یہ بھی سنا تھا کہ ہماری زبان کے کسی شمارے میں آپ کا بمبئی کا پتا بھی چھپا ہے لیکن تلاش کے باوجود وہ مجھے نہیں ملا۔ ہماری زبان میرے گھر پر آتا ہے لیکن شاید وہ شمارہ مجھ تک نہیں پہنچا۔ بہر حال پوری تفصیل سے آگاہ کریں۔ اب کیا صورتِ حال ہے لکھیں۔

کالرا ریٹائر ہو چکے ہیں۔ ابھی کیمپس میں ہی ہیں۔ اکتوبر کے بعد کواٹر خالی کرنا ہوگا یا پھر جرمانے کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

کالرا صاحب مسودے کو کھا جانا چاہتے تھے لیکن جب میں نے وہ فہرست سامنے رکھ دی جو آپ کے قیام کے دوران تیار کی تھی تو بہت سٹپٹائے۔ بہر حال بڑی مشکل سے کتابیں واپس کی ہیں بہت سی۔ [کتابیں] جن کی فہرست نہیں تھی یا جو کہیں درج نہیں تھیں وہ ہضم کر گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی مدد سے مخطوطات مل گئے ہیں۔ میں نے اس معاملے میں کوئی نرمی نہیں برتی نہ کوئی لحاظ ہی کیا۔ اگر آپ نے فہرست تیار نہ کرائی ہوتی تو شعبے کا لاکھوں کا نقصان ہی نہ ہوتا ایک قیمتی سرمایہ بھی کھو جاتا۔

گھر میں سب سے میرا سلام کہیں اور اپنی خیریت سے، ساری تفصیلات کے ساتھ مطلع کریں۔ خدا کرے آپ بہ خیر ہوں۔

مخلص

ظہور

خط کے بائیں جانب گولے میں لکھی تحریر: کالرا صاحب نے شعبے کے مخطوطات ہضم کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

(2)

برادرم تسلیم،

آپ کا خط ملا شکریہ!!!

آپ نے خط میں جو کچھ لکھا ہے اُس کے بارے میں جین صاحب نے بھی مجھے امریکہ سے لکھا ہے لیکن اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے فہرست والی کتب بھی کس طرح اُن سے حاصل کیں اگر وہ فہرست نہ ہوتی تو سب کچھ ڈوب گیا تھا۔ ہوا یوں کہ جب دوسری ساری کتابیں واپس کر دینے کے بعد بھی انھوں نے فہرست والی کتب جن میں مخطوطے بھی شامل تھے، واپس نہ کیں تو میں نے اُن کا No Objection سرٹیفکٹ روک دیا۔ ایک ماہ تک بہت چیخنے چلانے کے بعد ایک دن میرے کمرے میں آ کر کہنے لگے کہ سرٹیفکٹ پر دستخط کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ ''صاحب آپ نے پوری کتابیں نہیں لوٹائیں''۔ پُر زور انداز میں فرمانے لگے ''میں تو سب کتابیں دے چکا ہوں۔'' میں نے دراز سے وہ فہرست نکال کر اُن کے سامنے رکھ دی جو آپ نے بنوائی تھی۔ اب جو دیکھتا ہوں تو زبان گنگ۔ اُنھیں شاید یہ خیال تھا کہ فہرست صرف اُنھیں کے پاس ہے۔ لیکن فوراً پینترا بدل کر چپراسی پر برس پڑے۔ ''ارے تم نے الماری سے کتابیں نکال کر نہیں دیں۔'' چپراسی بے چارہ کیا کہتا۔ اس طرح وہ کتابیں حاصل کی جا سکیں۔ اُن کے گھر میں ابھی بہت سی کتابیں اور مخطوطے ہوں گے، مجھے معلوم ہے پر اب اُن کے گھر سے اُنھیں کس طرح حاصل کیا جائے۔ جین صاحب کہتے ہیں انھیں خرید لوں۔ ان کے گھر والے بیچنے کے لیے تیار ہوں تو خریدوں۔ اُن کی بیوی کو معلوم ہے کہ اُن کے ہاں بہت سی ایسی کتابیں ہیں جو شعبے کی ہیں۔ وہ بھلا اب انھیں کیوں کسی کو دیکھنے کی اجازت دینے لگیں۔ اس لیے برادرم صبر ہی کرنا پڑے گا۔ خدا کرے آپ بہ خیر ہوں۔

احقر

ظہور

جناب رشید حسن خاں، شاہ جہاں پور یوپی۔

نوٹ: دونوں خط پروفیسر ظہورالدین نے جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو کے لیٹر ہیڈ پر لکھے ہیں، لیکن دونوں خطوط پر تاریخ کا اندراج نہیں ہے۔ خط کے درمیان میں انگریزی میں:

Post Graduate Department of Urdu

UNIVERSITY OF JAMMU

New Campus, Jammu-180004

لکھا ہوا ہے۔ لیٹر ہیڈ پر خفیف سا logo بھی بنا ہوا ہے۔ دائیں جانب Dated اور بائیں جانب No. PGD/Urdu لکھا ہوا ہے۔ رشید حسن خاں نے کئی مرتبہ جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو میں املا اور مشرقی شعریات پر لیکچر دینے کے علاوہ وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ شعبۂ اُردو جموں یونیورسٹی میں یکم جنوری سے 21 جنوری 1981 تک یونی ورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ کے لیے تین ہفتے کے املا ورک شاپ میں کام کیا۔ اپریل 1983 میں شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی میں تین ہفتے کے لیے بہ حیثیت وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے اصولِ تحقیق ،قواعد زبان اور مشرقی شعریات پر لیکچر دیے۔ خاں صاحب نے 1991 میں مشرقی شعریات پر 6 لیکچر دیے۔ پروفیسر کالرا اور پروفیسر ظہور الدین سے ان کے ذاتی مراسم کے علاوہ خط وکتابت بھی تھی۔

❁❁❁

عبدالغفار مدہولی بہ نام رشید حسن خاں

(رشید حسن خاں صاحب کے نام ایک خط)

مکرمی السلام علیکم

انجمن ترقی اُردو (سابق) کی دو علامتیں واؤلین جیسے مؤج یائے لین جیسے مئِل سے انحراف کر کے آپ پرانی علامتیں مثلاً مؤج مئِل کی طرف لوٹے ہیں، اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ شاید یہ خیال رہا ہو کہ جزم اور جگہ بھی استعمال میں آتا یعنی ساکن کے لیے جیسے نزم وغیرہ۔ لیکن یہ تبدیل کسی اور علامت کے ذریعے بھی لائی جا سکتی تھی۔ مثلاً مؤج کی بجائے موج، مئِل کے بجائے میل۔ ایسا کرنے سے گویا ہم نے زبر کی جگہ تبدیلی کر دی ہے۔ اس خاص وجہ سے ہمیں ہندی کی طرح گیارہ ماترائیں بنانی ہیں۔ یہ بات کہ ہندی کی طرح اُردو میں بھی گیارہ ماترائیں مقرر کرنا ضروری ہے۔ اس پر میں نے ایک مضمون 1962 میں رسالہ اُردوے معلیٰ میں شائع کرایا تھا۔ نارنگ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، ممکن ہے موصوف نے انھیں کی تائید کی ہو مگر کام نہ بنا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی مجلس خط و کتابت اُردو کورس نے اس مسئلے پر غور کیا۔ اس مجلس کے ایک رکن نارنگ صاحب بھی ہیں۔ میں نے مجلس کے سامنے یہ باتیں رکھیں جو منسلکہ مضمون میں ہیں۔ بالآخر طے پایا کہ پرانی علامتوں کی طرف لوٹنے کی بجائے ماترا علامت بنانے کی خاطر طرز جگر تبدیل کر دی جائے جیسے مؤج کی بجائے موج، مئِل کے بجائے میل۔

ہمارے ملک میں ہندی قومی زبان قرار پائی ہے۔ لوگ اسے سیکھ رہے ہیں۔ ہندی کے ذریعے اُردو سکھانے میں ہمیں اُردو میں ہندی کے مماثل گیارہ ماترائیں مقرر کرنے سے ہمارا کام بے حد آسان ہو جاتا ہے۔

ایک اور بات یہ غور کیجیے کہ جب اُردو میں صوتی زبان ہونے کی صلاحیت ہے اور ایسا ہے بھی تو پھر صوتی طریقے میں اُردو کی پرانی علامتیں کام نہیں دیں گی۔ یہ ایک تعلیمی مسئلہ ہے۔ طریقۂ تعلیم سے متعلق ہے اور یہ کہ صوتی زبان شمار کرنے اور اس پر عمل کرنے سے بے حد فائدے ہیں جن کا ذکر میں نے منسلکہ مضمون میں کیا ہے۔ آپ کے واؤلین اور یائے کو پرانے طریقے سے

پڑھانا ہوگا۔ مثلاً میم واؤ زبر مؤ۔ جیم موقوف=مؤ ج۔ آپ بتائیے یہ بات بچے اور بڑے خواہ غیر ملکی ہوں، عجیب بات نہیں پائیں گے؟ اگر ہم حرف اور علامت کا نام لینے کے بجائے ہندی کی طرح صوتی طریقے سے یوں سمجھائیں:

م وج=موج Ek k t

م ی ل= میل e y

کتنی سہولت اور کتنی سائنٹفک بات ہے (میں نے سائنٹفک کا لفظ اپنے جذبے کی ترجمانی کے لیے لکھا ہے، معلوم نہیں یہ صحیح ہے یا غلط) ان ہی گیارہ علامتوں کی وجہ سے یہ ہو سکا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے شعبہ ''خط و کتابت اُردو'' قائم کر کے ان لوگوں کو جو اُردو نہیں جانتے ہیں، گھر بیٹھے اُردو سکھانے کا انتظام کیا ہے۔ اس وقت ہندستان کے پچیس صوبوں میں سے ایک صوبہ بھی اب ایسا نہیں ہے جہاں لوگ اُردو نہ سیکھ رہے ہوں۔ ان میں 93 فی صدی ایسے لوگ ہیں جن کی مادری زبان ہندی ہے۔ یہ لوگ ان گیارہ ماتراؤں کی وجہ سے اُردو کے صوتی ہونے اور اس کے طریقۂ تعلیم میں کوئی فرق نہیں پاتے ہیں، ہم نے اپنی کتابوں میں (ا) لیے v کے بجائے vfyQ نہیں کہا ہے۔ ب کے لیے c کی بجائے c اسی طرح i جیم the چے p نہیں کہا ہے۔ یہ مسئلہ طریقۂ تعلیم کا ہے۔ معلوم نہیں آپ جیسے ادیب کس طرح سوچتے ہیں۔

میں نے اس موضوع پر بہت مختصر طور پر ڈاکٹر عابد صاحب سے بات کی۔ فرمانے لگے جن 166 اشخاص سے انھوں نے علامتوں کی بارے میں رائے لی، میرا نام بھول گئے۔ ورنہ میں اپنا منسلکہ مضمون آپ لوگوں کے پاس بھیج دیتا۔ مجھے حیرت ہے کہ نارنگ صاحب نے پہلے مضمون 1962 میں رسالہ اُردوئے معلیٰ میں شائع کیا پھر بات اسی جگہ لوٹی جہاں سے انجمن ترقی اُردو، اور مجھ جیسے لوگوں نے پچاس برس پہلے اصلاح کی طرف قدم اُٹھایا تھا اور کامیابی دیکھ رہے ہیں۔ اگر آپ میرے خیالات سے اتفاق کرتے ہوں تو براہِ کرم اُردو کے چند رسالوں کے ذریعے یہ بات صاف کر دیجیے کہ آیندہ اڈیشن میں آپ بھی ''مجلس خط و کتابت اُردو'' کورس جامعہ، کی طرح واؤ لین، مؤ ج کی بجائے موج، مئِل کے بجائے میل کر دیں گے۔ مجلس نے اُردو، ہندی، انگریزی میں اپنے ہاں سے شائع ہونے والی کتابوں میں ان گیارہ ماتراؤں کو اسی طرح جگہ دی ہے۔ میں نے اس بنیاد پر ہندی کے ذریعے اُردو اور ''اُردو اسکرپٹ تھرو انگلش'' نامی ابتدائی کتابیں لکھی ہیں جو رجسٹری کے ذریعے علاحدہ سے ارسال خدمت [ہیں] ۔ یہ عرض کر دوں کہ اس خط میں جن باتوں کا مختصراً میں نے ذکر کیا ہے، منسلکہ مضمون میں اس کی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔ ماتراؤں

(علامتوں) کا نقشہ یہ ہے:

ا	v	o
اِ	k	o
ُ	f	A
ی ے	h	e
ے یے	f	de
ے یے	k	u
و		N
ؤ		o
وَ	k	du
ـ	-	-
ں ن	U u	n

کتابیں یہ ہیں:

(۱) اُردو کا بنیادی قاعدہ (بچوں کے لیے
(۲) ہندی کے ذریعے اُردو (بڑوں کے لیے)
(۳) اُردو اسکرپٹ تھرو انگلش (بڑوں کے لیے)

میرا پتا یہ ہے:

عبدالغفار مدھول

تعلقہ مدھول 504102 — P.O. MUDHOL.504102
ضلع عادل آباد — DISTT. ADILABAD
آندھرا پردیش — (A.P)

(رسالہ کتاب نما، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، اپریل 1976، ص 7 تا 10)

❁❁❁

عبداللطیف اعظمی بہ نام رشید حسن خاں

ستمبر کا ''تحریک'' ملا۔ آپ کا پرچہ ان رسالوں میں سے ہے جن کو میں پہلی فرصت میں پڑھا کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ جس مسئلے پر بھی لکھتے ہیں اپنی رائے پوری جرأت اور خلوص کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری تنقیدیں فنی لحاظ سے چاہیں کتنی ہی بلند وارفع کیوں نہ ہوں جب تک جانب داری، پاس درای اور ریاکاری سے بلند ہو کر ادب کو ادب کی حیثیت سے نہ پرکھا جائے گا ہمارا ادب سکڑ کر رہ جائے گا۔

اس شمارے میں رشید حسن خاں صاحب کے مضمون کو بہت دل چسپی اور شوق سے پڑھا۔ موصوف نے جس مقالے کا جائزہ لیا ہے وہ ان چند مقالوں میں سے ہے جو شائع ہوئے ہیں لیکن اگر ان سیکڑوں مقالوں کو دیکھا جائے جو نہ شائع ہو سکے ہیں اور نہ ہونے کا امکان ہے تو نہ جانے کتنے عجیب وغریب انکشافات ہوں گے۔ جو لوگ گھٹیا اور مہمل قسم کے مقالوں پر پی ایچ. ڈی یا ڈی. لٹ کی ڈگری دے دیتے ہیں اُن کے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ یا تو یہ لوگ قوتِ فیصلہ سے محروم ہیں یا ''کشتگان مصلحت''میرے خیال میں یہ دونوں باتیں ہیں۔ میری اپنی معلومات یہ ہے کہ قدرت کی ستم ظریفی نے بہت سے ایسے لوگوں کو جو جانتے ہی نہیں کہ ایک عام مقالے یا کتاب میں اور تھیسس میں کیا فرق ہے، ان مناصب پر پہنچا دیا ہے، جن کی بدولت وہ جس کو چاہیں بیک جنبش ''قلم ڈاکٹر'' بنا سکتے ہیں۔

چند سال کی بات ہے مسلم یونی ورسٹی میں ایک پروفیسر صاحب نے Teaching of Research کے عنوان سے لیکچر دیے تھے۔ آپ کو یہ سُن کر شاید تعجب ہوگا کہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب کا تھیسس جو میر پر ہے اور جس پر ساہتیہ اکیڈمی پانچ ہزار کا انعام دے چکی ہے ان مقالوں میں شمار کیا گیا تھا جو تھیسس کے معار پر پورے نہیں اُترتے۔

مصلحت اور جانب داری کی مثال ملاحظہ ہو۔ علی گڑھ یونی ورسٹی میں ایک مقالہ کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نامنظور ہو گیا ہے۔ نگران کے ایک دوست کی کوششوں کے بعد مقالہ کو پیش کرنے اور صاحب مقالہ سے انٹرویو کرنے کے کئی سال بعد ان کو پی ایچ. ڈی کی ڈگری دے

دی گئی۔ایک اور واقعہ ملاحظہ ہوایک لکچر رصاحب اپنی تنخواہ سے غیر مطمئن تھے۔تنخواہ میں اضافے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ان کے احباب نے صلاح دی کہ پی ایچ .ڈی کیوں نہیں کر لیتے ،اس طرح کم از کم پچاس روپے ماہ وار کا اضافہ تو ہو ہی جائے گا۔لیکن اتفاق سے وہ شاعر ہیں۔اور ان کا خیال ہے کہ قدرت نے شاعر کوتخلیق کے لیے پیدا کیا ہے نہ کہ تحقیق کے لیے۔مگر بہی خواہوں اور ہم دردوں نے مشورہ دیا کہ فلاں فلاں کے ہوتے ہوئے فکر کی کیا ضرورت ہے۔چناں چہ نہ کسی کو داخلہ کا علم ہوااور نہ مقالہ کی تیاری کی سُن گُن ہوئی ،ایکا ایکی لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ ڈاکٹر ہو گئے۔لوگوں کو اس قدر حیرت تھی کہ ان کے قریبی دوست احباب بھی پوچھتے تھے کہ بھئی یہ حادثہ کب ہوا؟

چوں کہ ایک طویل عرصے سے میں ایک تعلیمی ادارے سے منسلک ہوں اس لیے مجھے معلوم ہے کہ بی۔اے اور ایم۔اے کے طالب علموں کے امتحانات ہوں یا ریسرچ اسکالر کے مقالے یا مسند تعلیم وتعلم کے تقررات ،ان کی کام یابی میں ان کی صلاحیت اور قابلیت کے علاوہ کتنے اور عوامل کام کرتے ہیں۔یہ سب دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارا ملک کب سنبھلے گا۔

(رسالہ ''تحریک''،نئی دہلی،مدیر گوپال متّل،ص 37-36،اکتوبر 1959)

❁❁❁

عبدالوہاب خاں سلیم بہ نام رشید حسن خاں

ABDUL WAHAB KHAN SALIM
Res(718)236-513
2245 61 Street
Brooklyn, New York 11204
U.S.A

Date:21feb2006

جناب رشید حسن خاں صاحب

سلام شوق، مزاج گرامی

آج 21 فروری ہے۔ آج ایک سال ہو گیا کہ ہمارے عزیز دوست مشفق خواجہ[1] اپنے خالق کے پاس چلے گئے۔ مرحوم آپ سے بھی بہت محبت کرتے اور اس خاکسار کو بھی عزیز خاص سمجھتے تھے۔ وہ چلے گئے میں یتیم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلا مقام عنایت فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

عبدالوہاب خاں سلیم

21 فروری کو آپ کے وقت کے مطابق 7 بجے شام فون کرتا رہا۔ رابطہ نہ ہو سکا پھر کسی دن فون کروں گا۔

حواشی:

[1] مشفق خواجہ 19 دسمبر 1935 کو لاہور میں پیدا ہوئے اور 21 فروری 2005 کو کراچی میں انتقال کیا۔ ان کی مشہور تصانیف میں جائزہ مخطوطاتِ اُردو، خوش معرکہ زیبا (دو جلدوں میں) غالب اور صفیر بلگرامی، سخن در سخن، خامہ بگوش کے قلم سے، اقبال از مولوی احمد دین، کلیاتِ یگانہ، سخن ہائے نا گفتنی، سخن ہائے گسترانہ، خوناب، تحقیق نامہ وغیرہ کا شمار کیا جاتا ہے۔ مشفق خواجہ کے رشید حسن

خاں سے دوستانہ مراسم تھے۔مرتب

نوٹ:

رشید حسن خاں نے عبدالوہاب خاں سلیم کے نام اپنی مرتب کردہ کتاب ''زٹل نامہ'' [کلیاتِ جعفر زٹلی] کا انتساب ''محبِّ مکرّم الحاج عبدالوہاب خاں سلیم کے نام'' کیا ہے۔علاوہ ازیں خاں صاحب نے عبدالوہاب خاں سلیم کے نام 9 خطوط ارسال کیے جنھیں ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''مکاتیب رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی'' (2009) میں شامل کیا۔مذکورہ خطوط قارئین کی خدمت میں پیش کیے جارہے ہیں۔

(1)

شاہ جہان پور

27 ستمبر 2004ء

محبِّ مکرّم!

دنوں سے آپ کی آواز سُننے کو نہیں ملی،تشویش ہے۔ازراہِ لطف خیر و عافیت سے مطّلع فرمائیے۔خدا کرے آپ بہ ہمہ وجوہ بہ خیریت ہوں۔میں نے فرض کرلیا ہے کہ آپ عمرہ کرنے چلے گئے ہوں گے اور وہاں میرے لیے دُعا کررہے ہوں گے۔یہی بات ہے نا! آپ کی آواز سُننے کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

رشید حسن خاں

(2)

شاہ جہان پور

14 جنوری 2005

آپ کا بھیجا ہوا لفافہ علی گڑھ سے ہوتا ہوا یہاں آگیا،یہ پرسوں کی بات ہے۔آپ کا خط پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔میں نے کل (جُمعے کے دن) آپ کو فون کیا۔آپ کے خط میں دو فون نمبر لکھے ہوئے ہیں۔پہلے نمبر پر جواب ملا کہ مکان بدل گیا ہے۔دوسرے نمبر پر جو کہا گیا اُس سے میں بس اِتنا ہی سمجھ پایا کہ آپ گھر پر موجود نہیں۔میری اُلجھن اور بڑھ گئی۔اب مجھے نہیں معلوم کہ آپ اِس وقت کہاں ہیں۔میں فون کرنا چاہتا ہوں،مگر یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کو میں کس نمبر پر فون کروں، جہاں آپ موجود ہوں،ازراہِ لطف کسی سے مجھے فون کرادیجیے تاکہ میں صورتِ حال سے واقف ہوکر،اپنی تسکین کے لیے آپ کو فون کرسکوں اور آپ کی خیریت معلوم کرسکوں۔منتظر ہوں۔یہ بہت ضروری ہے۔

دعا گو اور منتظر

رشید حسن خاں

(3)

شاہ جہان پور

6 مئی 2005

مُحبِّ مکرّم! سلامِ شوق

آپ کا محبّت نامہ مرقومہٌ 27 اپریل نظر نواز ہوا۔ بہت ممنون ہوں کہ آپ نے دیارِ پاک میں بھی اپنے اِس نیاز مند کو یاد رکھا۔ توقع کرتا ہوں کہ آپ کی دعا کے طفیل میری صحت یابی کی رفتار مزید تیز ہو جائے گی۔ جزاک اللہ خیرا۔

ہاشمی صاحب کا لاہور سے خط آیا تھا، مشفق خواجہ مرحوم کے خط منگائے تھے۔ میرے پاس مرحوم کے بہت خط تھے، طویل خط، وہ میں نے یہاں انجمن کو دے دیے تھے کہ محفوظ ہو جائیں۔ بہت تلاش کرنے پر ایک خط ملا، پرسوں وہی بھیج دیا ہے، اِس تاکید کے ساتھ کہ اُس کی عکسی نقل وہ رکھ لیں اور اصل خط آپ کے نام امریکہ بھیج دیں۔ اُس میں (دیگر کئی خطوں کی طرح) آپ کا نام دو جگہ آیا ہے۔ میرا جی چاہا کہ یہ اصل خط آپ کے پاس محفوظ ہو جائے۔

مرحوم کی یاد بہت آتی ہے، بہت۔ اب ایسا کوئی دوسرا نہیں ملے گا۔ ہاں، ہاشمی صاحب نے کچھ مطبوعہ مضامینِ تعزیت بھی بھیجے، اُن میں ایک تحریر ڈاکٹر معین الرّحمان کی بھی ہے۔ خاں صاحب! میں نے ایسی غیر مناسب اور نامعقول تعزیتی تحریر آج تک نہیں دیکھی تھی، دل دُکھ گیا۔ افسوس!!

ہاں، علی گڑھ سے لفافہ میرے پاس بہ حفاظت آ گیا۔ اِس لطفِ خاص کے لیے سپاس گزار ہوں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ آپ کی یہ غمگساری (غم گساری) میرے لیے کیسا آبِ حیات بن گئی فوری طور پر——

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

میں نے علی گڑھ دوبارہ فون کیا، رابطہ قائم نہ ہو سکا، معلوم نہیں فون خراب ہے یا وہ لوگ تھے نہیں۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

(4)

شاہ جہان پور

22 اگست 2005

محبِّ مکرّم!

چند روز پہلے سلمان خلیل صاحب کا بھیجا ہوا لفافہ موصول ہوا۔ میں اِدھر بارہ 14 (چودہ) دن سے

بستر سے لگا رہا، یوں اُن کو رسید بھی نہیں بھیج سکا، اِس کے لیے معذرت طلب ہوں۔ کل سے طبیعت روبراہ (بہ راہ) ہوئی ہے تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔

میں بارہا سوچتا ہوں کہ اگر آپ کا بے ریا خلوص اور غم گساری میرے شاملِ حال مسلسل نہ رہتی تو کیا صورتِ حال پیدا ہو جاتی! آپ کی صحّت و عافیت کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ خدا کرے ذیابیطس کی شکایت اب پریشان کُن نہ ہو۔ میں اِدھر بے خوابی کی شکایت سے بے طرح متاثّر ہوا ہوں۔ ساری ساری رات گزر جاتی ہے اور ایک لمحے کے لیے نیند نہیں آتی۔ خیر، یہ دن بھی گزر ہی جائیں گے۔

ایک بات آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کلّیاتِ اقبال پر میرا مفصّل تبصرہ شائع ہوا تھا جس میں میں نے لکھا تھا کہ اقبال کو سب کچھ ماننے کے باوجود آج کے دن تک اُن کے اُردو فارسی کلّیات کا کوئی اڈیشن اصولِ تحقیق و تدوین کے مطابق مرتّب نہیں کیا جا سکا۔ نمایشی کام تو بہت کر لیا گیا لیکن خالص علمی سطح پر متن کی ترتیب نہیں کی جا سکی، کیوں کہ اِس کے لیے جس قدر محنت کی ضرورت ہے، اُس کے لیے کسی کے پاس یا تو صلاحیتیں نہیں یا وقت نہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی صاحب نے میرے اِس مضمون کی مکمّل تائید میں ایک مضمون لکھا تھا تو شائع ہوا تھا۔ اب اُن کی جو نئی کتاب اقبالیات: تفہیم و تجزیہ شائع ہوئی ہے، اُس میں اُنھوں نے میرے اُس تبصرے کو بھی شامل کر لیا ہے اور اپنے اُس تائیدی مضمون کو بھی۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ اب پاکستان میں یہ بہت مشکل اور بہت صبر آزما کام نہیں ہو پائے گا۔ انجمنِ ترقّیِ اُردو (ہند) نے ایک تجویز میرے پاس بھیجی ہے کہ میں کلیاتِ اقبال اُردو کو اصولِ تحقیق کے مطابق مرتّب کروں۔ اِسے انجمن اپنے طور پر چھاپے گی۔ مجھے یہ تجویز پسند آئی اور اپنی ساری خرابیِ صحّت کے باوجود میں نے اِسے منظور کر لیا، لیکن اس ترمیم کے ساتھ (کہ اقبال میوزیم، لاہور میں) اقبال کے جو کاغذات ہیں جن میں اُنھوں نے اصلاح و تبدیلی کی ہے، اُن سے استفادے کا اہتمام کیا جائے اور اس کے لیے عملی صورت یہ ہے کہ ترتیب کلّیات کے اس کام کو میں اور ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی، دونوں مل کر کریں۔ سرورق پر مرتّب کے طور پر دونوں کا نام ہو، اِس طرح یہ کام آسانی سے ہو جائے گا اور بہتر طور پر ہو سکے گا۔

انجمن نے میری اس تجویز کو منظور کر لیا اور ہاشمی صاحب کو خط لکھا ہے۔ سو اگر یہ کام ہو گیا تو خان صاحب! یہ اپنے انداز کا منفرد کام اور یادگار کام ہوگا اور دونوں ملکوں کی طرف سے ایک طرح سے خراجِ عقیدت ہوگا۔ یہ بجائے خود ایک نئی علمی مثال ہوگی علمی تعاون کی۔ مگر آپ کی دُعاؤں کے بغیر یہ کام نہیں ہو پائے گا۔ میری درخواست ہے کہ آپ بہ طورِ خاص کئی بار دُعا کیجیے کہ مجھے اِس کام کی تکمیل کی توفیق عطا ہو۔ آپ کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔ یہ میری زندگی کا آخری بڑا یادگار کام ہوگا۔ اِس کا اعتراف مقدّمۂ کتاب میں واضح لفظوں میں کیا جائے گا کہ اگر عبدالوہّاب خاں سلیم کی دُعائیں شاملِ حال نہ ہوتیں اور اُن کی مسلسل غم گساری، اُن کا اصرار، اُن کی ہمّت افزائی میری

معاونت نہ کرتی تو یہ کام نہیں ہوسکتا تھا—— اب یہ فرمائیے کہ یہ تجویز آپ کو پسند آئی؟ غالب والے کام کی کمپوزنگ ہورہی ہے اور تصحیح بناتا جاتا ہوں، غالباً سال بھر میں وہ مکمّل ہوجائے گا اور کتاب پریس چلی جائے گی۔ کلّیاتِ اقبال والا کام ہاشمی کا خط آتے ہی شروع کرنے کا مصمّم ارادہ ہے۔آپ نے متعدّد حج کیے ہیں، عُمرے کیے ہیں، شب بیداری اور خدا کی یاد اور عبادت آپ کی طبیعت کا جُز ہے؛ اِس لیے یقین ہے مجھے کہ جب آپ اِس نئے کام کی تکمیل کے لیے دُعا کریں گے تو وہ ضرور قبول ہوگی—— میرا فون کچھ دنوں تک خراب رہا، اب پرسوں ٹھیک ہوا ہے۔آپ کی ہمّت بڑھانے والی آواز دنوں سے نہیں سُنی، ممنون ہوں گا اگر آپ فون کرلیں گے۔ یہ فرمایش میں کسی اور سے نہیں کرسکتا، اور کرتا بھی نہیں۔ بہ قولِ غالب: ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے۔

رشید حسن خاں

(5)

شاہ جہان پور

28 اگست 2005

مُحبِ مُکرّم!

آپ کا خط مرقومہ 14 اگست کو ملا، شکریہ۔

میں اِس سے پہلے 22 اگست کو ایک خط آپ کے نام بھیج چکا ہوں۔توقّع کرتا ہوں کہ اب تک وہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ سلمان خلیل صاحب کے خط کی رسید بھیج دی گئی۔

میں نے اُس خط میں کلّیاتِ اقبال سے متعلّق ضروری تفصیلات لکھ دی ہیں۔ اِس وقت صرف یہ کہنا ہے کہ دو چار دن میں جب بھی آپ ہاشمی صاحب کو فون کریں، یہ تاکیداً کہہ دیں کہ انجمن کو اور مجھے اُن کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ ہاشمی صاحب بہت عمدہ آدمی ہیں، مگر خط لکھنے میں بہت کاہل ہیں، کیا کیا جائے! اُن کا خط آجائے تو میں کلّیاتِ اقبال کے تحقیقی اڈیشن کا خاکا بنا کر اُن کے پاس بھیجوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ یہ کام جلد ہی شروع ہوجائے۔ جلدی خاص کر یوں ہے کہ بے خوابی کے مرض نے سارا ذہنی نظام ہلا کر رکھ دیا ہے۔ راتیں گزر جاتی ہیں اور پلک نہیں لگتی۔ خیر، یہ سب تو یوں ہی رہے گا۔ میں اقبال والے کام کو مثالی کام کے طور پر مکمّل کرنا چاہتا ہوں۔ اِس میں دو سال تو لگ ہی جائیں گے۔

آپ کی عافیت اور صحت کا احوال پڑھ کر بہت اطمینان ہوا۔ آپ کے لیے ہر وقت دُعا کرتا ہوں۔ آپ جیسا دوسرا مخلص اور غم گسار مجھے کہاں ملے گا! ہاں، اب تو فون کرلیجیے، میرا فون بالکل ٹھیک ہے۔

رشید حسن خاں

(6)

شاہ جہان پور
یکم ستمبر 2005
مُحبِ مُکرّم!
کل شادی کا سادہ و پُرکار دعوت نامہ ملا۔ اس کی سادگی و پُرکاری دیکھ کر آپ کے حُسنِ ذوق پر ایمان لے آیا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد(؟) قبول فرمایئے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں بھی ہدیۂ تحسین و آفریں اور مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ دُعا کرتا ہوں کہ دولھا دُلھن ہمیشہ شاد کام و بامراد رہیں(آمین)۔ آپ نے اِس پُرمسرّت موقعے پر یاد فرمایا، اِس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ یہ آپ کی وضع داری ہے۔
اس سے پہلے کے میرے دو خط اب تک آپ کو مل چکے ہوں گے۔
خدا کرے آپ بہ عافیت ہوں۔

رشید حسن خاں

(7)

شاہ جہان پور
8 ستمبر 2005
مُحبِ مُکرّم!
غالبؔ سے متعلّق میری کتاب گنجینۂ معنی کا طلسم کے شروع کے حصّے کی کمپوزنگ مکمّل ہوگئی، کل ہی مجھے یہ پکٹ ملا ہے تصحیحات بنانے کے لیے۔ میں اپنے مقدّمے کے آخری صفحے کا عکس آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں یوں کہ پوری کتاب چھپنے میں تو سال ڈیڑھ سال لگ جائے گا۔ آپ کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ فون پر ایک دن آپ کی آواز کئی بار سُنی، مگر ہر بار سلسلہ منقطع ہوگیا، لائن میں کہیں خرابی ہوگی — ہاں ہاشمی صاحب سے آج فون پر بات ہوگئی، وہ ضروری کاغذات اقبال میوزیم سے لے کر بھیج دیں گے، اُن کے ملتے ہی کلّیاتِ اقبال کی تدوین کا کام شروع ہوجائے گا۔ اس کے مقدّمے میں بھی آپ کی کتاب دوستی کا اِسی طرح حوالہ دیا جائے گا۔ آپ جیسا مخلص علم دوست کوئی دوسرا مجھے کہاں ملے گا۔
توقّع کرتا ہوں کہ آپ بہ عافیت ہوں گے اور کوئی وہ تقریب سعید بہ حُسن وخوبی انجام کو پہنچی ہوگی۔
میرا مبارک باد کا خط اب تک مل چکا ہوگا آپ کو۔

رشید حسن خاں

(8)

شاہ جہان پور

6 دسمبر 2005 (یومِ احتجاج)
مُحبِ مُکرّم!
توقع کرتا ہوں کہ اب آپ پہلے کی طرح لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو چکے ہوں گے اور کسی طرح کی پریشانی نظروں کو نہیں ہوتی ہوگی۔ (نظر تو آپ کی ہمیشہ سے پاک باز رہی ہے، اُسے تو ویسے بھی کچھ نہیں ہونا چاہیے؛ ہم جیسے گنہ گاروں کی بات دوسری ہے)۔
میں ٹھیک ہوں مگر کام معطّل ہے۔ سردیوں کا موسم مجھے راس نہیں آتا۔ سر جھکا کر نہیں بیٹھ پاتا، آنکھوں سے آنسو اور ناک سے ریزش، چھینکیں، بس انھی میں اُلجھا رہتا ہوں۔ غالبؔ اور اقبالؔ والا بستہ باندھ کر عارضی طور پر رکھ دیا ہے، مہینا بھر کے بعد قلم اپنا کام شروع کر سکے گا۔ آپ کے ایک لفافے میں داوؔد رہبر صاحب کی پُر لطف نظم دیکھی، جی خوش ہوا، اِس کا شکریہ۔
ہاں صاحب! آپ سے ملاقات کا تو امکان ہے نہیں، یوں غالبؔ کے لفظوں میں جنّتِ نگاہ تو ملنے سے رہی؛ مگر فون کے واسطے سے فردوسِ گوش کا لطف حاصل ہو جایا کرتا تھا؛ اب کئی ہفتے سے وہ بھی حاصل نہیں، خیر باشد! آنکھیں آپ کی تحریر کی مشتاق ہیں اور کان آپ کی آواز کے منتظر۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب

رشید حسن خاں

پس نوشت:
ایک ضروری بات رہی جاتی تھی: ہاشمی صاحب کا خط آیا تھا، بیمار ہیں میری طرح، مجھ سے اُنھوں نے مرحوم خواجہ صاحب کے خطوں کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اُن کو خط لکھا، مگر یہ لکھنا بھول گیا کہ میرے پاس مرحوم کا اب کوئی خط نہیں۔ بہت خط تھے اور مجھے یاد آتا ہے کہ میں نے انجمن کو دے دیے تھے۔ خیر، انجمن کے ہفتہ وار ہماری زبان کا مشفق خواجہ نمبر نکلا تھا پچھلے مہینے۔ اُس میں اُن لوگوں نے مرحوم کے میرے نام کے بھی دو خط چھاپے ہیں؛ اگر وہ چاہیں تو اُن دونوں خطوں کو وہاں سے لے سکتے ہیں۔

(9)

شاہ جہان پور
12 جنوری 2006
مُحبِ مُکرّم! سلامِ شوق
رجسٹرڈ لفافہ مل گیا۔ ممنون ہوں اور شکر گزار۔ سعدیؔ نے کہا ہے:

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بُتاں وَرزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

یہ شعر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مجھے اور آپ کو پیشِ نظر رکھ کر کہا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندستان

کے بیش تر علاقوں کو دیکھا ہے اور بار بار دیکھا ہے، لیکن آپ جیسا علم دوست، کتاب دوست اور غم گسار نہیں دیکھا۔ کسی تمنّا اور کسی طرح کے لگاؤ کے بغیر جو سلوک آپ روا رکھتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ بے مثال ہے۔

خرابیِ صحت کا احوال پڑھ کر بہت تشویش ہوئی۔ دُعا کرتا ہوں کہ خداے پاک جلد تر صحّتِ کامل عطا کرے۔ آپ نے میرا حال پوچھا ہے تو جناب! جب تک آپ جیسا مخلصِ بے ریا اور مُحبِ صادق موجود ہے، میرا احوال اچّھا ہی رہے گا۔

آپ کا خط جو ایک اعتبار سے بشارت نامہ ہے، مجھے 9 جنوری کو مل گیا تھا۔ خداے تعالیٰ آپ کو صحّت و عافیت کے ساتھ رکھے۔ بیگم صاحبہ کی خدمت میں آداب۔

رشید حسن خاں

پس نوشت:

ہاں! زندہ رود مجھے مل گئی۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ کرم نہ فرماتے تو میں اس کتاب سے محروم رہتا۔ یہ واقعتاً پڑھنے کی چیز ہے۔ کیسی کیسی بحثیں اِس میں آ گئی ہیں!! ایک بار پھر شکریہ۔

حاشیہ

ا پیدائش: 6 فروری 1939۔ موجودہ پتا:

(مکاتیبِ رشید حسن خاں بنام رفیع الدین ہاشمی، ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور، 2009، ص، 176 تا 185)

❁❁❁

فراقؔ گورکھپوری بہ نام رشید حسن خاں

مکرمی جناب گوپال متّل صاحب۔سلام خلوص!

آپ کا ماہ نامہ تحریک بابت نومبر 1955 ملا اس شمارے کے بعض مضامین میں کچھ سوالات اُٹھائے گئے ہیں جن پر اظہارِ خیال کرنا چاہتا ہوں۔

بزمِ احباب والے حصے میں قاضی عبدالودود بیرسٹر (پٹنہ) کے اس خیال سے سوفی صد مجھے اتفاق ہے کہ چین روس اوران کے ساتھی ملکوں پر ہم یا آپ جو تنقید کریں وہ ''بغض معاویہ'' پر مبنی نہ ہو۔موجودہ روس اور چین کے بڑے بڑے مدبراسے مان چکے ہیں کہ ان سے اہم غلطیاں ہوئی ہیں۔ہم کو صاف اس بات کا حق ہے کہ ان کی کئی خاص خاص غلطیوں کے علاوہ ہم ان کے کئی مسلمہ اصولوں کو بھی غلط قرار دیں۔ہم آپ سبھی انسان کا بھلا اور انسان کی ترقی چاہتے ہیں۔ اشتراقیت اورسرمایہ داری سے آج کہیں اہم نوآبادیات (Colonialism) کا مسئلہ ہے۔براعظم افریقہ اور براعظم ایشیا کے بہت بڑے حصے ابھی اس عذاب کے شکار ہیں۔چین، روس اوران کے ساتھی ملک ہندوستان، برما، انڈونیشیا اور وسط مشرق کے کئی ملک مل کرColonialism کی مخالفت کرر ہے ہیں۔رہی بات اشتراکیت اورسرمایہ داری کی یا اُن کے مستقبل کی تو اگر ہم دور تک سوچ سکیں تو اس نتیجہ سے مضر نہیں کہ جب دُنیا کے تمام ملک آزاد ہو جائیں گے اور ترقی کی کئی منزلیں طے کرلیں گے تو اس ایٹمی زمانے میں عالم گیراشتراکی نظام کا تصور ناممکن ہے۔میرے اس خیال سے اگرکسی کو اتفاق نہ ہو تو بھی ایشیا اور افریقہ کے غلام ممالک آزاد ہو جائیں اس خیال سے تو کسی نمک حلال انسان کو اختلاف نہ ہوگا۔خواہ آزاد ہوکر یہ ممالک روس اور چین سے گاڑھا رشتہ قائم کریں۔اپنے یہاں اشتراکی نظام قائم کریں یا ہندوستان کی طرح سب سے گاڑھا دوستانہ رشتہ رکھیں اور کچھ برسوں تک مخلوط اقتصادی نظام(Mixed Economy) قائم رکھیں ۔بہر حال مجھے تو انسانیت کا مستقبل سوشلزم کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے۔کم سے کم چین کی ہر پارٹی کی متفق الرائے سے منظور شدہ(Common Programme)سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ہمارے یہاں کی ایک کہاوت ہے،''چڑھت راجا،اترت گرہ''یعنی راجا(یا کسی

نئے سیاسی نظام) کا آغاز ہی عہد اور برے ستاروں کے اثر کے اختتام کا زمانہ دونوں بڑے سخت ہوتے ہیں، بعد کو زمانہ نرم پڑ جاتا ہے۔ روس اور چین بل کہ مارکسیت کی سختیاں نرم پڑ جائیں گی اور سرمایہ داری اور Industrial Revolution کی آغازی بدعتیں ہمیں بھولنا نہیں چاہیے۔ ہم اور آپ دونوں ادیب ہیں۔ اگر روس اور چین میں کچھ پرخلوص ادیبوں کے ساتھ دھاندلی یا کچھن ہوا تو ہمیں ضرور سختی سے اظہارِ نفرت کرنا چاہیے۔ لیکن اشتراکی نظام سے اتنا بدظن نہیں ہونا چاہیے کہ ایسی بدعتوں کا اشتراکی نظام میں خاتمہ ہو کر رہے گا۔ سرے سے اس کا امکان ہی نہ مانیں۔

بہرحال اس شمارے میں ''ترقی پسند قصیدہ گوئی''، ''ہوفینگ کا المیہ''، ''تونجویشگاں چہ کردی کہ بما کنی نظیری'' یا بہ قولِ غالب:

تو دوست کسی کا بھی ستم گر نہ ہوا تھا
دشمن پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

ایسے مضامین ہیں کہ ان کی کئی باتوں کو نظر انداز کر دینا میں پُرخلوص اشتراکیت یا مارکسیت سے بغاوت سمجھتا ہوں۔ دشمن کی بھی ہر تنقید غلط نہیں ہوتی۔

مانگے گا اجالا بھی آپ نے ایک عنوان رکھا ہے، جس میں رسالہ ادب سے غلام محمد بھٹ کا مراسلہ جدلی مادیت کا منفی پہلو آپ نے اخذ کیا ہے۔ موصوف نے جو بحث اٹھائی ہے وہ نئی نہیں ہے۔ مارکسی حلقوں میں اس مسئلے پر کافی بحث رہی ہے جس کا نچوڑ یہ ہے کہ تصادم طبقات یا طبقوں کا باہمی تصادم مٹنے کے بعد پوری انسانیت نیچر سے منظّم ہو کر وہ جد و جہد کرے گی جو صدیوں جاری رہے گی۔ جدیدیت کا حشر کیا ہوگا؟ جان اسٹورٹ مِل نے بھی تمدن کو آخری منزل پر اپنے فلسفے میں پہنچا کر یہ محسوس کیا کہ ترقی کا سلسلہ رُک جائے گا۔ برناڈ شا کی ناٹک BackToMethuselah کے آخری ناٹک کا نام ہے۔ As For as مالا Human,Thought,Cango مذاہب عالم کے سامنے بھی یہ مسئلہ رہا ہے۔ کیا جنت میں وہاں کے باشندوں کی ترقی کا امکان ابدی ہے؟ اس گتھی کو ہم سلجھا سکیں۔ بھٹ صاحب اپنے اس بیان میں بالکل گمراہ ہو گئے ہیں کہ مادیت کے پاس اثباتی قدریں نہیں ہیں۔ مہاتما بدھ نے تمام وجود کو ان آنم کہا تھا۔ اور اثباتی قدروں سے اپنی تعلیم کو مالا مال کر دیا تھا۔ مادی اشتراکیت جب تمام انسانیت کو جنگ کے عذاب، بھوک کے عذاب، غلامی کے عذاب، جہالت کے عذاب اور محنت و مشقت کے عذاب سے آزاد کرا لے گی۔ اس وقت انسانی تہذیب و تمدن نئی نکھار دکھائیں گے۔ کروپاٹکن مارکسی نہیں تھا انارکسٹ تھا لیکن ملوکیت و سرمایہ دارنہ نظام کا کٹّر دشمن

تھا۔ یہ قول الہامی بیان کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب ابقائے وجود کے لیے کش مکش ختم ہو جائے گی اسی وقت وجود کی کش مکش شروع ہوگی۔

When the struggle for existence is over the struggle of existence will begin.

تحریک کے اسی شمارے میں رشید حسن خاں کا مضمون ''شعر میں لفظ و اسلوب کی اہمیت''[1] کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔اس عنوان کی اہمیت کا میں دل سے قائل ہوں ۔اور موصوف کی کئی باتوں سے مجھے اتفاق ہے۔اس اہم موضوع پر پہلے کچھ تمہیدی طور پر عرض کروں، کسی زندہ زبان وادب کے بڑے سے بڑے لکھنے والوں سے بڑی بڑی فنّی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔سنسکرت کے عالموں سے پوچھئے تو شاعر اعظم کالی داس کے یہاں ڈھیروں غلطیاں زبان اور گریمر کی نکال دیں گے۔کالی داس کی نرنکشتا (مطلق العنانی) کے نام سے ہندی کی مشہور کتاب شائع ہو چکی ہے۔کئی برس ہوئے الہٰ آباد یونی ورسٹی کے صدر شعبۂ عربی و فارسی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے ایک بڑا مقالہ کلام حافظ میں کلام کے عنوان سے شائع کیا تھا،جس میں صرف حافظ کے یہاں اتنی زیادہ تعداد میں غلطیاں گنوائی تھیں جتنی کسی مشہور شاعر کے یہاں اب تک نہیں بتائی گئیں۔غالب اور مرزا قتیل کا معرکہ،شررؔ اور چکبستؔ کا معرکہ،انشاؔ و مصحفیؔ میں ''لنگور کی گردن'' والی بحث شبلی اور پروفیسر شیرانی والی بحث۔ پروفیسر عندلیب شادانی کی کتاب دورِ حاضر کی اُردو غزل گوئی،جگر اور جوشؔ پر اعتراضوں کی بھرمار۔کلامِ اقبالؔ پر کرنل بھولا ناتھ کے مضامین۔فیضی اور عرفی کا معرکہ۔حالی کے کلام پر اعتراضوں کی بوچھار۔کلامِ غالبؔ پر مرزا یگانہ کے اعتراض۔اصغرؔ گونڈوی کے کلام پر لے دے۔خود حالیؔ کا گلزارِ نسیم کی زبان پر کئی جگہ اعتراض۔ان تمام واقعوں کو دھیان میں تازہ کر لینا چاہیے۔ Fowlers King usage اور English usage میں چوٹی کے انگریزی ادیبوں کے اغلاط کی سیکڑوں مثالیں پیش کی گئی ہیں۔تو بے چارے ترقی پسند اُردو ادیبوں ہی کی گردن کیوں ناپی جائے۔

........(یہاں فراقؔ صاحب نے کچھ معروف اور غیر معروف ترقی پسند ادیبوں کے نام لکھ دیے ہیں۔ان کا بحث سے کوئی تعلق نہیں)اور درجنوں دوسرے اچھا لکھنے والے اُردو ادب کو ترقی پسند تحریک کی دین ہیں۔ان سب کی غلطیاں جی کھول کر نکالیے۔لیکن اس امر سے تو انکار نہ کیجیے کہ گذشتہ بیس برس کے اُردو ادب کا سب سے بلند اور جان دار حصے کا اسّی پچاسی حصہ ترقی پسند ادیبوں کی دین ہے۔طومار اغلاط سمیت اگر ان لکھنے والوں کی خوبیوں کا اعتراف کر کے ان کے

معائب یا ان کی فروگذاشتیں سامنے لائی جائیں تو ایسی پُر خلوص تنقید ہمارے ادبی اور قومی کلچر کے لیے بہت مفید ہوگی۔ لیکن یہ غلط فہمی نہیں پھیلانا چاہیے کہ محض ترقی پسند ادب کے مقاصد کو اپنانے سے کوئی ادیب ادبی صلاحیتیں کھو بیٹھتا ہے۔ یا فنی لوازمات کو بھول جاتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے ادیب ایسے احمق نہیں ہوا کرتے۔

جناب رشید حسن خاں نے میرے بھی کچھ اشعار پر تنقید کی ہے۔ مثلاً:

ہم تو کہیں گے تیری شوخی
دبنے سے اور کڑھ گئی ہے
اب مفت نہ دیں گے دل ہم اپنا
ہر چیز کی نرخ بڑھ گئی ہے

پہلے شعر میں کڑھ گئی کے ٹکڑے پر اعتراض کیا گیا ہے۔ میری گزارش یہ ہے کہ اس مصرع کو میں یوں بھی کہہ سکتا تھا ''گھٹنے سے کچھ اور بڑھ گئی ہے''۔ یہ مصرع بھی نہایت نازک اور لطیف ہوتا، پھر میں نے کڑھ گئی کیوں کہا؟ اس لیے کہ یہاں کڑھ گئی کا مفہوم ہے۔ ابھر گئی، چمک اُٹھی وغیرہ کڑھائی کے کام میں نقوش اُبھرتے ہیں۔ پھر دبنے کے ساتھ اس مفہوم کو مناسبت ہے یا مصرع میں جو تضاد ہے معترض کے لیے ان باتوں کا سمجھنا نہ سمجھنا برابر ہو گیا ہے۔ دوسرے شعر میں نرخ کا لفظ جو مذکر ہے اسے مونث باندھنے پر اعتراض کیا گیا ہے اور بجا اعتراض کیا گیا ہے۔ مجھے یوں کہنا تھا:

''ہر چیز کی شرح بڑھ گئی ہے''

کوئی رگِ دل افسردہ آج پھر اکساؤ
پھر آج غم کے شبستاں میں اک چراغ جلاؤ
جو مہکی چھاؤں میں نغموں کی پنکھڑی سے بنے
وہی سنا ہے ترے حسن کا نشیمن ہے
ہائے وہ پاؤں جو ٹوٹے سرِ منزل آ کر
ہائے وہ ہاتھ جو آگے تیرے دل گیر رہے

پہلے شعر پر اعتراض ہے کہ رگ اکسائی نہیں جاتی ۔ میری گزارش ہے کہ رگ کی مشابہت ہی سے ہے۔ رگِ دلِ افسردہ بجھے ہوئے یا ٹمٹماتے ہوئے یا بجھے ہوئے چراغ کی بتی کی تصویر سامنے لاتا ہے۔ سوزنِ نظر یا کسی اور طرح سے اسے اکسا دیا جائے تو اسے روشن کیا جا سکے

گا۔اکسانے کا لفظ یہاں بالکل برمحل ہے۔اپنے آغاز شاعری کے زمانے میں Atomic fussion پر میں نے یہ شعر کہا تھا۔اب سے پینتیس برس پہلے کی بات ہے:

ضبطِ غم ذرۂ پامال سے سیکھ اے مجنوں
ابھی غارت گرِ عالم ہی پھٹ کر ہوتا

میرے استاد حضرت وسیم نے اعتراض کیا کہ ذرہ چمکتا ہے،اُڑتا ہے، پامال ہوتا ہے۔لیکن پھٹتا نہیں۔ لکھنؤ کے ایک بہت بڑے استاد جو قدامت پسند بھی تھے اتفاق سے موجود تھے۔انھوں نے کہا کہ 'پھٹنے کا لفظ لائے بغیر مفہوم ادا نہیں ہوسکتا۔'اکسانے کے لفظ پر جو اعتراض ہے اسی قماش کا ہے۔

دوسرے شعر میں خیال کی نزاکت یا ندرت و پاکیزگی کی داد دینے کی بجائے دوراز کار بتا دیا گیا۔رومانی شاعروی کو ٹھس دل و دماغ سے نہیں پرکھنا چاہیے۔مہکی چھاؤں کے فقرے پر بھی یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اوّل تو مہکتی چھاؤں (یعنی مہکی ہوئی خوشبو میں بسی ہوئی چھاؤں) اور مہکتی ہوئی چھاؤں (خوشبو دیتی چھاؤں)میرے مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دونوں مناسب ہیں۔چھاؤں مہکتی کہاں ہے۔اس اعتراض کا جواب صرف یہ ہے کہ جس نازک احساس،جس نازک تخیل سے یہ فقرہ پیدا ہوا ہے اگر وہ معترض کی سمجھ میں نہ آئے تو میں کیا کروں۔برق آواز یا شعلہ آواز،خیال رنگین،خوشبوئے بدن،خوشبو کا دھواں کسی کی گوری گوری کلائیوں کو اگر شاید سیمیں کہیں تو ان کلائیوں کے تصور کو تصور سیمیں کہنا،شراب کو نشاط ارغوانی کہنا، یہ سب نزاکت احساس و نزاکت بیان کی مثالیں ہیں نہ کہ فن کے لوازمات سے غفلت برتنے کی مثالیں۔تھکے تھکے سے یہ تارے تھکی تھکی سی یہ رات بھی اس منطق سے مہمل بیان ہو جائے گا۔میرے شعر پر یہ اعتراض ہے کہ ہاتھ کی صفت دلگیری نہیں ہے۔میں نے ہاتھ کی صفت نہیں اس کا عمل یا حالت کا بیان کیا تھا۔یعنی وہ ہاتھ جو دل کو پکڑے ہوئے تھے۔میں نے دلگیر کے لفظ کا لغوی استعمال کیا تھا۔مجازاً عاشق کے معنوں میں یہ لفظ میں نہیں لایا تھا:

دھواں کہ برقِ حسن کا مہکتا شعلہ ہے کوئی
شبوں کے راز شبنموں کی نرمیاں لیے ہوئے

شعلہ حسن کے مہکنے پر جو اعتراض ہوا ہے مہکی چھاؤں کے سلسلے میں جو کچھ میں نے بتایا اس سے اس اعتراض کا بھی جواب ہو جاتا ہے معلوم نہیں رشید حسن خاں صاحب Keats نے شراب کے متعلق جو یہ مصرعے لکھے ہیں ان کے متعلق کیا کہیں گے۔جہاں ایسی شراب کی طلب کی گئی ہے جس میں منجملہ اور لذتوں کے رقص و سرور اور دھوپ میں تپتی ہوئی سرخوشی یا طرب کی لذت

مضمر ہو؟ O,FOR A DRAUGHT OF VINTAGE TESTING OF FLORA AND THE COUNTRY GREEN DANCE AND PREVNCAL SONG AND SUN BRUNT MIRTH۔

دوسرے مصرعے پر اعتراض کیا گیا ہے کہ شبنم کو صیغۂ جمع میں لکھنا بالکل غلط ہے۔اس اعتراض کے معقول ہونے کا میں صدق دل سے اعتراف کرتا ہوں۔اب مصرع میں نے یوں کر دیا ہے ''شبوں کے راز اشک گل کی نرمیاں لیے ہوئے۔'' ''اشک گل'' بہ معنی شبنم البتہ یہ ضرور عرض کر دوں گا کہ بدخیالی میں رشید حسن خاں صاحب نے میرے دو اشعار کو ملا کر ایک کر دیا ہے۔ وہ دو اشعار یوں ہیں:

دھواں کہ برقِ حسن کا مہکتا شعلہ ہے کوئی
چٹیلی زندگی کی شادمانیاں لیے ہوئے

معشوق کے حسن کی چوٹ کھائی زندگی کی شادمانیاں کہا ہے یعنی حسن کے احساس میں چوٹ کرب درد کسک کے ساتھ شادمانی بھی ہوتی ہے حسن بیک وقت ان کی تصویر ہوتا ہے۔جیسا میں نے ایک دوسرے شعر میں کہا ہے:

اپنی ہی گرمی سے آیا عشق میں اک بانکپن
اپنی ہی نرمی سے گھائل ہو گیا حُسن بتاں

دوسرا شعر یوں ہے:

یہ کس کی مہکی مہکی سانسیں تازہ کر گئیں دماغ
شبوں کے اشک گل کی نرمیاں لیے ہوئے

سوئے اتفاق اس کو کہیں یا معجزۂ دستِ پنہاں
آنے والے یوں تو ادھر تم خیر کہاں تھے پر آئے

میرے شعر میں جذب پنہاں تھا۔معترض کو دستِ پنہاں یاد رہا۔پھر فرماتے ہیں کہ پہلا مصرع بحر سے خارج ہے۔اور اپنی پاکیزگی مذاق کا ثبوت بہم فرماتے ہوئے ارشاد کرتے ہیں کہ اتفاق کو امساک پڑھیے۔گزارش ہے کہ اتفاق کی اور اس کی الف کو وصل دے کر پڑھیے تو یہ مصرع اتنا ہی موزوں معلوم ہوگا جیسے غالب کا یہ مصرع:

مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

یعنی تھ اور آ کو وصل دے کر پڑھنے سے

آبِ حیات ہضم کرنے کو
کتنے زہر پڑیں گے پینے

اعتراض ہے کہ ہضم یہاں مجبوراً بہ حرکت ض پڑھنا پڑے گا۔ تلسی داس کی رامائن بھی اس بحر میں ہے۔ ہندی پنگل جاننے والے سے پوچھ لیجیے تو بتادے گا کہ اس بحر یا چھند میں ہضم کا لفظ سکون ض و بفتح ض دونوں طرح پڑھنا موزوں ہے جیسے میر کے اس مصرع میں:

بھولے تیرے قول وقسم پر ہائے خیالِ خام کیا

قسم کو بروزن قلم بھی پڑھا جا سکتا ہے اور بروزن رسم بھی پڑھا جا سکتا ہے:

سونے کی تو عمر پڑی ہے
اک دنیا میں آج ہے جاگ

فرماتے ہیں۔ ''دنیا میں آج جاگ ہے۔'' زبان کے کسی خانے میں نہیں بیٹھتا۔ بجا ارشاد ہوا۔ لیکن میر انیسؔ کا یہ مصرع زبان کے کس خانے میں فٹ ہوتا ہے۔

''یاں جاگ تھی سوتا تھا ادھر لشکرِ ناری''

جاگ بمعنی شب بیداری، رت جگا۔ اب شاید یہ ارشاد ہوگا کہ جاگ تھی درست ہے جاگ ہے غلط ہے۔

یہ کالی کالی گھٹائیں یہ اودی اودی ہوائیں

جیسے مہکی ہوئی چھاؤں پر اعتراض کیا گیا تھا اسی طرح فرماتے ہیں ہوائیں اودی پہلے کب ہوتی ہیں۔ کیا کیجیے گا میں نے:

بس ایک وقفۂ موہوم سر مگیں لمحہ

بھی تو بیان شام میں لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے:

زمیں سے تا مہ و انجم سکوت کے مینار

Transfereed Epithet کا نام سنا ہی نہیں۔ اودی اودی فضا ہوا میں کھلی ہوئی ہے۔ اسی سے اودی اودی ہوائیں کہا ہے:

تھی یوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اُٹھا فراقؔ کہ میں مسکرا دیا

اس شعر پر مجھے جی کھول کر، بے اختیار اصغر گونڈوی مرحوم حسرت جگر، جوشؔ اور ہزار ہا لوگ داد دے چکے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں درد اُٹھا پہلوے ذم سے بھرپور ہے، سچ ہے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ یہ بھی پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ کوئی شے یا شعر یا مصرع کسی چیز یا کسی صفت کے پہلو سے

کیسے بھرپور ہوتی ہے۔ یا ہوتا ہے۔ پہلو سے بھرپور ہونا عجیب اُردو ہے:

وہم میں بھی جو نہ آتے تھے وہ شب خون کر جائیں

اعتراض ہے اور بجا طور کہ شب خون کرنا نہیں بولتے میں مصرع یوں کرلوں گا۔

وہم میں بھی جو ہوتے تھے وہ شب خوں ماریں

(یا) شب خوں لائیں۔

عشق کو سمجھا اگر کوئی تو حُسن دوست نے

بجا اعتراض ہے کہ نے زائد ہے۔ مصرع یوں درست ہوگا۔

عشق کو سمجھا کسی نے گر تو حسنِ دوست نے

یہ خط کسی قدر طویل ہو گیا ہے۔ میں پُرخلوص تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں خواہ مجھے اپنی فرد گذاشتوں یا لاپروایئوں کا اعتراف ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

(ماہ نامہ تحریک، دہلی، جلد3، نمبر11، جنوری1956، ص6 تا10)

حواشی:

ا۔ رشید حسن خاں کا مضمون ''شعر میں لفظ و اسلوب کی اہمیت'' ماہ نامہ تحریک، جلد3، شمارہ نمبر9، بابت نومبر1955، ص12-7 پر شائع ہوا۔ اس مضمون میں خاں صاحب نے فراقؔ گورکھپوری، احمد ندیم قاسمی، خلیل الرحمٰن اعظمی، قتیلؔ شفائی، علی سردار جعفری وغیرہ کی شاعری کا اسلوبیاتی جائزہ لیا ہے۔ لیکن رشید حسن خاں نے اس مضمون میں سب سے زیادہ فراقؔ کی شاعری پر تنقید کی ہے۔ فراقؔ گورکھپوری کا مذکورہ بالا مضمون نما خط اسی تناظر میں لکھا گیا ہے۔ قارئین کی خدمت میں مضمون ''شعر میں لفظ و اسلوب کی اہمیت'' پیش خدمت ہے۔ اس مضمون کو یہاں پیش کرنے کا مقصد فراقؔ گورکھپوری اور رشید حسن خاں کے نظریات کو استدلال کی روشنی میں پرکھنا ہے:

شعر میں لفظ و اسلوب کی اہمیت

جب کوئی زبان ملتی ہے تو اس میں الفاظ و اصطلاحات اور محاورات و اسالیب کا ذخیرہ کم سے کم ہوتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی شاعر کوئی بات نئے انداز سے کہتا ہے تو اس کے لیے بہت زیادہ فکر کرنی پڑتی ہے، پھر جب کوئی دوسرا شخص اسی بات کو نئے رُخ سے کہنا چاہتا ہے تو تخیل بہ صد ہزار کاوش دوسرا اسلوب پیدا کرتی ہے۔ جوں جوں زبان کے قدم آگے بڑھتے ہیں اس کے خزانے میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دور ایسا آتا ہے جب قوتِ تخیل ایک بات کے ہزار اسلوب تخلیق کر چکی ہوتی ہے اور ایک لفظ کے متعدد مرادفات بن چکے ہوتے ہیں۔ وہ زبان جس سے بوئے شیر آتی تھی،

ہزاراں ہزار مرکبات ومحاورات زرتار لباس پہن کر بہ صد ہزار نیرنگ جلوہ گر ہو جاتی ہے۔

زبان کی یہ مشاطگی ان مرصع سازوں کے ہاتھوں ہوتی ہے جو لفظ کے محل استعمال، صوتی اثر اور حسن تناسب سے پورے طور پر آشنا ہوتے ہیں۔ وہ الفاظ کے نگینوں کو مختلف پہلوؤں سے اس طرح تراشتے ہیں کہ آب ورنگ اور تب وتاب میں ہزاروں طرح کا اضافہ ہو جاتا اور ان نگینوں کے جڑنے کے ایسے اسالیب پیدا کرتے ہیں کہ صبح کہ صبح وشام کی مرکب تابشیں ان کی مینا کاری ومرصع سازی کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں۔

جب اسالیب کے خوب سے خوب تر سانچے تیار ہو جاتے ہیں، الفاظ میں ترمیم واصلاح کا عمل ایک حد تک مکمل ہو جاتا ہے اور زبان وسعت وپاکیزگی کی دولت سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ اس وقت بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ اس کی وسعت میں مزید اضافہ کیا جائے اور قدما نے زبان کو شائستہ وتراشیدہ بنانے میں جو خونِ جگر صرف کیا ہے اس کو پیشِ نظر رکھ کر زبان کو اور زیادہ پاکیزہ وسیع کیا جائے، لیکن اگر اس منزل پر پہنچ کر کوئی شخص ایسی زبان استعمال کرے جس میں پاکیزگی وپختگی کے بجائے ناپختگی وکم نظری چشمک زن ہو تو یہ بات نہایت درجہ قابل نفریں ہوگی اور اس وقت ضروری ہوگا کہ اس پر نابالغ کی اس حرکت مکتبی پر چشم نمائی کی جائے۔ کیوں کہ اس طرح وہ اپنے فن ہی کو نقصان نہیں پہنچاتا بل کہ اس کی غلط فروشی دوسرے افراد کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتی ہے اور زبان کے خط وخال بگڑنے کا احتمال ہو جاتا ہے۔

بچپنے میں جب بچہ تتلا کر بولتا ہے تو ہر شخص اس نارسیدہ گفتگو کو پسند کرتا ہے لیکن وہ بچہ اگر عاقل بالغ ہو کر اسی طرح تتلا کر گفتگو کرنا چاہے تو پھر اس بچپنے کو کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔ اسی طرح جب کسی زبان کی ابتدا ہوتی ہے اس وقت ہر قسم کے تصرفات گوارا ہوتے ہیں۔ لیکن جب زبان اس منزل سے گزر جاتی ہے اور الفاظ میں تراش خراش کر کے ان کو عمدہ سے عمدہ شکل بخش دی جاتی ہے۔ پھر اس کیفیت اولین کو نہیں پسند کیا جا سکتا۔ لیکن آج کل کے نئے شعرا خصوصاً ترقی پسند حضرات نے اس پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور یہ فرض کر لیا ہے کہ جس لفظ کو جہاں چاہو اور جس طریقے سے چاہو استعمال کر لو، بہر طور جائز ہے۔ اس طرز عمل سے بیان کی دل کشی اور زبان کی صحت وپاکیزگی ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

ترقی پسند تحریک شروع سے ادبی کم تھی سیاسی زیادہ۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کا سیاسی پہلو پس منظر میں تھا۔ جوں جوں سیاسی حالات میں تغیر ہوتا گیا اس کی یہ حیثیت اُجاگر ہوتی گئی اور جتنی زیادہ اس کی سیاسی حیثیت نمایاں ہوتی گئی، اتنی ہی زیادہ ادبیت کم ہوتی گئی۔ ترقی پسند حضرات نے اس کو اپنے سیاسی نظریے کی نشر واشاعت کا ذریعہ قرار دیا۔ یہی نہیں، بل کہ اس دھن میں یہ فتویٰ بھی دے دیا کہ ادب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ان سماجی وسیاسی نظریات کی نشر واشاعت کرے جن کو مارکس کی بارگاہ سے قبولیت کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ادب کا مقصد صرف اتنا ہو کہ ایک

خاص تحریک کے زیر اثر عام سماجی و سیاسی نظریات کا پرچار کیا جاسکے تو اس کی فنی و ادبی حیثیت خود بہ خود صفر رہ جائے گی۔

اس مفروضے نے زبان و بیان کو حد سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ نئے شعرا کا گروہ فن وضوابط سے بے نیاز ہو کر چند اصطلاحات اور چند نعروں کو اصل کل سمجھ بیٹھا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ شعر کی صورت کتنی ہی مسخ کیوں نہ ہو جائے اور زبان و بیان کے دامن پر کتنے ہی داغ کیوں نہ پڑ جائیں کوئی حرج نہیں ہے۔ ترقی پسند ناقدین نے اس آگ کو اور ہوا دی اور ان کی حمایت بے جا کے سہارے عام شعرا اور ادیبوں نے یہ فتویٰ دے دیا کہ الفاظ واسالیب پر گفتگو کرنا رجعت پسندی ہے۔ بس مواد کی سماجیت کافی ہے۔ اس طرح وہ زبان جس کو قدمانے پاکیزہ بنانے میں خونِ جگر صرف کیا تھا، ان سعادت مند مجاہدین کے ہاتھوں حد سے زیادہ جراحت زدہ ہوگئی۔

کہا جاتا ہے کہ آج کے شاعر کو ان سیماب صفت حالات اور الجھے ہوئے واقعات سے سابقہ پڑتا ہے جو اس سے پہلے نہیں تھے۔ اس لیے شاعر مجبور ہے کہ ان کے بیان میں وہ حسب ضرورت قطع و برید کرے اور چوں کہ سماج میں حد سے زیادہ پراگندگی اور انتشار موجود ہے۔ اس لیے نفسیاتی طور پر آج کا شاعر وہ سکون و فرصت حاصل نہیں کر سکتا جو متقدمین کو میسر تھی۔ ذہن بے انتہا پیچیدگیوں سے گھرا رہتا ہے۔ اس لیے زبان وادب میں ان چیزوں کا تقاضا نہیں کیا جاسکتا جو اس سے پہلے پیش نظر رکھی جاتی تھیں۔ یہ منطق سرتاسر غلط ہے، متقدمین نے ایسی کوئی بات نہیں چھوڑی ہے جو متاخرین کے لیے بالکل نئی ہو، فرق صرف اتنا ہے کہ الفاظ کی تعبیر بدل گئی ہے، پہلے جن اصطلاحوں سے ایک خاص مفہوم مراد ہوتا تھا ابھی انھیں اصطلاحات سے دوسرے مفہومات ادا ہوتے ہیں۔ پہلے سرخ رنگ گلاب کے پھول سے لے کر رخسار محبوب تک کی منزلیں طے کرتا تھا۔ اب وہ سرخ آندھی، سرخ ستارے، سرخ سپاہی اور لال پرچم میں صرف ہوتا ہے۔ پہلے انقلاب کے معنی تھے کسی ملک میں اقتدار اعلا کی مکمل تبدیلی، اب اس کے معنی ہیں سرخ مجاہدین کے ہاتھوں بورژوا طبقے کی تباہی اور پرامن مجاہدین کی بالا دستی۔ یہی حال اسلوب کا ہے، جذبات انسانی، مناظر فطرت، اسرار کائنات غرض ایسی کون سی چیز ہے جو بہتر سے بہتر صورت میں ادا نہیں کی جاچکی ہے، صرف ایک انیسؔ کا کلام لیجیے مناظر فطرت، لڑائی کے سین اور ان کی جزئی تفصیلات جذبات انسان وغیرہ کے ایسے شاہ کار موجود ہیں جن کی آب و تاب کے سامنے بڑے بڑے مرقعے ماند پڑ جاتے ہیں۔ اکبرؔ کا طنز، جوشؔ کی منظر نگاری، اقبالؔ کا فلسفہ، یہ سب ضوابط کی پابندی کے ساتھ وجود میں آئے ہیں، ان میں سے کسی کو اس بدقواعدگی اور اس مکتبی جہاد کی ضرورت پیش نہیں آئی جس کو یہ حضرات ضروری بتاتے ہیں اور ان میں سے کسی کو مفہوم کے ادا کرنے کے لیے نظم آزاد کی بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑا۔

جب بھی کسی ادب پارے کو فنی نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو فوراً ترقی پسند دوستوں کی بارگاہ سے بورژوا ذہنیت کا فتویٰ صادر ہو جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ فن کی باریکیاں، موشگافیاں اور اس کے

ضابطے سائنتی نظام کے زائدہ ہیں، اس لیے ان پر اصرار کرنا کرشمۂ کافر طبعیتی کے سوا کچھ نہیں، لیکن یہ لوگ اس بات کی طرف بالکل توجہ نہیں دیتے کہ شاعر ہو یا ادیب۔ وہ خالق ہوتا ہے، نقال نہیں۔ اس کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کو ویسی ہی پیش کر دے جیسی کہ وہ ہے بل کہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اس کو تخلیق کے سانچے میں اس طرح ڈھالے کہ وہ شاہ کار بن کر سامنے آئے۔ ناقص شعر ناتراشیدہ الماس ہوتا ہے کہ جب تک کوئی ماہر فن اس کو تراش کر اس کے پہلوؤں کو تاب ناک نہیں کرتا اس وقت تک وہ صحیح قدر و قیمت سے محروم رہتا ہے۔ دنیا کا کوئی فن ہو جب تک فنی تکمیل نہ ہوگی اس کو بلند درجہ حاصل نہیں ہو سکتا، مصور ایک تصویر پیش کرتا ہے۔ عام لوگ اس کی رنگ آمیزی سے بے انتہا متاثر ہوتے ہیں، لیکن اگر اس کے اندر چند خطوط بھی غلط ہیں تو وہ تصویر شاہ کار نہیں کہلا سکتی۔ اور اہلِ نظر کے نزدیک اس کی حیثیت نقش ناتمام سے زیادہ نہیں ہوگی۔

ترقی پسند ناقدین نے زبان کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اس طرح ان کے کم نظر متبعین نے خوب داد بد سلیقگی دینا شروع کی اور جب بھی کسی خوش ذوق نے اس بد مذاقی کی طرف توجہ دلائی تو اس کو رجعت پرست کے خطاب سے نوازا گیا۔ جس کا سب سے برا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان کے سانچے شکستہ ہو کر رہ گئے اور اچھے خاصے مرد معقول اس حمام میں جا کر برہنہ ہو گئے۔ وہ اسالیب جن کو اساتذہ نے بے پناہ ریاض و خوب سے خوب تر بنا دیا تھا، ان کو یاران طریقت کی آسان پسندی نے منزل اول پر پہنچا دیا۔ اب آج عالم یہ ہے کہ اچھے خاصے شاعر غلط بیانیوں کے ایسے انبار لگا رہے ہیں جن کی طرف نظر اٹھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ یہ لوگ منزل ارتقا سے پلٹ کر دورِ جہالت کی طرف لوٹنا کمال سمجھ رہے ہیں اور اس کی مضرت ظاہر ہے۔

تشبیہ و استعارہ اور صفت کے استعمال میں سب سے زیادہ خوش سلیقگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک مفہوم کے لیے متعدد الفاظ ہوتے ہیں، لیکن محل استعمال کے اعتبار سے ہر ایک کا صرف جداگانہ ہوتا ہے۔ یہی حال تشبیہ کا ہے کہ اس میں طرفین میں تناسب اور فوری انتقال ذہن کی رعایت لازمی ہے۔ نئے شعرا تشبیہ و استعارہ کے استعمال میں حد سے زیادہ دراز دستی سے کام لیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے غریبوں کو تو خیر یہ معلوم ہی نہیں کہ تشبیہ و استعارہ کے لیے کن التزامات کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن جن کو معلوم ہے وہ بھی انھیں کے ہم نوا رہتے ہیں جس کے سبب سے تشبیہات و استعارات کے ایسے ایسے مضحکہ خیز پہلو سامنے آتے ہیں کہ پناہ بخدا۔ مشبہ و مشبہ بہ اور مستعار لہ اور مستعار منہ میں جن تناسبات کی رعایت لازمی ہے ان سے دامن کش ہو کر ایسی ایسی کرشمہ کاریاں فرماتے ہیں کہ بس دیکھا کیجیے۔ حالاں کہ یہ دونوں چیزیں حد سے زیادہ خوش ذوقی کی طلب گار ہیں۔ آگے چل کر بعض مثالوں سے ان حضرات کی اعجوبہ نگاری کا صحیح اندازہ ہوگا۔

شعر کی تعریف میں دوسری ساری تفصیلات کے مقابلہ میں اثر آفرینی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی شعر کتنا ہی بلند مفہوم اور کیسا ہی پر شکوہ انداز بیاں کیوں نہ رکھتا ہو، لیکن اگر وہ سامع کو متاثر نہیں

کرسکتا تو اس کی حیثیت سکہ مقبولیت کی سی ہے۔ لفظ و معنی کی اولیت میں اختلاف سہی، لیکن اربابِ نظر اس بات پر ضرور متفق ہیں کہ شعر کی تاثیر انداز بیان پر منحصر ہے مفہوم بجائے خود کتنا ہی پر اثر اور قریب الفہم ہو۔ لیکن اگر اسلوب بیان و طرز ادا پورا پورا ساتھ نہ دیں تو تاثیر کوسوں دور رہتی ہے۔

طرزِ ادا کا تعلق الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترتیب سے ہے۔ ہر لفظ ساخت اور صورت کے اعتبار سے ایک علاحدہ حیثیت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی اچھے شعر میں سے کوئی لفظ نکال کر اس کی جگہ اس کا مرادف لفظ رکھ دیا جائے تو اس کی ساری خوبی ختم ہو جائے گی۔ الفاظ کے انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ ان کی صحیح ترتیب کا ہے اور یہ بات کافی غور و فکر اور مشق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، صرف مفہوم کا ادا کرنا کوئی کمال کی بات نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو ذرا سی مناسبت نظم رکھتا ہے موزوں شعر کہہ سکتا ہے۔ لیکن شعر میں تاثیر پیدا کرنا اس مینا کاری اور مرصع سازی کے بغیر ممکن نہیں۔

اس سے پہلے یہ لازم نہیں آتا کہ شاعر لفظ پرست ہو کر رہ جائے، نہیں اجزائے شعر میں مفہوم اولین اور بنیادی چیز ہے اور اس کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ لیکن صرف خیال پر نظر رکھنا اور اسلوب بیان و طرزِ ادا جو اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں ان کی طرف سے قطع نظر کر لینا بھی بنیادی غلطی ہے، تخیل اور مفہوم کی حیثیت خام مال کی سی ہے کہ اس کے بغیر کوئی چیز تیار نہیں ہو سکتی۔ اس اعتبار سے اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے، لیکن اسلوب بیان اس کا سانچہ ہے۔ اگر سانچہ غلط یا ناقص ہوگا تو چیز بھی ناقص تیار ہوگی۔

ذیل میں کچھ مثالیں اس قسم کی پیش کی جا رہی ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ الفاظ وصفات اور تشبیہ و استعارات کے استعمال میں کتنی کم نظری سے کام لیا جا رہا ہے اور جس کی وجہ سے شعر کی فنی حیثیت اور تاثیر درد کی آواز ہو کر رہ گئی ہے۔ اچھے اچھے شاعر جو چشم بد دور نقاد و ادب اور صاحب نظر بھی ہیں اس کوچہ کی کیسی خاک چھان رہے ہیں اور اس اساطین شعر و ادب کی تقلید میں دوسرے کیا کیا گل کھلا رہے ہیں۔ یہ مثالیں چھان بین یا کوش کی مرہون نہیں ہیں، بل کہ یوں ہی سرسری مطالعے کا نتیجہ ہیں۔ گویا ایک زمانے میں لکھنؤ اسکول کے ایک عارضی دور میں جو کثرت رعایت لفظی اور ضلع جگت کی ہو گئی تھی وہی حالت ان حضرات کی غلط فروشی کی ہے:

ہم تو یہ کہیں گے تیری شوخی
دبنے سے کچھ اور کڑھ گئی ہے
اب مفت نہ دیں گے ہم دل اپنا
ہر چیز کی نرخ بڑھ گئی ہے

(فراق)

پہلے شعر کے مصرع ثانی میں ''کڑھ گئی'' بے محل آیا ہے۔ یہاں سنور گئی، نکھر گئی یا اسی قبیل کے کسی لفظ کو آنا چاہیے۔ قافیہ کی مجبوری کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ

صحیح و غلط میں امتیاز نہ کیا جائے، دوسرے شعر میں اسی قافیے کی رعایت نے نرخ کی تذکیر کو تانیث کا لبادہ اڑھایا ہے جو بجائے خود مضحکہ خیز بات ہے۔

رقص کرتی ہے ترے حسن کی رعنائی میں
وادیٔ نجد کے پھولوں کی سجیلی خوشبو

(قتیل شفائی)

خوشبو کے لیے ''سجیلی'' بہ طور صفت لانا غلط ہے۔ خوشبو غیر مرئی شے ہے اور یہ صفت ایسے موصوف کے لیے آئے گی جو ٹھوس مادی وجود رکھتا ہو:

نہ چاہو تم تو بہر گام کتنی دیواریں
جو چاہو تم تو ملن کی ہزار صورت ہے
یہ اور بات ہے ترک وفا پہ مائل ہیں
تری وفا کی ہمیں بھی ضرورت ہے

(خلیل الرحمٰن اعظمی)

پہلے شعر کے مصرع ثانی میں ''ہزار صورت'' غلط ہے۔ ہزار صورتیں ہونا چاہیے، کوئی شخص اس طرح کبھی نہیں کہتا کہ ''میرے آنے کی ہزار صورت ہے''۔ نیز اسی مصرع میں ملن بھی نہایت بے محل آیا ہے، کیوں کہ وہ گرد و پیش کے الفاظ سے بالکل الگ سا ہے۔ دوسرے شعر کے مصرع ثانی کی ابتدا میں ''لیکن'' کی کمی ایسی ہے کہ اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تاریخ کی آواز

بدن گیتی میں دھڑکتی ہیں تجلی گاہیں
جب شفق وسعتِ مشرق میں لہو بوتی ہے
جب کلی چونک کے چٹکی تو گلستانِ جہاں
اک الاؤ کی طرح شعلہ فشاں بھڑکے گا
قدریں بدلیں گی، یقیں بدلے گا، تم بدلو گے
تیرگی میں بھی تجلی کا گماں بھڑکے گا
میں تو کہتی ہوں مشیت بھی تڑپ اٹھے گی
دستِ انساں سے جب ادراک کا در کھڑکے گا

(احمد ندیم قاسمی)

پہلے شعر میں لہو بونا زبان کے خلاف ہونے کے علاوہ حد سے زیادہ غلط بھی ہے۔ لہو کو پہلے تخم فرض کیا گیا اور پھر اس کو بویا۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ تخم اور لہو میں کوئی نسبت بھی ہے، گویا تیلی کے سر پر کولھو لاد دیا، کہ قافیہ نہ سہی وزن نہ سہی وزن تو زیادہ ہو جائے گا۔ دوسرے شعر میں الاؤ اشباع کے

ساتھ نظم ہوا ہے جو صوتی اعتبار سے نہایت کریہہ ہے۔ تیسرے شعر میں گمان بھڑکنا روزمرہ کے خلاف ہے اور زبان کے کسی خانے میں فٹ نہیں بیٹھتا، آخری شعر میں در کھڑکنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ پتّا کھڑکنا تو سنا تھا، آج در کھڑکنا بھی دیکھ لیا۔ بہت خوب! گویا شاعر کو آزادی ہے کہ جس لفظ کو جہاں چاہے اور جس لفظ یا الفاظ کے ساتھ چاہے لا سکتا ہے، کسی ضابطے، رعایت اور تناسب کی ضرورت نہیں ہے۔ جی چاہے سورج کو پہاڑ سے تشبیہ دے دے اور دل میں آجائے تو چاند کو گھوڑا بنا دے۔ سب ٹھیک ہے۔ اسی نظم کا آخری شعر ہے:

انقلابات کی گہرائیاں پرکھو کہ یہاں
نئے انسان بھی ہیں اور نئے دستور بھی ہیں

لیجیے انقلابات کی گہرائی سکہ رائج الوقت یا پارۂ زر بن گئی کہ اس کو کسوٹی پر پرکھ لیجیے:

سوئے اتفاق اس کو کہیں یا معجزۂ دست پنہاں
آنے والے یوں تو ادھر تم خیر کہاں تھے پر آئے

(فراقؔ)

پہلا مصرع بحر سے خارج ہے یا پھر اتفاق کو بروزن امساک پڑھیے:

اور یونان کی آزاد حسیناؤں نے
کتنے دل فصل بہاراں کے لیے بوئے ہیں
خاک برما نے اُگائے ہیں وہ شعلے جن میں

(نظم ایک سال-سردار جعفری)

دل بونا اور شعلے اُگانا حد درجہ بد مذاقی سے آراستہ بدعیش ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ یا تو شاعر علم معانی و بیان سے ناواقف ہے یا پھر ان ضوابط کو قابل اعتنا نہیں سمجھتا، ویسے بھی دل بونے یا شعلے اُگانے سے کوئی متعین مفہوم ادا نہیں ہوتا اور نہ ان میں کوئی ایسی ندرت ہے جو کسی اور طرح نہ پیدا ہو سکے۔ حسینوں کی جگہ حسیناؤں اس سے بھی بدتر ہے۔ ایسے اسقام دراصل شاعر کے عجز بیان کی غمازی کرتے ہیں۔ اسی نظم میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

اور وہ شعلہ نفس شاعر و افسانہ نگار
اپنے نغموں کی حرارت گلا دیتے ہیں
روح کے بوجھ کو افکار کی زنجیروں کو

زنجیروں کو گلا دینا مسلّم لیکن اس کے ساتھ بوجھ کو بھی گلا دینا گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کے سوا کچھ نہیں۔ سردار جعفری ادیب و نقاد بھی ہیں۔ ان کو تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر لفظ ہر جگہ نہیں آسکتا اور نہ ہر لفظ سے ہر مفہوم ادا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو مرادف الفاظ کی ضرورت ہی کیا رہتی ہے۔ ایک لفظ کافی ہے اسی کو ہر جگہ استعمال کر لیا جائے۔ سردار جعفری کی ایک دوسری نظم ہے جس میں انھوں

نے ترکی کے مشہور شاعر ناظم حکمت کو مخاطب کیا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:

آج پھر تیری صدا
حلقۂ طوق و سلاسل سے نکل آئی ہے
حشر انگیز لڑائی کے جہازوں کی طرح
پھر بھی پر امن و حسین و شاداب

آواز کے لیے شاداب بہ طور صفت لانا غلط ہے یہ ایسی چیزوں کے لیے بہ طور صفت آتا ہے جن میں منو کی کیفیت ہو مثلاً پھول، درخت وغیرہ یا بہ طور استعارہ چہرے کے لیے آواز کو اس سے کوئی مناسبت نہیں:

ہاں وہی ہاتھ کڑکتے ہوئے کوڑوں کی طرح
زخم ہر پیٹھ پہ ہر جسم پہ برساتے ہوئے
ظلم کی طرح نڈر، رات کی مانند طویل
کوڑھ کی طرح سفید

(علی سردار جعفری، نظم خونی پنجہ)

ہاتھوں کو نڈر کہنا غلط ہے۔ یہ فرد کے لیے بہ طور صفت آتا ہے۔ اعضا کے لیے نہیں، اسی نظم کے آخر میں کہتے ہیں:

توڑ دو کاٹ دو یا آگ لگا دو ان کو
بن پڑے جیسے بھی گردن سے ہٹا دو ان کو

ہاتھ کا توڑنا یا کاٹنا برحق، لیکن ان کو آگ لگانا قطعاً مہمل بات ہے ہاتھ، باغ، چھپر یا گھر تو نہیں کہ ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جائے۔ سردار جعفری کی ایک اور نظم ہے ''فیض کے نام'' اس میں کہتے ہیں:

میں اپنی آواز کا شعلہ
اور اپنی للکار کی بجلی
گیتوں کے ریشم میں رکھ کر
تیری خاطر بھیج رہا ہوں

کہنا صرف یہ تھا کہ تیری روداد قید سن کر میرے گیتوں میں بجلی کی تڑپ اور شعلے کی سی تیزی پیدا ہو گئی ہے اور میں ان تحفوں کو تیرے لیے بھیج رہا ہوں۔ اس کے لیے اتنے پاپڑ بیلے گئے ہیں کہ گیتوں کا ریشم تیار کیا گیا۔ حالاں کہ یہ بسم اللہ ہی غلط ہوئی۔ کیوں کہ جن گیتوں میں بجلی اور شعلے ہوں وہ ریشم کی طرح نرم نہیں ہو سکتے وہ تو آتش فشاں پہاڑ ہوں گے کہ تاثر کا شعلہ فشاں مادہ پھیل جائے پھر اس ریشم میں آواز کا شعلہ اور للکار کی بجلی لپٹی ہے۔ اب یہ کون کہے کہ بجلی ہو یا شعلہ ان میں سے کوئی چیز ریشم میں نہیں رہ سکتی۔ ان مظروفات کے لیے کوئی دوسرا ظرف تراشنا چاہیے تھا۔ اسی نظم میں

آگے چل کر لکھتے ہیں:

شاعر کی آواز کو کس کا
خونیں پنجہ گھونٹ رہا ہے

تنہا آواز کو گھونٹنا بادِ پیمائی ہے جب تک کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا مناسب لفظ نہ لایا جائے جس پر یہ کیفیت وارد ہو سکے۔ مثلاً آواز کا گلا گھونٹ دیا گیا کیوں کہ گلا گھونٹنے کا عمل گلے یا اس قسم کی کسی چیز پر ہو سکتا ہے۔ آواز جو غیر مرئی اور غیر جسمی چیز ہے اس سے اس کا کیا تعلق۔ سردار جعفری کے یہ کارنامے پڑھ کر زیادہ افسوس اس لیے ہوتا ہے کہ وہ خود ایک اچھے نقاد اور صاحب فکر شاعر ہیں اور وہ تشبیہات و استعارات میں خوب خوب ندرتیں پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً ان کی مشہور نظم ''پتھر کی دیوار'' کے یہ شعر ملاحظہ ہوں:

پتیوں کی پلکیوں پر
اوس جگماتی ہے
املیوں کے پیڑوں پر
دھوپ پر سکھاتی ہے
چاند کے کٹورے سے
چاندنی جھلکتی ہے
جیل کی فضاؤں میں
پھر بھی ایک اندھیرا ہے
جیسے ریت میں گر کر
دودھ جذب ہو جائے

یا

بھوک کا بھاینک روپ
چکیوں کے بھدے راگ
روٹیوں کے دانتوں میں
ریت اور کنکر ہیں
دال کے پیالے میں
زرد زرد پانی ہے
چاولوں کی سورت پر
مفلسی برستی ہے
سبزیوں کے زخموں سے

پیپ سی ٹپکتی ہے

مندرجہ بالا اقتباسات کو دیکھیے، ان کی تشبیہی اور ندرتوں اور خوبی ہائے سے کون کافر انکار کر سکتا ہے اور کون ایسا شخص ہے جو اس قوت بیان اور ندرت خیال کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔لیکن جب وہ مذکورہ بالا بدعتوں کے انبار لگاتے ہیں تو نہایت کوفت ہوتی ہے،ان غلطیوں پر نہیں بل کہ اس بات پر کہ ان جیسے شخص کا ایسی غلطیاں کرنا دوسرے بے سامان افراد کے لیے نشانِ راہ کا کام دیتا ہے:

کوئی رگِ دل افسردہ آج پھر اکساؤ
پھر آج غم کے شبستاں میں اک چراغ جلاؤ
جو مہکی چھاؤں میں نغموں کی پنکھڑی سے بنے
وہی سنا ہے ترے حسن کا نشیمن ہے
ہائے وہ پاؤں جو ٹوٹے سرِ منزل آ کر
ہائے وہ ہاتھ جو آگے تیرے دل گیر رہے

(فراقؔ)

پہلے شعر میں ''رگ اکسانا'' غلط ہے، محاورہ کے اعتبار سے بھی اور رائے مفہوم کے اعتبار سے بھی۔ دوسرے شعر میں مہکی چھاؤں کے بجائے مہکتی چھاؤں ہونا چاہیے۔اگر چہ چھاؤں کا مہکنا بھی محل نظر رہے گا۔ اس کے علاوہ نغموں کی پنکھڑی سے نشیمن بنانا اور اس میں حسن کو بٹھانا ایسے بعید استعارات ہیں جن کی طرف شاید ہی ذہن منتقل ہو سکے۔تیسرے شعر میں ہاتھ کی صفت دل گیر صحیح نہیں۔دل گیر ایسے موصوف کے لیے آئے گا جس میں کیفیت احساس موجود ہو:

ہر کام عشق کا اسی کارن اٹک گیا

(فراقؔ)

اسی کارن اس جگہ پر نہایت مکرہ ہے۔

انھیں دھکیا کے بڑھیں قافلے والے آگے
قدم اٹھتے ہیں غلط قافلہ سالاروں کے

(فراقؔ)

دھکیانا بجائے خود کتنا ہی فصیح ہو لیکن یہاں نہایت بے محل ہے۔

ابل پڑیں ابھی ابھی آب حیات کے چشمے
شرار سنگ کو ایسا نچوڑ سکتا ہوں
ہے زیر و بم مری لے کا حریف ضربِ کلیم
بلند و پست چٹانوں کو پھوڑ سکتا ہوں

(فراقؔ)

شر رکو نچوڑ نا تخیل کی بے راہ روی کا کرشمہ ہے۔ کیوں کہ شرر اور نچوڑ میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح چٹانوں کو پھوڑ نا بھی دائرۂ زبان سے خارج ہے۔

دھواں کہ برق حسن کا مہکتا شعلہ ہے کوئی
شبوں کے راز شبنموں کی نرمیاں لیے ہوئے

(فراقؔ)

شعلے میں تابش ضرور ہوئی ہے، لیکن اس کو مہک سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اسی طرح شبنم کی جگہ شبنموں نہایت بھونڈی بات ہے۔

ابھی سنبھلے رہو کہ دن ہے فراقؔ
رات بھر بے قرار ہو لینا

(فراقؔ)

دوسرے مصرع میں رات میں یا رات کو ہونا چاہیے۔ اس کے بغیر مصرع فصاحت وصحت دونوں سے عاری رہے گا۔

ساغر نظامی کی ایک طویل نظم ''کشمیر'' آج کل کے کشمیر نمبر میں شائع ہوئی اس کے بعض حصے دیکھنے کے قابل ہیں۔ فرماتے ہیں:

دور تک چیڑ کے گھنے جنگل
ایک رمز، ایک علم، ایک دہل

دہل صحیح بہ ضم ہائے ہوز ہے، بہ فتح ہا نہیں کہ جنگل کے قافیے میں آ سکے۔ نیز یہ لفظ اُردو میں بالعموم رائج نہیں ہے جو اس پر تمہید کا کام لگایا جا سکے۔

اس حقیقت کو اے نگاہ نہ بھول
ہے گلِ زعفراں خزاں کا پھول
یا فسوں پھول بن کے پھوٹا ہے
یا جنوں رنگ بن کے پیرا ہے

فسوں پھوٹنا اور پھول پھوٹنا دونوں زبان کے خلاف ہیں۔

پھوٹتی ہیں زمیں کے سینے سے
نیلگوں تتلیاں پرے کے پرے

اس شعر کی نثر اس طرح ہوگی ''نیلگوں تتلیاں زمین کے سینے سے پرے کے پرے پھوٹتی ہیں۔'' اور اس کا غلط ہونا ظاہر ہے، صحیح ترتیب یوں ہوگی ''نیلگوں تتلیوں کے پرے کے پرے زمین کے سینے سے پھوٹتے ہیں۔'' اگر چہ ''پرے پھوٹنا'' پھر بھی محل نظر رہے گا۔

انگلیاں ان کی مانی و بہزاد
ان کے پوروں میں تیشۂ فرہاد

پہلے مصرع کے انداز بیان کے اعتبار سے دوسرا مصرع صحیح نہیں ہے۔اوّل تو انگلیوں کا مانی و بہزاد ہونا ہی تکلف سے خالی نہیں ہے، پھر اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو دوسرے مصرع میں پوروں میں تیشۂ فرہاد کا ہونا صحیح نہیں ۔کیوں کہ تیشہ ہاتھ میں ہوتا ہے، پوروں میں نہیں۔یا پھر اس طرح کہا جائے کہ ان کی پوریں تیشۂ فرہاد ہیں۔

سب یہ روشن چراغ بجھ جائیں
ہر کنول کے چراغ بجھ جائیں

''ہر کنول'' کے ساتھ فعل واحد آنا چاہیے''یعنی'' ہر کنول کا چراغ بجھ جائے۔''

توڑ دیں بے کسی نے زنجیریں
چور کی زندگی نے زنجیریں

زنجیریں چور کرنا زبان اور واقعیت دونوں کے خلاف ہے، زنجیر کوئی شیشہ تو ہے نہیں کہ اس کو چور کر دیا جائے:

ہو کے بے تاب موجِ گنگا نے
ہار ڈالے گلے میں جہلم کے
ایک دھارا ہے اور اک سنگم
مشترک ہے جنوں وف محکم
آگ ہے ایک دو دلوں میں دبی
ایک دونوں کا ہے خفی و جلی

آخری شعر میں خفی وجلی بہت بے محل آئے ہیں۔شاعر کا مفہوم تو یہ ہے کہ دونوں کا ظاہر و باطن ایک ہے۔لیکن جلی وخفی سے یہ مفہوم ادا نہیں ہوتا۔اس کا محل استعمال دوسرا ہے۔

اک چمن، اک نسیم، ایک سمن
اک خزاں، اک بہار کیا کہنا

ایک سمن بالکل غلط ہے، چمن اور نسیم تو اپنی وسعت معنوی کے اعتبار سے یہاں برمحل ہیں کہ وہ ہندوستان وکشمیر کے اشتراک کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن سمن جو لفظ واحد ہے اور معنی واحد ہی دے سکتا ہے کسی طرح ان سے میل نہیں کھاتا۔

آج پھر عشق لٹاتا دل و جاں ہے کہ جو تھا
آج بھی حسن وہی جنسِ گراں ہے کہ جو تھا

(فراقؔ)

پہلے مصرع کی ردیف غلط ہے۔

یہ کالی کالی گھٹائیں
یہ اودی اودی ہوائیں

(فراق)

ہوا اودی ہوتی ہے یہ نیا انکشاف ہے۔

کچھ ایسا کر کہ اک دم
مسکرا دیں آہوئے پر نم

(فراق)

آنکھوں کو آہوئے پرنم کہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ شاعر کو یہ بالکل نہیں معلوم کہ مستعار منہ میں کیا نسبت ہونی چاہیے اور یہ کہ مشبہ کس وقت حذف کیا جا سکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے۔

آب حیات ہضم کرنے کو
کتنے زہر پڑیں گے پینے

(فراق)

دیگر معائب سے قطع نظر کر کے مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ہضم صحیح اور فصیح بہ سکون ضاد ہے پھر فتح ضاد ہونے سے رہا۔

یہ اشارات نہاں اہل ہوس کیا سمجھیں
ایسوں میں تذکرۂ عشق نہ زنہار چلا
تھی یوں تو شام ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اُٹھا فراقؔ کہ میں مسکرا دیا

(فراق)

پہلے شعر میں 'تذکرہ چلانا کوئی زبان نہیں ہے۔ دوسرے شعر میں ''درد اٹھنا'' پہلو کے ذم سے بھرپور ہے۔

وہم میں بھی جو نہ آتے تھے وہ شب خوں کر جائیں
چوٹ ابھی کہ گل شمع یقیں دیکھا لیا

(فراق)

شب خوں کرنا غلط ہے۔ شب خوں مارنا بولتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں استعارہ اتنا بعید ہے کہ ذہن اس تک نہیں پہنچتا۔

عشق کو سمجھا اگر کوئی تو حسن دوست نے
شہرتیں بھی کم نہ تھیں گو کم نہ تھیں رسوائیاں
میں جس کے سبب تیرے ترحم کا ہوں خواہاں
شاید وہ میرا حال مجھے بھی نہیں معلوم

(فراق)

پہلے شعر میں نے غلط ہے۔ یا پھر کوئی کی جگہ ''کسی نے'' لکھا جائے۔ دوسرے شعر میں ''جس کے سبب'' کے بجائے ''جس کے سبب سے'' صحیح انداز بیان ہے۔

ہزار شمس و قمر پہلوؤں میں ہیں جن کے
ان اہل دل کے غباروں کو چھیڑ سکتا ہوں

(فراق)

غبار کی جگہ غباروں غیر مستعمل ہونے کے علاوہ نہایت کریہہ ہے۔ بادی النظر میں یہ غبارے کی جمع معلوم ہوتی ہے۔

بڑھتے چلے ہیں اب اثر چشمِ سیاہِ یار کے

(فراق)

اثر کے ساتھ فعل واحد آنا چاہیے۔

کوئی جیے تو کیا جیے کوئی مرے تو کیا مرے
مرگ و حیات دونوں ہی جب نہ ہوں اعتبار کے

(فراق)

جب تک ''اعتبار کے قابل'' نہ ہو جملہ صحیح نہیں ہوسکتا۔

سونے کو تو عمر پڑی ہے
اک دنیا میں آج ہے جاگ

(فراق)

دنیا آج جاگ اُٹھی ہے۔ یا آج دنیا میں بیداری ہے۔ صحیح طرز بیان ہے ''دنیا میں آج جاگ ہے'' زبان کے کسی خانے میں نہیں بیٹھتا۔

یہ وہ مثالیں ہیں جو سرسری مطالعے کے بعد پیش کی گئی ہیں۔ اگر کوئی شخص بالالتزام ہر ماہ کے رسائل و اخبارات میں متعارف و مقتدر شعرا کے زادہائے طبع کا جائزہ لیتا رہے تو ہر ماہ ایک مضمون نہایت آسانی سے تیار ہوسکتا ہے۔ کیا یہ بات ادب و زبان کے لیے تباہ کن نہیں ہے۔ ہم کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر زبان کا ایک معیار ہوتا ہے اور ہر زبان میں کچھ ضابطے ایسے ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا زبان کی معیاریت اور خوبی باقی رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ جب بھی ان کو نظرانداز کیا جائے گا زبان کی پاکیزگی و دل کشی مجروح ہو جائے گی اور اس صورت میں نظم ہو یا نثر کسی میں بھی دل کشی و تاثیر باقی نہیں رہ سکتی۔

(ماہ نامہ تحریک، دہلی، جلد 3 نمبر 9، نومبر 1955، ص 7 تا 12)

نوٹ: فراق گورکھپوری کے مذکورہ بالا خط کا جواب ضمیمہ سوم رشید حسن خاں بہ نام فراق گورکھپوری میں ملاحظہ کیجیے۔ مرتب

❁❁❁

فرقت کاکوروی بہ نام رشید حسن خاں

(اس خط کو پڑھ کر چاک کر دیجیے گا)

Personal & Confidential

پہاڑی بھوجلہ
1705، دہلی
10 اکتوبر 63

رشید صاحب!

آج ہی تحریک کا پرچہ بہ ذریعہ ڈاک ملا۔ ایک ہی نشست میں تین بار پورے مضمون[1] کی ''تلاوت'' کی۔ سچ پوچھیے تو مضمون کیا پڑھا مذبح کی سیر کی۔ کیا کیا نقرئی، طلائی، جواں سال اور جہان دیدہ دمبوں کو ذبح کیا ہے۔ بہ خدا میں بہت کمزوردل واقع ہوا ہوں مگر جہاں جہاں آپ نے چھری چلائی ہے بکروں کو دَم بخود ہوتے ہی پڑھا ہے اور عجب ہیں جوان میں سے چند کہہ رہے ہوں ''مار تجھے خدا مارے''، بہرصورت میں تو بعض فقروں کو پڑھ کر اچھل اچھل پڑا۔

مُردوں کا پوسٹ مارٹم تو سُنا تھا مگر زندوں بل کہ رندوں کا پوسٹ مارٹم کرنا آپ ہی کا حصہ ہے۔ کاش یہ مضمون کسی ایسے رسالے میں شائع ہوتا جو کئی زبانوں میں ہوتا اور ساری دنیا میں پڑھا جاتا۔ میرے خیال میں اس کتاب کی سب سے زیادہ بکری یورپین ممالک میں ہوگی جہاں کاغذ استنجے کی جگہ استعمال ہوتا ہے اگر انگریزوں کے ہندوستان سے جانے کے بعد بھی اس کتاب کو سڑکوں کے ہر یورینل (پیشاب خانہ) میں اُلٹا ٹانگ دیا جائے تو اُردو ادب کا ہر طالب علم پیشاب کر کے استنجے کا عادی ہی نہیں بل کہ شوقین ہو جائے گا اور یہ کتاب بجائے پڑھنے کی طہارت کے بہترین فرائض انجام دے سکے گی۔ اس مضمون کو تو چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑا اور کامیاب انکشاف تو ہے کہ:

> ''بابر ماہر جنگ ہونے کے باوجود ایک بلند سیرت اور تربیت یافتہ ذہن رکھتا تھا۔ یہ تو ایسی بات ہوئی کہ میرا بکرا باوجود چار ٹانگیں رکھنے کے اپنے سر پر دو سینگ رکھتا ہے اور اسے لوگ بکرا کہتے ہیں۔ حد ہوگئی۔''

اور یہ بھی خوب ہے کہ:

''بابر کے مورث غیر معروف انسان تھے مگر بابر کے مورث کئی نسلوں سے با اقتدار حکمراں رہ چکے تھے۔''

جیسے یہ کہیں کہ وہ شعر کہنے کے باوجود شاعر تھا اور لم یلد ولم یولد ہی کہنے پر بھی اس کے ماں باپ زندہ تھے۔

اسی طرح جہاں تاریخ پیدایش اور وفات میں تضاد ہے وہاں یوں لکھنا چاہیے تھا:

''مثنوی پھول بن کا سال تصنیف 1655/1076ھ ہے اور یہ بھی لکھنے کو لکھ دیا گیا ہے۔ سچ پوچھیے تو سال تصنیف کچھ بھی نہیں ہے۔ مصنف نے محض نقش طبع کی خاطر لکھ دیا ہے۔ مثنویوں کا بھی بھلا آج تک سال تصنیف ہوا ہے۔ اگر ہوا ہے تو غلط ہوا ہے اور غلط بھی کیا تقریباً صحیح ہوا ہے۔ ورنہ کیا صحیح اور کیا غلط، کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہے۔ مگر اس سے بحث کرنا فضول ہے البتہ اسی مثنوی کو آئینہ تصنیف کرتے وقت صاحب تصنیف کو احتیاط لازم ہے۔''

یہ چند سطریں جلدی میں لکھ کر بھیج رہا ہوں اس وقت دماغ بالکل حاضر نہیں ہے کیوں کہ میں ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو'' کا دوسرا حصہ تیار کرنے جا رہا ہوں۔

مخلص

فرقت کاکوروی

حواشی:

1. فرقت کاکوروی نے یہ خط رسالہ تحریک، اکتوبر 1963، نئی دہلی میں شائع ہوئے ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو'' پر خاں صاحب کے تبصرے کو پڑھ کر لکھا تھا۔ موصوف نے اُردو اور انگریزی میں اس خط کی رازداری کی بات لکھی ہے۔

❁❁❁

فرمان فتح پوری بہ نام رشید حسن خاں

(1)

اُردو لغت بورڈ | URDU DICTIONARY BOARD
ایس ٹی۔18اے گلشنِ اقبال، بلاک نمبر۔5 | ST-18/A,GULSHAN-E-IQBAL,BLOCK-5
آف یونی ورسٹی روڈ، کراچی | OFF UNIVERSITY ROAD, KARACHI
ٹیلی فون:466687-468887 | TEL:466687-468887

14/11/1987

محبّی مکرم و محترم خاں صاحب، سلام مسنون۔[1]

یقین فرمائیے۔ لاہور اور مری سے واپسی پر آپ کو ایک مفصل خط لکھا تھا اور وہ بہت اہم تھا، معلوم نہیں کہاں رہ گیا۔ معین الرحمٰن صاحب کو میں نے اُسی وقت لغت کی جلدیں بھجوادی تھیں۔ معلوم ہوا کہ آپ اُن سے لغت کی جلدیں نہیں لے گئے۔ 20 کو لاہور جا رہا ہوں، معین صاحب سے ملاقات ہوگی تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

باغ و بہار مطبوعہ کلکتہ سے گل کرسٹ کا مقدمہ بہت جلد آپ تک پہنچے گا بالکل اطمینان رکھیے۔

نیاز صاحب کے جلسے میں ہندوستان سے آنے والوں کا انتظام بھائی انجم صاحب کے گھر رہتا ہے۔ میرا اصرار یہ رہتا ہے کہ کوئی آگے ضرورت آپ سے میری بات تو ہوئی تھی لیکن خیال ہوا کہ اب آپ کو اس سال وقت ملے گا یا نہ ملے گا۔ وِزا حاصل کرنے میں بھی دشواری ہوگی۔ اس لیے انجم صاحب سے گزارش کی تھی کہ کسی صاحب کو بھجوائیں۔ آپ جس وقت آنا چاہیں، جب بھی وقت ملے، مجھے اشارہ کر دیجیے۔ جلسے پر جلسے ہوں گے، میرا دل خوش ہوگا۔ بیگم اور بچے خصوصاً رافع آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ اب کے آئیں تو بھابھی کو ضرور لائیں۔ یہ دعوت میری بیگم کی طرف سے ہے کرایہ بھی ان کی طرف سے ہوگا۔

والسلام

جناب رشید حسن خاں

(2)

شعبۂ اُردو،

کراچی یونی ورسٹی

ٹیلی فون: 463367/468887

تاریخ: 06/02/1989

سی۔28۔13۔ڈی

گلشنِ اقبال، کراچی

محبّ مکرم سلام مسنون[۲]

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ہمیں اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں۔ بھول کیسے سکتا ہوں۔ کوشش کے باوجود ممکن نہ ہوگا۔ آپ کا اخلاص میرے حق میں بے پایاں اور بے مثال ہے۔ آپ نے کیسی کیسی جگہ اور کیسے کیسے لوگوں کے سامنے میرے حق میں کلمات خیر کہے اور کیسے خلوص و اعتماد کے ساتھ کہے کہ سبحان اللہ! ۔ مجھے مری کی محفل کبھی نہیں بھول سکتی۔ آپ نے میری خاطر کیسے کیسے بھاری بھرکم لوگوں کی ناراضی مول لی ہے یہ مجھے پتا ہے۔ میرے پاس دعاؤں کے سِوا اور کیا ہے کہ آپ کو دوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کی عزت و توقیر میں اضافہ فرمائے۔

ملاقات کو بہت دن ہو گئے ہیں۔ نقوش کے بہانے مِل بیٹھنے کی صورت پیدا ہوئی تھی، دیکھیے اب کب موقع ملتا ہے۔ ویسے آپ جب آنا چاہیں، آپ کا بھائی بسر وچشم حاضر ہے۔ سفرخرچ ہر وقت مہیا رہے گا۔

باغ و بہار کی اشاعت کا منتظر ہوں خدا کے لیے اس کام کو جلد سے جلد کر جائیے۔ آج کل مصروفیت کیا ہے۔ میں، ان شاء اللہ آیندہ سال ضرور ہندوستان پہنچوں گا۔ آپ سے مل کر دل خوش کروں گا۔ جملہ احباب کو سلام۔ آپ کا

فرمان فتح پوری

حواشی:

۱۔ اس خط کو ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ’اُردو ترقی بورڈ(URDU DEVLOPMENT BOARD) کے لیٹر پیڈ پر لکھا ہے۔ لیٹر پیڈ کے درمیان ’اُردو ترقی بورڈ‘ کا logo بنا ہوا ہے دائیں جانب اُردو لغت بورڈ کا پتا اُردو میں اور بائیں جانب انگریزی میں درج ہے۔

۲۔ اس خط کو ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے شعبہ اُردو، کراچی یونی ورسٹی کے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ بائیں جانب حوالہ کے آگے جگہ خالی ہے اور درمیان میں جامعہ کراچی کا logo بنا ہوا ہے اور سب سے اوپر شعبۂ اُردو کراچی یونی ورسٹی لکھا ہوا ہے۔

❁❁❁

قاضی عبدالودود بہ نام رشید حسن خاں

(1)

پٹنہ-4[۱]

3 نومبر 1959

مکرّمی! میں تین چار دن ہوئے 6 ہفتوں کے سفر سے واپس آیا ہوں۔ آپ کا خط مورخہ 9 اکتوبر کے جواب میں نگارش ہے:

قطعہ ''وائے برشاعراں تا دیدہ الخ''، لباب الالباب، تذکرۂ دولت شاہ اور مجمع الفصحا میں سے کسی ایک میں ضرور مل جائے گا۔ مجھے اچھّی طرح یاد ہے کہ یہ قطعہ میری نظر سے گزر چکا ہے اور اِن تذکروں میں سے کسی ایک میں (یا ایک سے زیادہ میں) موجود ہے۔ بدقسمتی سے اِس وقت شاعر کا نام ذہن میں نہیں اور تلاش کی فرصت نہیں۔ مگر نام یاد آ گیا تو آپ کو لکھوں گا۔

یاد آوری کا شکریہ

قاضی عبدالودود

(2)

11 مئی 1962[۲]

شفیقِ مکرّم!

ابھی تک کاپیاں واپس نہیں آئیں۔ براہِ مہربانی آپ کُل کاپیاں مع مسوّدات وغیرہ جہاں تک جلد ہو سکے بھیج دیں۔ شکرگزار ہوں گا۔ رجسٹرڈ روانہ نہ کیجیے گا۔ ظاہر ہے کہ ڈاک مصارف میرے ذمّے ہوں گے۔

آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ تصانیفِ غالب کی اشاعت سے متعلّق اسکیم منظور ہو گئی ہے اور اِس کے بعد قوی امکانات ہیں کہ ادارۂ تحقیقات اُردو کو حکومتِ بہار ایک نیم سرکاری ادارہ تسلیم کرلے اور اُس کے اخراجات ادا کرے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

عبدالودود

(3)

پٹنہ-4

27 اگست 1962[۳]

شفیقِ مکرّم۔ آپ کی مطلوبہ چیزیں نیّر صاحب نے بھیج دی ہوں گی۔ ''معاصر'' کی قیمت ''معاصر''[۴] والوں اور ''معیار''[۵] کی قیمت ادارۂ تحقیقاتِ اُردو کو ادا کر دی گئی۔ سالِ آیندہ کا چندا بھی ''معاصر'' کا بھیج دیا جائے گا۔ آپ کو میں نے تصانیفِ غالب کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا وہ کلیم الدین احمد صاحب کے قول کو غلط سمجھنے کی بنا پر تھا، یہ بھی ممکن ہے کہ اُنھوں نے اِس طرح بات نہ کی ہو جو مقتضائے احتیاط ہے۔ حکومتِ ہند نے ابھی اِس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا، حکومتِ بہار نے تجویز منظور کر کے دہلی بھیج دی ہے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا

عبدالودود

(4)

14 نومبر 1962

عزیزی!

تعزیت نامہ ملا، آپ کی ہمدردی کا دلی شکریہ۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(5)

22 نومبر 1962[۶]

عزیزی! آپ کا خط ملا۔

خوشی ہوئی کہ آپ کی چھٹی میں توسیع ہوگئی ہے۔

''تذکرۂ سرور''[۷] کا ایک نسخہ میں نے رحمت قطبی صاحب سے منگوایا تھا، لیکن اُنھوں نے

لکھّا کہ ابھی یہ بمبئ سے نہیں آیا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنا نسخہ بہ شرطے کہ مکمّل ہو، مجھے بھیج دیں اور بمبئ سے آئے تو ایک نسخہ اپنے لیے لیں؟ دیکھنے کے بعد واپس کرنا بے کار معلوم ہوتا ہے۔ تذکرے کی قیمت میں بھیج دوں گا، تصحیح پر آمادگی کا شکریہ۔ فی الحال آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ ''برہانِ قاطع''[8] کی کاپیوں کی اصلاح میری ہدایت کے مطابق ہوگئی ہے یا نہیں۔ میں تاباں صاحب کو اس کے بارے میں لکھوں گا۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب

عبدالودود

(6)

11 مئی 1963ء[9]

عزیزی! آپ کے دو خط، ایک رجسٹرڈ پیکٹ (ہدایت نامہ مسوّدہ ص1 تا ص 69 کاپی ص1 تا80 کاپی ص81 تا128) مرسل ہے۔ الفاظ و عبارات کے بارے میں آپ کے سوالات کا جواب مسوّدے اور کاپی سے مل جائے گا۔ ہدایت نامے کو براہِ کرم با حتیاط پڑھیں۔ 80 صفحوں کی تصحیح ہو چکی، اُن کی اصلاح ہو تو عکس لے کر طباعت شروع ہونی چاہیے، پہلے 80 صفحے ابھی ملتوی رہیں اُن کے ابتدائی دو صفحوں میں سے پہلے میں نام وغیرہ ہوگا، دوسرے میں عکس ص1 ''قاطعِ برہان''، طبعِ اوّل (پہلی راے بدل دی گئی ہے[10]) نام وغیرہ کس طرح ہوگا، یہ بعد کو لکھّوں گا اور عکس وغیرہ ملا کر 296 صفحے ہوئے، اب مجھے ایک مختصر سا مقدّمہ[11] اور مختصر حواشی لکھنے ہیں، اشاریہ تو کتاب کے چھپنے کے بعد ہی تیّار ہو سکے گا۔ سب ملا کر کم و بیش 40 صفحے ہوں گے۔ باقی کاپیاں اور وہ عبارت جو ''قاطعِ برہان'' وغیرہ کے ص1 میں لکھے جائیں گے، جلد ہی بھیجوں گا۔

آپ نے تبصرے کی کاپیوں کے بارے میں نہیں لکھّا کہ آپ نے فاروقی صاحب کے حوالے کیں یا نہیں۔ اور ان کی اصلاح ہوگئی یا نہیں۔ ''دہلی کالج میگزین'' آیا آپ کے مضمون میں یہ دیکھا کہ 1232، 1233 (سالِ وفات انشا) پر ترجیح ہے اور مصحفی کے قطعے میں ہمزہ ہونا چاہیے۔

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مصحفی کے مادۂ تاریخ سے 1233 نکلتا ہے؟ اگر یہ نہیں تو آپ نے 1233 کو ترجیح کیوں دی؟ اوّل تو یہی ثابت نہیں کہ 1233 والا قطعہ نشاط کا ہے۔ آبِ حیات کے سوا اِسے نشاط کی طرف منسوب کرنے کی سند ہی کیا ہے؟

اگر ہو بھی تو علم نہیں کہ انشا کی وفات کے وقت وہ کہاں تھے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ لکھنؤ نشاط کا وطن تھا نہ مسکن۔ مصحفی کے متعلّق یہ معلوم ہے کہ 1232 اور 1233ھ میں وہ لکھنؤ میں تھے۔ اگر

معاملہ عدالت میں پیش ہو تو معمولی قانون شہادت کے مطابق مصحفی کے قول کو نشاط کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔

''وائے'' پر ہمزہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ''انشاء'' ایک تو ہے نہیں اور ہو بھی ''ء'' کا عدد شمار میں نہ آئے گا۔

یہ مسلّمات سے ہے۔ پارسل اور خط کی رسید فوراً عنایت ہو۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(7)

30 جولائی 1963[12]

عزیزی! آپ کا خط ملا۔

میں نے ایک خاص معاملے میں جو کچھ لکھا تھا، امید ہے کہ آپ نے بُرا نہ مانا ہوگا۔

''رائے'' میں اگرچہ ہمزہ صحیح ہے، لیکن اِسے نکال دیجیے۔ ''پروف'' یہاں آنا چاہیے، تاباں صاحب نے کہا تھا کہ معمولی غلطیوں کی تصحیح ہو سکے گی۔

باقی باق [کذا] مسوّدہ دو چار دن میں بھیجوں گا۔

خیر طلب

عبدالودود

(8)

پٹنہ-4 [13]

10 نومبر 1963

عزیزی! آپ کا خط آیا۔ محض سرسری طور پر دیکھ کر رکھ دیا تھا کہ پھر دیکھوں گا، اِس وقت نہیں ملا۔ آپ کے آخری خط میں ہے کہ صرف 108 صفحے کاموں کے آپ کو ملے ہیں، یہ کیس طرح ممکن ہے؟ 208 ہونے چاہئیں۔ کل کیفیات مع صحیح تعداد صفحات آپ براہِ کرم پھر لکھیں۔ میں نے طباعت کے لیے ہدایت کر دی تھی جس کے لیے میرا آنا ضروری نہ تھا۔

منتظرِ جواب

قاضی عبدالودود

پس نوشت: اگر پہلا خط تلاش سے مل گیا تو جواباً جواب طلب امور کے متعلق لکھوں گا۔

(9)

پٹنہ-4 [۱۴]

20 دسمبر 1963

میں چاہتا تھا کہ جب تک آپ خط نہ لکھیں اور یہ نہ بتائیں کہ کام کس حد تک پہنچا ہے خاموش رہوں، لیکن آپ جیتے میں ہارا۔ تاباں صاحب بھی چپ ہیں۔ آپ نے اگر مجھے خط لکھنے کی قسم ہی کھالی ہے تو اور بات ہے، ورنہ فوراً مجھے اطّلاع دیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ آپ کی خاموشی کا بہت بُرا اثر مجھ پہ پڑا۔ ''قاطعِ برہان'' سے متعلّق کام سے بالکل بیزاری سی پیدا ہوگئی۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص پر اِس قسم کا اثر ہو مگر طبیعتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔

آپ کیسے ہیں اور آپ کی بھانجی کیسی ہیں؟

عبدالودود

(10)

پٹنہ-4 [۱۵]

10 جنوری 1964

ابھی آپ کو خط اِس مضمون کا لکھا ہے کہ آپ کا پہلا خط کاغذات میں مل گیا ہے۔ اب مل گیا ہے میں کانفرنس میں شریک نہ ہوسکا۔

تاباں صاحب سے کہیے کہ بڑی دیر ہوگئی ہے اُس کی تلافی کی یہی صورت ہے کہ جہاں تک ہوسکے جلدی کی جائے۔ آپ سے بھی یہی گزارش ہے کہ آج تو میں بہت مصروف تھا کل سے ''قاطع برہان'' کی طرف ہمہ تن متوجّہ ہوں گا اور جلد باقی کا پیاں بھیج دوں گا۔ کاپیوں کے صفحات کی تعداد آپ نے پہلے خط میں 208 لکھی ہے۔ دوسرے میں 108 آپ کا سہوِ قلم تھا۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(11)

پٹنہ-4 [۱۶]

13 جنوری 1964

عزیزی! آپ کے تینوں خط مل گئے اور اُن کا جواب دیا جا چکا ہے۔ کتاب [۱۷] پانچ رسائل کا مجموعہ ہے: قاطعِ برہان، سوالاتِ عبدالکریم، لطائفِ غیبی، نامۂ غالب اور تیغ تیز؛ ہر رسالے کے

آغاز میں ایک صفحے میں اِس کا نام اور غالبؔ ''برہانِ قاطع'' کے متعلّق بعض اصحاب کی رائیں درج ہوں گی اور اِس کی پُشت پر اِس کے کسی اڈیشن کے ص1 کا عکس۔ آپ براہِ مہربانی فوراً مطّلع کریں کہ اِن پانچوں صفحات کے مسوّدے آپ کو بھیجے گئے ہیں یا نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہاں سے سب جاچکے ہیں۔ یہ صحیح نہ ہو تو جو گئے ہیں اُن کے مسوّدے فوراً روانہ کریں تاکہ اُنھیں دیکھ کر باقی تیار کرکے بھیج دیے جائیں۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(12)

26 جنوری 1964[18]

پروفیسر ... [لفظ پڑھا نہ جاسکا، مرتّب] آئے تھے، کئی دن اُن کے ساتھ صرف ہوئے۔ غالب ''برہانِ قاطع'' کی جو عبارت ص1 میں نقل ہوئی ہے اُس کے آغاز میں لفظ ''چون'' چھوٹ گیا ہے۔ ممکن ہو تو کاپی میں فوراً بڑھوا دیا جائے اور ضرورت ہو تو دونوں سطریں بدلوادی جائیں۔

باقی کل یا پرسوں۔

عبدالودود

(13)

پٹنہ-4[19]

31 جنوری 1964

آپ نے جس غزل کے بارے میں پوچھا ہے اُس کا مطلع تو یقیناً نعیم دہلوی کا ہے اور باقی اشعار بھی عجب نہیں اگر اُسی کے ہوں۔ میں نے اُس شاعر کا ناقص دیوان (غالباً حرف لام تک) کیمبرج کنگس کالج کے کتب خانے میں دیکھا تھا، اور اُس شاعر پہ ایک مضمون لکھا تھا جو دہلی کالج کے ایک خاص نمبر[20] میں شائع ہوا تھا۔ آپ اُس کی طرف رجوع کریں۔ مطلع مذکور اور غالباً اِس زمین کے کچھ اور شعر بھی تذکرۂ حسن میں بہ نام نعیم درج ہیں۔ مگر اِس وقت میں اِس کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔

''تحریک'' سے معلوم ہوا کہ علی گڑھ کی تاریخِ ادب[21] جلد 1 کی فروخت یونی ورسٹی نے بند کردی ہے، یہ صحیح ہے؟ —— عبدالودود

(14)

پٹنہ-4 [22]

26 جون 1964

عزیزی! میں 24 کی شب کو دہلی سے رخصت ہوا، اچّھا ہوا کہ 21 کو آپ اسٹیشن نہ آئے۔ میں نے دہلی کالج کے رسالے کا وہ شمارہ جس میں ''گلستانِ سخن'' [23] پر میرا مضمون شائع ہوا ہے تلاش کیا ہے، میرے پاس [تھا] ضرور لیکن نہ ملا، آپ اِسے دہلی میں تلاش کریں ضرور کسی نہ کسی کے پاس ہوگا۔ میں ''گلستانِ سخن'' بھیج دوں گا۔ مرزا محمد بیگ صاحب پرنسپل دہلی کالج، امداد صابری اور عرشؔ صاحب مدیر آج کل سے رسالہ غالباً مستعار مل سکے۔ نثار احمد فاروقی دہلی واپس آگئے ہوں گے یا آنے والے ہوں گے اُن سے بھی اِس سلسلے میں مدد مل سکتی ہے۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

پس نوشت: رسالے کی تلاش میں بھی جاری رکھوں گا۔ ''معاصر'' کا وہ شمارہ جس میں ''طبقات الشعرائے ہند'' [24] پر مضمون شائع ہوا تھا۔ آپ کے پاس ہوگا اُس سے آغاز کار کیجیے، ''طبقات'' کا جو نسخہ میرے پیشِ نظر تھا وہ ناتمام تھا آپ کسی مکمّل نسخے کی مدد سے اُس مضمون میں ضروری باتوں کا اضافہ کریں۔

(15)

پٹنہ-4 [25]

22 جولائی 1964

عزیزی! ''چربک'' کے ذیل میں لفظ ''ملائی'' [26] ''فرہنگِ جہانگیری'' کے قلمی نسخوں میں موجود ہے۔

''گلستانِ سخن'' [27] والے مضمون کی طرف توجہ کرنے کی آپ کو اب تک فرصت نہیں ملی، اور نہ آپ کی مصروفیتوں کا خیال رکھتے ہوئے، یہ قرینہ ہے کہ آیندہ ملے۔ اِس لیے آپ مضمون اور ''گلستانِ سخن'' مجھے جلد واپس کر دیں تو بہتر ہو۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(16)

27 جولائی 1964[۲۸]

عزیزی! خط ملا۔ ''گلستانِ سخن''[۲۹] کے متعلق دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ایک برس سے ممتاز احمد مرتّبِ ''مثنویاتِ راسخ''[۳۰] کے پاس ہے۔ اُن سے کتاب منگوائی گئی تو یہ علم ہوا کہ کلیم صاحب کے پاس ہے۔ ایک دن وہ اُن کے یہاں گئے تھے مگر وہ ملے نہیں۔ میں نے تاکید کردی ہے کہ جلد از جلد اُن کے یہاں سے لے آئیں۔ اتّفاق یہ ہے کہ اصل مسوّدہ مضمون کا مل گیا۔ کل سے ایک صاحب میرے کاغذات درست کرنے کے لیے روزانہ آیا کریں گے اور مضامین بھی تلاش کیے جائیں گے۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(17)

7 اکتوبر 1964[۳۱]

عزیزی! آپ کا خط آیا تھا، امید ہے کہ اب آپ کی صحّت ٹھیک ہوگی۔ مجھے بھی اس کا سخت افسوس ہے کہ آپ سے اِس بار ملاقات نہ ہوسکی، لیکن کیا کیا جائے، آپ دہلی میں تھے ہی نہیں۔ دیوانِ قدرت کا متن چھپ چکا ہے، لیکن کتاب کا مقدّمہ اور حواشی وغیرہ ابھی نہیں لکھّے گئے۔ متن میں حواشی نہیں کہ اختلافِ نسخ کا حال کھل سکے۔ مزید یہ کہ اوراقِ مطبوعہ خدا جانے کہاں ہیں، تلاش سے نہ مل سکے۔ ایک قلمی نسخے میں مصرعِ زیرِ بحث یوں ہے: ایک ہی پردہ اگر سمجھ سکی سب الاپ[۳۲] (کذا) مجھے جہاں تک یاد ہے، نسخوں میں اِس کے متعلّق اختلاف ہے اور فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ قدرتؔ نے کس طرح کہا تھا۔ اِس مصرعے سے الاپ کی تذکیر و تانیث کے متعلّق کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہی جاسکتی۔
پس نوشت: آپ نے ''علی گڑھ میگزین'' کا تازہ نمبر دیکھا؟

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(18)

20 اکتوبر 1964[۳۳]

عزیزی! آپ کا خط ملا۔ ''گلستانِ سخن'' کا نول کشوری نسخہ مل گیا ہے، وہ اور اِس کے ساتھ

’’معاصر‘‘ بھیج دوں گا۔

علی گڑھ ہی پر کیا موقوف ہے، منافقین ہر جگہ اکثریت میں ہیں اور جب تک فطرتِ انسانی میں بنیادی تغیّر نہ ہو، رہیں گے۔ دیوانِ ممنون[۳۴] کا کوئی نسخہ پٹنہ میں نہیں، کلکتہ اور حیدرآباد کے نسخے میں نے دیکھے ہیں، لندن میں بھی ہے مگر وہاں کا نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔

خوشی ہوئی کہ اب آپ کی طبیعت ٹھیک ہے، آپ صحّت کا خیال رکھیں، بار بار بیمار پڑنا اچھا نہیں۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(19)

26 نومبر 1964

جناب رشید حسن خاں

’’گلستانِ سخن‘‘، طبعِ دہلی نہیں ملا، طبعِ نول کشور ہی مرسل ہے۔ مضمون کی تصحیح اُس کی روشنی میں کر لی جائے۔ ابتدا میں جو اشعار ہیں اُن میں غالباً چھاپوں کی غلطی ہے۔ اعداد کا خاص طور پر لحاظ رہے۔ کتاب کا کام نہ رہے، تو براہِ کرم پروفیسر نذیر احمد صاحب (شعبۂ فارسی یونی ورسٹی علی گڑھ) کو رجسٹری کر کے بھیج دی جائے اور اُن سے رسید منگوائی جائے۔

’’معاصر‘‘ تلاش سے نہ مل سکا، ساتھ لیتا آؤں گا۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

تصحیح کے سلسلے میں کوئی بات دریافت طلب ہو تو لکھیں۔

(20)

THE IDARA-I- TAHQIQAT-I-URDU, PATNA-4

2 جنوری 1965[۳۵]

عزیزی! آپ کو ’’گلستانِ سخن‘‘ کا ایک نسخہ ڈاکٹر عابدی نے دیا تھا، آج تک یہ معلوم نہ ہوا کہ کام کس حد تک پہنچا ہے۔ میرے پاس ’’دہلی کالج میگزین‘‘ کے خاص نمبر کا جو نسخہ تھا وہ مل گیا ہے اور اُس میں بہ استثنائے بعض کل اغلاط طباعت کی تصحیح ’’گلستانِ سخن‘‘، طبعِ اوّل کی مدد سے کر دی

گئی ہے۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(21)

25 اگست 1965[36]

عزیزی! آپ کے خط کے متعلق ''فرہنگِ جہانگیری'' کا جواب بہت دن ہوئے دیا گیا تھا۔ میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ''گلستانِ سخن'' والا مضمون جو آپ کو میں نے دیا تھا اور ''گلستانِ سخن'' واپس کر دیں آپ نے نہ چیزیں واپس کیں، نہ میرے خط کا جواب دیا۔

امید ہے کہ مزاج بہ خیر ہوگا۔

ہاں ''فرہنگِ جہانگیری'' میں صرف ملائی[37] ہے بالائی نہیں۔ یہ بات بھی لکھ چکا ہوں کہ ملائی ہے۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(22)

6 اکتوبر 1967[38]

عزیزی! آپ کا خط ملا تھا، جواب دیر سے دینے کے لیے عذر خواہ ہوں۔

''سراپا سخن''[39] میں ناسخ کی حسبِ ذیل کتابوں کا ذکر ہے ''تین دیوان، ایک ترجمہ حدیث مفصّل، ایک مولد شریف رسول مختار، ایک رسالہ شہادت جناب سیّد الشہدا اور ایک رسالۂ ولادت جناب امیر علیہ السلام''۔

''معراج نامہ'' کا ذکر نہ صاحبِ ''سراپا سخن'' نے کیا ہے، نہ ناصؔر نے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے کسی اور تذکرہ نگار نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ آپ نے اِس کتاب کے جو اشعار دکھائے تھے، اُن میں سے بعض ناسخ کے سُنّی ہونے پر مشعر تھے۔ غالباً کسی نے لکھا بھی ہے کہ یہ یا اِن کے والد سُنّی تھے۔ اگر ''معراج نامہ'' ناسخ کا ہے تو اُن کے ابتدائی زمانے کا ہوگا۔ میں اِس وقت کوئی فیصلہ کُن بات نہیں کہہ سکتا۔ مختلف قسم کی اُلجھنیں ہیں، طبیعت پریشان ہے، اگر اتفاقیہ آپ کا خط سامنے نہ آ گیا ہوتا اور اُس کی تاریخ پہ نظر نہ پڑی ہوتی تو آج بھی جواب نہ دیتا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(23)

پٹنہ-4
9دسمبر1968

عزیزی!
تعزیت نامہ ملا۔ دلی شکریہ۔ مجھے یقین تھا کہ آپ کو خبر نہ ہوگی۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

Jublee Hall, Mall Road, Delhi

(24)

11جولائی1969[40]

عزیزی! آپ کا خط ملا، جواب میں بڑی دیر ہوئی۔ معذرت طلب ہوں۔
شعبۂ اُردو کی طرف سے ''دہلی اُردو اخبار''[41] کے مضامین شائع ہونے والے تھے، شائع ہو گئے ہوں تو مطّلع کریں۔
کیا آپ ''جہانِ غالب''[42] کے لیے چند مضامین لکھّیں گے؟ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(25)

پٹنہ-4
19جولائی1969[43]

عزیزی! بڑی خوشی ہوئی کہ آپ ''جہانِ غالب'' کے لیے لکھنے پر آمادہ ہیں، پہلے میں یہ بتاؤں کہ اِس میں مثالیں دے کر کیا کیا ہوگا: ارنابیس دیو کا نام غالبؔ کے ایک قصیدے اور'' قاطعِ برہان'' میں ہے، ''جہانِ غالب'' میں یہ دکھا[یا] جائے گا کہ... میں اس کے بارے میں کیا مرقوم ہے۔ آبادی بیگم کا نام غالبؔ کے یہاں نہیں آیا مگر مہرؔ نے لکھّا ہے کہ غالبؔ کے ساتھ تھیں۔

ہر چند یہ غلط ہے مگر یہ نام بھی ''جہانِ غالب'' میں شامل ہوگا۔ گو اِس کے متعلّق صرف اتنا لکھّا جائے گا کہ ''بنیادی'' بیگم کی طرف رجوع ہو سعدی کا نام اور زمانۂ ولادت ووفات بتایا جائے گا مفصّل حالت سے قطعاً احتراز ہوگا اس کی جگہ یہ ہوگا کہ غالب کے یہاں اُن کے بارے میں کیا کیا ہے اور اُن کے کن مصرعوں یا اشعار کی غالب نے تضمین کی ہے۔ میر کے حالات مثل سعدی، بعض اشعار یا مصرع غلطی سے اُن کی طرف منسوب کیے ہیں یا اُن کے طبع زادمیر ہونے کا ثبوت موجود نہیں، ان کا ذکر ہوگا باقی امور مثل سعدی — حسن بصری غالب نے لکھّا ہے کہ اُن کا صوفیا میں وہ مرتبہ ہے جو شعرا میں فردوسی اور عشّاق میں قیس کا ہے۔ بہت ہی مختصر حالات کے بعد لکھّا جائے گا کہ غالب کا قول کہاں تک صحیح ہے۔ سوہن کا ذکر غالب کے یہاں کم ازکم دو جگہ ہے۔ اب اپنے سوں کہتے ہیں۔ یہ کہا جائے گا کہ اُس دریا کا پانی کہاں تک غالب کی تعریف کا مستحق ہے اور سوہن نام کبھی تھا یا نہیں۔ فضل، میر مولی فضل خاں غالب نے خود کلکتہ سے جو ایک خط لکھّا تھا اُس میں نام کے بعد خاں لکھّا ہے اور دہلی کے تذکروں میں بھی ہے۔ لیکن ''برہانِ قاطع'' کے حواشی پر جو اعتراض ہیں، اُن میں یہ کہا ہے کہ اُس شخص نے بنگالہ میں اپنے خان لکھوایا، یعنی یہ کہ خطابِ خیانی اُسے نہ تھا۔ یہ سب باتیں اِس کے متعلّق ''جہان'' میں ہوں گی۔ توحید وجودی کا ذکر غالب کے یہاں بہ کثرت ہے، یہ دیکھا جائے گا کہ توحید وجودی کے بارے میں مستند اصحاب نے کیا کیا لکھّا ہے اور غالب کیا کہتے ہیں۔ غالب کے متعلّق جو مضامین چھپے ہیں اُن کا خلاصہ بھی اُس کتاب میں ہوگا بعض کا طویل بعض کا مختصر اور بعض کے محض یہ صرف بتایا جائے گا کہ کہاں اور کب چھپے ضخامت کیا ہوئی (دوسرا کارڈ)۔ —— قاضی عبدالودود

(26)

(اِس کے ساتھ ایک کارڈ اور)

19 جولائی 1969ء [44]

بہ کثرت اصحاب نے اپنی کتابوں، نظموں، مضمونوں، کہانیوں اور ڈراموں کے نام غالب کے اشعار سے لیے ہیں، کتابوں کی ایک طویل فہرست ''علی گڑھ میگزین'' [45] غالب نمبر 1969 میں ہے۔ اُس میں سے بہ کثرت میری نظر سے نہیں گزریں۔ ''جہانِ غالب'' میں نام کتاب، نام مصنف، سالِ طبع، ضخامتِ کتاب ہوگی اور یہ بتایا جائے گا کہ جس شعر سے نام ماخوذ ہے اُس سے کوئی اور کام بھی کتاب میں لیا گیا ہے یا نہیں۔ اگر غالب کا کسی طرح ذکر آ گیا ہو تو اُس کا حال بھی لکھّا جائے گا۔ اِس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ''جہانِ غالب'' کیا ہے، جواب آئے تو

لکھوں کہ آپ سے کیا لکھوانا چاہتا ہوں۔ آپ خود بھی بتائیں کہ اِن امور کے متعلّق لکھنا آپ پسند کریں گے۔

واضح رہے کہ جلد 1، 350 یا 400 صفحات کی ہوگی۔ جلد 1 میں از الف تا یا ہے۔ درمیان میں بہت سی چیزیں چھوٹ جائیں گی۔ وہ دوسری جلدوں میں آئیں گی۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(27)

28 جولائی 1969[46]

عزیزی! ابھی آپ کا خط آیا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کا چھوٹا بچہ[47] گر پڑا اور اُس کے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ امید ہے کہ پلاسٹر میں رہنے سے ٹھیک ہو جائے گا اور ہاتھ میں کوئی نقص باقی نہ رہے گا۔ پریشانی البتّہ ہے، مگر زندگی اِنھیں شرائط پر ہمیں ملی ہے۔ بچّے کی عمر کیا ہے؟

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(28)

پٹنہ-4
28 اکتوبر 1977[48]

عزیزی! خط ملا۔

طویل علالت کا اثر قوتِ ارادی اور حافظہ دونوں پر پڑا ہے۔ اِس وجہ سے کام وقت پر انجام نہیں پاتا۔ بہت دن ہوئے میں نے آپ کو لکھّا تھا کہ تبصرۂ فرہنگِ آصفیہ کی جو قسطیں شائع ہو چکی ہیں اُنھیں آپ کو بھیجوں گا، مگر اب تک ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا۔ امید قوی ہے کہ دوشنبے کو بھیج دوں گا۔

آپ کو میں نے لکھّا تھا کہ ''معاصر''[49] کے لیے ایک مضمون بہت جلد بھیج دیں، نہ مضمون آیا، نہ آپ کے خط میں اُس کے متعلّق کچھ مرقوم ہے۔

امید ہے کہ سب بخیر ہوں گے۔

خیر طلب
ق.ع.و

(29)

5[اپریل]1978 ۵۰

عزیزی! دہلی میں آپ کی زحمت فرمائیوں کا شکریہ۔

میں نے کلیم عبدالحمید صاحب کو لکھا ہے کہ وہ م.ر(مالک رام) کے متعلق آپ کی شائع کردہ کتاب ۵۱ دیکھیں۔

آپ براہِ مہربانی یہ بتایئے کہ شعبۂ اُردو کے جس معلّم نے ایک ہی شخص کو بہ یک وقت رحمۃ اللہ علیہ اور مدظلہ العالی لکھا ہے کہاں لکھا ہے؟

ن کے بارے میں میں نے ی.ح[یوسف حسین] کو لکھا ہے اور یہ بھی کہ میری تحریر م.ح کو دکھادیں، موخرالذکر کو اِس کی اطّلاع بھی دے دی ہے۔ آپ ڈاکٹر محمد اسلم خاں سے واقف ہیں؟ یاد آتا ہے کہ ایک بار یا دو بار اُن سے ملنا ہوا ہے۔ اُن کی کتاب ''تحقیق در احوال و آثار و افکار و اشعار، ظفر خاں احسن'' ۵۲ آپ کی نظر سے گزری ہے؟

میری صحّت جیسی تھی ویسی ہی ہے، ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ کب بنگلور جانا ہوگا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب

ق.ع.و

(30)

22اپریل1978 ۵۳

عزیزی! خط کے ساتھ ''آج کل'' کا ایک ورق اور ترقّی اُردو بورڈ کا شائع کردہ کتابچہ ملا، شکریہ۔

صاحب ''قابوس نامہ'' ۵۴ نے مشورہ دیا ہے کہ اگر کوئی بہت خلافِ قیاس بات صحیح بھی ہو اور اس کا ثبوت موجود نہ ہو تو زبان سے نہ نکالی جائے۔ اس لیے کہ لوگ جھوٹا سمجھیں گے۔ وہ بات جو ''آج کل'' میں ہے، فرض کیجیے کہ پاکستان کے کسی گمنام رسالے میں ہوتی جو آپ کے پاس نہ ہوتا اور اِس کا حاصل کرنا آپ کے لیے ممکن نہ ہوتا، تو اِس قابل نہ تھی کہ زبان سے نکالی جائے۔

''تصنیف و تالیف'' ۵۵ کو جابجا سے دیکھا کبھی یہ مصرع ذہن میں آیا۔

''خاموشی از ثنائی تو حد ثنائی نیست کبھی یہ شعر زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا انجاست'' اور بالآخر یہ مصرع: ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی ہے''۔

آپ کی دو کتابیں ایک املا[56] اور دوسری قواعدِ زبان [57] سے متعلّق (غالبًا) ترقّی اُردو بورڈ نے شائع کی ہیں۔پہلی میں نے دیکھی ہے، دوسری میری نظر سے نہیں گزری۔کس لفظ کو کس طرح لکھنا چاہیے اِس کے بارے میں مجھے اتفّاق بھی ہے اور اختلاف بھی، لیکن آپ کی طرح میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ صحّت املا کا لحاظ رکھّا جائے۔ رہی صرف ونحو تو میں چند سال قبل ایک سربرآوردہ انگریز کا یہ قول نقل کر چکا ہوں کہ صحیح انگریزی لکھنا، ہر انگریزی لکھنے والے کا اخلاقی فرض ہے۔تصنیف وتالیف کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترقّی اُردو بورڈ کے اربابِ حل وعقد کے نزدیک اِن امور کی کچھ اہمیت نہیں، اِس صورت میں آپ کی کتابوں کی اشاعت بے کار تھی۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ جس لفظ کو جس طرح چاہے، بولے یا لکھے اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔تصنیف وتالیف میں بہ کثرت ایسے الفاظ ہیں جو ترقّی اُردو بورڈ کے وضع کردہ ہیں، بورڈ کو یہ اختیار ہے تو ہر شخص کو یہ اختیار ہونا چاہیے۔

بورڈ نے ''فرہنگِ آصفیہ''[58] کو جس طرح مولف کے زمانے میں چھپی تھی اُسی طرح پھر شائع کیا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ مولف نے جو غلط نامے دیے تھے، اُن کے مطابق اغلاط طباعت کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ میں اِس پر ایک تبصرہ لکھ رہا ہوں۔اگر صحّت نے اجازت دی اور یہ مکمّل ہو گیا تو ''خدا بخش لائبریری جرنل'' کے 300 صفحوں سے کم میں نہ آئے گا۔ اپنے کچھ اعتراض اِس جگہ بہ طورِ نمونہ درج کرتا ہوں:

(۱) خواجہ وزیر کو ایک شعر میں (دیوان مطبوعہ و فرہنگ دونوں میں ایک طرح) سنبل بوزن بلبل نہ جانے کس کی سند پر اِس طرح آیا ہے کہ یا تو بائے سنبل ساکن ہو جاتی ہے، یا لامِ سنبل ساقط ہو جاتا ہے۔شعر۔

اعتراض بالکل لغو ہے شعر میں سنبل بوزن بلبل ہے۔

(۲)

بروزِ حشر الٰہی چو نامۂ عملم   کشند باز کہ آن روز باز خواہ من است
بکن مقابلہ آن را ز سرنوشت ازل   اگر زیادہ و کمی باشد آں گناہ من است

رباعی منسوب بہ سرمد فرہنگ مولف کے سوا اسے 'رباعی' کون کہہ سکتا ہے؟ رباعی سرمد کی ہے بھی نہیں 'مخزن الغرائب' میں توفیق کشمیری کے نام سے ہے۔

(۳) مولف نے اپنے دیباچے میں یہ لکھا ہے کہ وہ پہلے لغت زیرِ بحث کے لغوی معنی درج

کرتے ہیں اُس کے بعد اگر ایسے معانی ہوئے جو بعد کو پیدا ہوئے تو وہ درج کرتے ہیں شاعر کے جو معانی فرہنگ میں ہیں اُن میں پہلے عروض جاننے والا اور اُس کے بعد شعر کہنے والا ہے، کمال یہ کہ شاعر کے معاً بعد شاعرہ ہے جسے صرف شعر کہنے والی لکھا ہے۔ شاعر: شعر کہنے والا، فن وعروض عربی کے وجود میں آنے سے کہیں قبل موجود تھا۔

(۴) بنیاد عربی ہے بالاتّفاق فارسی، بنیان البتہ عربی ہے، اور وہ فرہنگ میں اپنی جگہ پر موجود ہے۔

(۵) استوار عربی۔ مولف کے سوا کسی نے اسے عربی نہیں کہا۔

(۶) اشرافت: شرافت باب الف میں ہے۔ اشرافت کا وجود ذہنِ مولف کے سوا کہیں اور نہیں۔

(۷) بہادر، فارسی لغوی معنی موتی کی قیمت رکھنے والا۔ صاف ظاہر ہے کہ مولف کے نزدیک یہ بہاڈر (ایک فارسی، دوسرا عربی) سے مرکّب ہے اور اس صورت میں اسے فارسی+عربی لکھنا تھا، مگر یہ بھی غلط ہوتا، لفظ بالاتّفاق ترکی ہے۔

(۸) بوبو: خواہر، فارسی، بوبو فارسی میں ہدہد کے لیے آتا ہے۔ بوبو: خواہر ہندستانی ہے۔

(۹) بوسیدہ: گلاسڑا وغیرہ فارسی پوشیدہ بہ معنی مذکور فارسی نہیں ہے۔

(۱۰) بقرعید (کذا) عربی۔ اِس ترکیب کے دونوں جز عربی ہیں، مگر اس سے نہ عرب آشنا، نہ ایرانی، ساختہ ہندیاں ہے۔ مزید یہ کہ عربی میں قاف مفتوحہ ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ متحرّک کو ساکن کر دینے کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں۔

رالبقر کو مفتوح کر دینے کی کیا وجہ ہے؟ اگر اُردو والوں نے ایسا کیا ہے تو اس کی سند پیش کرنی تھی۔ میرے پاس ''تصنیف وتالیف'' سے مفصّل بحث کے لیے وقت نہیں۔ آپ بہ شوق تفصیل کے ساتھ دکھائیں کہ اُردو کی خدمت کس طرح ہو رہی ہے۔ آپ نے مجھ سے اجازت چاہی ہے کہ میں اِس کے بارے میں جو رائے ظاہر کروں، اُسے اپنے تبصرے میں شامل کرسکوں۔ اب آپ اِس کے مجاز ہیں۔

آپ کا خط جواب لکھتے وقت نہ ملا، اگر کسی بات کا جواب نہ ہو تو لکھیں۔ میری صحّت جیسی دہلی میں تھی ویسی ہی ہے۔ ابھی بنگلور کے متعلّق کوئی بات طے نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(31)

پٹنہ-4
7 جون 1978[58]

عزیزی! آپ کے خط کا جواب میں نے اُس پتے پر دیا تھا جو آپ کے خط میں تھا مگر آپ کا پھر کوئی خط نہیں آیا۔ یا تو میرا خط آپ کو نہیں ملا یا آپ کا خط راہ میں ضائع ہو گیا۔

پہلی صورت ممکن ہے اِس لیے اِس کے مطالب کا اعادہ کرتا ہوں: میں نے لکھا تھا کہ کوئی بات بہت دور از قیاس ہو اور اُس کا ثبوت موجود نا ہو تو اُسے زبان سے نکالنا نہیں چاہیے۔ یہ صاحبِ ''قابوس نامہ'' کی صلاح ہے۔ آپ نے پہلے جو بات مجھ سے کہی تھی وہ یقیناً دور از قیاس تھی۔ لیکن آپ کے پاس اِس کا ثبوت موجود تھا۔ میرا مقصد ہرگز یہ نہ تھا اِس سے اُن کی تنقیص مدِنظر نہ تھی۔ غرض یہ تھی کہ جب ترقّی اُردو بورڈ والے قواعدِ صرف و نحو کی تحریر میں پروا نہیں کرتے تو ایک کتاب املا پر اور قواعدِ اُردو پر آپ سے لکھوا کر کیوں شائع کی۔ جمیل جالبی کی کتاب[60] پر آپ کا تبصرہ کب اور کہاں چھپے گا؟ ''تصنیف و تالیف'' پر بھی آپ تبصرہ کرنے والے تھے؟ لکھ چکے تو یہ کس رسالے میں شائع ہو رہا ہے۔ میری صحت مثلِ سابق ہے۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں۔

خیر طلب
ق.ع.و

(32)

پٹنہ-4
23 جون 1978[61]

عزیزی! دو خط آج بہ یک وقت ملے۔ آپ کا خیال صحیح ہے ''زبان نامہ'' چھاپے کی غلطی ہے صحیح ''مرزباں نامہ'' ہی ہے جو آپ کے خط میں ہے۔

تاباںؔ صاحب کا خط مل گیا تھا، کوئی بات جواب طلب نہ تھی مگر چند دنوں کے بعد اُنھیں ایک خط لکھّوں گا۔

سحرؔ عشق آبادی[62] نے غالبؔ کے مصرع ''دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب'' سے اپنے ایک مضمون میں بحث کی تھی کیا وہ اس پر جو اعتراض نظمؔ طباطبائی نے کیا تھا، تسلیم کرتے ہیں؟ یاد ہو تو لکھّیں۔

صحت جیسی تھی ویسی ہی ہے۔ امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب
ق.ع.و

کیا میرٹھ کے کیرؤ[۶۳] اور شاہ جہان پور کے جھولے مشہور ہیں؟ دیوانِ مصحفی میں جو جلد شائع ہوگا دونوں آئے ہیں۔

(33)

پٹنہ-4
3 جولائی 1978[۶۴]

عزیزی! خط ملا، دیوانِ مصحفی چھپ چکا ہے، لیکن اِس کے حواشی وغیرہ ابھی نہیں لکھے گئے، ایک نسخہ میں آپ کو بھیجوں گا۔ نسخہ 8 کا جہاں تک میرا علم ہے، صرف ایک نسخہ وجود میں ہے اُس میں بامزہ اشعار اِس قدر کم ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آپ شاہ جہان پور پہنچ کر اپنا پتا لکھیں۔ ''رہبرِ تحقیق''[۶۵] پر تبصرہ اور تبصرۂ ''فرہنگِ آصفیہ'' کی جتنی قسطیں آپ کا جواب آنے تک طبع ہو چکی ہوں گی، آپ کے پاس جائیں گی۔ ''رہبرِ عشق'' کا تبصرہ کتاب سامنے رکھ کر پڑھیں، تو لطف آئے گا۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(34)

26 اگست 1978[۶۶]

عزیزی! خط ملا، یاد آوری کا شکریہ۔ مجھے بخار آ گیا تھا، بخار تو دو تین دن میں اُتر گیا لیکن اُس کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا ہوں۔ حافظے پر بھی اثر ہے۔ یاد نہیں رہتا کہ کس کا خط آیا، جواب دیا یا نہیں۔ جھولے کے متعلق جو مفصّل خط آپ نے لکھا تھا اُس کا دیکھنا مجھے یاد نہیں۔ تلاش کر کے ایک اور خط آپ کو لکھوں گا۔

''رہبرِ تحقیق'' شائع کردہ شعبۂ اُردو دانش گاہ لکھنؤ پر میرا تبصرہ چھپ گیا ہے۔ پرسوں بھیجوں گا۔ اُس وقت تک کوئی قسط ''تبصرۂ فرہنگِ آصفیہ'' کی تیّار ہو گئی تو وہ بھی۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(35)

9نومبر 1978[٦٧]

عزیزی! خط ملا۔ میرا خط آپ کو نہ ملا۔
مضمون کسی موضوع پر ہو، مگر اُس میں کلیم احمد صاحب پر اعتراض نہ ہو، وجہ یہ کہ یہ مضمون میری وساطت سے اُنھیں ملے گا۔ بدگمانی کا اندیشہ ہے۔
تبصرۂ ف.آ (فرہنگِ آصفیہ) 3 قسطیں چھپ چکی ہیں، میں نے بیدار صاحب سے کہہ دیا ہے کہ یہ اور ''رہبرِ تحقیق'' کا تبصرہ آپ کو بھیج دیں، امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب
قاضی عبدالودود

(36)

22مارچ1979[٦٨]

عزیزی! خط ملا۔ میری قوتِ ارادی اور حافظہ دونوں طویل علالت کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں۔ یہ وجہ ہے خطوں کے جواب نہ دینے کا۔ آپ کو میں عزیز رکھتا ہوں۔ اُس میں کچھ کمی نہیں ہوئی۔ کتاب ملی تھی۔ بیدار صاحب اُسے دیکھنے کے لیے لے گئے تھے غالباً اب تک واپس نہیں کی۔
پہلے جو شکایتیں تھیں اُن میں یہ اضافہ ہوا ہے کہ صبح کو کاہلی کی وجہ سے گھنٹوں کوئی کام نہیں کر سکتا۔
امید ہے کہ آپ .... [یہاں پر ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے] مزاج بہ خیر و عافیت ہوں گے۔

خیر طلب
ق.ع.و

(37)

16اپریل1979[٦٩]

عزیزی! ایک خط آپ کو لکھ چکا ہوں، مگر جواب نہیں آیا۔
آپ کی کتاب[ے] غالباً بیدار صاحب نے اب تک واپس نہیں کی، اُن کے یہاں سے آ جائے تو اُس کے متعلّق اظہارِ رائے کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا بخش جرنل کا اُس پہ تبصرہ ہو۔ آپ نے اُسے میرے نام معنون کیا ہے۔ یہ آپ کی محبّت کا ثبوت ہے۔ میں شکر گزار

ہوں۔ صحت حسبِ سابق ہے۔ کیا میرٹھ کے کیرو اچھے ہوتے ہیں؟ مصحفی کے دیوان میں یہ مصرع ہے:

میرٹھ کے کیرو کا میں دلدادہ نہ کیوں ہوں

خیر طلب

ق.ع.و

(38)

پٹنہ-4

7 اکتوبر 1979ء

عزیزی! خط ملا۔ خوشی ہوئی کہ آپ پٹنہ آرہے ہیں لیکن دو دن کے لیے نہ آئیے ایک ہفتہ تو یہاں ٹھہریے، ظاہر ہے کہ آپ کا آنا ہوا تو آپ میرے یہاں رہیں گے؟

''مقالاتِ قاضی عبدالودود''[2] کے حصۂ اوّل طبع ہو چکا ہے مگر ابھی اِس میں کچھ اضافہ کرنا ہے نومبر اکتوبر کے اواخر تک یہ کتاب شائع ہوگی۔ یہاں آگئے تو اِس کا ایک نسخہ آپ کو دوں گا اور تبصرۂ ''فرہنگِ آصفیہ'' بھی، دو سوالوں کے جواب مطلوب ہیں:

(۱) شاہ جہان پور کے جھولے مشہور ہیں۔

(۲) میرٹھ کے کیرو مشہور ہیں؟

پہلے سوال کا شاید آپ جواب دے چکے ہیں۔

زحمت دہی کے لیے معذرت طلب ہوں۔ اور پیشگی شکریہ کرتا ہوں۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(39)

11 دسمبر 1979

عزیزی!

بہت دنوں سے خط نہیں آیا۔ میرٹھ کے کیرو کا ذکر مصحفی نے کیا ہے کسی میرٹھ والے سے دریافت کرکے براہِ مہربانی معلوم کیجیے کہ وہاں کیسا کیرو ہوتا ہے۔ آپ کا پٹنہ آنا کب ہوگا؟ گوپال متل صاحب مدّت سے خاموش ہیں تعزیت کا خط تک اُنھوں نے نہیں لکھا۔ ''تحریک''

بھی نہیں آتا۔ اِس کی وجہ معلوم کر کے براہِ مہربانی مجھے مطّلع کریں۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

ق.ع.و

ظلِ عباس عباسی بھی مدّت سے خاموش ہیں۔

(40)

پٹنہ-4

22 جنوری 1980ء

عزیزی! خط ملا، شکریہ۔

آپ اگر 50 روپے میرے پاس بھیجیں تو میں 100 آپ کی طرف سے ادا کردوں۔ مجھے 1185 بہار اکیڈمی سے مجموعۂ مضامین کا حقِ تصنیف ملا ہے۔ اُس میں سے 450 ادارے کو دے چکا ہوں۔ باقی 500 مختلف ادبی کاموں کے لیے رکھ لیے ہیں۔ اُسی میں سے 50 ادارے کو دوں گا۔

ظ.ع.ع [ظلِ عباس عباسی] اور مدیر ''تحریک'' کے متعلّق جو کچھ میں نے لکھّا تھا، آپ نے اُس کی طرف توجّہ نہیں کی۔

میری صحّت جہاں تک فالج کا تعلّق ہے، بدتر ہوگئی ہے اور شکایتوں میں کمی ہے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

ق.ع.و

(41)

پٹنہ-4

8 ستمبر 1980ء

عزیزی! مسرّت ہوئی کہ آپ کو غالب انسٹی ٹیوٹ کا انتظام ملا، مگر حیرت ہے کہ اُن صاحب کو جو غ.ا [غالب انسٹی ٹیوٹ] پر قابض ہیں اور کوئی بات ایسی نہیں [کرتے] جس کی منصبی مصلحت نہ ہو، آپ کا خیال کیوں کر آیا۔

شیرانی کی صد سالہ برسی ۸۵ء کے موقعے پر ادارۂ تحقیقاتِ اُردو کی طرف سے جلسے ہوں گے اور میں چاہتا ہوں کہ بہار اُردو اکیڈمی بھی اُس میں شریک ہو۔ اُس کے صدر گورنر ڈاکٹر اخلاق

الرحمٰن قدوائی ہیں، میں نے اُنھیں لکھا ہے کہ نصف اخراج اکیڈمی کرے، دیکھیے اکیڈمی اس پر راضی ہوتی ہے یا نہیں۔

جلسہ وسط اکتوبر میں ہوگا۔ کیا آپ اِس کے لیے مقالہ لکھ سکتے ہیں؟

میری دلی خواہش ہے کہ آپ پٹنہ آئیں۔ ملاقات کو بھی بہت دن ہوگئے۔ ادارہ سکنڈ کلاس کا کرایہ دے گا یہ کوئی متمول ادارہ نہیں کہ اس سے زیادہ کا متحمّل ہو سکے۔

چند ہفتوں سے کمر میں درد رہنے لگا ہے جس سے چلنا مشکل ہے۔ امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیراندیش

ق.ع.و

پس نوشت: ایک نئی ٹرین بہت اچھّی نکلی ہے، آنا ہو تو اُس سے آئیں۔

(42)

پٹنہ-4

25 اکتوبر 1980ء

عزیزی خوش رہیں عمر دراز پائیں اور اُردو کی خدمت کرتے رہیں۔ ڈاکٹر بیدار رام پور گئے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی نہیں گیا واپس آجائیں گے۔ انھیں موقع ملا تو وہ اسٹیشن جا ملیں گے۔ ورنہ میرا ڈرائیور گاڑی لے کر جائے گا۔ گاڑی FIAT ہے، 5 آدمی بیٹھتے ہیں۔ اس کا نمبر 6180 ہے اس کے اوپر BRQ ہے۔ بائیں طرف یہاں اور موٹریں ہیں یہ بھی ہوگی۔ آپ اپنا نام بتائیں اور ڈرائیور آپ کو میرے یہاں لے آئے گا۔ بالفرض گاڑی نہ جا سکی تو آپ رکشے والے سے کہیں کہ تھوڑا آگے تک جانا ہے اور وقت سے مطلع کریں۔

خیر طلب

عبدالودود

(43)

21 نومبر 1980ء

عزیزی! خوش رہیں، عمر دراز پائیں اور اُردو کی خدمت کرتے رہیں۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سعادت مندی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا موقع نکلے کہ آپ پھر پٹنہ آئیں اور اِس بار کم از کم دس دن تو یہاں ٹھہریں۔

کیا آپ نے اپنی تقریر ۸ے میں کہا تھا کہ شیرانی صاحب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ طنز سے کام نہیں لیتے۔ اِس پر تعجب ہوا۔ اِس کا تحقیق سے کچھ سروکار نہیں۔

آپ نے ایک صاحب کے متعلّق کہا تھا کہ اُنھوں نے 6 ہزار روپے وصول کیے اور صرف 6 کتابیں چھپوائیں اور روپے دینے والے کو دے دیں، یہ بات آپ کو چھپوانے والے سے معلوم ہوئی یا مطبع والے سے، یا کسی اور سے؟ مسعود آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور سلام کہتے ہیں۔ آج کل کھانسی زکام میں مبتلا ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ جلد دہلی جائیں۔

میں جیسا تھا ویسا ہوں۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(44)

پٹنہ-4

4 دسمبر 1980 ۹ے

عزیزی! خوش رہیں، عمر دراز پائیں اور اُردو کی خدمت کرتے رہیں۔ آپ نے میرے خط کا جواب کیوں نہیں دیا؟ ایسا تو نہیں کہ آپ کو ملا ہی نہیں؟ میں نے پوچھا تھا کہ رُپے کئی ہزار یا زیادہ کے لینے اور صرف 6 جلدیں چھپوانا۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا؟

سنا ہے شیرانی صاحب کی سب سے بڑی خوبی آپ کے نزدیک اُن کا طنز سے بچنا ہے۔ کیا واقعی آپ نے یہ بات کہی تھی؟

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(45)

پٹنہ-4

31 دسمبر 1980 ۸۰ے

عزیزی! خط سے خرابیِ صحّت کا حال معلوم ہوا، امید ہے کہ اب آپ بالکل تندرست ہوں گے۔ مچھّر سے بچنا چاہیے۔

گوپال متّل کی خاموشی کی وجہ ممکن ہو تو معلوم کریں اور یہ بھی لکھیں کی غالب انسٹی ٹیوٹ کا

کیا حال ہے۔ظلِ عباس عباسی [۸۱] مدّتوں سے خاموش ہیں، یہاں تک کہ تعزیت کا خط بھی نہیں بھیجا۔ میری کتابیں برائے فروخت اُن کے پاس ہیں اور کلّیاتِ فارسی جلد 1 کے کل نسخے جو اُن کی نگرانی میں چھپے تھے اُن کی تحویل میں ہیں۔ میرا ذکر آئے بغیر یہ تحقیق کریں کہ اُن کتابوں کا کیا حشر ہوا (نہایت ضروری) ادارۂ تحقیقاتِ اُردو مدّتوں سے کوئی کام نہیں کر رہا ہے۔ چند ہفتوں کے بعد ایک جلسہ ہوگا جس میں اُس کا احیا ہوگا۔ صدرِ جلسہ گورنر صاحب ہوں گے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ اِس کے دوامی رکن ہو جائیں۔ اِس کے لیے سو رُپے دینے ہوں گے۔ مگر آپ ایک درخواست میرے پاس بھیج دیں کہ میں رُکنِ دوامی ہونا چاہتا ہوں اور الگ سے مجھے لکھیں کہ آپ کتنی رقم بآسانی ادا کر سکتے ہیں اور یہ میرے نام بھیج دیں۔ باقی کی آپ فکر نہ کریں۔

میری صحّت حسبِ دستور ہے۔ مسعود سلام کہتے ہیں۔

خیر طلب

قاضی عبدالودود

(46)

عزیزی! تعزیت نامے کا شکریہ۔ [۸۲]

مجھے کئی شکایت ہوگئی ہے [کذا، ہیں] اور وہ [یہ] کہ داہنا ہاتھ اور پاؤں ٹھیک سے کام نہیں کرتا، اِس تحریر سے ہی ظاہر، کہ انگلیاں کس طرح اپنا کام کر رہی ہیں۔ تبصرۂ ف۔ا [فرہنگِ آصفیہ] کی اور دو تین قسطیں زیرِ طبع ہیں یہ چھپ لیں تو سب کو ایک ساتھ بھیجوں۔

امید ہے کہ آپ بہ خیر ہوں گے۔

کیا حالی نے ف۔ا [فرہنگِ آصفیہ] پر جو مختصر تقریظ لکھی تھی وہ کسی مجموعے میں شائع ہوئی ہے۔

خیر طلب

ق۔ع۔و

حواشی:

[۱] قاضی عبدالودود نے اس خط کو پانچ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا نام اُردو میں اور پتا انگریزی میں یوں درج ہے:

جناب رشید حسن خاں صاحب

3118 Sir Syed Rd,Daryaganj,Delhi

خط کی پشت پر کی 16/11/59 دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔

۲۔ اس خط کو قاضی صاحب نے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا اُردو میں اس طرح درج ہے:

جناب رشید حسن خاں صاحب، باڑوزئی دوم، شاہ جہاں پور Shahjahanpur(U.P)

۳۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پانچ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر رشید حسن خاں کا پتا یوں درج ہے:

رشید حسن خاں، باڑوزئی دوم، Shahjahanpur, U.P

۴۔ ماہ نامہ رسالہ ''معاصر'' کا پہلا شمارہ 'دائرۂ ادب پٹنہ' کے زیر نگرانی نومبر 1940 میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کا آخری شمارہ دسمبر 1983 میں شائع ہوا۔ 'معاصر' کے بانی و مدیر اوّل ڈاکٹر عظیم الدین عظیم آبادی تھے۔ 'معاصر' کے مستقل لکھنے والوں میں ڈاکٹر عظیم الدین احمد، پروفیسر کلیم الدین احمد، قاضی عبدالودود اور پروفیسر اختر اورنوی کا شمار ہوتا ہے۔ اس رسالے نے تقریباً چالیس سال تک ادبی صحافت اور ادبی رجحانات کو نئی سمت و جہت عطا کی۔

۵۔ رسالہ 'معیار' انجمن ترقی اُردو، شاخ، پٹنہ کا ادبی رسالہ تھا جسے قاضی عبدالودود نے اسے محض 36 سال کی عمر میں شائع کیا۔ علالت کی وجہ سے اسے قاضی صاحب نے بند کر دیا تھا لیکن صحت یابی کے فوراً بعد اسے دوبارہ شروع کیا گیا۔

۶۔ اس خط کو قاضی صاحب نے پانچ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔ رشید حسن خاں پتا یوں درج ہے:

جناب رشید حسن خاں، لکھنؤ روڈ، 1/B Lucknow Rd, Delhi-6

۷۔ ''تذکرہ سرور'' کو پروفیسر خواجہ احمد فاروقی [صدر شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی] نے اپنے مقدمے کے ساتھ مارچ 1961 میں سلسلۂ اشاعتِ مخطوطاتِ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، نمبر-1 کے تحت شائع کیا۔ اس تذکرے کا اصل نام ''عمدہ منتخبہ یعنی تذکرہ سرور'' ہے۔ اس کے مولف نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر سرور ابن نواب اعظم الدولہ، ابوالقاسم بہادر مظفر جنگ ہیں۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اس تذکرے کو پنڈت جواہر لال نہرو کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے لکھا:

ہندوستان کے اس ادبی جواہر پارہ کو جو مغرب کے کتب خانوں میں تقریباً ڈیڑھ سو برس رہ کر پھر اپنے وطن کی محفلوں کو روشن کرنے آیا ہے،

احترام وخلوص کے ساتھ

شری جواہر لال نہرو

وزیر اعظم ہند

کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے

جن کی ذات گرامی ہندوستان کی بہترین تہذیبی اقدار کی محرم ومحافظ رہی ہے۔
پروفیسر خواجہ احمد فاروقی اپنے 5مارچ1961 کو لکھے مقدمے کے صفحہ XXII پر 'تذکرۂ سرور'' کو منظر عام لانے کے لیے رشید حسن خاں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

''اس کام میں رشید حسن خاں صاحب نے بڑی مدد کی ہے جو اس اسکیم میں مددگار کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ میں ان کی عنایت کا بہ دل معنون ہوں۔''

۸۔ قاضی عبدالودود نے ''برہان قاطع'' سے متعلق لکھے گئے اپنے مضامین کو 'قاطع برہان مع رسائل متعلقہ' عنوان سے 1967 میں 'ادارہ تحقیقاتِ اُردو، پٹنہ-4' سے شائع کیا۔ اس کتاب کے تصحیح کاروں میں مالک رام اور رشید حسن خاں کا نام درج ہے۔ کتاب کا تعارف ڈاکٹر ذاکر حسین نے لکھا ہے۔ قاضی صاحب نے اس کتاب کا انتساب ڈاکٹر سروپلی رادھا کرشنن (صدر جموریۂ ہند) کے نام معنون کیا ہے۔

۹۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پانچ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا یوں اس طرح لکھا ہوا ہے:

جناب رشید حسن خاں 1-B, Lucknow Rd. Delhi-6

۱۰۔ قاضی صاحب نے اپنی مرتبہ کتاب 'قاطع برہان مع رسائل متعلقہ' کے علاوہ اس کا نام 'قاطع برہان ملفف بہ درفش کاویانی ورسائل ومتعلقہ' بھی لکھا ہے۔

۱۱۔ قاضی صاحب نے 6مارچ1967 کو 'قاطع برہان مع رسائل متعلقہ' کا پیش لفظ [ایک صفحہ] بہ عنوان 'پیش گفتار' لکھا۔ موصوف کی جن لوگوں نے اس کام میں مدد کی ان کا شکریہ جلد دوم کے 'پیش گفتار' میں تفصیلی ذکر کرنے کی بات لکھی ہے۔ قاضی صاحب نے اس کتاب کی فہرست میں قاطع برہان، سوالات عبدالکریم، لطائف غیبی، نامۂ غالب، اور تیغ تیز کو شامل کیا ہے۔ عکس کے تحت تصویر غالب، قاطع برہان اور درفش کاویانی (صفحہ اوّل، طبع اوّل) قاطع برہان: سرورق طبع اوّل، درفش کاویانی: سرورق طبع اوّل، سوالات عبدالکریم [صفحہ آخر، طبع اوّل]، لطائف غیبی [صفحہ اوّل، طبع اوّل]، نامۂ غالب [صفحہ اوّل، طبع اوّل]، تیغ تیز [صفحہ اوّل، طبع اوّل] اور تیغ تیز: سرورق، طبع اوّل کو شامل کیا ہے۔

۱۲۔ قاضی صاحب نے اس خط کو چھ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھ کر کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہے۔

۱۳۔ قاضی صاحب نے اس خط کو چھ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا۔ کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں Jublee Hall, Delhi University, Delhi-6 لکھا ہوا ہے۔ پوسٹ کارڈ پر دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔

۱۴؎ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا:Rasheed Hasan Khan جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔

۱۵؎ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔خط کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi

۱۶؎ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔خط کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi

۱۷؎ کتاب سے مراد ''قاطع برہان مع رسائل متعلقہ' اشاعت 1967 ہے۔مزید تفصیل کے لیے حاشیہ نمبر 8 ملاحظہ کیجیے۔

۱۸؎ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔خط کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi

۱۹؎ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔خط کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi

۲۰؎ قاضی صاحب نے دلّی کالج میگزین کے جس خاص نمبر کا ذکر خاں صاحب سے کیا ہے وہ دِلّی نمبر، دہلی کالج کا خصوصی شمارہ، مطبوعہ 1959' ہے۔اس شمارے کے مدیر سید مظفر علی (ایم۔اے) اور نگراں ظہیر احمد صدیقی (ایم۔اے، علیگ) تھے۔رسالے کا انتساب'اس دلّی کے نام جس نے بہت کچھ دیکھا ہے اور بہت کچھ دیکھے گی' کے نام معنون ہے۔اس شمارے میں قاضی عبدالودود کا مضمون'نعیم دہلوی'عنوان سے صفحہ 368 تا 376 شائع ہوا۔انھوں نے نعیم دہلوی کی شاعری اور ان کے بارے میں دقیقہ سنجی کے ساتھ باتیں رقم کی ہیں۔دلی کالج میگزین کے ص 373 اور حوالہ 14 پر قاضی عبدالودود لکھتے ہیں کہ'دیوان کیمبرج: دیوان نعیم کا ایک ناقص الآخر نسخہ کنگز کالج کیمبرج کے کتب خانہ میں ہے۔اس کا حال پامر او براؤن کی فہرستوں میں ہے۔مگر یہ اس وقت پیشِ نظر نہیں۔1925 میں، میں نے اس دیوان سے کچھ اشعار نقل کر لیے تھے جو درج ذیل ہیں۔دیوان کا پہلا شعر ابتدا اور آخری انتہا میں ہے۔دیوان میں کوئی شعر ایسا نہیں ہے جس سے مصنف کے حالات زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔'

۲۱ رسالہ تحریک، اکتوبر 1963، جلد 11 نمبر 7، ص 13 تا 25 پر رشید حسن خاں کا مضمون 'علی گڑھ تاریخ ادب اُردو' شائع ہوا۔ خاں صاحب کے مضمون سے قبل رسالہ تحریک میں ہی ابن فرید کا مضمون بھی علی گڑھ تاریخ ادب اُردو کے حوالے سے شائع ہو چکا تھا۔ لیکن خاں صاحب کے مضمون کو ادبی دنیا میں جیسی شہرت نصیب ہوئی ویسی کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔ اس مضمون کے بعد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے اپنے پروجیکٹ کو نہ صرف التواع میں ڈالا بلکہ علی گڑھ تاریخ ادب اُردو کی تمام کاپیاں بازار سے واپس منگالیں۔ خاں صاحب نے اس مضمون کو اپنی کتاب ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ میں بھی شامل کیا۔

۲۲ قاضی صاحب نے اس خط کو چھ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہریں بہ تاریخ 1-7-64 اور وقت 8-AM ثبت ہے۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:

جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi-6

۲۳ 'گلستانِ سخن' کے حوالے سے دلی کالج میگزین [قدیم دلی کالج نمبر 1953] میں قاضی صاحب کا مضمون، ص 73 تا 94 شائع ہوا۔ اس میگزین کے نگراں خواجہ احمد فاروقی اور معاون مدیر گوپی چند نارنگ [متعلم ایم۔اے] تھے۔ میگزین کے سرورق پر درج ذیل شعر لکھا ہوا ہے:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جاکر نظر کہاں

۲۴ رسالہ معاصر میں ''طبقات الشعرائے ہند'' پر عطا کاکوی کا مضمون شائع ہوا تھا۔ لیکن کافی تلاش و تحقیق کے بعد راقم کو معاصر، ماہ جولائی 1967، مدیر عبدالمنان بیدل عظیم آبادی، حصہ 21، ص 1-96 پر شائع عطا کاکوی کا مضمون 'طبقات شعرائے ہند، طبقہ سوم مع تعلیقاتِ ضمیمہ'' ملا۔ عطا کاکوی نے 'طبقات شعرائے ہند' مولف ایف فیلن و مولوی کریم الدین (طبقہ چہارم) مع تعلیقات کو 1963/1383ھ میں مرتب بھی کیا تھا۔

۲۵ قاضی صاحب نے اس خط کو چھ نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں Urdu Dep Faculty of Arts, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔

۲۶ لفظ ملائی اور بالائی کے ذیل میں رشید حسن خاں نے قاضی صاحب سے یہ دریافت کیا ہے کہ کن کن لغات میں لفظ ملائی موجود ہے۔ اسی ضمن میں قاضی صاحب نے فرہنگ جہاں گیری کا نام اس خط میں لکھا ہے۔ رشید حسن خاں نے لفظ ملائی اور بالائی پر اپنی مرتبہ کتابوں 'گذشتہ لکھنؤ'' اور ''زبان اور قواعد' میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اہلِ لکھنؤ ملائی کے بجائے بالائی اور اہلِ دہلی بالائی کے بجائے ملائی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اہل لکھنؤ کے یہاں اس لفظ کی تذکیر و تانیث کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

۲۷ ''گلستان سخن'' کے تعلق سے حوالہ نمبر 23 ملاحظہ کیجیے۔

۲۸ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 40 Jublee Hall, Delhi University, Delhi-6

۲۹ ملاحظہ کیجیے حوالہ نمبر 23

۳۰ ''مثنویاتِ راسخ'' [راسخ عظیم آبادی]، ممتاز احمد کا تحقیقی مقالہ ہے جس پر انھیں پٹنہ یونی ورسٹی نے پی. ایچ. ڈی کی ڈگری عطا کی۔ ممتاز احمد نے اس مقالے کو کتابی صورت میں 27 مئی 1957 کو شائع کیا۔ کتاب کا انتساب انھوں نے اپنے استاذ کلیم الدین احمد صاحب کے نام معنون کیا۔

۳۱ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر پٹنہ اور دہلی ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں صاحب Jublee Hall, Delhi University, Delhi

۳۲ الاپ سے متعلق کئی خطوط خاں صاحب نے شاہد احمد دہلوی کو بھی لکھے تھے۔ دراصل گلزار نسیم کی تدوین کے دوران انھیں موسیقی کے اصطلاحی لفظوں پر تحقیقی استدلال کی ضرورت درپیش تھی۔ اسی لیے قاضی صاحب نے خاں صاحب کو لکھے خط میں الاپ کی تذکیر و تانیث سے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کیا۔

۳۳ قاضی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C-9 Jublee Hall Delhi University Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

۳۴ میر نظام الدین ممنون سونی پتی کا انتخابِ دیوان، حسرت موہانی نے اُردو پریس علی گڑھ سے شائع کیا۔

۳۵ قاضی صاحب نے پوسٹ کارڈ پر لکھے اس خط کے سرورق پر انگریزی میں دی ادارہ تحقیقاتِ اُردو لکھا ہے۔ کارڈ کی پشت پر دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں 182,Jubilee Hall Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔

۳۶ قاضی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر پر تاریخ 27 اگست 1965 ثبت ہے۔ خط پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں صاحب Urdu Dept Delhi, University, Delhi لکھا ہوا ہے۔

۳۷ دیکھیے حواشی نمبر 26

۳۸ قاضی صاحب نے اس خط کو چھے نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں ثبت ہیں۔ پوسٹ کارڈ پر خاں صاحب کا پتا یوں لکھا ہے:
جناب رشید حسن خاں 70 Jublee Hall, Delhi University, Delhi-6

۳۹ تذکرہ ''سراپا سخن'' از سید محسن علی موسوی محسن کو مطبع نول کشور نے 1861 میں شائع کیا۔
۴۰ قاضی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں 70, Jublee Hall, Mall Road, Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔
۴۱ ''دہلی اُردو اخبار'' کے مضامین کو شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی۔ دہلی کی جانب سے 1972 میں شائع کیا گیا۔ اس پر مقدمہ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے لکھا۔ کتاب کی ضخامت 364 صفحات ہے۔
۴۲ جہانِ غالب، غالب اکیڈمی دہلی کا ششماہی رسالہ ہے۔ یہ رسالہ غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین دہلی، 31 سے شائع ہوتا ہے۔ غالب اکیڈمی، کا قیام حکیم عبدالحمید نے کیا۔ قاضی صاحب کی دلی خواہش تھی کہ رشید حسن خاں اس رسالے میں اپنے مضامین ارسال کریں۔ ''جہانِ غالب'' قاضی عبدالودود کی کتاب بھی ہے اس میں قاضی صاحب نے غالب کے فن اور شاعری سے متعلق لکھے گئے مضامین کو یک جا کیا ہے۔
۴۳ قاضی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں اور خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں 70, Jublee Hall, Mall Road, Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔
۴۴ قاضی صاحب نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا۔ پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی، نئی دہلی اور پٹنہ ڈاک خانوں کی مہریں اور خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں 70, Jublee Hall, Mall Road, Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔
۴۵ علی گڑھ میگزین، طلبۂ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کا ادبی رسالہ ہے۔ غالب صدی 1969 کے موقع پر علی گڑھ میگزین نے غالب نمبر شائع کیا۔ اس کے نگراں پروفیسر آل احمد سرور اور مدیر بشیر بدر تھے۔
۴۶ قاضی صاحب نے اس خط کو دس پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر 69-7-29 کی Patna GPO کی مہر اور 69-7-31 کی شاہ جہاں پور ڈاک خانے کی مہریں ثبت ہیں۔ خط پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں Barrozai II, Shahjahanpur, U.P لکھا ہوا ہے۔
۴۷ قاضی صاحب نے اس خط میں رشید حسن خاں کے چھوٹے بچے کے ہاتھ کی ہڈّی ٹوٹ جانے پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس بچے کے ہاتھ کی ہڈّی ٹوٹی وہ خالد حسن خاں ہوں گے۔ کیوں کہ خورشید حسن خاں، خاں صاحب کے بڑے صاحب زادے تھے۔ 3 جنوری 2023 کو خالد حسن خاں کی اہلیہ سے فون پر ہوئی گفتگو کے دوران انھوں نے بتایا کہ قاضی صاحب نے جس بچے کے ہاتھ کی ہڈّی ٹوٹنے کا ذکر اپنے خط میں کیا ہے وہ ان کے شوہر خالد حسن خاں ہیں۔
۴۸ قاضی صاحب نے خاں صاحب کو یہ خط آٹھ سال بعد لکھا ہے۔ خط پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے۔ خط کی پشت پر نئی دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔ قاضی صاحب نے، خاں

صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C 4, Gwyer Hall, Delhi Univresity, Delhi-7 لکھا ہے۔ پشت پر خالی جگہ میں انگریزی میں:

18-0
1-0
1-0
3-0
1-0

24-0

لکھا ہوا ہے۔ پشت پر ہی دوسری جانب 1.20 لکھا ہوا ہے۔

۴۹ قاضی صاحب چاہتے تھے کہ رشید حسن خاں اپنے مضامین رسالہ معاصر کے لیے ارسال کریں۔ البتہ اگست 1976 میں خاں صاحب کا ''تحقیق کا معلم ثانی'' مضمون معاصر [قاضی عبدالودود نمبر] میں شائع ہوا۔

۵۰ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر پٹنہ ریلوے ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔

۵۱ قاضی صاحب نے رشید حسن خاں کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے اس کا نام ''اُردو تحقیق اور مالک رام'' مرتب شاہد اعظمی ہے۔ اکثر اس کتاب کو رشید حسن خاں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کتاب ملنے کا پتا: مکتبہ شاہ راہ، اُردو بازار، دہلی، سالِ اشاعت 1975، کاتب: رحمت علی خاں رام پوری، مطبع: جمال پرنٹنگ پریس دہلی، قیمت: بارہ روپے لکھا ہوا ہے۔ کتاب کی ضخامت 183 صفحات ہے۔ پیش لفظ کے آخر میں صفحہ 14 پر شاہد اعظمی دہلی، 20 مئی 1975 درج ہے۔ اس کتاب میں جن مشاہیر ادب نے اپنا قلمی تعاون پیش کیا ان میں قاضی عبدالودود (ذکرِ غالب، احوالِ غالب)، امتیاز علی خاں عرشی (دیوانِ غالب)، رشید حسن خاں (دیوانِ غالب صدی اڈیشن، تذکرۂ معاصرین)، ڈاکٹر محمود الٰہی (غالب کا سفر کلکتہ)، مغیث الدین فریدی (تلامذۂ غالب کی تاریخی غلطیاں)، گوپال متل، ونود راج ڈھینگرا، مظفر حنفی، ڈاکٹر گیان چند جین، ایس ایچ ترمذی، اندر جیت لال، عقیل حسن موسوی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی [مرحوم] (خطوطِ غالب)، ڈاکٹر قمر رئیس (نیرنگ خیال اور مالک رام)، عتیق صدیقی (تصانیفِ آزاد اور مالک رام)، انور صدیقی (قدیم دلّی کالج)، سلمان احمد (ترقی اُردو بورڈ کا لغت اور مالک رام) کے نام سرفہرست ہیں۔ مزید معلومات کے لیے راقم الحروف کا مضمون ''رشید حسن خاں سے منسوب جعلی کتابیں'' مشمولہ ایوانِ اُردو، نئی دہلی، فروری 2021، ص 36 تا 40 ملاحظہ کیجیے۔

۵۲۔ قاضی صاحب نے ڈاکٹر محمد اسلم خاں کی جس کتاب ''تحقیق دراحوال وآثاروافکارواشعار،ظفر خاں احسن'' کا ذکر اپنے خط میں کیا، اسے انڈو پرسین سوسائٹی، دہلی نے شائع کیا تھا۔ کتاب کا دیباچہ ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی (صدر شعبہ اُردو فارسی وعربی، دہلی یونی ورسٹی) نے لکھا تھا۔ مرتب نے پیش گفتار کے آخر میں اپنا نام اسلم خاں (گروہ زبان ادبیات وفارسی، دانش گاہ دہلی) لکھا جب کہ تاریخ اول فروردین ماہ ۲۵۳۵ لکھا۔ ڈاکٹر محمد اسلم خاں نے اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں اسلم صاحب نے انگریزی اور فارسی زبانوں میں اس کتاب کی تلخیص پیش کی ہے۔

۵۳۔ قاضی صاحب نے اس خط کو INLAND LETTER CARD پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر انگریزی میں Please Redirect Rasheed Hasan Khan Sahib, T.C -4 Gwyer Hall,Dilli University,Dilli-7 لکھا ہوا ہے۔ پشت پر ہی Tehreek Urdu Monthly,Anari Market, Daryaganj, Delhi لکھا ہے۔ اس پتے کو نیلی سیاہی سے کاٹا گیا ہے۔ دہلی یونی ورسٹی کے پتے کو لال قلم سے لکھا گیا ہے۔ بھیجنے والے کے پتے پر، قاضی عبدالودود، پٹنہ اُردو میں لکھا گیا ہے۔ خط کی پشت پر 78-4-26 نئی دہلی ڈاک خانے کی مہر ثبت ہے۔ خط کی پشت پر پٹنہ ڈاک خانے کی مہر بھی ثبت ہے لیکن اس کی تاریخ پڑھی نہیں جاسکی۔ مرتب

۵۴۔ کتاب نصیحت نامہ معروف بہ قابوس نامہ، کلاسیکی فارسی ادب کی ایک مشہور اور اہم کتاب ہے۔ اسے الامیر عنصر معالی امیر کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر بن زیار نے اپنے بیٹے کے لیے کامیاب زندگی گزارنے کے لائحہ عمل کے لیے لکھی۔

۵۵۔ 144 صفحات پر مشتمل کتاب ''تصنیف و تالیف'' (ترقی اُردو بورڈ کی سرگرمیوں کی ایک رپورٹ[1]) کو جنوری 1978 میں ترقی اُردو بورڈ وزارت تعلیم اور سماجی بہبود حکومت ہند نے شائع کیا۔ ترقی اُردو بورڈ کے چیئر مین حیات اللہ انصاری نے ''پہلی بات: تصنیف وتالیف کیوں'' کے تحت بورڈ کے اغراض ومقاصد کو واضح کیا۔ پروفیسر شارب ردولوی (پرنسپل پبلیکیشن آفیسر بیورو فار پروموشن اُردو) نے ''ترقی اُردو بورڈ: ایک جائزہ'' میں ترقی اُردو بورڈ کی ادبی سرگرمیوں پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

۵۶۔ رشید حسن خاں کی کتاب اُردو املا ترقی اُردو بورڈ سے 1974 میں شائع ہوئی۔

۵۷۔ خاں صاحب کی کتاب زبان اور قواعد 1976 میں شائع ہوئی۔ اس خط میں قاضی صاحب نے دونوں کتابوں کے ملنے کی اطلاع خاں صاحب کو دی ہے۔

۵۸۔ ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی نے فرہنگ آصفیہ (جلد اوّل؛ الف سے خ تک) مولفہ: خاں صاحب مولوی سید احمد دہلوی کو پہلی بار 1974 میں اور دوسری بار 1987 میں شائع کیا۔ فرہنگ آصفیہ کی پہلی اشاعت پر وزیر تعلیم حکومت ہند نور الحسن کا پیغام اور حرفے چند عبدالعلیم (چیئر مین، ترقی اُردو بورڈ) کا

لکھا ہوا ہے۔ 1987 کی اشاعت میں پیش لفظ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم (ڈائریکٹر ترقی اُردو بیورو) کا لکھا ہوا ہے۔ قاضی عبدالودود نے فرہنگِ آصفیہ پر تبصرہ لکھنے کی بات اپنے خط میں کی ہے۔

۵۹ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-6-10 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.4 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

۶۰ جمیل جالبی کتاب 'تاریخ ادب اُردو' کی پہلی جلد ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی سے 1977 میں شائع ہوئی۔ اسی جلد پر رشید حسن خاں نے تبصرہ کیا تھا۔ اس تبصرے کو رشید حسن خاں نے باقر مہدی کے رسالے ''اظہار'' میں شائع کرنے کے لیے ارسال کیا تھا۔ مزید تفصیل کے لیے کتاب میں شامل جمیل جالبی کے خطوط پر لکھا گیا حواشی نمبر 2 ملاحظہ کیجیے۔

۶۱ اس خط کو قاضی صاحب نے پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-6-26 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.4, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi-6 لکھا ہوا ہے۔

۶۲ علامہ سحر عشق آبادی کا تعلق میرٹھ سے تھا۔ میرٹھ کے پرانے نام عشق آباد کی نسبت سے اپنے آپ کو عشق آبادی لکھتے تھے۔ عروض و قواعد پر انھیں ید طولیٰ حاصل تھی۔ سحر عشق آبادی کا مضمون ''غالب کی ایک رباعی'' سہ ماہی اُردو ادب، شمارہ 3، انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ، 1965، ص 79 تا 91 شائع ہوا۔ اس مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

سب سے پہلے ''حل غالب'' احمد حسن شوکت میرٹھی نے لکھا اور دوسری شرح حضرت طباطبائی نے لکھی۔ اس کے بعد کتنی شرحیں کی گئیں اس کا اندازہ کرنے کی فرصت کسے ہے۔

غرض ایک سو پانچ سال سے اب تک غالبؔ کی ایک رباعی ہر شاعر کے لیے ایک پہلی بنی ہوئی ہے جو جس کی سمجھ میں آتا ہے لکھ دیتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مرزا نوشہ اس پر نوٹ لگانا چاہتے تھے لیکن دوسرے مرزا (ہر گوپال سہائے صاحب بھٹنا گر تفتہؔ سکندر آبادی) نے کہا کہ کچھ تو اوروں کو سمجھنے کے لیے بھی چھوڑ دیجیے، کیا اتنی بات بھی اہلِ نظر نہ سمجھ سکیں گے۔ مرزا نوشہ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔ آخر ہوا وہی جس کا نوشہ کو شبہ تھا۔

عرشی صاحب نے اپنے مرتبہ ''دیوان غالب'' میں یہ فروگذاشت شائع فرمائی ہے:

> ''اس اڈیشن کی ایک فرگذاشت کا تذکرہ کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ مرزا صاحب کی ایک رباعی (نوائے سروش 7:253) میں سے مولانا نظم طباطبائی کے اعتراض کے تحت میں نے ایک لفظ گرا کر مصرع یوں چھاپا ہے: دل رُک کر بند ہو گیا ہے غالب۔ فاضل محترم منشی حامد علی خاں صاحب منشی فاضل (رام پور) نے مجھے بتایا کہ یہاں رُک رُک کر بہ تکرار درست ہے کیوں کہ یہ مصرع رباعی

کے 24 وزنوں میں سے ایک وزن پر پورا اُترتا ہے اور یہ بات از روئے قواعدِ عروض جائز ہے کہ رباعی کے چاروں مصرعوں کو ایک یا زائد اوزانِ رباعی پر نظم کیا جائے لہٰذا اربابِ ذوق متن میں تصحیح فرما کر غالب صفحہ 380 کا نوٹ کالعدم قرار دے لیں۔''

اور وہ نوٹ یہ ہے:

''(7:253) اس رباعی کے دوسرے مصرعے میں مرزا صاحب نے از راہِ سہو ایک رُکن بڑھا دیا ہے اور تمام نسخوں میں رُک رُک لکھا ہے چوں کہ یہ سہو قابل درگزر نہ تھا اس لیے متن میں اصلاح کر دی گئی ہے۔''

اور وہ رباعی یہ ہے:

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

فروگذاشت اور نوٹ کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ عرشی صاحب نے نظم طباطبائی کے کہنے سے ایک رُک حذف کر کے اصلاح فرما دی اور منشی فاضل رام پوری کے بہکانے پر اتنی اصلاح اور نوٹ کالعدم قرار دے دیے۔ یعنی عرشی صاحب عروض سے بالکل بے بہرہ ہیں جس نے جیسا کہا مان لیا۔ تحقیق کرے وہ جسے عروض سے واسطہ ہو۔

اب میں (سحر عشق آبادی) کہتا ہوں کہ رباعی کا دوسرا مصرع (دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب) رباعی کے چوبیس اوزان میں ہے نہ جدید چھتیس اوزان میں۔ اس میں ایک رُکن زائد نہیں جیسا کہ عرشی صاحب نے لکھا ہے (جنھیں عروضی اصطلاحات کا بھی علم نہیں کہ رُکن کسے کہتے ہیں) یہاں ایک سببِ خفیف ابتدا میں زائد۔ فاضل منشی ذرا اپنے مقوضہ وزن سے مصرع کی تقطیع کر کے سمجھائیں تو سہی ورنہ دعوائے دلیل کیا معنی؟

۶۳۔ قاضی صاحب نے اپنے کئی خطوط میں میرٹھ کے کیرو، کسیرو اور شاہ جہاں پور کے جھولے کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک میرٹھ کے کیرو اور کسیرو کا تعلق ہے جس کا ذکر مصحفی نے اپنی مثنوی میں کیا ہے، راقم کو اس تعلق سے کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ میرٹھ کینٹ کے علاقے میں کسیرو کھیڑا نام کا ایک محلّہ آج بھی آباد ہے۔ خود رشید حسن خاں نے بھی قاضی صاحب کو 25 دسمبر 1979 کو لکھے خط میں میرٹھ کے کیرو کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔

رشید حسن خاں نے قاضی عبدالودود کے نام 28 جولائی 1978 کو لکھے خط میں ''شاہ جہاں پور کے جھولے'' کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے:

"مخدومی آداب

یہاں آ کر معلوم ہوا کہ "جھولے" یہاں کا بہت اہم اور مشہور جشن تھا۔ اس کو "ہنڈولے" بھی کہا جاتا تھا۔ ختم زمین داری کے بعد اس کا وہ پُرانا احوال نہیں رہا، مگر ہوتا تو اب بھی ہے۔ چوں کہ یہ ہندوؤں کے علاقے میں ہوتا ہے اور اُنھی کی خاص چیز ہے، اس لیے اب اکثر مسلمان اس سے آشنا نہیں رہے، لیکن پُرانے زمانے میں مسلمان بھی اس میں شریک ہوا کرتے تھے۔"

مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کی مرتب کردہ کتاب "رشید حسن خاں کے خطوط، جلد دوم، اشاعت نومبر 2015 کا صفحہ 505 اور 506 ملاحظہ کیجیے۔

٦٤۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-7-6 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.4 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

٦٥۔ رہبرِ تحقیق شجاعت علی سندیلوی کی کتاب ہے جسے اُردو سوسائٹی شعبۂ اُردو لکھنؤ یونی ورسٹی نے 1976 میں شائع کیا۔ قاضی صاحب نے اس کتاب پر جو تبصرہ کیا تھا اسے پڑھنے کے لیے خاں صاحب سے کہا گیا ہے۔

٦٦۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-8-28 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.4 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

٦٧۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-11-13 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.9 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہوا ہے۔

٦٨۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 78-3-26 ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.9 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi لکھا ہوا ہے۔

٦٩۔ قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.4 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہے۔

٧٠۔ قاضی صاحب نے رشید حسن خاں کی کتاب "ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ" کا ذکر اس خط میں کیا ہے۔ اس کتاب کو ڈاکٹر عابد رضا بیدار قاضی صاحب سے مطالعے کے لیے لے کر گئے تھے۔ خط میں قاضی صاحب نے خاں صاحب کا شکریہ اس بات کے لیے ادا کیا کہ انھوں نے اس کتاب کا انتساب 'مخدومی قاضی عبدالودود صاحب کے نام، گُہر جانبِ ابرِ نیساں فرستم' لکھ کر معنون کیا۔ اس کتاب کو

ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے 1978 میں شائع کیا۔

۱ے قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T-C.4 Gwyer Hall, Delhi University,Delhi-7 لکھا ہے۔

۲ے ''مقالات قاضی عبدالودود (جلد اوّل) کو کلیم الدین احمد نے مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب بہار اُردو اکادمی، پٹنہ سے 1977 میں شائع ہوئی۔ کتاب میں قاضی صاحب کے تین تبصرے (۱) بہار میں اُردو زبان و ادب کا ارتقا (۲) مرزا محمد علی فدوی، ان کا عصر حیات شاعری اور کلام (۳) مثنویات راسخ شامل ہیں۔ کتاب کا مقدمہ 'میں کون ہوں میں کیا ہوں' (قاضی عبدالودود)، 'ایک مثالی شخصیت' اور 'کچھ اس جلد کے بارے میں' (کلیم الدین احمد) عنوان سے کے لکھے ہوئے ہیں۔

۳ے اس خط کو قاضی صاحب نے پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ کارڈ کی پشت پر اسٹیٹ بینک کا logo بنا ہوا ہے اور ہندی میں ''آج کی بچت کل کی حفاظت'' رقم ہے۔ پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.4, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔

۴ے قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ کارڈ کی پشت پر بھارتیہ جیون بیما نگم (LIC) کا logo بنا ہوا ہے اور ہندی میں ''حفاظت کے لیے جیون بیما'' رقم ہے۔ پشت پر خاں صاحب کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.4, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہے۔

۵ے حافظ محمود خاں شیرانی کو رشید حسن خاں ''تحقیق کا معلم اوّل'' اور قاضی صاحب کو ''تحقیق کا معلم ثانی'' تسلیم کرتے تھے۔ شیرانی صاحب 5 اکتوبر 1880 کو پیدا ہوئے اور 65 سال کی عمر میں یعنی 14 فروری 1946 میں انتقال ہوا۔ اسی مناسبت سے قاض عبدالودود چاہتے تھے کہ حافظ محمود خاں شیرانی کی یوم پیدایش کے سو سال مکمل ہونے پر ان کی برسی منائی جائے۔

۶ے قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C. Gwyer Hall, Delhi University, Delhi-110007 لکھا ہوا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 28-10-80 ثبت ہے۔

۷ے قاضی صاحب نے اس خط کو پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.9 Gwyer Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر بتاریخ 24-11-80 ثبت ہے۔

۸ے رشید حسن خاں نے اپنا مضمون ''شیرانی کی تاریخی اہمیت'' عنوان سے حافظ محمود شیرانی سمینار منعقدہ بہار اُردو اکادمی، 8-بی شری کرشنا پوری، پٹنہ-1، 30 اور 31 اکتوبر 1980 میں پڑھا۔ سمینار میں پڑھے گئے مقالات کو کلیم الدین احمد کے ''پیش لفظ'' کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ خدا

بخش لائبریری کا Acc No.26918 ہے۔یہ مضمون ان مقالات کے مجموعے کے صفحہ 23 سے 33 پر محیط ہے۔اس مضمون کو بعد میں رشید حسن خاں نے اپنی کتاب ’ تدوین - تحقیق روایت‘ ،اشاعت 1999 میں ص 192 تا 201 شامل کیا۔

۷۹۔ قاضی صاحب نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔اس خط میں بھی وہی سوال دہرایا گیا ہے جو خط نمبر 42 میں حافظ محمود خاں شیرانی کی تحقیق سے متعلق دریافت کیا گیا ہے۔

۸۰۔ اس خط کو قاضی صاحب نے پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.4, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔

۸۱۔ ظلِ عباس عباسی غالب انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ تھے۔ مالک رام کے تمام ہی رسالے تحریر میں کی پرنٹنگ کا کام یہ ہی دیکھتے تھے۔رسالے کے حاشیے میں لکھا ہوتا تھا ’’پرنٹر و پبلشر ظلِ عباس عباسی نے جمال پرنٹنگ پریس، دلّی میں چھپوا کر دفتر علمی مجلس 1429 چھتہ نواب صاحب، فرّاش خانہ دلّی سے شائع کیا۔عباسی صاحب کی مشہور کتابوں میں اُردو کا مقدمہ، جشنِ ولادت، گلدستۂ نعت وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

۸۲۔ س خط کو قاضی صاحب نے پندرہ پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا: جناب رشید حسن خاں T.C.4, Gwyer Hall, Delhi University, Delhi لکھا ہوا ہے۔

❁❁❁

کالی داس گپتا رضا بہ نام رشید حسن خاں

16/06/1989[1]

محبّ مکرم، کرم نامہ ملا۔ اس سے پہلے بھی کتابوں کی رسید مل گئی تھی۔

1۔ ''واں پہنچ کر جو غش آتا پہیم ہے ہم کو'' یقیناً یہی درست ہے۔ یعنی پے ہیم ہے۔ فعلاتن (مفعولن) کے وزن پر پڑھا جائے گا۔ میں نے نسخۂ عرشی میں اس پر نوٹ لکھ رکھا تھا مگر نہ جانے کیسے؟ مجھ سے یا کاتب سے سہو ہو گیا۔ پے ہیم کے معنی قطعاً الگ ہیں۔

2۔ رباعی ''تھی وہ لگی کہ جس میں آزار نہ ہو'' میں نے اس مصرعے پر غور نہ کیا کہ نہ ہو کہ تقاضا یہی ہے کہ لکھے اور لگے پڑھا جائے۔ دوسرے اڈیشن میں دونوں مقامات درست کر دیے جائیں گے۔

3۔ قادر نامہ کا قدیم ترین اڈیشن جو میرے پاس ہے وہ مبلغ نظامی کانپور کا چھپا ہوا 1295ھ/1878 اڈیشن ہے۔ ذکر غالب میں قادر نامہ کے تحت جن اڈشنوں کا ذکر ہے اس میں مجس کو اس طرح لکھا ہے کہ وہ مجلس ہی پڑھا جائے ہو سکتا ہے انھیں بھی علم نہ ہو۔ اس طرح میں نے بھی مجلس لکھ دیا۔ اب درست کر لیا ہے۔ چوں کہ میں دیوانِ غالب (مکمل)[2] کے دوسرے اڈیشن کو بہت شان دار ڈھنگ سے اور غیر معمولی احتیاط سے چھاپنا چاہتا ہوں اس لیے اُردو کے تمام دانشوروں سے ملتجی ہوں کہ وہ میرے دیوانِ غالب کو بہ نظر اصلاح دیکھیں۔ ایسے لوگوں میں آپ کو صفِ اوّل میں رکھتا ہوں۔ اس لیے گزارش ہے کہ جب بھی موقع ملے گا دیوان پر ایک نظر ڈالتے جایئے۔ شکریہ۔

مخلص

کالی داس گپتا رضا

پس نوشت: میں خود دیوان غالب کو بہ غور دیکھ چکا ہوں مگر ان کمیوں کو دوسروں پر ظاہر نہیں کرتا تا کہ وہ اپنے طور پر اصلاح کر سکیں۔ رضا۔

حواشی:

۱۔ کالی داس گپتا رضا نے یہ خط رشید حسن خاں کو 15 پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے، جسے بمبئی 400036 سے TC-9 گائر ہال دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر ارسال کیا گیا۔ پوسٹ کارڈ پر کالی داس گپتا رضا نے اپنے پتے کی انگریزی مہر لگائی ہے۔ جو اس طرح ہے:

K.D.GUPTA RIZA

43-A JAL DARSHAN,

NAPNRC SEA ROAD,

BOMBAY 400036

۲۔ ماہر غالبیات کالی داس گپتا رضا نے ''دیوان غالب (کامل): تاریخی ترتیب کے ساتھ'' کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ ہند و پاک کے مشاہیرِ ادب سے اس کی تصحیح کراتے تھے۔ اس تعلق سے انھوں نے رشید حسن خاں سے رجوع کیا تھا۔ غالب کے اس دیوان کو نسخہ گپتا رضا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ نسخہ کالی داس گپتا رضا نے پہلی بار فروری 1988 میں، دوسری بار 1990 میں اور تیسری بار ترمیم و اضافہ کے ساتھ 1995 میں شائع کیا۔

❁❁❁

گیان چند جین بہ نام رشید حسن خاں

(1)

36 مالویہ نگر[1]

بھوپال

17 اکتوبر 1963

محبّ مکرم تسلیم

مضمون کی نقل ملی۔ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ آپ نے خوب تحقیق کی ہے اور بڑی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ آپ کے مضمون کو پڑھنے کے بعد یہ روشن ہوگیا کہ تاریخ پر نظرِ ثانی کا کام کیا ہی نہیں گیا۔ بنیادی کتابوں اور معروف مصنفوں کی غلطیوں کی نشان دہی بھی ایک خدمت ہے۔ آپ نے سرور اور مجنوں کے بارے میں وہ بات برملا کہہ دی ہے جو سب کے دلوں میں ہے یعنی وہ نقاد ہیں تاریخ ادب کے ماہر نہیں لیکن آپ کو یہ کچھ اور سنبھال کر کہنا تھا۔ سرور کا یہ معاملہ ہے کہ علی گڑھ تاریخ کے لیے علی گڑھ کا صدر شعبۂ اُردو اپنے عہدے کی بدولت تاریخِ ادب کا ڈائرکٹر ہوتا ہے۔ پہلے رشید احمد تھے اب سرور ہیں۔ اس لیے ڈائرکٹر کے سلسلے میں اہلیت و اوصاف کی کوئی بحث ممکن نہیں ہاں اسسٹنٹ ڈائرکٹر کے انتخاب میں موزونیت کا خیال رکھنا تھا۔

آپ نے لکھا ہے کہ برہان الدین جانم متن میں صحیح تھا غلط نامہ میں اس کی تصحیح 'برہان الدین حانم' کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ متن میں 'برہاالدین' ہے غلط نامہ میں اس کی تصحیح 'برہان الدین' کی گئی ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ایک غلطی کی تصحیح میں ایک صحیح لفظ 'جانم' غلط ہوکر 'حانم' رہ گیا۔ حانم ٹائپ کی خرابی ہے۔

اُمید ہے آپ کے تبصرے سے دوسری جلدوں میں احتیاط کی جائے گی۔

بڑا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے یہ گراں بہا مضمون عنایت کیا۔

مخلص

گیان چند

(2)

شعبۂ اُردو[۳]

الہٰ آباد یونی ورسٹی

الہٰ آباد-211002

9اگست1978

ہند بچاؤ دن

محبِّ مکرم تسلیم

میں مالک رام پر ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔اس کے لکھنے سے قبل لازمی ہے کہ آپ نے ان کے دیوانِ غالب[۴] پر جو مفصل تبصرہ کیا تھا وہ دیکھ لوں۔آپ کا یہ مضمون کئی سال پہلے تحریک میں پڑھا تھا۔اس وقت تحریک میرے پاس نہیں آتا تھا۔

خیال ہوا کہ یہ مضمون آپ کے مجموعے زبان وقواعد میں شامل ہوسکتا ہے۔میری کم توفیقی یہ ہے کہ سوء اتفاق سے میں نے اب تک اس فاضلانہ کتاب کو نہیں دیکھا۔کل لائبریری میں گیا کہ اسے لے آؤں لیکن نہ ملی۔چوں کہ میں نے الہٰ آباد آنے کے بعد اس کتاب کو آرڈر دے کر منگائی تھی اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ یہ الہٰ آباد یونی ورسٹی لائبریری میں ہے۔پھر تلاش کروں گا۔

آپ کی تحریر کی فوری ضرورت ہے۔ہو سکے تو تحریک کا متعلقہ پرچہ یا مضمون کا تراشا بھیج دیجیے یہ بھی لکھیے کہ کیا یہ مضمون زبان وقواعد میں شامل ہے۔اگر ہے تو یہ کتاب ضرور ہاتھ آجانی چاہیے۔

اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بہتر ہوگا۔

نیاز کیش

گیان چند

(3)

شعبۂ اُردو[۵]

جموں یونی ورسٹی

جموں-180001

محترمی خاں صاحب تسلیم

''اُردو املا''[۶] مجھے کہاں ملی ہے۔ایک بار شہباز صاحب سری نگر گئے۔مجھ سے کہا کہ

''اُردو املا''بستربکس میں ہے واپسی پر دیں گے۔واپسی میں مجھ سے ملے نہیں اور کتاب ساتھ لے گئے۔کتاب آجائے تو ضرور مطالعہ کروں گا۔

ہندوستانی زبان بمبئی میں میرا ایک مضمون''یائے اضافت اور ہمزہ'' آیا ہے۔معلوم نہیں آپ تک پہنچا کہ نہیں۔نارنگ صاحب سے کہیے کہ آپ کو دکھادیں۔آپ اسے پڑھ کر اتفاق تو نہ کریں گے۔

قاضی صاحب پر لکھوں گا تو لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان پر کیوں کر لکھوں اور کیا لکھوں۔ ہمارے شعبے کی لائبریری کا حال دگرگوں ہے۔کتابیں ملتی نہیں۔اس لیے قاضی صاحب کی جملہ تصانیف سامنے آنہیں سکتیں۔بہرحال کوشش جاری رکھوں گا۔

تحریک میں آپ نے مالک رام صاحب کے مرتبہ دیوان پر جو مضمون لکھا وہ نہایت عالمانہ تھا۔اس کو پڑھنے سے پہلے مجھے اندازہ نہ تھا کہ دیوان میں ایسی فروگذاشتیں رہ گئی ہوں گی۔لیکن کہیں کہیں آپ نرے جذبات میں بہہ گئے ہیں اور خواہ مخواہ ایسا طنز کرنے لگے ہیں جیسے مالک رام بالکل جاہل اور غیر معتبر ہیں۔یہ تاثر نہیں دینا چاہیے تھا۔بہرحال یہ مضمون بھی آپ کے دیوکُش مضامین میں شامل کیا جائے گا۔اُردو املا نارنگ کے ہاتھ بھجوادیجیے۔وہ 13 تاریخ کو جموں آنے والے ہیں۔

مخلص

گیان چند

(4)

شعبۂ اُردو
یونی ورسٹی آف حیدرآباد
500001
6 اکتوبر 1982

محبی تسلیم

آپ کا خط آج ملا۔پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔میں خود محسوس کرتا تھا اور سرور صاحب اور کالی داس گپتا رضا نے بھی لکھا تھا کہ اس میں سب کچھ ٹھونس دیا ہے لیکن کسی نے آپ کی طرح تنبیہ نہ کی تھی۔کاش یہ انھوں نے طباعت سے پہلے کہی ہوتی۔مختصر تحریریں ریڈیو یا رسالے والوں کی فرمایش پر لکھی گئی ہیں۔مجموعے میں یہ سب نہ ہوتیں تو مقالہ زیادہ بہتر اور وزنی ہوتا۔آپ کی

رائے سے مجھے کامل اتفاق ہے۔
حقائق ختم ہو چکی ہے۔شاید انجمن ترقی اُردو ہند کے بک ڈپو میں کچھ جلدیں ہوں۔اگر وہاں سے مل جائے تو آپ کو پیش کر دوں۔
ترقی اُردو بورڈ سے چند کتابیں مل گئیں ان میں آپ کی زبان اور قواعد بھی ہے۔ پڑھنے کی فرصت تو نہیں ملی لیکن جستہ جستہ دیکھنے سے اس کی افادیت اور اہمیت کا احساس ہوا۔اُمید ہے کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔

مخلص

گیان چند

(5)

A-15 اسٹاف یونی ورسٹی[8]
سینٹرل یونی ورسٹی پوسٹ آفس
حیدرآباد-500134
29 ستمبر 1983

محبّ مکرم تسلیم

میری کتاب ''اُردو کی نثری داستانیں''[9] کا ہندوستانی اڈیشن یو پی اُردو اکیڈمی شائع کرے گی۔ میں طبع دوم کے اوراق پر نظرِ ثانی کر کے قسطوں میں بھیجتا رہتا ہوں۔فسانۂ عجائب پر آ کر گاڑی رک گئی ہے۔ مجھے ایک استفسار کا جواب جلد از جلد دینے کی عنایت کیجیے۔
فسانۂ عجائب کے مطبع مصطفائی لکھنؤ کے 1262ھ کے اڈیشن میں آخر سرور کی طرف سے ایک عبارت ہے جو یوں شروع ہوتی ہے:

''برسوں یہ فسانہ کساد بازارِی زمانہ سے تہہ رہا مشہور نہ ہوا۔''

اس میں محمد علی شاہ کو بادشاہ اور شرف الدولہ کو نائب السلطنت دکھایا ہے۔میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ عبارت کسی اور اڈیشن میں بھی شامل ہے بالخصوص کیا مطبوعہ کے پہلے اڈیشن 1259ھ اور کریم الدین کے اڈیشن 1261ھ دلّی کے آخر میں مجھے یقین ہے کہ آپ کی دسترس میں یہ دونوں اڈیشن ہوں گے۔ میں گرمیوں کی چھٹیوں میں مغرب کے ٹور پر گیا تھا۔انڈیا آفس لندن میں گیا۔وہاں فسانۂ عجائب کا 1262ھ سے پہلے کا کوئی اڈیشن نہیں۔کئی سال پہلے نیر مسعود سے ان تواریخ کے بارے میں مراسلت ہوئی لیکن ہم دونوں متفق الرائے نہیں ہو سکے۔ براہِ کرم جلد جواب دینے کی

عنایت بے غایت کیجیے۔ اُمید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ آپ کے مرتبہ فسانۂ عجائب کی اشاعت کب تک ہوگی؟

مخلص

گیان چند

(6)

شعبۂ اُردو[10]

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

حیدرآباد 500001

10 اکتوبر 1983

محبی تسلیم۔

میں نے استفسار کا پوسٹ کارڈ آپ کو بھی لکھا تھا، ڈاکٹر تنویر علوی کو بھی۔ ایک کارڈ سے دوسرے کا تعلق کر دیا تھا۔ آپ کا 31 اکتوبر کا لکھا کرم نامہ مجھے کل 14 اکتوبر کو مل گیا۔ جذاک اللہ معلومات کے لیے تہہ دل سے مشکور ہوں۔

لعنت ہے ان صدر شعبۂ اُردو اور دوسرے حضرات[11] پر جو دوسرے کے کیے ہوئے کام میں اپنا نام جوڑنا چاہیں۔ لعنت ہے ان پر جو ایک فرد کے کیے کام کو صرف اس کے نام سے شائع کرنے کی اجازت نہ دیں۔

اگر آپ نے یہ کام شعبے کے پروجیکٹ کے طور پر شعبے کے ملازم کی حیثیت سے کیا ہے تو بھی اِس پر مرتب کی حیثیت سے آپ ہی کا نام چھپنا چاہیے۔ ہاں اگر کسی اور نے بھی اس میں کچھ کام کیا ہے، وہ نصف سے کم سہی تو اس کا نام بھی آنا چاہیے۔

سنا ہے موجودہ صدر شعبہ اسم ہاشمی ہیں یعنی بہت شریف۔ وہ کوئی دیانت دارانہ حل نکال سکیں گے۔ اگر آپ کا کام جلد شائع ہو کر قارئین کے سامنے نہ آیا تو یہ اُردو کا نقصان ہے اور جو اس کا ذمے [دار ہے] وہ اُردو دشمن ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا کام تاریخ ساز رہا ہوگا۔ آپ کے مکتوب سے مجھے بہت روشنی ملی۔

مخلص

گیان چند

(7)

شعبۂ اُردو، سینٹرل یونی ورسٹی[12]

حیدرآباد-500134

10 مارچ 1988

محبی تسلیم

رسالہ سیارہ لاہور میں آپ کا مضمون جوشؔ پر دیکھا۔ خوب لکھا ہے۔ اس کے ہر تجزیے سے متفق ہوں۔ آپ نے مثالیں خوب تلاش کی ہیں۔ خیال پڑتا ہے کہ یہی مضمون یا آپ کا کوئی اور مضمون جوشؔ پر پہلے بھی دیکھا تھا۔ فیضؔ کی زبان پر بھی آپ نے خوب لکھا تھا۔ ان مضامین میں تنقید کے ساتھ ساتھ ایک تحقیقی شان بھی نظر آتی ہے۔ انتخابِ ناسخؔ کے مقدمے میں آپ نے پہلے بھی اپنی تنقیدی صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اگر آپ کے تنقیدی مضامین کافی ہو گئے ہوں تو ان کا ایک مجموعہ[13] چھاپ دیجیے تاکہ آپ کی علمی شخصیت کا یہ رُخ بھی سب کے سامنے آجائے، یا پھر مضامین کا ایک مجموعہ شائع کرنے کی سبیل نکالیے جس میں ایک حصہ تحقیقی مضامین کا اور دوسرا تنقیدی مضامین کا ہو۔

میں نے اُردو ادب کے لیے ایک مضمون ''ہندوستان میں اُردو تحقیق، رفتار و معیار 1947 تا 1987'' بھیج دیا ہے اس کے آخری پیراگراف میں لکھا ہے؛

''اگر قاضی عبدالودود کی طرح محتاط، دقیق و عمیق تحقیق کی تلاش ہے تو رشید حسن خاں، کالی داس گپتا رضا، عابد پیشاوری اور حنیف احمد نقوی کی سطح دیکھ کر نومیدی کی کوئی وجہ نہیں رہتی

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں گے۔

مخلص

گیان چند

(8)

شعبۂ اُردو، سنٹرل یونی ورسٹی

حیدرآباد-500134

8 نومبر 1988

محبّی تسلیم

کرم نامہ ملا۔ شکریہ۔ میں نے خط پر ذاتی اس لیے لکھ دیا تھا کہ ممتحن کو خط لکھنا نامناسب

ہوتا ہے۔ اب جب کہ آپ انجمن کو مسوّدہ واپس کر چکے ہیں، خط پر سے 'ذاتی' کا لفظ کاٹ دیجیے اور اس خط کو انجمن میں یا کہیں اور جمع کر سکتے ہیں۔ میں پسِ پردہ کچھ کرنے کا قائل نہیں۔

'ذکر و فکر' کو میں کبھی اپنا قابلِ قدر مجموعہ نہیں مانتا۔ آپ کا تبصرہ میں نے قبول کیا۔ غالباً اپنی زیرِ اشاعت کتاب 'تحقیق کا فن' میں لکھ دیا ہے کہ 'ذکر و فکر' میں آخری طویل جز و نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ ایک ہوس ہے کہ جس طرح شعری اولادِ معنوی ہوتی ہے اسی طرح نثری اولادِ معنوی کو بھی محفوظ رکھا جائے۔ اب میں اس ہوس پر کافی قابو پا چکا ہوں۔ آپ کے پاس جو مجموعہ گیا تھا وہ محض مقدموں اور تبصروں تک محدود تھا۔ یقین مانیے کہ میں نے کئی مقدموں اور تبصروں کو خارج کر دیا ہے اور مجموعے میں نہیں لیا کیوں کہ وہ زیادہ ہلکے تھے۔

دراصل میں اپنے کسی مجموعۂ مضامین پر ناز نہیں کرتا۔ پسند کرتا ہوں صرف ان کتابوں کو جو ایک موضوع پر ہیں یعنی نثری داستانیں، اردو مثنوی، تفسیرِ غالب، عام لسانیات اور بس۔ زیرِ طبع کتابوں کا ذکر نہیں۔ 'لسانی مطالعے' کا آپ نے ذکر کیا۔ اس میں بھی بہت کچرا بھرا پڑا ہے۔ بیورو نے اس کا دوسرا اڈیشن میرے علم کے بغیر چھاپا۔ تیسرے اڈیشن کے لیے کتاب میرے پاس بھیجی۔ میں نے اس میں سے تقریباً دس بارہ مضامین خارج کرنے کو اور تین چار نئے مضمون شامل کرنے کو کہا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ 'یہ ممکن نہ ہو تو کتاب نہ چھاپیے۔ دو اڈیشن نکل آئے ہیں۔ مزید اڈیشن کی کیا ضرورت ہے'۔ شاید انھوں نے میری بات مان لی اور تیسرے اڈیشن کا خیال ترک کر دیا۔

مجھے کئی سال سے ایک بے ضرر سرطانِ خون کا مرض ہے۔ اسے لیوکیمیا (leukemia) کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک شدید (acute) جس میں آدمی دو ایک مہینے میں مر جاتا ہے، دوسری ٹنرمن (chronic) جو زیادہ عمر کے آدمی کو ہوتا ہے اور عموماً بے ضرر ہوتا ہے۔ یعنی میرے خون میں دوسروں کے مقابلے میں سفید ٹکیوں کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ کچھ دور بڑھ جائیں تو کام تمام ہو جائے۔ 85ء میں میرا وزن 63 کلو تھا۔ ستمبر 86ء میں 58 کلو رہ گیا۔ 19 جنوری 87 کو 56 کلو ہو گیا۔ اُدھر مجھے جنوری کے آخر میں بخار، کھانسی، بھوک کی کمی وغیرہ ہوئی۔ 9 فروری کو وزن 54 کلو رہ گیا یعنی 18 دن میں دو کلو کم ہوا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں کسی قسم کا Cancer پوشیدہ ہے، جلد اپنے علمی کام سمیٹوں۔ جسم کے بہت سے Test کرائے، کہیں کچھ نہ نکلا۔ پھر بھی مجھے یقین نہیں تھا کہ میں 87ء کی گرمیوں کی چھٹی تک زندہ رہوں گا کہ نہیں۔ میں نے جلدی جلدی مضامین کے تین مجموعے مرتّب کیے۔ دو مجموعوں کے لیے عبدالصمد خاں کو ہموار کیا

کہ وہ چھاپ دیں۔ آفسیٹ کی کتابت کا صرف میں اٹھا رہا ہوں، طباعت کا وہ اٹھائیں گے۔ آپ جن مضامین کا ذکر کر رہے ہیں وہ ان مجموعوں میں آ گئے ہیں۔

خلیق انجم نے لکھا کہ اگر میں کسی ایک موضوع پر 300 صفحے تک کا مجموعۂ مضامین مرتّب کردوں تو وہ اسے چھاپ دیں گے۔ نتیجتاً میں نے 'مقدمے اور تبصرے' کے نام کا مجموعہ تیار کیا یعنی اس میں دوسروں کی کتابوں کا ذکر ہے۔

امید کے لب گویا کا تبصرہ سرسری ہے۔ اُدھر سے بہت تقاضا تھا، میں نے لکھا۔ میں تنقیدی مضامین نہیں لکھ سکتا۔ اس احساسِ کمتری کے سبب برے بھلے ہر طرح کے تنقیدی مضامین کو چھپوانا چاہتا ہوں۔ یقین جانیے کہ زیرِ نظر مجموعے یا بقیہ دو مجموعوں میں کوئی ریڈیو تقریر شامل نہیں۔ بسا اوقات میں ریڈیو تقریر کو وسعت دے کر مضمون کی شکل دے دیتا ہوں۔ 'ذکر و فکر' میں کئی تقریریں بغیر اضافہ و ترمیم کے ہیں اور ان سے کتاب سبک تر ہو گئی۔

میرا خیال ہے کہ رشید ارشد کی کتاب کا مقدمہ ہلکا نہیں۔ میں نے اس کے مقدمے میں ذریعۂ تعلیم کے بارے میں بڑی جرأت سے کئی ایسی باتیں کہی ہیں جو اہلِ اردو کو پسند نہ آئیں گی۔

اشکؔ نے بہت سے ناول لکھے۔ میں 'گرتی دیواریں' کے علاوہ کسی کو قابلِ قدر نہیں سمجھتا۔ آپ اگر وقت نکال کر اس ناول کو پورا پڑھیں تو شاید آپ بھی اسے پسند کریں۔ میں اسے پریم چند کے ناولوں سے کسی طرح کم نہیں مانتا۔ اس میں پنجاب کے نچلے متوسط طبقے کی جس طرح مرقّع کشی کی گئی ہے، قابلِ قدر ہے۔ ہندی میں اس کے چار پانچ حصّے نکل چکے ہیں۔ آج کل اشکؔ اس کے آخری حصے کو تصنیف کرنے میں لگے ہیں۔ امریکہ، جرمنی وغیرہ میں اس ہندی ناول کی بہت قدر کی گئی۔ اردو میں اگر اس کے جملہ حصے شائع ہو جائیں تو اہلِ اردو بھی اس کی عظمت کو ماننے پر مجبور ہوں گے۔ یہ واضح کردوں کہ مجھے اس پر تنقید لکھنے میں بڑی دقّت ہوئی۔ تنقید میں میرا قلم نہیں چلتا۔ ناچار میں نے اس سے اقتباسات کے ڈھیر لگا دیے اور ان پر خفیف سا تبصرہ شامل کر دیا۔ اس کے بارے میں اشکؔ سے میری کافی مراسلت اور اختلاف رہے۔

میری کتاب 'تحقیق کا فن' زیرِ کتابت ہے۔ اسی سلسلے کا آخری کام کرنا چاہتا ہوں۔ بقیہ زندگی میں صرف یہی ایک کام کرنا ہے۔ معلوم نہیں مکمّل کر سکوں گا کہ نہیں۔ یہ ہے اردو تحقیق کی مفصّل تاریخ جس میں میں دوسروں کی تحقیق پر تحقیق کر کے رائے دوں گا۔ تین جلدوں میں لکھنا چاہتا ہوں، ع: سامان سو برس کے ہیں... چار پانچ سال لگیں گے اس کے علاوہ اور کچھ نہ کروں گا۔

پنڈت خانہ کا لفظ پریشان کُن ہے۔ 'باغ و بہار' کے علاوہ پہلے یا بعد میں کہیں یہ لفظ دیکھنے

سننے میں نہیں آیا۔ پلیٹس اور 'فرہنگِ آصفیہ' نے اس کے معنی جیل خانہ، قمار خانہ لکھے ہیں لیکن یہ اندازے سے سوچے گئے ہوں گے۔ ترکیب عجیب ہے۔ 'باغ و بہار' کے 1803 کے اڈیشن میں سہوِ کتابت سے بندی خانہ کی جگہ پنڈت خانہ تو نہیں چھپ گیا۔ یا کہیں ایسا تو نہیں کہ امّن کے زمانے میں یا اس سے کچھ قبل کسی جیل خانے کا داروغہ یا تھانیدار کوئی سخت قسم کا برہمن، پنڈت رہا ہو اور اس کے زیرِ انتظام جیل خانے کو مقامی لوگ مخول کے طور پر پنڈت خانہ کہتے ہوں۔ یہ میر امّن کا ذاتی لفظ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھیے سرشار نے 'فسانۂ آزاد' میں صبح خیزیے کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا ہے جو صبح اٹھ کر دوسروں کے مال کی اٹھائی گیری کریں۔ سرشار سے قبل یہ مرکّب لفظ بھی کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ مقامی استعمال کا ہوگا۔

آپ نے میرے بارے میں جو اچھے الفاظ کہے ہیں، ان کے لیے تہِ دل سے ممنون ہوں۔ میں بھی آپ کی قدر شناسی میں کسی سے کم نہیں اور آپ کا قائل ہوں۔

مخلص

گیان چند

(9)

15-A سنٹرل یونی ورسٹی [14]

حیدرآباد-500134

3 جنوری 1990

مجی تسلیم

نیا سال مبارک ہو۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نومبر 89 میں یا شاید اکتوبر 89 ہی کے آخر میں ریٹائر [15] ہو گئے۔ سبک دوشی کے بعد کیا مبارک باد۔ اب آپ دلّی ہی رہیں گے یا شاہ جہاں پور چلے جائیں گے۔

فسانۂ عجائب کا تحفہ دسمبر کے آخری دن ملا۔ اس کے لیے اپنی قسمت پر ناز اں ہوں۔ آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں۔ اس پر سنہ اشاعت 1990 درج ہے حالاں کہ تحقیقی صحت کا تقاضا تھا کہ 1989 ہوتا۔ یہی حرکت انجمن نے میری کتاب ''اُردو کا اپنا عروض'' کے ساتھ کی ہے۔ رسالے کی شکل میں اس پر شمارہ 2،1، 1989 لکھا ہے اور کتابی شکل میں 1990۔

اُردو کی نثری کتابوں میں ابھی تک میری رائے میں مکاتبِ غالب (عرشی) تذکرہ از ابوالاکلام آزاد (مالک رام)، غبارِ خاطر (مالک رام) اور کربل کتھا (مالک رام و مختار الدین

احمد) بہترین تھیں۔ اب ان سب کے اوپر آپ کی مرتبہ فسانۂ عجائب کو رکھا جائے گا۔ اُردو نثر میں بہترین تدوین یہ ہے اور اور شعری نسخۂ عرشی آپ نے مشقت و دیدہ ریزی کی انتہا کر دی ہے اور علم و فضل کے دریا بہا دیے ہیں، آپ نے کتاب کے آخر میں نہ کتابیات دی ہے نہ اشخاص و کتب پر مشتمل اشاریہ۔ اشاریے کو آپ نے محض متنِ داستان کا مندرجات تک محدود رکھا ہے۔ اگر مجھے یہ جاننا ہو کہ آپ نے سلیمان حسین کا مرتبہ فسانۂ عجائب کا کہاں کہاں ذکر کیا ہے تو میں اشاریہ کی عدم موجودگی میں نہیں جان سکتا۔

ص 113 کی پہلی سطر میں بعض وجوہِ تاخیر کی طرف اشارہ ہے جو میں بہ خوبی سمجھتا ہوں۔ اس کتاب کی صحیح طباعت بھی ایک معجزہ ہے۔ اس کے لیے کاتب اور اس کے پروف ریڈر کو (جو آپ ہیں) نوازنا چاہیے۔

اُردو تحقیق کی تاریخ کے سلسلے میں اگر دوسری جلد تک پہنچ سکا تو اس تدوین پر بھرپور طریقے سے لکھوں گا۔ میں نے طے کیا ہوا ہے کہ اپنے کام کے دوران کوئی مضمون نہ لکھوں گا تا کہ کام میں خلل نہ ہو۔

ابھی میں نے کتاب کے آخری سرورق پر آپ کی سوانح دیکھی۔ معلوم ہوا کہ آپ 10 جنوری 1990 کو ریٹائر ہوں گے۔ یعنی 31 جنوری کو۔

اگر ترازو کے ایک پلڑے میں آپ کو بٹھا دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں اُردو کے متعدد پروفیسروں کو جن کا نام میں منتخب کروں تو میرا خیال ہے کہ آپ 25-20 یونی ورسٹی پروفیسروں سے گراں تر نکلیں گے۔ جائے عبرت ہے کہ یونی ورسٹیوں میں علم کو نہیں کاغذی ڈگری کو دیکھا جاتا ہے۔

اُمید ہے آپ کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ کیا اب فضل الحق صدر شعبہ ہو گئے ہیں؟ کیا آپ نے وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے لیا ہے۔

مخلص

گیان چند

(10)

چینو ہلز، کیلی فورنیا[16]

22 جون 1998 سوم وار

محبّ مکرم تسلیم

پرسوں سنیچر کو تحفۂ غیر مترقبہ ملا۔ اس پر 165 روپے کے ٹکٹ ملے تھے۔ یہ دیکھ کر میں لرز گیا۔ خود کو مجرم محسوس کر رہا ہوں۔ آپ بحری ڈاک سے بھیجتے تو محصول بہت کم لگتا لیکن اس کے آنے میں تقریباً دو مہینے لگ جاتے۔ بہر حال آپ کا نقصان میرا فائدہ ہوا ہے۔ میں نے پرسوں سے اب تک پورا مقدمہ دیکھ لیا ہے۔ ضمیموں پر نظر ڈالی ہے جلد ہی تبصرہ لکھ کر کتاب نما کو یا ہماری زبان کو بھیجوں گا۔ اس فاضلانہ کام کی میں صرف مدد کر سکتا ہوں، ایک نکتہ ایک جملہ بھی اس کے خلاف لکھنے کو نہ ملا۔

اُردو دنیا کو آپ کی صحت مندانہ طویل زندگی کی کتنی ضرورت ہے۔ جیسے کام آپ کر رہے ہیں، کوئی دوسرا اس کا پاسنگ بھی نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں آپ کی صحت کا کیا عالم ہے۔ اگر تپ دق ہو تو اس زمانے میں اس سے شِفا پانا کوئی مشکل نہیں۔

میں آج کل اپنے کئی دانت نکلوا رہا ہوں۔ نیا مصنوعی جبڑا بنواؤں گا۔ خدا (جس کے موجود کا میں قائل نہیں) کرے آپ بہ خیر ہوں۔

مخلص

گیان چند

پس نوشت: آپ نے کتاب رجسٹری سے بھیجی۔ ہندوستان میں ڈاک کے ڈاکوؤں سے بچانے کے لیے یہ ضروری تھا۔ امریکہ میں تو رجسٹری ہوتی نہیں کیوں کہ یہاں ڈاک کھوئی نہیں جاتی۔ آپ کی کتاب گھر کے لیٹر بکس میں رکھی ملی۔ یہاں بڑے بڑے پارسل جن میں کپڑے وغیرہ ہوں، سب کچھ بغیر رجسٹری کے یوں ہی بھیج دیے جاتے ہیں اور لیٹر بکس میں مل جاتے ہیں۔ چیک بک کا پارسل بھی سادہ ڈاک سے آتا ہے یعنی وہ جس میں بینک بہت سے سادہ چیک بک رکھ کر بھیجتا ہے۔ ڈاک میں کسی چیز کے گم ہونے کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ آپ کا 9 جون کا بھیجا ہوا یہ پارسل مجھے 20 جون کو ملا۔

گ چ

(11)

18 مارچ 2002ء

محبی خاں صاحب تسلیم

میری کتاب ''اُردو کی ادبی تاریخیں'' انجمن ترقی اُردو پاکستان سے جولائی 2001 میں شائع ہوئی۔ میں نے اس کی ایک جلد آپ کو بھجوائی ہے۔ میں نے پہلے بھی آپ سے دریافت کیا

تھا۔اب پھرعرض کرتا ہوں کہ لکھیے آپ کو مشفق خواجہ سے اس کا نسخہ ملا کہ نہیں!

آج کل کس کتاب کی تدوین کر رہے ہیں؟ اُمید ہے کہ مزاج بہ خیر ہوں۔ یہ خط خلیق انجم صاحب کے لفافے میں رکھ کر بھیج رہا ہوں۔

مخلص

گیان چند

حواشی:

۱۔ پروفیسر گیان چند جین نے اس خط کو مالویہ نگر بھوپال کے پتے سے 6 نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔پوسٹ کارڈ کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر اور تاریخ 19oct63 ثبت ہے۔خاں صاحب کا درج ذیل پتا انگریزی میں یوں لکھا ہے:

Mr. Rasheed Hasan Khan
M.A 40, Jubilee Hall
Delhi University,Delhi-6

۲۔ گیان چند جین صاحب نے جس مضمون کا ذکر اپنے خط میں کیا وہ مضمون رسالہ تحریک اکتوبر 1963 میں شائع ''علی گڑھ تاریخ ادب اُردو'' ہے۔

۳۔ پروفیسر گیان چند جین اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں یوں لکھا ہے:

Mr. Rasheed Hasan Khan
Urdu Deptt
Delhi University Delhi-11007

خود جین صاحب نے اپنا پتا اُردو رسم الخط میں اس طرح لکھا:

گیان چند جین، شعبۂ اُردو
الہ آباد یونی ورسٹی، الہ آباد 211002

۴۔ پروفیسر گیان چند جین، کو مالک رام صاحب پر تفصیلی مضمون لکھنے کے لیے رشید حسن خاں کے ''دیوانِ غالب: صدی اڈیشن، دہلی'' کی سخت ضرورت ہے۔خاں صاحب کے اس مضمون کے منظر عام پر آ جانے سے مالک رام اور خاں صاحب کے تعلقات کشیدہ ہوئے۔موصوف کا یہ مضمون ماہ نامہ تحریک ''غالب نمبر، شمارہ 1، جلد 22، اپریل 1974، ص 25 تا 52 شائع ہوا۔اس کے بعد یہ مضمون ''اُردو تحقیق اور مالک رام از شاہد اعظمی، مکتبہ شاہ راہ، اُردو بازار، دہلی، 1975 میں ص 45 تا 101 تک

شائع ہوا۔ بعد میں رشید حسن خاں نے اس مضمون کو اپنی کتاب ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، 1990 میں ص 149 تا 212 پر شامل کیا۔

۵۔ جین صاحب نے اس خط کو جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے پوسٹ کارڈ پر لکھ کر روانہ کیا ہے۔ خط میں تاریخ ندارد ہے۔ لیکن خط کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پچھلے خط کی توسیع ہے۔ رشید حسن خاں کا پتا انگریزی میں یوں درج ہے:

Shri Rasheed Hasan Khan

F3/4, Model Town, Delhi-110009

۶۔ جین صاحب رشید حسن خاں کی کتاب ''اُردو املا'' کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس جو کتاب تھی اسے شہباز صاحب واپس دہلی لے گئے۔

۷۔ اس خط کو پروفیسر گیان چند جین نے حیدرآباد یونی ورسٹی سے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر دہلی ڈاک خانے کی مہر اور 9 اکتوبر 1982 کی مہر ثبت ہے۔ خاں صاحب کا پتا انگریزی میں یوں درج ہے:

Shri Rasheed Hasan Khan

E.T.C.9 Gwyer Hall ,Delhi

Delhi University-110007

۸۔ اس خط کو پروفیسر گیان جند جین نے ان لینڈ لیٹر پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر خاں صاحب کا درج ذیل پتا انگریزی میں یوں لکھا ہوا ہے:

Mr.Rasheed Hasan Khan

Urdu Deptt

Delhi University,Delhi-110007

۹۔ جین صاحب کی 912 صفحات پر مشتمل کتاب ''اُردو کی نثری داستانیں'' اتر پردیش اُردو اکیڈمی، لکھنؤ سے 1987 میں شائع ہوئی۔ موصوف کو فسانۂ عجائب کے 1259ھ، 1261ھ اور 1262ھ میں شائع ہوئے نسخوں کی تلاش ہے۔ رشید حسن خاں ایک زمانے سے فسانۂ عجائب کو مرتب کر رہے تھے۔ اس لیے جین صاحب نے خاں صاحب سے فسانۂ عجائب کے ان خاص نسخوں کے بارے میں معلوم کیا۔

۱۰۔ یہ خط پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا ہے۔ خاں صاحب کا پتا انگریزی میں لکھا گیا ہے۔

۱۱۔ رشید حسن خاں شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی کی اسکیم کے تحت کلاسیکل متون کو تدوین کر رہے تھے۔ اس میں فسانۂ عجائب کا متن بھی شامل تھا۔ جب متن مکمل ہو گیا تو صاحب اقتدار وحل نے اس پر رشید حسن خاں کے نام کے بجائے اپنا نام لکھوانا چاہا۔ اس غیر ادبی کارنامے کو خاں صاحب نے کبھی

قبول نہیں کیا۔بل کہ اس پروجیکٹ کو بند کر دیا۔ جب وہ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو اس اہم ادبی کارنامے کو از سرِنو تدوین کیا۔اور فسانۂ عجائب انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے 1990 میں شائع ہوئی۔مزید تفصیل کے لیے ڈاکٹر ٹی.آر.رینا کی مرتب کردہ کتاب 'رشید حسن خاں کے خطوط' اشاعت فروری 2011، صفحہ 771 پر درج گیان چند جین کے نام خاں صاحب کے خط سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ پروفیسر گیان چند جین نے اس خط کو پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔پوسٹ کارڈ کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا Gwyer HallT.C-9 لکھا ہے۔پوسٹ کارڈ پر حیدرآباد بڑا ڈاک خانے کی مہر 10-3-88 کی اور دہلی ڈاک خانہ ملکہ گنج کی مہر 12-3-88 کی ثبت ہے۔

۱۳۔ پروفیسر گیان چند جین نے ''جوش'' اور ''فیض'' کی شاعری سے متعلق لکھے گئے دو مضامین کا تذکرہ اس خط میں کیا ہے۔انھوں نے خاں صاحب کو مشورہ دیا تھا کہ آپ اپنے مضامین کو یک جا کر کے شائع کر دیجیے۔ خاں صاحب نے اپنے 17 مضامین کو یک جا کر کے ''تلاش و تعبیر'' نام سے 1988 میں شائع کیا۔

۱۴۔ پروفیسر گیان چند جین نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا دہلی یونی ورسٹی کا پتا انگریزی میں اور خود جین صاحب نے اپنا پتا اُردو میں لکھا ہے۔

۱۵۔ رشید حسن خاں نے دہلی یونی ورسٹی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لیا تھا۔کاغذی اسناد کے مطابق ان کا ریٹائرمنٹ 31 جنوری 1990 کو ہونا تھا لیکن انھوں نے 31 دسمبر 1989 کو ہی ملازمت سے ریٹائرمنٹ لے لیا۔

۱۶۔ اس خط کو پروفیسر گیان چند جین نے 3262 Oakleat Ct.Chino Hills,CA 91709 سے بہ ذریعہ ای میل رشید حسن خاں کو شاہ جہاں پور کے پتے پر ارسال کیا۔

۱۷۔ اس خط کو پروفیسر گیان چند جین نے ہندوستانی پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔لیکن اس میں دائیں جانب ان کا پتا 23Navada, IRVINE-CA-92606-1764(USA) لکھا ہوا ہے۔

❁❁❁

لطف الرحمٰن بہ نام رشید حسن خاں

محترم رشید حسن خاں صاحب، تسلیمات،

آپ نے 13 مارچ 1989 کو تحریر فرمایا تھا ''کراچی سے میری کتاب غالب فکر و فن شائع ہوئی ہے۔ ارے صاحب! میری کوئی کتاب اس نام کی نہیں اور نہ کراچی سے میری کوئی کتاب چھپی ہے۔ اگر ایسی کوئی کتاب ہے تو پھر وہ جعلی کتاب ہے۔ میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں نے تو اسے دیکھا نہیں۔''

میرے محترم کتاب پیش کرتا ہوں۔ یہ جعلی ہے یا اصل اس کا مقصد خود فرمائے۔ آپ کا اس سے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو کتاب تو دیکھ لیجیے۔ کتاب آپ کے نام سے شائع، اور وہ بھی غالب پر کیسے ممکن تھا کہ اسے نہ خریدتا۔

مخلص

لطف الرحمٰن خاں

یک شنبہ 7 مئی 1989

بی 149 غالب نما، حالی روڈ، گل گشت، ملتان 60700

(غالب فکر و فن، مرتب رشید حسن خاں، غالب اکیڈمی، کراچی، ۔اشاعت، 1987)

نوٹ:

''غالب فکر و فن'' نام کی کوئی کتاب رشید حسن خاں نے مرتب نہیں کی۔ اس کتاب میں رشید حسن خاں کی کوئی بھی تحریر شامل نہیں ہے۔ اس کتاب میں جن مقالہ نگاروں کی تحریریں شامل ہیں ان کے اسما اس طرح ہیں: ڈاکٹر ظ انصاری (نشاط کا شاعر)، پروفیسر امیر حسن عابدی (غالب اور سبکِ ہندی)، ڈاکٹر

عابد پیشاوری (غالبؔ، حالیؔ، شیفتہؔ اور ہم)، کاظم علی خاں (تیغ تیز پر ایک نظر)، اور ڈاکٹر شریف حسین قاسمی (غالبؔ اور تذکرۂ آفتابِ عالم تاب)۔ غالب فکر وفن کی ضخامت 120 صفحات ہے۔ مزید تفصیل کے لیے رشید حسن خاں کا درج ذیل مضمون ملاحظہ کیجیے جو ہماری زبان، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی 8 تا 14 اگست 2000، شمارہ نمبر 30 جلد 59، صفحہ اوّل پر شائع ہوا:

غالب فکر و فن

(جعل سازی کا ایک نمونہ)

پچھلے مہینے میرے ایک کرم فرمانے دریافت کیا ہے کہ آپ نے اپنی مرتبہ کتاب 'غالب فکر وفن' میں مقدمے یا پیش لفظ کے نام سے کچھ نہیں لکھا۔ یہ معلوم ہی نہیں ہو پاتا کہ آخر آپ نے اس کتاب کو مرتب کیوں کیا۔ اس میں پانچ مضامین شامل ہیں اور یہ پانچوں مضمون غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے رسالے ''غالب نامہ'' میں چھپ چکے ہیں۔ آخر ان مضامین کو کتاب میں جمع کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ ان میں ایک مضمون بھی ایسا نہیں جس میں کوئی ایسی بات لکھی گئی ہو جسے انکشاف یا دریافت کہا جا سکے۔ ان میں وہی باتیں لکھی گئیں ہیں جو پہلے لکھی جا چکی ہیں۔ آپ پیش لفظ کے نام سے ایک صفحہ تو لکھ ہی سکتے تھے۔ اس کتاب میں ساتویں صفحے پر ''انتساب'' ہے، اُس کے نیچے آپ کے دستخط ہیں۔ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ یہ آپ ہی کے دستخط ہیں؟
میں نے اپنے کرم فرما کے خط کے جواب میں جو کچھ لکھا، اس کا خلاصہ اس تحریر میں درج کر رہا ہوں۔ اس خیال سے کہ اس تحریر کی حیثیت ''اعلانِ عام'' کی ہو جائے اور آیندہ کسی طرح کی غلط فہمی نہ پیدا ہو، اسے 'ہماری زبان' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔

یہ بات ہے مارچ 1989 کی، میرے کرم فرما لطف الرحمٰن خاں صاحب نے ملتان سے بہ طورِ شکایت اپنے خط میں لکھا کہ آپ نے اپنی نئی کتاب ''غالب فکر وفن'' مجھے نہیں بھیجی، آخر کیوں۔ میں نے فوری طور پر ان کے خط کا جواب لکھا، یہ وضاحت کی کہ میں نے غالبؔ سے متعلق کوئی کتاب لکھی ہی نہیں، آپ کو کیا بھیجتا۔ انھوں نے اس کے جواب میں ایک پیکٹ بھیجا، جس میں 'غالب فکر وفن' نام کی ایک چھپی ہوئی کتاب تھی، اُسی کتاب کے سرورق کے اندرونی سادہ صفحے پر خط لکھا، جو درجِ ذیل ہے:

''محترم رشید حسن خاں صاحب، تسلیمات
آپ نے 13 مارچ 1989 کو تحریر فرمایا تھا '' کراچی سے میری کتاب غالب فکر وفن شائع ہوئی ہے۔ ارے صاحب! میری کوئی کتاب اس نام کی نہیں اور نہ کراچی سے میری کوئی کتاب چھپی ہے۔ اگر ایسی کوئی کتاب ہے تو پھر وہ جعلی کتاب ہے۔ میرا اس سے کچھ واسطہ نہیں۔ میں نے تو اسے دیکھا نہیں۔''
میرے محترم کتاب پیش کرتا ہوں ۔ یہ جعلی ہے یا اصل اس کا مقصد خود فرمائے۔ آپ کا اس سے کوئی واسطہ ہو یا نہ ہو کتاب تو دیکھ لیجیے۔ کتاب آپ کے نام سے شائع، اور وہ بھی غالب پر کیسے ممکن تھا کہ اسے نہ خریدتا۔

مخلص

لطف الرحمٰن خاں

یک شنبہ 7 مئی 1989''

کتاب پر میرا نام لکھا ہوا تھا، یعنی چھپا ہوا تھا، اس طرح: ''غالب فکر و فن/مرتب/رشید حسن خاں/ غالب اکیڈمی کراچی'' چوتھے صفحے پر لکھا ہوا ہے: اشاعت 1987، قیمت تیس روپے''۔ صفحہ پانچ پر فہرستِ مضامین ہے، پانچ مضامین ہیں مندرجہ ذیل حضرات کے: ڈاکٹر ظ انصاری، پروفیسر امیر حسن عابدی، ڈاکٹر عابد پیشاوری، کاظم علی خاں، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی۔ ساتویں صفحے پر انتساب ہے: ''ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی۔ شاہد ماہلی''۔ اس کے نیچے میرے دستخطوں کی نقل ہے، جو واضح طور پر جعل سازی کا کرشمہ ہے۔ کسی خاصے اناڑی نے یہ جعل بنایا ہے۔ جتنے لوگوں نے خطوں میں میرے دستخط دیکھے ہیں، وہ بلا تامّل کہہ دیں گے کہ یہ ان کے دستخط نہیں، کسی نے بنائے ہیں۔

یہ میرا فرض تھا کہ میں اسی زمانے میں اس کی وضاحت کر دیتا کہ نری جعل سازی ہے، اس کتاب سے میرا کچھ تعلق نہیں ۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا، یوں کہ دوسرے ضروری کاموں میں ایسا اُلجھا کہ یہ بات ذہن سے نکل گئی۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے 1998 میں ''غالب ببلیو گرافی'' نام کی کتاب چھاپی ہے، اس میں صفحہ 39 پر اس کتاب کا بھی اندراج ہے میرے نام سے۔ یعنی اب اس پر مُہر بھی لگ گئی۔ اب جو میرے ان کرم فرما کا خط آیا تو میں نے ضروری سمجھا کہ صورتِ حال کی وضاحت کر دی جائے تاکہ غلط فہمی کے لیے مزید گنجایش نہ پیدا ہو اور یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس کتاب سے میرا کچھ واسطہ نہیں، کوئی تعلق نہیں۔ کسی نے غالباً تجارتی مفاد کی خاطر یہ جعل بنایا تھا۔ اس پر جو میرے

دستخط بنے ہوئے ہیں وہ بھی جعلی ہیں۔ہاں میں یہ کتاب انجمن ترقی اُردو (ہند) کے کتاب خانے میں داخل کیے دے رہا ہوں اس خیال سے کہ جعل سازی کا یہ نمونہ محفوظ ہو جائے اور یوں بھی کہ کوئی صاحب اگر اسے دیکھنا چاہے تو دیکھ سکیں۔لطف الرحمٰن خاں کا خط بھی اس کے صفحہ 2 پر مندرج ہے انھی کے قلم کا لکھا ہوا۔

(ہماری زبان،انجمن ترقی اُردو(ہند) نئی دہلی 8 تا 14 اگست 2000،شمارہ نمبر 30 جلد نمبر 59،ص اوّل)

❁❁❁

لطیف الزماں خاں بہ نام رشید حسن خاں

یک شنبہ 20 اگست 1989[1]

گرامی قدر، تسلیمات

10 جولائی کے کرم نامے کے لیے شکر گزار ہوں۔ یہ جان کر اطمینان ہوا کہ دونوں کتابیں آپ کو مل گئیں۔ فسانۂ عجائب اور باغ و بہار جب شائع ہو جائیں تو کتابت شدہ مسودہ بھیج دیجیے بہ شرط یہ کہ آپ یہ پسند فرمائیں کہ آپ کی کتابیں یہاں بھی شائع ہوں۔ اتنا ضرور کرنا پڑے گا کہ اشاعت کے حقوق آپ جس کے نام چاہیں تحریر فرما دیں۔ کتابوں کی اشاعت کا انتظام میں کر دوں گا۔

آپ نے جی خوش کر دیا۔ شاعر کا غالب نمبر میرے پاس تھا مگر دیمک نے کھا لیا۔ میں تو اس کی تلاش میں 1983 میں ایڈیٹر کے گھر بمبئی پہنچا اور نہ ملا۔ آپ نے یہ لکھ کر کہ ''اسے میں نے آپ کے لیے محفوظ کر لیا ہے'' کیا بتاؤں کہ مجھ پر کیسا احسان کیا ہے۔ اُردوئے معلیٰ نمبر 2 غالب نمبر، یہ بھی میرے پاس نہیں ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے ''میں ویسے ہی ایسی سب کتابوں کو کسی ادارے کو دینے کی سوچ رہا ہوں؟ غالب سے متعلق جو رسائل و کتب آپ الگ کرنا چاہتے ہیں مجھے ان کی ایک فہرست بھیج دیجیے۔ جو میرے پاس نہ ہوں گیں آپ کو لکھ دوں گا۔ میری درخواست ہے کہ ''گوشۂ رشید'' آزاد لائبریری علی گڑھ کو کتابیں بھجوائیے۔

یوں تو کتب و رسائل ڈاک سے بھی آتے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی سے میرے دو بچوں کے اُستاد ڈاکٹر افتخار راجا صاحب مع بیگم بچوں کے 7 اکتوبر 89 کو دلّی پہنچیں گے۔ یہ بین الاقوامی شہرت رکھنے والے نیورو سرجن ہیں۔ وہاں ہوٹل اشوکا میں تین چار روز قیام کریں گے اگر آپ زحمت کریں اور ان کی بیگم نجمہ افتخار کو رسائل و کتب دے دیں تو یہ لیتی آئیں گی۔ دونوں میاں بیوی بہت خلیق اور ملنسار ہیں۔ ان سے ملاقات کر کے آپ کا جی خوش ہوگا۔

آیندہ جب بھی لاہور گیا پنجاب یونی ورسٹی لائبریری سے دستنبو طبع اوّل سے اس صفحہ کا

عکس حاصل کروں گا جس کا ذکر آپ نے کیا ہے۔اس اطلاع کے لیے بہ صمیم قلب شکرگزار رہوں۔ ''غالب اور انقلاب ستاون'' کے جو دو اڈیشن یہاں شائع ہوئے وہ میرے پاس ہیں۔آپ نے جو اڈیشن غالب انسٹی ٹیوٹ سے شائع کرایا وہ میں نے نہیں دیکھا۔

جب یہ کتاب پہلی بار شائع ہوئی تو میں نے ڈاکٹر معین الرحمٰن صاحب کو لکھا کہ ترجمہ ان کا نہیں ہے۔وہ بے چارے فارسی کی ایک سطر نہیں پڑھ سکتے ترجمہ کیا کریں گے۔جب اس کتاب کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا تو وہ سطور غائب تھیں جن میں دعوا کیا گیا تھا کہ پہلی بار دستنبو کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔اگر آپ پسند فرمائیں تو میں دونوں اڈیشن کے دیباچوں کا عکس بھیج دوں۔

معین الرحمٰن صاحب نے رشید احمد صدیقی صاحب مرحوم کی تحریروں سے رشید صاحب کی ''آپ بیتی'' مرتب کی اور اس کی داد خود رشید صاحب سے پائی۔پہلا اڈیشن 1974 میں شائع ہوا۔''بھائی ظہیر الدین احمد مرحوم کی یاد میں'' دوسرا اڈیشن 1980 میں شائع ہوا۔رشید صاحب نے عزیز اور اپنے دوست ڈاکٹر فصیح احمد صدیقی کے نام ''مرحوم ظہیر الدین کے انتساب کے نیچے لکھا ''مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا ترے پیچھے'' چوں کہ ان کا حال ہی یہ مستقبل بھی مرحوم وقار عظیم صاحب سنوار گئے تھے اس لیے وہ بھائی ظہیر الدین کو بھول گئے۔دوسرے اڈیشن میں انتساب کے نیچے لکھا گیا ''حدیثِ دل بہ اہل دل بگو!'' کتاب کا تیسرا اڈیشن 83 میں شائع ہوا اور اسے ''معتمد محکمۂ تعلیم حکومت پنجاب احمد صادق کی نذر'' کیا گیا کہ فصیح اس قابل نہ رہے کہ ان سے حدیثِ دل نے احمد صدیق نے انھیں لائل پور سے تبدیل کر کے گورنمنٹ کالج لاہور پہنچا دیا۔معین صاحب نے لکھا ''جن کی دل آویز فکر انگیز اور پُر مغز انگریزی میں، میں اپنے اُردو اسلوبِ نثر کا لطف پاتا ہوں'' واضح رہے کہ یہ الفاظ معین صاحب نے نہیں، رشید صاحب نے اپنے انگریزی کے استاد انعام اللہ صاحب کے لیے لکھے تھے ممکن ہے معین صاحب نے کچھ اُلٹ پھیر کیا ہو۔

آپ بیتی کا دوسرا اڈیشن رشید صاحب کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔جناب ڈاکٹر معین الرحمٰن صاحب نے یہ کمال دکھایا کہ رشید صاحب نے جن اکابرین کے انتقال پر اپنے تاثرات کا اظہار کیا ان تحریروں کو قینچی سے یک جا کیا اور رشید صاحب کے انتقال پر ان کی تحریر انھی پر چسپاں کر دی۔بالخصوص ڈاکٹر صاحب کے لیے جو کچھ رشید صاحب نے لکھا تھا اُسے اٹھا لیا۔ جواہر لال نہرو، مولوی عبدالحق، نواب محمد اسماعیل خاں، ڈاکٹر اقبال، مولانا سلیمان اشرف کے انتقال پر رشید صاحب کی تحریریں دیکھیے۔

رشید صاحب کبھی اپنی زندگی میں یہاں نہیں آئے۔ ڈاکٹر معین الرحمٰن صاحب کبھی علی گڑھ نہیں گئے۔ تیسرے اڈیشن کے فرسٹ کور کی پشت پر ایک تصویر شائع کی گئی تھی جس میں معین صاحب رشید صاحب کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ''قینچی ورک'' اس صفائی سے کیے گئے ہیں کہ جواب نہیں۔ محو گرم شیروانی پہنے مفلر گلے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ رشید صاحب سوتی کپڑے کی اچکن پہنے ہوئے ہیں۔

رشید صاحب کی کتاب ''اُردو غزل'' پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ ''میرا ان سے خون کا رشتہ نہ تھا'' یہ رشید صاحب کے الفاظ میں جو معین الرحمٰن صاحب نے اپنے نام سے شائع کیے ہیں، بے حد کی وجہ یہ کہ ''اُردو غزل'' 1955 کے اڈیشن میں جونوٹ پبلشر نے شائع کیا تھا اسے معمولی ردوبدل کے ساتھ اپنے نام سے شائع کر لیا ہے۔ میں جلد تین مضامین لکھوں گا، غالب کے حوالے سے، رشید صاحب کے حوالے سے اور محمد طفیل مرحوم کے حوالے سے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ ''بھولی بھالی شکل والے'' سے جلا دبھلے ہیں۔ ''گل رعنا'' کے حوالے سے معین الرحمٰن صاحب کی جس تحریر کا حوالہ آپ نے دیا اس پر مرحوم وزیر الحسن عابدی کے لیے بڑے نا ملائم الفاظ استعمال کیے۔ کیا آپ نے میرا مضمون ''دیوانِ غالب بخط غالب روداد اشاعت'' پڑھا ہے۔ میں نے شارب ردولوی کو لکھا تھا کہ اس کا عکس آپ کو دے دیں۔

مخلص

لطیف الزماں خاں

بہ خدمت جناب رشید حسن خاں صاحب
T.C.9 GWYER HALL
DELHI UNIVERSITY
DELHI 110007

حواشی:

ا۔ لطیف الزماں خاں نے اس خط کو 149 بی غالب نما گل گشت ملتان 60700 کے پتے سے اپنے لیٹر ہیڈ پر ارسال کیا۔ اس خط پر لطیف الزماں خاں کا ٹیلی فون 31455 درج ہے۔

❁❁❁

مالک رام بہ نام رشید حسن خاں

برسلز[1]

27دسمبر1961

کرم فرمائے من، 17نومبر کے گرامی نامے کاشکریہ۔

اِس اثنا میں اُردو ادب کا وہ شمارہ موصول ہوا جس میں آپ کا مضمون[2] ہے، ماشاءاللہ بہت مفصّل اور تمام امور پر حاوی رہا۔ مجھے واقعی بہت پسند آیا۔ آپ کو چاہیے تھا کہ شروع ہی میں متن میں یا حاشیے میں اِس کا اظہار کر دیتے کہ قاموس الاغلاط کے مولّف یا مصنّف کون ہیں، یہ کس مطبعے میں، کس سال چھپا۔ تعجّب ہوتا ہے کہ آپ نے اِس امر کی طرف تو اشارہ کیا کہ اِسے دو صاحبوں نے تالیف کیا، لیکن اُن کے نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے بعض نوجوان لکھنے والوں نے نہ کبھی کتاب کا نام سنا ہوگا نہ مولّفوں کا۔ دوسری کمی یہ محسوس ہوئی کہ پوری بحث کے بعد آخر میں تمام الفاظ کی فہرست جدول کی شکل میں درج کرنا چاہیے تھی یعنی اصلی لفظ، کس زبان کا ہے، اُس میں اِس کے اعراب، اب اُردو میں شکل وغیرہ۔ اِس سے یہ فائدہ ہوتا کہ قاری بہ یک نظر ساری بحث کے مطالب کو دیکھ سکتا تھا۔ چوں کہ مضمون طویل ہے، اب کسی لفظ کی تلاش کرنا آسان نہیں۔

اِس مضمون کا لہجہ بھی اچھا رہا۔ اگر چہ دو ایک جگہ بعض الفاظ، مثلاً ''جنون'' وغیرہ آ گئے ہیں، لیکن مجموعی طور پر ٹھیک ہے۔

ہماری زبان کے ابھی کسی شمارے میں جناب خلیل الرحمٰن اعظمی[3] صاحب نے بھی زورؔ صاحب کی کتاب سے متعلّق لکھا ہے۔ اُس کا لہجہ آپ کے مضمون سے کہیں اچھا ہے، اگر چہ اُنھوں نے بھی زورؔ صاحب کو بخشا نہیں۔

رگِ جاں[4] میری نظر سے نہیں گزرا۔ خورشید الاسلام صاحب سے میرے تعلّقات بھی نہیں، اگر چہ مجنوںؔ صاحب سے صاحب سلامت ضرور ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک ادبی دیانت کا وہ معیار قائم نہیں ہوا جو ہونا چاہیے۔ رو رعایت اور دوستی یاری کے باعث لوگ مبالغہ یا غلط بیانی کر جاتے ہیں لیکن کیا کیا جائے۔ ہر ایک اپنے فعل کا مختار ہے۔ میرا مقولہ تو اب یہ ہے: گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش۔ میری واپسی ان شاءاللہ سالِ آیندہ پر ٹل گئی۔ دیکھیے کب تک ہوتی ہے، غالباً اکتوبر سے پہلے نہ ہو۔

والسلام والاکرام

خاک سار مالک رام

حواشی:

۱۔ اس خط کو مالک رام صاحب نے برسلز سے W.K BAIEJA EMBASY OF INDIA BRESELZ (BELGIUM) کے پتے سے رشید حسن خاں کو 1/B لکھنؤ روڈ دہلی 6 کے پتے پر ارسال کیا۔

۲۔ یہ مضمون قاموس الاغلاط پر ایک نظر، رشید حسن خاں کے عنوان سے اُردو ادب 1961 شمارہ (۱) انجمن ترقی اُردو (ہند) کا سہ ماہی رسالہ میں چھپا۔ اس وقت اس کے اڈیٹر پروفیسر آل احمد سرور تھے۔

۳۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کا تبصرہ محی الدین قادری زور کی کتاب ''اُردو شاعری کے انتخاب'' پر ہماری زبان ، یکم دسمبر 1961، شمارہ 44، جلد 20 میں چھپا۔

۴۔ ''رگِ جاں'' پروفیسر خورشید الاسلام کا مجموعۂ کلام ہے جو 112 صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب انجمن ترقی اُردو (ہند) نے 1961 میں ٹائپ میں چھاپی تھی۔

(خطوطِ مالک رام، شمیم جہاں، انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی، 1997، ص 209 تا 211)

نوٹ:

مذکورہ بالا خط کا پہلا حواشی راقم نے لکھا ہے باقی حواشی شمیم جہاں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اس خط کو فاران نظامی (پاکستان) نے میرے Messenger پر 16 دسمبر 2022 کو ارسال کیا۔ اس ادبی تحفے کے لیے احقر فاران نظامی صاحب کا بہ صمیمِ قلب شکریہ ادا کرتا ہے۔

❁❁❁

مجروح سلطان پوری بہ نام رشید حسن خاں

6 مئی 1994[1]

رشید حسن خاں صاحب محترم

ایک دن دو پہر کے وقت جب کہ میں گھر سے باہر تھا ایک صاحب آپ کا تحفۂ سعید لے کر آئے اور واپس گئے پھر ایک کارڈ کے ذریعے مطلع فرمایا کہ 'تفہیم'[2] لے کر حاضر ہوا تھا۔ آپ کی عدم موجودگی کے باعث واپس لے گیا اور مکتبہ جامعہ پر رکھ دیا ہے وہاں سے حاصل کر لیجیے۔ وہاں معلوم کیا تو جواب نفی میں ملا۔ کارڈ پر دستخط پڑھا نہیں گیا اس لیے منیجر صاحب کو اُن کا نام بھی نہیں بتا سکا۔ پھر بھی از راہِ کرم انھوں نے ایک کاپی مجھے بھجوادی۔ کتاب نے رات بہت دیر تک جگایا جب کہیں نصف پڑھی جا سکی۔ آج غالباً پھر جاگنا پڑے گا۔ طرزِ تحریر پُر از علم و خیز ہونے کے ساتھ بے حد دل چسپ ہے جس کا سبب تحقیق کے ساتھ طرز ادا میں آپ کا تخلیقی رویہ ہے۔

اے کہ انشاء عطارد صفت شوکت تست
عقل کل چاکر طغہ کش دیوان تو باد

خدا کرے ہر طرح سے عافیت ہو۔ کتاب ختم ہو جائے تو املا کے ضمن میں چند سوالات بھی کروں گا۔ والسلام

مجروح

میرے پتے میں صرف 602، سی گلی سی ای ہے، 601 نکال دیا۔

حواشی:

1. اس خط کو مجروح سلطان پوری نے اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔ بائیں جانب مجروح سلطان پوری کا نام انگریزی میں اور بائیں جانب درج ذیل پتا بھی انگریزی میں لکھا ہوا ہے:

Majrooh Sultanpuri

602-Sea Gull'C'
Shirley Rajan Road, Bandra(W)
Bombay-400050
Phone:6498624

۲۔ رشید حسن خاں کی کتاب ''تفہیم'' (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی سے 1993 میں شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں مضامین کی تعداد 11 ہے۔

نوٹ:

مجروح سلطان پوری کو رشید حسن خاں سے بہت محبت تھی۔ جب ڈاکٹر اطہر فاروقی نے شاہد علی خاں کی ایما پر 'کتاب نما' مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی کے لیے رشید حسن خاں کی حیات و ادبی خدمات کے حوالے سے خصوصی شمارہ نمبر نکالنے کا ڈول ڈالا تو اس خاص شمارے کے لیے مجروح سلطان پوری نے ''رشید حسن خاں'' عنوان سے درج ذیل اشعار کہے:

عزیزم اطہر فاروقی

ان دنوں طبیعت یک لخت بن ہے، کیا نظم کیا نثر۔ چند مصرعوں میں وہ اظہارِ عقیدت جو مجھے رشید حسن خاں صاحب کی جاں سوزی سے ہے، ممکن تو نہیں مگر مکمل خاموشی سے پھر بھی غنیمت ہے:

''رشید حسن خاں''

ثنا رشید حسن خاں کی کیا لکھوں اطہر
زباں تو ان کی ہے میں کس زباں میں عرض کروں
اٹھاؤں خامہ تو ہے خامہ حرف کا محتاج
لکھوں جو حرف تو ان کا غلام فرض کروں
قلم ہے کون سا جس پر نہیں ہے قرض ان کا
تو حرفِ خیر ہی سے کچھ ادائے قرض کروں

(کتاب نما، رشید حسن خاں حیات اور ادبی خدمات، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، جولائی 2022، ص 19)

❁❁❁

محمود الٰہی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

شعبۂ اُردو[1]
گورکھپور یونی ورسٹی
17/10/73

محترمی تسلیم

ادھر ایک ہفتے سے سخت کشاکش کا شکار ہوں۔اس خط کو استغفار سمجھیے۔آپ فتویٰ صادر کر دیں تو میں اسی کو حرف آخر سمجھ لوں۔

آپ نے شاید میرا مضمون دیکھا ہو جو گذشتہ سال ''ہماری زبان'' میں فسانۂ عجائب کے ایک مخطوطے کے سلسلے میں شائع ہوا تھا۔ مجھے اس کا ایک قلمی نسخہ ملا ہے جس کی کتابت 1255ھ(1839) میں ہوئی تھی۔اس کا متن اس لحاظ سے قابل توجہ ہے کہ اس میں مسجع کا استعمال سرور نے بہت کم کیا ہے۔انھوں نے اشاعت کے وقت کیا یہ تھا کہ زیر بحث مخطوطے کے فقروں میں مسجع کی خاطر فقروں کا اضافہ کر دیا تھا۔مخطوطے کے بالاستعاب مطالعے کے بعد پہلا تاثر یہی ہوتا ہے کہ سرور کی نثر مقفیٰ یا مسجع نہیں ہے۔

میں اس متن[2] کو اب شائع کرنا چاہتا ہوں۔اس سلسلے میں اُلجھن یہ ہے کہ اسے اندازے سے شائع کروں۔ایک صورت یہ ذہن میں ہے کہ ایک صفحے پر مخطوطے کی عبارت ہو اور اس کے مقابل صفحے پر متداول نسخے کی عبارت دی جائے تاکہ اختلافِ متن قاری کے سامنے رہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ میں صرف اس متن کو شائع کر دوں۔

پہلی صورت میں صفحات کی تعداد کافی بڑھ جائے گی اور میں اس کی طباعت کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔دوسری صورت میں مشکل سوڈیڑھ سو صفحات میں کتاب آجائے گی اور ہزار بارہ سو میں اپنے پاس سے خرچ کرنے کی ترکیب نکال سکتا ہوں۔میں اس پر ایک طویل مقدمہ لکھ رہا ہوں، جس میں اہم تبدیلیوں کی نشان دہی کر دوں گا۔اب آپ اپنی رائے بتائیے کہ کیا کروں؟

تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ میں فسانۂ عجائب ایڈٹ کر دوں اور اس نسخے سے بھی مدد لوں مگر یہ ایک بہت تھکا دینے والا کام ہوگا اور سر دست میں اس کے لیے تیار نہیں ہوسکتا۔اس کے علاوہ میرا اصل مقصد یہ ہے کہ میں لکھنؤ کی اعلا نثر کا نمونہ پیش کروں،ایک رنگ سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

میں اب بھی پہلی صورت کو قابل ترجیح سمجھتا ہوں مگر اصل رکاوٹ قاضی کی اجازت ہے اور اس پر قابو پانا میرے بس کی بات نہیں۔

آپ کے فوری جواب کا منتظر ہوں تاکہ مسودہ کاتب کے حوالے کرسکوں۔ہاں،حال ہی میں 1839 کے قریب لکھا گیا تھا،اس نسخے سے اصل مخطوطے کی تصحیح میں بڑی ہی مدد ملی۔کیوں کہ پہلے نسخے کا کاتب اچھا نہیں،اس کی کتابت بہت اچھی ہے۔

امید ہے کہ آپ اچھی طرح ہوں گے۔

والسلام
محمود الٰہی

(2)

4, Professors Colony
University of Gorakhpur
۳؍ 10/02/1978

محترمی

اگر اخبارات سے حالات کا علم آپ کو ہوگیا ہوگا تو آپ نے مجھے معاف کر دیا ہوگا۔

آپ نے 17 کو خط لکھا تھا۔جس دن مجھے ملا،اسی دن یونی ورسٹی کچھ اس طرح بند ہوگئی کہ میرے تجربات میں بڑا وقیع مگر تلخ اضافہ ہوا۔یونی ورسٹی پولیس کے حوالے کر دی گئی اور پڑھنے پڑھانے کا کام معطل۔

کل کھلی تو لائبریری میں آپ کی مطلوبہ چیزیں تلاش کیں،افسوس کہ کہیں نام ونشان نہیں ملا۔حاتم کا پاکستانی نسخہ تھا مگر خدا جانے کہاں گم ہوگیا۔

''30ھ سے پہلے غزل گوئی جاری تھی۔'' آپ کے اس جملے پر میں ایمان لاتا ہوں، ایمان مجمل اور ایمان مفصل دونوں!

جنابِ عالی!میرے پاس 1147ھ کا مستند مخطوطہ ہے۔ ایک مجموعہ حکایتِ فارسی

کا[ہے] جس میں مکتوب نگار نے فارسی شعر کے ساتھ ساتھ اُردو کے اشعار بھی مکتوب الیہ کو لکھ بھیجے ہیں۔اور یہ اشعار مظہر اور آبرو کے ہیں۔یہی نہیں خفیہ اور سند کا ساقی نامہ 1150ھ سے پہلے کہا جا چکا تھا۔میری بھی یہ حتمی راے ہے کہ دیوانِ ولی کے ''نزدِ دلِ دہلی'' سے پہلے شمالی ہند میں اُردو شاعری کا چلن عام ہو رہا تھا۔صدرالدین فائز سے میں استدلال نہیں کرتا۔اور بھی فرامین ہیں۔

اب ماضی استمراری (قولِ حاتم بزبان مصحفی)والی بات کے بارے میں کچھ عرض کروں۔الفاظ سے وہ مفہوم مترشح ہوسکتا ہے جو آپ نے سنی ہے یعنی یہ کہ جب ولی کا دیوان آیا تو ہم لوگ ابہام گری یا سخن سرائی میں مصروف تھے۔دراصل مصحفی حاتم کے بین میں ایک اور مبحث پر اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں اور وہ ہے طرز سخن۔وہ ابہام گو اور نئے طرز کے ریختہ گو شاعروں کے درمیان حد فاصل کھینچنا چاہتے ہیں۔وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کچھ لوگ تو ابہام کے شکار تھے اور کچھ لوگ طرز تازہ ایجاد کر رہے تھے۔اور حاتم ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے ان دونوں گرہوں کا ساتھ دیا۔

اب اصل عبارت دیکھیے اور اس جملے پر غور کیجیے:

''سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باستد، بنائے شعر ہندی را
بہ ابہام گوئیز یادہ داد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می داریم''

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ حاتم (مجھے متکلم سے قطع نظر کر لیجیے) اپنے کو ناجی، مضمون اور آبرو سے ممتاز کر رہے ہوں؟ یعنی یہ تینوں ابہام کے شکار تھے اور ہم لوگ مضمون تازہ کے سودائی؟

ترجمہ قائم پر غور کیجیے کہ مصحفی نے حاتم میں ایک تبدیلی کی نشان دہی کی ہے۔اور وہ تبدیلی ہے زبان کی نہ کہ طرز سخن کی۔مذکورہ بالا جملے میں حاتم نے زبان کا ذکر نہیں بل کہ طرز سخن کا ذکر کیا ہے۔گویا حاتم میں دیوان زادے کی ترتیب کے وقت جو تبدیلی آئی تھی وہ زبان کی تھی نہ کہ طرز سخن کی۔

بہر حال یہاں اس بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔اصل بات یہ ہے کہ کیا دیوان ولی کی آمد سے پہلے دہلی میں غزل گوئی جاری تھی تو اس کا جواب اثبات میں ہے۔عبارت کا آزاد ترجمہ میں اس طرح کر سکتا ہوں۔ولی کا دیوان...آیا،اس کے اشعار مقبول خاص و عام ہوئے اور طرز سخن کی مطابقت کی وجہ سے میری شاعری کو بھی حسن قبول ملا، رہ گیا ناجی، مضمون اور آبرو کا معاملہ تو انھوں نے تو شاعری کی بنیاد ہی بدل دی تھی۔وہ ابہام کو شاعری سمجھتے تھے اور اس طرز کی شاعری کرتے تھے۔

بہرکیف! آپ کا مقصود اس عبارت سے مل جاتا ہے یعنی دیوان ولی کی آمد کے وقت شاعری جاری تھی۔ کیا جواب کا انتظار کرایا؟

محمود الٰہی

(3)

Majhauli Kothi
Daudpur
Gorakhpur
۴ے 21/12

برادر محترم

وعلیکم السلام

آپ کا خط ابھی ملا۔ کل سے انفلوئنزا میں مبتلا ہوں۔ مرض زور پکڑتا جا رہا ہے۔ چند سطریں محض اس خیال سے لکھ رہا ہوں کہ شاید آیندہ چار چھے یوم میں یہ بھی نہ لکھ سکوں اور اس طرح جواب میں تاخیر نہ ہو جائے۔

حضرت آسی کا دیوان دو بار شائع ہو چکا ہے میری نظر سے دونوں اشاعتیں گزر چکی ہیں، یہاں اصل مسودہ بھی محفوظ ہے۔

اس وقت میرے پاس اس کی دوسری اشاعت ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر آپ کے سوال کا جواب لکھ رہا ہوں۔

حضرت آسی 19 شعبان 1250ھ کو پیدا ہوئے۔ 2 جمادی الاول 1335ھ مطابق 2 فروری 1917 اتوار کو دن میں ایک بج کر بیس منٹ پر آپ کا انتقال ہوا۔ ''عقد رضی اللہ عنہ'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے۔

ان کے دیوان کا نام عین المعارف ہے۔ حضرت آسی کے بارے میں ہر قسم کی معلومات زاع کرنے کی کوشش کروں گا۔ بلا تکلف حکم دیجیے۔ باقی پھر

امید ہے کہ آپ اچھی طرح ہوں گے۔

والسلام

محمود الٰہی

حواشی:

۱ پروفیسر محمود الٰہی نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھ کر گورکھپور یونی ورسٹی کے پتے سے خاں صاحب کو ارسال کیا ہے۔

۲ پروفیسر محمود الٰہی فسانۂ عجائب کو مرتب کرنا چاہتے تھے۔ اس تعلق سے انھوں نے رشید حسن خاں سے رابطہ قائم کرتے ہوئے مشورے طلب کیے۔ محمود الٰہی نے اس متن کو یونی ورسٹی گرانٹ کمیشن اور گورکھپور یونی ورسٹی کی مدد سے ''فسانۂ عجائب کا بنیادی متن'' عنوان سے اپریل 1973 میں ادارہ تصنیف، ڈی-7، ماڈل ٹاؤن، دہلی-9 سے شائع کیا۔

۳ پروفیسر محمود الٰہی نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر میں لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا درج ذیل پتا انگریزی میں لکھا گیا ہے: Mr, Rasheed Hasan Khan, T.C-4, Gwyer Hall, delhi University, Delhi-110007۔ محمود الٰہی صاحب نے اپنے پتے پر صرف اپنا نام ''ڈاکٹر محمود الٰہی'' لکھا ہے۔ خط پر دہلی ڈاک خانے کے مہر اور تاریخ کا اندراج 78-2-13 ہے۔

۴ محمود الٰہی صاحب نے اس خط کو 6 نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہے۔ اس پوسٹ کارڈ کی پشت پر خاں صاحب کا پتا Mr. Rasheed Hasan Khan,C-11/11,Model Town, Delhi-9 لکھا ہے۔

۵ آسی غازی پوری کا دیوان 'عین المعارف' سلیمانی پریس محلّہ گائے گھاٹ، شہر بنارس سے ستمبر 1917 کو شائع ہوا۔ اس دیوان پر:

شعر گوئی نہ سمجھنا کہ میرا کام ہے یہ
قالب میں آسی فقط الہام ہے

شعر درج ہے۔ اس کے بعد 'سخن کی جان الہامی بیان کلام تلمیذ رحمٰن محبوب یزدان قطب العارفین غوث العالمین حضرت شیخ محمد عبدالعلیم آسی رشیدی رضی اللہ عنہ وعنا بہٖ رقم ہے۔ اس کے بعد 'عین المعارف' جس کو ناہج مناہج طریقت جناب سید شاہد صاحب رشیدی سجادہ نشین حضرت مصنف نے مرتب کیا اور بہ اجازت جناب موصوف بندۂ احقر محمد اظہر جنرل مرچنٹ علی نگر شہر گورکھپور نے سلیمانی پریس محلّہ گائے گھاٹ شہر بنارس میں چھپوا کر شائع کیا ستمبر 1917۔

❀❀❀

مختار الدین احمد بہ نام رشید حسن خاں

DR.MUKHTAR UD DIN AHMED
NAZIMA MANZIL
4/286,AMIR NISHAN ROAD
DODHPURE ROAD,ALIGARH 202001
29/08/1988

مکرمی رشید حسن خاں صاحب[1]

السلام علیکم

17 کو آپ بہت یاد آئے، حادثے سے بڑا رنج ہوا اور صدر [لفظ پڑھا نہ جا سکا] کے ساتھ آپ کی صحبت میں گزرے ہوئے واقعات خاص طور پر ان کا لطف و کرم بہت یاد آیا۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور انھیں اور ان کے رفقائے سفر کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ان کے اعزہ میں سب سے ملاقات نہیں کہ تعزیتی خط لکھوں۔

کیا آپ نے یہاں سے واپسی کے بعد انھیں شکریے کا کوئی خط لکھا تھا؟ میں نہیں لکھ سکا تھا اور اس کا اب افسوس ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کو آپ نے فہرست مضامین تحقیقی روانہ کرنے ہوں گے اب دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ کسی نے مجھے بتایا کہ حادثے میں صدیق سالک (نقوش اور ادیب) بھی شامل تھے کیا آپ کو اس کچھ اطلاع ہے۔ مرحوم نے تصحیح کے بعد اپنی متعدد کتابیں ہوٹل میں تحفتاً بھجوائی تھیں، خدا ان کی بھی مغفرت فرمائے۔

قاضی صاحب کے مکتوبات[2] کی ترتیب میں لگا ہوا ہوں، افسوس ہے کہ آپ کے تعاون سے اب تک محروم ہوں۔ ان کے متعدد خطوط قومی زبان (مئی 1988) میں، میں نے شائع کیے ہیں کچھ مزید خطوط غالب نامہ میں شائع ہو رہے ہیں۔ حواشی لکھ کر، اگر کوئی کمی رہ گئی ہو یا خاص بات ہو تو معلوم فرمائیے۔ رسالوں میں بہ طور نمونہ ان خطوط کی اشاعت کا مقصد یہی ہے کہ مجھے آپ لوگوں کی رائے معلوم ہو سکے کہ ترتیب و تحشیہ کی ضرورت نہیں آپ کیا کہتے ہیں۔

انجمن سے اطلاع نامہ ملا ہوگا کہ ہم سات اراکین کی مدت رکنیت ختم ہو گئی ہے۔ کچھ

مناسب نام پیش کر دیجیے اور حسب بیلٹ پیپر آئے تو ان کے حق میں رائے دیجیے۔ ڈاکٹر عبدالمغنی اور رام لعل صاحب کا اور اگر گنجایش ہو تو میرا بھی خیال رکھیے۔ یہ دونوں حضرات اور اُردو کی ترقی بل کہ اس کی بقا میں کوششیں کر رہے ہیں۔ آپ سے مخفی نہیں۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔

والسلام

مختار الدین احمد

حواشی:

ا۔ پروفیسر مختار الدین نے اس خط کو Inland لیٹر پر لکھا ہے۔ خط کی پشت پر رشید حسن خاں کا پتا Mr. Rasheed Hasan Khan,9.Teachers Court,Gwyer Hall, Delhi University-110007 لکھا ہوا ہے۔ موصوف نے اپنا پتا اُردو میں ''ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ'' لکھا ہے۔

۲۔ قاضی صاحب کے خطوط کو ڈاکٹر محضر رضا نے دو جلدوں میں بہ عنوان ''مکاتیبِ قاضی عبدالودود'' ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی سے 2016 میں شائع کیا۔

❁❁❁

مسعود حسین خاں بہ نام رشید حسن خاں

مسعود حسین خاں
پروفیسر ایمے ریٹس
شیخ الجامعہ، جامعہ اُردو

جاوید منزل، جامعہ اُردو روڈ،
دادو پور، علی گڑھ 202002
فون مکان: 29830
فون دفتر: 23068

مورخہ: 10 اپریل 1996ء[1]

خاں صاحب مکرم۔ تسلیم۔

یہ آپ کے 22 مارچ کے خط کا جواب ہے۔ ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا۔ شادی وغم دونوں بہم ہو گئے تھے۔ چار روز ایک میری عزیزہ کی شادی کے سلسلے میں دہلی رہا۔ واپسی پر دِق النساء لے کر لوٹا۔ اس طرح کہ بہتر رنگ کو بھی حجاب آئے۔

آپ نے محمد قلی قطب شاہ کے سلسلے پر میرے جس قول کا حوالہ دیا ہے وہ میری مرتب کردہ تالیف 'محمد قلی قطب شاہ: حیات اور شاعری' شائع کردہ ساہتیہ اکیڈمی دہلی کے دیباچے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ محمد قلی کے اصل دیوان میں غزل کی ہیئت میں تمام نظمیں ہیں جنھیں عنوانات ڈاکٹر زور صاحب نے عطا کیے ہیں۔ اس وقت یہ تالیف میری دسترس میں نہیں ہے۔ اس لیے اصل الفاظ عبارت نقل نہیں کر سکتا۔

مثنوی گلزارِ نسیم کا دیباچہ تو پڑھ لیا تھا اصل متن بھی جستہ جستہ دیکھا تھا۔ خیال تھا مکمل طور پر دیکھ لوں تو آپ کی دقیقہ سنجی کی داد دوں۔

در اصل پچھلے چار پانچ مہینوں میں متعدد عوارض کے حملوں نے بے جان کر دیا ہے۔ TIA کا حملہ ہوا تھا جس میں 15، 20 منٹ تک غائب رہا اس کے بعد Sciatica (دِق النسا) کا جس نے اس ''مرد'' کو نساء بنا دیا۔ اب 77 کا ہو گیا ہوں۔ قدرت کا اشارہ ہے کہ آرام

کرو۔مگر یہ کافر دل مانتا ہی نہیں۔ مجھے تو آپ جیسوں کو پیہم مصروف کار دیکھ کر عش عش ہوتا ہے۔یوں بھی 'زہرِ عشق' خود کو جواں رکھنے کا مجرب نسخہ ہے! میں جس زمانے میں غالب کا منتخب کلام مرتب کر رہا تھا،اس نسخے کو اپنے اوپر آزمایا ہے!

خدا کرے آپ اپنے نئے ماحول میں خوش وخرم ہوں۔والسلام۔

مخلص،آپ کا
مسعود حسن

خط کے دائیں جانب گول دائرے میں لکھی تحریر:
عنوانات کے تحت اس کا حوالہ آئے گا۔

حواشی:

ا پروفیسر مسعود حسین خاں نے اس خط کو اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔مسعود حسین خاں نے نام اور پتا دونوں اُردو میں لکھے ہیں۔

❁❁❁

مشفق خواجہ بہ نام رشید حسن خاں

☆ (1)

محترمی۔ تسلیم

ابھی ابھی گرامی نامہ ملا۔ ممنون ہوں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ آپ کو خط کا جواب نہ ملنے کی شکایت پیدا ہوئی، لیکن آپ یقین کیجیے کہ اِس ماہ کی 12 تاریخ کو ایک خط لکھ چکا، جواَب تک آپ کو مل جانا چاہیے۔ میں نے اپنے خط میں مضمون کے سلسلے میں یہ عرض کیا تھا کہ ہم قلم رائٹرز گلڈ کا پرچہ ہے، اِس میں ممتاز حسن صاحب کے بارے میں کوئی تنقیدی مضمون اِس لیے نہیں چھپ سکتا کہ وہ ایک بڑے افسر ہیں، ہمارے ملک میں ادب بھی افسروں کی ہی ماتحتی میں ہے۔ اگر ہم قلم آزاد رسالہ ہوتا تو یہ مضمون ضرور شائع کیا جاتا۔ میں نے اپنا ایک واقعہ لکھا تھا۔ گذشتہ سال ’’سات رنگ‘‘ میں ترقیِ اُردو بورڈ ’جس کے صدر ممتاز حسن ہیں‘ کے مرتّبہ نمونہ لُغتِ اُردو پر میں نے ایک تبصرہ لکھا تھا[1]، اُس تبصرے کو چھاپنے کے جرم میں ’’سات رنگ‘‘ کے سرکاری اشتہار بند کر دیے گئے تھے۔ اب آپ ہی کہیے!!! آپ جذبات نادر پر ضرور لکھیے، یہ بہت بڑی خدمت ہوگی، البتہ ہم قلم کے لیے کوئی دوسرا مضمون بھجوایئے اور ضرور بھجوایئے۔ بڑا اکرم ہوگا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ خط کا جواب ضرور دیجیے۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

19/10/1962

☆(2)

محترمی و مکرمی، تسلیم

شاید دو تین خط لکھ چکا ہوں، لیکن جواب سے محروم ہوں۔ اب یہ خط رجسٹری کر کے بھیج رہا ہوں۔

رسالہ ’’اُردو‘‘ آپ کو ملا ہوگا، اِس کے لیے کچھ لکھیے۔ بڑا اکرم ہوگا۔ اگر فوری طور پر کوئی مضمون نہ بھیج سکیں تو کسی کتاب پر تبصرہ ہی بھیج دیجیے، خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو، میں چاہتا ہوں

کہ زیرِ ترتیب شمارے میں آپ کا نام ضرور شامل ہو۔ اپنی پسند کی کوئی بھی کتاب لے لیجیے۔

اگست میں ''قومی زبان'' کا عبدالحق نمبر شائع ہوگا۔ اس کے لیے بھی کچھ لکھیے۔ آپ گذشتہ دو برس سے مولوی صاحب پر لکھنے کا وعدہ کر رہے ہیں، میری ہمت دیکھیے کہ میں اب تک مایوس نہیں ہوا۔

انجمن کی طرف سے ایک قاموسِ مصنفین مرتب کی جا رہی ہے۔ اس کے لیے آپ کے حالات اور تصویر کی ضرورت ہے۔ یہ مشکل بھی حل کر دیجیے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

(دستخط مشفق)

26/05/1966

☆اس مجموعے میں شامل خطوط میں یہ واحد خط ہے جو مکتوب نگار نے اپنے قلم سے نہیں لکھا، بل کہ اسے ٹائپ کیا گیا ہے۔

(3)

محترمی و مکرمی۔ تسلیم

آپ کا خط مل گیا تھا، جواب اِس لیے نہ دیا کہ آپ رخصت پر ہوں گے۔ اُمید ہے اب آپ واپس آ چکے ہوں گے۔

''اُردو'' میں تبصرے لکھنے کا آپ نے جو وعدہ فرمایا ہے، اُس کے لیے ممنون ہوں۔ ان شاءاللہ عنقریب چند کتابیں آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔

''اُردو'' کا پہلا شمارہ ارسالِ خدمت ہے۔ تیسرا آپ کو ملا کہ نہیں اور اب تو چوتھا بھی شائع ہو گیا ہے جو دو چار روز میں آپ کو مل جائے گا۔ گاہے گاہے خط لکھتے رہا کیجیے۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

04/10/1966

(4)

محترمی و مکرمی۔ آداب

آپ کہاں ہیں؟ ایک عرصے سے کوئی خط نہیں آیا۔ دسمبر کا ''قومی زبان'' آپ کے نام بھیجا گیا تھا، واپس آ گیا۔ اب یہ خط ڈاکٹر فاروقی صاحب کے پتے پر لکھ رہا ہوں، تا کہ آپ اپنے نئے پتے سے مجھے آگاہ کریں۔ خدا کرے آپ جہاں رہیں، خوش رہیں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
29/12/1966

(5)

محترمی و مکرمی۔ آداب

گرامی نامہ مورخہ 11 جنوری موصول ہوا، اِس کے لیے ممنون ہوں۔ آپ کے والدِ محترم کے انتقال کی خبر سن کر نہایت افسوس ہوا۔ یہ حادثہ ایسا ہے کہ میں تعزیت کروں تو کن الفاظ میں! خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔

میرا اِرادہ تھا کہ یہاں کی بعض مطبوعات آپ کی خدمت میں تبصرے کے لیے ارسال کروں، لیکن ایک نئے قانون کے تحت پارسل ارسال کرنا ممکن نہیں، حالاں کہ وہاں سے کتابیں یہاں اکثر آتی رہتی ہیں۔ آپ اُردو کے لیے ضرور کچھ لکھیے۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
16/01/1967

(6)

محترمی و مکرمی۔ آداب

گرامی نامہ مل گیا تھا۔ اُردو بھیج دیا گیا، مگر پرانے پتے پر۔ اگر نہ ملا ہو تو لکھیے، دوبارہ بھیج دوں گا۔ آپ نے میرے لیے کبھی کوئی مضمون نہیں بھیجا۔ توجہ فرمایئے۔

خوش معرکہ زیبا کی طباعت شروع ہو چکی ہے۔ جلد ہی آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اس کے علاوہ بھی کئی تذکروں پر کام کر رہا ہوں۔ کیا دہلی میں عیارالشعرا پر کوئی صاحب کام کر رہے ہیں؟[2]

انجمن کی طرف سے تذکروں کی اشاعت کا ایک منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ تین تذکرے پریس میں ہیں (گلشنِ ہمیشہ بہار، ہمیشہ بہار، عروس الاذکار)۔[3] کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دہلی میں

کن کن تذکروں پر کام ہو رہا ہے۔

محمد عتیق صدیقی صاحب کا پتا کیا ہے؟ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

11/05/1967

(7)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

سخت شرمندہ ہوں کہ آپ کے گرامی نامے کا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں، تاخیر اِرادی نہ تھی، مسلسل بیماری نے اس بداخلاقی پر مجبور کیا، امید ہے آپ معذرت قبول فرمائیں گے۔

آپ نے گذشتہ چار پانچ برس میں کئی مکان بدل ڈالے۔ اِس وجہ سے آپ کے پرچے اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں۔ جبلی ہال کے پتے پر نیا پرچہ (اُردو) بھیجا گیا ہے۔ اُمید ہے ملا ہوگا۔

اُردو نامہ شائع ہو گیا ہے، اِس میں آپ کا مضمون شامل ہے۔[۴] نوائے ادب والا مضمون بھی پڑھ لیا تھا۔ کچھ تو اِدھر بھی۔ جنوری کا اُردو پریس میں ہے۔ اپریل کے لیے کچھ بھیجئے۔ اب کے اگر آپ نے کچھ نہ لکھا تو پھر میں ہی کچھ لکھ کر آپ کا نام ڈال دوں گا۔ اِس کے دو فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ آپ تردید کرتے پھریں گے اور دوسرے اکبر علی خان[۵] کو قلم چمکانے کا موقع ملے گا۔ بہر حال آپ سوچ لیجیے۔ گذشتہ چھے برس سے آپ وعدے کرتے چلے آ رہے ہیں۔

لاہور کے بعض احباب سے کہا ہے کہ وہ اپنی کتابیں آپ کو بھیجیں۔ آپ ان پر اُردو کے لیے تبصرے کر دیجیے گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

28/11/1967

(8)

محترمی و مکرمی۔ آداب۔

گرامی نامہ ملا، ممنون ہوں۔ آپ نے گلشن ہمیشہ بہار[۶] کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ غیر متوقع نہیں ہے۔ بعض اوقات غلط قسم کے اعتماد سے ایسے ہی نتائج سامنے آتے ہیں۔ اس

تذکرے کو شہنشاہ ایران کی تاج پوشی پر شائع کرنا تھا۔ وقت کم تھا، جناب مرتب نے تھوڑی سی مدت میں جو کچھ کیا، وہ میں نے چھپنے کے بعد ہی دیکھا۔ بات یہ ہے کہ تذکروں کو ایڈٹ کرنا ایک خاص فن ہے اور حادثہ یہ ہے کہ وہی یہ کام کرتے ہیں جو اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ بہر حال آپ کا یہ کرم ہے کہ آپ نے اتنی محنت سے اس کا مطالعہ کیا۔

گلشن بے خار کے جو ترجمے یہاں سے شائع ہوئے ہیں، خدا کے لیے ان پر کچھ نہ لکھیے گا۔ یہ نہایت واہیات ترجمے ہیں۔ ان میں سے ایک پر میں نے تین چار سال قبل تبصرہ لکھا تھا، اس کا تو مقدمہ تک چوری کا ہے۔ جمیل جالبی نے شیفتہ پر ایک مضمون لکھا تھا، ان صاحب (فاروقی)[ک] نے اسے لفظ بلفظ اپنا لیا۔

آپ نے گلشن سخن پر میرا تبصرہ پڑھا تھا؟ [8] مسعود حسن رضوی صاحب نے تقریباً تیس سال اِس تذکرے پر کام کیا لیکن انجام کیا ہوا؟ بہر حال یہ تذکروں کی باتیں چھوڑیئے۔ اُردو کے لیے مضمون کی بات کیجیے۔

مولوی صاحب کا ایک خط جو آپ کے پاس ہے، اس پر تمہید لکھ دیجیے۔ ایک چھوٹا سا مضمون بن جائے گا۔ اسے میں قومی زبان کے عبدالحق نمبر میں شائع کر دوں گا۔ اصل خط بھی بھیج دیجیے۔ اس کا فوٹو چھاپ دوں گا۔

انجمن کے مخطوطات اُردو کی پہلی جلد تقریباً تین سال قبل چھپی تھی، دوسری اب چھپی ہے۔ کیا آپ کے پاس پہلی جلد نہیں ہے؟ آپ کا جواب آنے پر دونوں جلدیں بھیج دوں گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

30/01/1968

(9)

محترمی و مکرمی۔ آداب۔

گرامی نامہ ملا، اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ مضمون کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں، لیکن جناب آپ نے پھر بھی ''کسر'' رہنے دی۔ آپ نے ہزار تبدیلیاں کی ہوں، مگر لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ چھپا ہوا مضمون ہے۔ اِسے میں قومی زبان میں چھاپوں گا۔ اُردو کے لیے میرا تقاضا بدستور رہے گا، ورنہ میں یہ سمجھوں گا کہ آپ نہیں چاہتے کہ اُردو کا معیار اُونچا ہو۔

آپ ''رشحاتِ صفیر'' کو ایڈٹ کیوں نہیں کر ڈالتے، یہ عمدہ کتاب بالکل نایاب ہے۔ اشاعت کا انتظام میں کرادوں گا۔

مولوی صاحب کے خط کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ میں اِس کا عکس قومی زبان کے عبدالحق نمبر [میں] شائع کر دوں گا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر اِس کے ساتھ آپ کچھ تمہیدی سطور لکھ دیتے، اِس طرح آپ کا ایک مضمون بھی نمبر میں شامل ہو جاتا!

اُردو مخطوطات کی دونوں جلدیں حسبِ ارشاد ارسال ہیں، عروس الاذکار[9] اور اِشاریہ اُردو کی طباعت ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ شائع ہوتے ہی بھیج دوں گا۔ تذکرہ ہمیشہ بہار کے بعض اجزا کی طباعت ابھی باقی ہے۔ کتابوں کے سلسلے میں آپ کسی تکلف سے کام نہ لیں۔ اگر اِتنی دُور بیٹھ کر میں آپ کے کسی کام آسکوں تو یہ میری بڑی خوش نصیبی ہوگی۔

''نوائے ادب'' ایک عرصے سے نہیں آرہا، آج ہی اُنھیں خط لکھ رہا ہوں۔

''پائے تمکین'' کو جنبش ضرور دیجیے۔ کوئی کام بعد از وقت نہیں ہوتا، اپنے وقت پر ہی ہوتا ہے۔ جہاں میرے جیسے نیاز مند موجود ہوں، وہاں سوچنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکے گا، اُس کے لیے حاضر ہوں۔ اطمینان رکھیے۔ کوئی نہ کوئی اچھی صورت نکل ہی آئے گی۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
22/04/1968

(10)

محترمی و مکرمی۔ آداب۔

گرامی نامہ ملا، اور مقالہ بھی، ممنون ہوں۔ مقالہ بروقت ملا۔ ابھی جولائی کے شمارے میں کچھ گنجائش ہے، لہٰذا اِسے شامل کر رہا ہوں۔

فہرست مخطوطات کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ میں نے نہایت غور سے پڑھا۔ آپ کے اعتراضات بالکل درست ہیں۔ دراصل یہ نتیجہ اُس اعتماد کا ہے جو میں اپنے رفیقانِ کار پر رکھتا ہوں۔ انجمن میں کام بہت زیادہ ہے، عملہ کم۔ فہرست کا کام افسر امروہوی صاحب کے ذمے ہے۔ موصوف پرانے بزرگ ہیں۔ تذکروں وغیرہ پر اچھی نظر رکھتے ہیں۔ انجمن کے کتب خانۂ خاص میں کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اِس میں بیٹھ کر کام کرنے والا (اگر دیانت دار ہو تو)

غلطی کم ہی کرتا ہے، لیکن افسر صاحب نے بڑھاپے میں شادی بھی رچالی ہے۔ اِس لیے وہ ''تحقیق'' سے زیادہ ''تخلیق'' کے لیے کوشاں ہیں۔ اب تک جو ہوا سو ہوا، اب اِن شاء اللہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ تیسری جلد جو اُنھوں نے لکھی ہے، اُس کو خوب دیکھ کر پریس کے حوالے کیا جائے گا۔

معاف کیجیے گا میں نے اُوپر کی تحریر میں بے شمار ''ھمزہ'' استعمال کر ڈالے۔ انجمن کے رسالوں میں املا کی بے احتیاطی مجھے بھی کھٹکتی ہے، لیکن کیا کروں، یہ بے احتیاطی خود مجھ میں ہے، اصلاح کا طالب ہوں۔ آپ ایسا کیجیے کہ ایسے الفاظ کی، جن کی املا غلط ہوتی ہے، ایک فہرست بنا کر بھیج دیجیے۔ میں اُس پر عمل کروں گا۔

آپ کے جاننے والے یہاں بہت سے لوگ ہیں۔ اکثر آپ کا ذکر رہتا ہے اور ہاں میرے بارے میں آپ نے جو پوچھا ہے تو عرض ہے کہ ابھی تو صرف بیوی حاصل ہوئی ہے[1] ذرا اُس سے عہدہ برآ ہولوں تو بچوں کی بھی فکر کروں گا۔ آپ کبھی اس طرف بھی تو آیئے، آپ سے ملنے کو جی بہت چاہتا ہے۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

06/07/1968

(11)

محترمی و مکرمی۔ آداب

اُردو کے غالب نمبر کے سلسلے میں ایک خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے ملا ہوگا۔ آپ ہی جیسے کرم فرماؤں کے سہارے پر یہ نمبر نکالنے کا ارادہ کیا ہے۔ توجہ فرمایئے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

09/12/1968

(12)

محترمی و مکرمی۔ آداب

رجسٹری خط ملا۔ ممنون ہوں۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کو اُردو نہیں ملا۔ آپ یقین کریں کہ یہ ایک نااہل کارکن کی کارستانی ہے۔ جن صاحب کے ذمے ڈاک کا انتظام ہے، وہ

بدانتظامی کے ماہر ہیں۔ اُن کی وجہ سے آپ ہی سے نہیں، اور بھی بہت سے کرم فرماؤں سے شرمندگی اٹھانی پڑی ہے۔ اب انتظام بہتر ہو گیا ہے۔ ان شاءاللہ آیندہ آپ کو شکایت نہ ہوگی۔ اِس دوران میں میں نے آپ کو کئی خط لکھے، کیا یہ آپ کو نہیں ملے؟

میں نے گزارش کی تھی کہ اُردو کے غالب نمبر کے لیے کوئی مقالہ عنایت فرمائیے، میرے لیے خاص طور پر وقت نکال کر یہ زحمت گوارا کیجیے۔ اگر آپ کا مقالہ جنوری کے پہلے ہفتے تک مل جائے تو میری بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
14/12/1968

(13)

17/01/1974

محترمی و مکرمی۔ آداب

ایک عرصے کے بعد حاضرِ خدمت ہو رہا ہوں۔ اِس دوران میں آپ یاد آئے اور اکثر یاد آئے۔ حالات میں کچھ ایسا انقلاب آیا ہے کہ اب سارا کاروبار یادوں ہی کے سہارے چل رہا ہے۔ اب ایک ذریعہ ملا ہے تو خط لکھ رہا ہوں۔ اپنے حالات سے مفصل طور پر آگاہ فرمائیے۔ میں خیریت سے ہوں۔ گذشتہ نومبر سے انجمن ترقی اُردو سے قطع تعلق کر چکا ہوں۔ اب خلوت میں انجمن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں وقت بہت صرف ہوتا تھا، اور اپنی دل چسپی کے کاموں کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی۔ اب میں آزاد ہوں، اور اپنی دل چسپی کے کاموں میں مصروف رہتا ہوں۔

دہلی کے بہت سے لوگوں سے خط و کتابت تھی۔ ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، مولانا امداد صابری،[11] نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر سلامت اللہ،[12] عبداللطیف اعظمی،[13] تو بہت کرم ہو گا۔ ان کی کتابوں میں راجیند رناتھ شیدا،[14] تنویر احمد علوی، ظل عباس عباسی،[15] ور بہت سے دوسرے۔ خدا کرے آپ اور یہ سب لوگ خیریت سے ہوں۔ مذکورہ حضرات تک اگر آپ میرا سلام پہنچا سکیں۔ میرا مستقل پتا اِس خط کی پیشانی پر لکھا ہے۔ جواب آپ ذیل کے پتے پر ارسال فرمائیے۔ معرفت نسیم احمد دانی صاحب

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

☆(14)

3۔ڈی 26/9 ناظم آباد کراچی-18

محترمی ومکرمی۔آداب

مولانا ماہر القادری صاحب نے بتایا ہے کہ آپ نے اُنھیں خط لکھا ہے، اور میرا پتا پوچھا ہے۔حیرت ہے کہ آپ کو میرے دو خط نہیں ملے۔ان میں سے ایک میں نے سعودی عرب کے راستے بھجوایا تھا، اور دوسرا 16 اکتوبر کو لکھا تھا۔ڈاکٹر تنویر علوی اور بعض دوسرے لوگوں کے نام کے خطوں میں آپ کو سلام بھی لکھا تھا۔شاید اُن لوگوں نے بھی آپ تک سلام پہنچانے کی زحمت نہیں کی۔

میں خیریت سے ہوں۔گذشتہ سال نومبر میں انجمن سے قطع تعلق کر لیا تھا۔سبب یہ ہے کہ وہاں انتظامی امور کچھ اتنے زیادہ تھے کہ لکھنے پڑھنے کے کاموں کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔اب میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہوں اور اپنی دل چسپی کے کام کرتا ہوں جن میں سرِ فہرست پاکستان کے تمام اُردو مخطوطات کی وضاحتی فہرست کا کام ہے۔ یہ فہرست کئی جلدوں میں ہوگی۔پہلی جلد جون 1975 تک چھپ جائے گی۔ یہ مرکزی اُردو بورڈ لاہور کا ایک منصوبہ ہے جس پر میں تنہا کام کر رہا ہوں۔اِسی کام کے دوران ''عمدہ منتخبہ'' کا وہ نسخہ بھی نظر سے گزرا جس پر مصنف کے قلم سے حواشی ہیں۔بعض دُوسرے کام بھی پیشِ نظر ہیں مثلاً خوش معرکہ زیبا (جس کے متن کی دونوں جلدیں شائع کرا چکا ہوں) کی تیسری جلد جو تعلیقات وحواشی[16] پر مشتمل ہے، چھپ رہی ہے۔شعرائے فارسی کے دو تذکروں گلشنِ مشتاق اور خازن الشعرا پر بھی کام تقریباً ختم کر چکا ہوں۔

اپنی علمی مصروفیات کا حال تفصیل سے لکھیے۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

ہاں ایک زحمت! کیا یہ ممکن ہوگا کہ آپ اپنے ہاں سے کتب فروشوں کی کچھ فہرستیں بھجوا دیں! تاکہ یہ تو معلوم ہو کہ وہاں کیا کچھ چھپا ہے؟

آپ کا[17]

(15)

III D- 9/26
Nazimabad Karachi

محترمی ومکرمی۔آداب

گرامی نامہ ملا اور پھر کتاب ۔ اِن عنایات کا شکریہ کیسے ادا کروں ۔ میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے ۔ یہ کتاب سرسری طور پر میں نے اگست ہی میں دیکھ لی تھی ۔ میرے ایک دوست لائے تھے، مگر صرف ایک روز میرے پاس رہی تھی ۔اب اسے پڑھنا شروع کر دیا ہے، نصف کے قریب ختم کر چکا ہوں ۔آپ کی علمیت سے زیادہ اپنی جہالت کا احساس ہو رہا ہے، کیسے کیسے مفاہیم ومطالب سامنے آ رہے ہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کارنامہ ہے اور اِسے آپ ہی انجام دے سکتے تھے ۔ اِس کتاب کا یہاں خاصا چرچا ہے ۔ مولانا ماہر القادری صاحب سے ایک دن فون پر دیر تک گفتگو ہوتی رہی ۔شان الحق حقی بھی تعریف کر رہے تھے ۔غرض جس کسی نے یہ کتاب دیکھی ہے، وہ پسندیدگی کا اظہار کر رہا ہے ۔ میں اِس پر مفصل تبصرہ ان شاء اللہ ضرور لکھوں گا ۔

مجھے اِس بات کی بھی خوشی ہے کہ آپ نے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا ۔اُن کے صاحب زادے زہیر صدیقی صاحب کو یہ کتاب دکھاؤں گا ۔ وہ یقیناً خوش ہوں گے ۔زہیر صاحب، ڈاکٹر صاحب مرحوم کے خطوط کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں ۔اگر آپ اِس مجموعے کے لیے مرحوم کے خطوط اپنے توضیحی حواشی کے ساتھ بھیج سکیں تو بہت اچھا ہو ۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ناسخ پر آپ کا کام چھپ گیا ہے ۔ یہاں ناسخ کے کلام کا ایک مجموعہ ہے، جس میں فارسی کلام بھی ہے ۔ یہ نسخہ شاہانِ اودھ کے کتب خانوں میں تھا ۔نہایت خوب صورت لکھا ہوا ہے ۔اگر ضرورت ہو تو اِس کی تفصیلات بھیج دوں ۔

''خوش معرکہ زیبا'' کے متن کی دونوں جلدیں آج ہی بہ ذریعہ رجسٹری ارسالِ خدمت کر دی ہیں ۔ یہ الگ الگ پیکٹوں میں ہیں ۔ وصولی سے مطلع فرمایئے گا ۔ یہاں کی کسی بھی کتاب کی آپ کو ضرورت ہو تو لکھیے ۔ یہ خدمت انجام دے کر مجھے دِلی مسرت ہوگی ۔

آپ کے مفصل خط کا مجھے انتظار رہے گا ۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں ۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

18/01/1975

(16)

محترمی ومکرمی ۔آداب

گرامی نامہ ملا اور اِنتخابِ ناسخ بھی ۔ اس عنایت کے لیے ممنون ہوں ۔اِنتخاب کا

تعارف تو بہ ذاتِ خود ایک مستقل تصنیف ہے۔ آپ نے واقعی لکھنے کا حق ادا کیا ہے۔ ناسخ کے بارے میں بہت سی نئی باتیں سامنے آئی ہیں، خصوصاً اِصلاحِ زبان والی بحث تو اپنی مثال آپ ہے۔ اِس اِنتخاب کو دیکھ کر میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کلیاتِ ناسخ کی تدوین کا کام بھی آپ ہی کو کرنا چاہیے۔ کوئی دوسرا آپ کی طرح اِس کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اگر آپ اِس کام کو ہاتھ میں لیں تو میں یہ کر سکتا ہوں کہ کلیات کے ایک اہم نسخے کی مائیکروفلم بھیج دوں گا۔ اِس نسخے کا ذکر میں پچھلے خط میں کر چکا ہوں۔ اِس میں دیوانِ سوم کی غزلیات الگ ہیں نیز چوتھا حصہ فارسی کلام پر مشتمل ہے۔

آپ کے سابقہ گرامی نامے کا مفصل جواب دے چکا ہوں، اُمید ہے اب تک مل چکا ہو گا۔ خوش معرکہ زیبا کی دوسری جلد کا معاملہ یہ ہوا کہ میں نے دو پیکٹوں میں سے ایک پیکٹ پر پتا اپنے ہاتھ سے لکھا۔ جو صاحب ڈاک خانے لے کر گئے، اُن سے کہا کہ وہ دوسرے پیکٹ پر پتا خود نقل کر لیں۔ اُن حضرت نے خدا جانے کس دُھن میں دہلی کی بجائے لاہور لکھ دیا اور یہ پیکٹ ایک مہینے کے بعد ڈیڈ لیٹر آفس سے ہوتا ہوا یہاں واپس آ گیا۔ اب میں نے آج ہی اِسے دوبارہ پوسٹ کیا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی میں نے ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کی کتاب ''اُردو لسانیات'' بھی بھیجی ہے۔ یہ آپ کی دل چسپی کی چیز ہے۔ یہاں کی کسی کتاب کی ضرورت ہو تو بلا تکلف تحریر فرمایئے۔

آپ کی دونوں کتابوں پر تبصرہ جلد ہی لکھوں گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کو زحمت تو ہو گی، دُوسرا خط ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کو پہنچا دیجیے۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

12/04/1975

(17)

3-ڈی 9/26
ناظم آباد کراچی-18
17/12/1975

محترمی و مکرمی۔ آداب

بہت دِنوں سے میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ آخری خط آپ ہی کا آیا تھا، جس کا جواب مجھ پر واجب ہے۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ پچھلے دِنوں اچانک یہ سانحہ رُونما ہوا کہ میری والدۂ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ سانحہ ایسا جاں گداز ہے کہ اب تک دل و دماغ پریشان ہیں، کچھ سمجھ

میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔

آپ کے لیے کئی کتابیں رکھی تھیں، اِس دوران میں کتب ورسائل کا بھیجنا اور منگوانا بند ہوگیا۔ اِسی ہفتے یہ پابندی اُٹھ گئی ہےاور آپ کے ہاں سے رسالے آنے لگے ہیں۔ ذرا حواس بجا ہوں تو آپ کو کتابیں بھیجوں گا۔

مخمور سعیدی صاحب کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا تھا۔ آپ ہی کی طرح وہ بھی میرے غائبانہ کرم فرما ہیں۔ ایک عرصے تک اُن سے خط وکتابت رہی ہے۔ اُن کی شاعری کا والہ و شیدا ہوں۔ دوسرا خط اُن کے نام ہے۔ یہ آپ پڑھ لیجیے گا اور جو فرمایش میں نے کی ہے، اُس کی تکمیل کی کوشش کیجیے گا۔ باقی باتیں پھر لکھوں گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ

(18)

محترمی ومکرمی۔ سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ اِس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ جی ہاں، کتابوں، رسالوں کی ترسیل سے پابندی ہٹ گئی ہے۔ دونوں طرف سے چیزیں آ جا رہی ہیں۔ مولانا ماہرالقادری صاحب کو آپ کا خط پوسٹ کر دیا ہے۔ 10 فروری کو لاہور جا رہا ہوں۔ ان شاءاللہ وہاں سے آپ کی دِل چسپی کی کچھ کتابیں ارسال کروں گا۔

مخمور سعیدی صاحب سے میرا سلام کہیے۔ اُمید ہے میرا خط (جو آپ کے نام کے لفافے میں تھا) اُنھیں مل گیا ہوگا۔

لاہور میں میرا قیام پندرہ بیس روز رہے گا۔ لہٰذا جو کتابیں لاہور سے بھیجوں، اُن کی رسید کراچی کے پتے پر ہی ارسال فرمایئے گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
06/02/1976

(19)

محترمی ومکرمی۔ سلام مسنون

اُمید ہے میرا سابقہ خط مل گیا ہوگا۔ لاہور میں خلافِ توقع 35 روز رہا۔ وہاں آپ کے لیے کتابیں تو حاصل کر لی تھیں، لیکن پیکنگ کا انتظام نہ ہوسکا۔ اب یہاں سے یہ کتابیں بھیج رہا ہوں۔

(۱) قواعدِ اُردو، صرف از ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔
(۲) قواعدِ اُردو، نحو از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں۔
(۳) تذکیر و تانیث از احسان دانش۔

یہ تو میں نے انتخاب کیا ہے۔ اب آپ اپنی پسند کی کتابوں کے نام لکھیے۔ پاکستانی کتابوں کی فہرستیں آپ کو ایم۔ حبیب خاں صاحب اور مالک رام صاحب کے پاس مل جائیں گی۔

مخمور سعیدی صاحب کی خدمت میں آداب۔ ہاں میں نے اُن کے نام جو خط لکھا تھا، اُس کا جواب نہیں آیا۔ گوپال متل کی کتاب ''لاہور ....''[۱۸] آپ ہی بھجوا دیجیے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
23/03/1976

(20)

01/12/1976

میرے محترم۔ آداب

15 نومبر اور 26 مئی کے گرامی نامے موصول ہوئے۔ ساتھ ہی آپ کی [کذا] ارسال کردہ پانچ کتابیں بھی۔ ان ڈھیر ساری عنایات کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ کتابیں اور خط اور [کذا] لاہور سے بذریعہ رجسٹری آئے ہیں۔ ممتاز مرزا صاحبہ نے یہ کتابیں نقوش والوں کے حوالے کر دیں اور اُنھوں نے مجھے بھجوا دی [کذا]۔ یہ پیکٹ آج ہی ملا ہے۔

ان تحفوں میں سب سے بڑا تحفہ آپ کی تازہ تصنیف ہے۔ اگرچہ اس کے بعض مضامین رسالوں میں پڑھ چکا ہوں، لیکن اب دوبارہ پڑھوں گا اور ان کے بارے میں لکھوں گا بھی۔

ڈاکٹر ابواللیث کی کتاب کے بارے میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے، وہ دل چسپ بھی ہے اور عبرت خیز بھی۔ دراصل اس قسم کے مصنف طباعتی سہولتوں کی پیداوار ہیں اور اس حد تک برخود غلط ہیں کہ اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھتے ہیں۔ ان حضرت نے کچھ نصابی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ ان میں فرہنگیں بھی شامل ہیں جن میں خلا کے معنی آسمان اور سراگائے کے معنی کوڑیاں لکھے ہیں۔ ایسے لوگوں کا سختی سے محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے[۱۹] اور یہ کام آپ جیسے اہلِ علم ہی انجام دے سکتے ہیں۔ اِس لیے میری گزارش ہے کہ اس کتاب پر ایک مفصّل مضمون لکھ کر بھیجیے۔ اسے میں

یہاں چھپواؤں گا۔ آپ کا خط بھی چھپ سکتا ہے، لیکن کتاب کے سارے پہلوؤں پر بحث ہوتو بہتر ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کے جواب کا منتظر رہوں گا۔

آپ کی عنایت ہے کہ آپ میرے مجموعۂ کلام کی ''خیریت'' پوچھتے رہتے ہیں۔ اطلاعاً عرض ہے کہ یہ عنقریب شائع ہورہا ہے۔ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔

میں خیریت سے ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔ اب مخطوطات سے متعلق دوسری جلد کا کام بھی تقریباً ہوگیا ہے۔ پہلی جلد ابھی تک بعض وجوہ سے اُردو بورڈ نے شائع نہیں کی۔ توقع ہے جون 77ء سے پہلے چھپ جائے گی۔

اِس خط کے ساتھ ''مسلم شعرائے بہار''[20] کی چھے جلدیں ارسال ہیں اور اُردو کا انیس نمبر بھی۔

مجلس ترقیِ ادب کی فہرست کتب بھی بھیج رہا ہوں۔ از رہِ کرم اس میں سے اپنی دل چسپی کی کتابیں انتخاب کر کے مطلع فرمائیں تا کہ آپ کو وہی کتابیں بھیج سکوں جن کی آپ کو ضرورت ہے۔

اور ہاں صاحب، بیچارے مالک رام کے پیچھے آپ لوگ کیوں پڑ گئے۔ وہ پہلے ہی دل کے مریض ہیں اور اب جان کا روگ بھی لگ جائے گا۔ مجھے معلوم نہیں وہاں کے حالات کیا ہیں، لیکن اس ''اعزاز'' کے مستحق صرف وہی تو نہیں۔ آخر خواجہ احمد فاروقی بھی تو ہیں۔ آپ نے اُنھیں کیوں معاف کر دیا ہے۔ مالک رام پر اس کتاب میں جو اعتراضات کیے گئے، اُن میں خاصا وزن ہے، لیکن متفرق مضامین کو یک جا شائع کرنے سے یہ تاثر ملتا ہے۔ جیسے مرتب سے ان کو ذاتی مخاصمت ہو۔ اِس تاثر کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے کہ چند اور ''محققوں'' کے بارے میں بھی ایسی کتابیں شائع کی جائیں۔ یہ سلسلہ یقیناً ادب کے حق میں مفید ہوگا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر آپ کی عنایات کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

(21)

محترمی و مکرمی۔ آداب

گرامی نامہ مورخہ 18/03/77 ملا۔ اِس عنایت کے لیے ممنون ہوں۔ جب آپ کا خط ملا تو میرے پاس ایک شاہ جہاں پوری دوست بیٹھے تھے۔ آپ اُن سے واقف ضرور ہوں گے۔ مولانا ابوسلمان (ابوالکلام آزاد والے) مجھ سے پہلے اُنھوں نے آپ کا خط پڑھا، اِس بنا پر کہ شاہ جہاں پوری ہونے کے رشتے سے پہلا حق اُن کا ہے۔ پھر میں نے پڑھا اور دیر تک ہم

دونوں آپ کی باتیں کرتے رہے۔ میری طرح وہ بھی آپ کی تحریروں کے عاشق ہیں (گویہ دوسری بات ہے کہ مولانائے موصوف کے نزدیک آپ کا محض شاہ جہاں پوری ہونا بھی ارتکابِ عشق کے لیے کافی ہے) مولانا کو میں نے آپ کا وہ خط بھی پڑھوایا جو آپ نے ڈاکٹر ابواللیث کی کتاب کے بارے میں لکھا تھا۔ کہنے لگے، جو شخص ایسے عالمانہ خط لکھتا ہو، اُس سے خط و کتابت نہ کرنا ظلم ہے۔ اب وہ بہ قول خود، تحصیلِ علم کی خاطر آپ سے خط و کتابت شروع کریں گے۔

آپ نے میرے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، اُس کے لیے شکریہ کیا ادا کروں، اسے آپ کی نیک نفسی کا نتیجہ سمجھتا ہوں۔ آپ نے میرے بارے میں جو تصور قائم کیا ہے، کوشش کروں گا کہ ہمیشہ اُس پر پورا اُتروں۔

آپ نے اُردو بورڈ کے بارے میں تفصیل سے پوچھا ہے تو سنیے: اُردو بورڈ کی تعمیر ہی میں خرابی کی صورت مضمر تھی۔ اسے جوش صاحب[21] کی فرمایش پر، بہ طور اُن کے ذریعۂ روزگار قائم کیا گیا تھا۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، جوش صاحب یقیناً بڑے شاعر ہیں اور اُن کا یہ حق ہے کہ اُن کو ذریعۂ روزگار فراہم کیا جائے۔ جوش صاحب کے ایما پر بورڈ میں بعض ایسے لوگوں کو ملازم رکھا گیا جو صرف درباداری کرنا جانتے تھے۔ انھیں لوگوں نے پہلے تو جوش صاحب کو بورڈ سے نکلوایا اور اَب حقی صاحب[22] کو مجبور کر دیا کہ وہ استعفیٰ دے دیں۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ بورڈ نے جتنا کام کیا ہے، وہ علمی طور پر ڈاکٹر شوکت سبزواری مرحوم کی کوششوں کا اور عملی طور پر حقی صاحب کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اب لغت پریس جانے ہی والی تھی کہ حقی صاحب اس سے علاحدہ ہو گئے۔ اُن کی جگہ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی بیک وقت بورڈ کے سیکریٹری اور لغت کے مدیرِ اعلا مقرر ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا لغت سے جو تعلق ہے، وہ آپ کو معلوم ہے۔ موصوف کی بعض نصابی کتابوں میں فرہنگیں بھی شامل ہیں جن میں ''خلا'' کے معنی ''آسمان'' اور ''سراگائے'' کے معنی ''کوڑیاں'' لکھے ہیں۔ ڈاکٹر شوکت اور حقی صاحب نے جو کام کیا تھا، وہ اب ڈاکٹر ابواللیث کے نام سے چھپے گا۔ چلیے کسی کے نام سے چھپے، لیکن دُعا کیجیے کہ کہیں ڈاکٹر صاحب مسودے میں اپنے قلم سے اصلاحیں نہ کر دیں۔ سننے میں آیا ہے کہ لغت کی طباعت شروع ہو گئی ہے، پہلی جلد کے تقریباً سو صفحے چھپ گئے ہیں۔ جوں ہی یہ جلد مکمل ہو گی، آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا اور حسب الحکم آیندہ جلدیں بھی، اگر وہ میری زندگی میں چھپ گئیں تو بھیجتا رہوں گا۔ یہ بورڈ 58ء میں بنا تھا۔ انیس برس کے بعد پہلی جلد جس میں الف کے الفاظ ہیں، پریس بھیجی گئی ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ اُردو میں الف کے بعد بھی بہت سے حروف ہیں۔ مجھے تو شبہ ہے کہ یہ لغت کہیں الف پر ہی ختم نہ ہو جائے۔ مولوی عبدالحق کی لغتِ کبیر کی دونوں جلدیں بھی بھیجوں گا۔

شاہ حاتم کے دیوانِ قدیم کا انتخاب ضرور بھیجیے۔ میں اسے دیکھوں گا۔ میری نظر میں حاتم کا مکمل دیوانِ قدیم ہے۔اس کا دُنیا میں ایک ہی نسخہ ہےاور وہ انجمن کے کتب خانے میں ہے۔

آپ کی کتابوں پر میں ضرور لکھوں گا۔تاخیر کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ میرا علم جہاں ختم ہوتا ہے،آپ کا علم وہاں سے شروع ہوتا ہے۔ لکھتے ہوئے ڈرتا ہوں کہ اپنی جہالت پر جو پردہ ڈال رکھا ہے،کہیں وہ چاک نہ ہو جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کی کتابیں مسلسل گردش میں ہیں۔یہاں تک کہ ایک صاحب نے لاہور سے خط لکھ [کر] یہ مجھ سے منگوائی تھیں۔(حماقت یہ کہ بھیج دیں۔اُن کی سادگی دیکھیے کہ واپس کر دیں)۔اِدھر چار مہینے سے گھر کی پریشانیاں لاحق ہیں۔میری اہلیہ شدید بیمار تھیں۔اب کہیں جا کر وہ صحت یاب ہوتی نظر آرہی ہیں۔بہرحال میں ضرور لکھوں گا۔

شبنم رومانی صاحب سے کبھی کبھار ملاقات ہوتی ہے۔ البتہ وہ میرے ایک عزیز ذوالفقار مصطفیٰ صاحب کے بہت گہرے دوست ہیں۔ذوالفقار صاحب کے ذریعے اُن تک آپ کا سلام پہنچا دیا ہے۔شبنم صاحب بڑے فعال آدمی ہیں۔ایک اخبار میں ادبی کالم لکھتے ہیں،ایک اِدارہ ''اربابِ قلم'' کے نام سے بنا رکھا ہے۔مشاعروں میں خوب بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ اندازِ ترکانہ میں کمی تو کیا آتی،اضافہ ہوا ہے۔

امروز میں آپ کی کتاب پر کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔

ماہر القادری صاحب کے نام کا خط مولانا ابوسلمان صاحب کے ذریعے اُنھیں پہنچا دِیا ہے۔ مولانا ماہر کے بارے میں آپ نے دل چسپ بات لکھی ہے،مگر اب اُن کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ شاعری ضمنی چیز ہو کر رہ گئی ہے،بل کہ یہ کہنا چاہیے کہ اب شعر بھی وہ حصولِ ثواب کے لیے کہتے ہیں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
15/04/1977

(22)

3-ڈی9/26
ناظم آباد کراچی-18

محترمی و مکرمی۔آداب

بہت دِنوں سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ میں بھی سوچ رہا تھا کہ اُردو بورڈ کی ر کا لغت چھپ جائے تو لکھوں، مگر ابھی تک یہ لغت پردۂ غیب میں ہے اور اِس کے جلد ظہور پذیر ہونے کا امکان بھی نہیں ہے۔

محمد رفیق اسلم صاحب[۲۲] آپ کے شہر سے آئے ہیں۔ ویسے تو یہ خود بھی بہت اچھے ہیں، مگر اِس لیے اور بھی اچھے لگے کہ انھوں نے آپ کو دیکھا ہے، آپ سے بات کی ہے۔ آپ خود بھی تو کبھی تشریف لایئے۔ اکثر لوگ یہاں آتے رہتے ہیں، لیکن جن کے لیے آنکھیں فرشِ راہ ہیں، وہی نہیں آتے۔

رفیق صاحب کے ہاتھ اپنے ایک دوست کی کتاب 'شاہ حسین حقیقت'[۲۳] بھیج رہا ہوں۔ اگر اس پر آپ مختصر سا تبصرہ لکھ دیں تو کرم ہوگا۔ مخمور سعیدی صاحب کی خدمت میں آداب۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
20/10/1977

(23)

بندہ پرور۔ آداب

گرامی نامہ ملا۔ بے حد ممنون ہوں۔ آپ کا ہر خط علمی معلومات کا خزینہ ہوتا ہے۔ کاش آپ اِس نوعیت کے خطوط جلد جلد لکھتے رہیں اور میری معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔

میں نے جمیل جالبی صاحب کو یہ خط سنا دیا ہے۔ وہ بہت خوش ہوئے ہیں اور آپ کے ممنون ہیں۔ آپ نے جن اغلاط کی نشان دہی کی ہے، وہ اُنھوں نے نوٹ کر لی ہیں۔ آیندہ اڈیشن جو جلد ہی چھپنے والا ہے، اُس میں مناسب اصلاح کر دی جائے گی۔ جالبی صاحب کی خواہش ہے کہ آپ اُنھیں اِس کتاب کی مزید اغلاط سے آگاہ کریں تاکہ آیندہ اڈیشن آپ کی توجہات سے محروم نہ رہے۔ میری درخواست یہ ہے کہ آپ اِس کتاب پر جو کچھ لکھیں، مجھے بھیج دیں۔ کہیں چھپنے کے لیے نہ دیں۔ جالبی صاحب خاموشی سے علمی کام کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف کچھ لکھنا، اُن کی ہمت شکنی کا باعث ہوگا۔ یہ تو آپ بھی مانیں گے کہ اُن کے کاموں میں خوبیاں زیادہ ہوتی ہیں اور خامیاں کم۔

آپ کا خط ماہر القادری صاحب کو پہنچا دیا ہے۔

شاہ حسین حقیقت والی کتاب میں یقیناً بہت غلطیاں ہیں، لیکن لکھنے والا ایک نوعمر شخص ہے۔ اُس کی یہ پہلی کاوش ہے۔(ویسے وہ یہاں کا معروف افسانہ نگار ہے)۔ اُس کی حوصلہ افزائی کی خاطر آپ چند سطریں لکھ دیں تو کرم ہوگا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ آپ کے پاس ناسخ کی جو مثنوی ہے، اُسے مرتب کر کے بھیج دیجیے۔ میں اسے یہاں سے طبع کرا دوں گا۔ دراصل میں خود ایک کتابی سلسلہ ''تحقیق نامہ'' [۲۴] کے نام سے شروع کر رہا ہوں۔ اس میں قدیم غیر مطبوعہ کتابوں کے متن ہوں گے۔ پہلی جلد میں آٹھ متن ہیں۔ اگر آپ نے مثنوی بھیج دی تو نو ہو جائیں گے۔

اُردو بورڈ کی لغت ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ میں انتظار میں ہوں۔ چھپتے ہی بھیج دوں گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
13/01/1978

(24)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

ابھی ابھی عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوں۔

میں تبصرہ اِس لیے منگوانا چاہتا تھا کہ اگر اِس میں کوئی ایسی بات ہو جو جالبی صاحب کی آزردگی کا باعث ہو تو اُسے آپ کی اجازت سے تبدیل کر دیا جائے، اور وہ بھی صرف اندازِ بیان کی حد تک۔ جہاں تک مطالب کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ اُس میں تبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی میں اِس لیے چاہتا تھا کہ آپ کا طنز کبھی کبھی تیر بے پناہ بن جاتا ہے اور اِس وار کو اچھے اچھے نہیں سہہ سکتے۔

جمیل جالبی صاحب سے مجھے محبت ہی نہیں عشق ہے اور اس کا علم اُنھیں خود بھی نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جو چند اچھے آدمی دیکھے ہیں، اُن میں سے ایک وہ بھی ہیں۔ آپ یقین کیجیے کہ ایسا محنت کرنے والا کوئی دُوسرا شخص ہمارے ملک میں نہیں ہے اور کام سے عشق رکھنے والے، اُن جیسے آپ کے ملک میں بھی کم ہوں گے۔ اُنھیں دُنیا بھر کی آسایشیں میسر ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے کاموں کے سلسلے میں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھاتے ہیں۔ جب میں انجمن میں تھا تو 55 لاکھ کے اِس شہر میں وہ واحد آدمی تھے جو انجمن کے کتب خانے سے استفادہ کرتے تھے۔ بس

اِسی لیے میں نے یہ چاہا تھا کہ اُن کی دِل آزاری کا کوئی پہلو تبصرے میں نہ ہو۔ ویسے اگر اُنھیں کوئی اُن کی غلطیوں سے آگاہ کردے تو خوش ہوتے ہیں اور اپنی غلطیوں پر شرماتے نہیں، اُن کا کھلے دِل سے اعتراف کر لیتے ہیں۔ میں نے اُن کی قدیم اُردو کی لغت پر اپنے ایک تبصرے میں بہت سے اعتراضات کیے تھے اور یہ تبصرہ اُنھوں نے خود اپنے رسالے میں شائع کیا تھا۔[۲۵]

اب تو تبصرہ چھپنے کو جا ہی چکا۔ چھپنا تو اسے ضرور چاہیے۔ رہی یہ بات کہ آپ مجھے نہیں بھیج سکے تو ظاہر ہے کہ اب یہ آپ کے بس کی بات نہیں تھی۔ اِس کا مجھے کوئی ملال نہیں، بل کہ اِس بات کی خوشی ہے کہ آپ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ جس شخص کو آپ جیسا محبت کرنے والا مل جائے، اُسے اور کیا چاہیے۔ اب آپ یہ کیجیے کہ جب یہ تبصرہ شائع ہو تو اس کا تراشہ مجھے فوراً بھجوا دیجیے۔

اُردو بورڈ کی ڈکشنری کی پہلی جلد چھپ گئی ہے۔ جلد سازی میں ہے۔ میں یہ عنقریب حاصل کر کے بھیجوں گا، لیکن کسی آنے جانے والے کے ہاتھ۔ یہ خاصی ضخیم ہے۔ ڈاک میں لازماً ضائع ہو جائے گی۔ اگر کوئی آپ کے ہاں سے آ رہا ہو تو اُسے میرا پتا دے دیجیے۔ میرا فون نمبر 610648 ہے۔ جو صاحب آئیں، مجھ سے فون پر رابطہ قائم کریں۔ میں ڈکشنری اُنھیں پہنچا دوں گا۔

ہاں جناب، ایک زحمت یہ دینا چاہتا ہوں کہ مکتبۂ جامعہ نے آپ کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اُن میں سے صرف ایک (انتخابِ ناسخ) میرے پاس ہے۔ باقی کتابیں بھی میرے پاس ہونی چاہئیں۔ کم از کم ایک شخص تو یہاں ایسا ہو جس کے پاس آپ کی ساری کتابیں ہوں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
06/04/1978

(25)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

میں خط لکھنے ہی والا تھا کہ محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کا فون آ گیا۔ اب یہ خط انھیں کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔

مولانا ماہر کا انتقال واقعی بہت بڑا سانحہ ہے۔ مرحوم سے ملاقاتیں تو کم ہوتی تھیں، مگر فون پر بات ہوتی رہتی تھی۔ آپ کے بڑے مدّاح تھے۔ آپ کی کتاب ''اُردو املا'' جب آئی تھی، تو دیر تک اِس کتاب کی اور مصنف کی خوبیوں پر بات کرتے رہے۔ اُن کے بھائی کا نام مسرور حسین

ہے۔ پتا وہی فاران کا۔ بہتر ہوگا کہ آپ اُنھیں تعزیتی خط لکھنے کے ساتھ ایک مختصر سی تحریر مجھے بھی بھیج دیجیے۔ میں یہاں اسے کسی اخبار میں چھپوادوں گا۔

اُردو لغت کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی اشاعت معرضِ التوا میں ہے۔ اس میں ہزاروں غلطیاں ہیں جن میں سے 297 غلطیوں کو ہاتھ سے درست کیا جا رہا ہے۔ پانچ ہزار سے زائد نسخوں کی اتنی غلطیاں درست کرنے کے لیے ایک عمر درکار ہے۔ یہ لغت یہاں بھی ابھی کسی نے نہیں دیکھی۔ میں نے آپ کے لیے، مالک رام صاحب کے لیے اور اپنے لیے تین نسخوں کا آرڈر بک کرا رکھا ہے۔ جوں ہی یہ لغت مل گئی، بھیج دوں گا۔

محترمہ ممتاز صاحبہ سے کل ملاقات ہوگی۔ اِس خط کے ساتھ اُنھیں چند کتابیں بھی دے رہا ہوں۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
13/06/1978

(26)

محترمی و مکرمی۔ آداب

کچھ عرصہ ہوا محترمہ ممتاز مرزا صاحبہ کا فون آیا تھا کہ وہ آپ کا ایک خط میرے نام لے کر آئی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میں خود حاضر ہو کر لے لوں گا۔ پھر ایک کام سے مجھے نواب شاہ جانا پڑا۔ واپس آکر محترمہ کو فون کیا تو معلوم ہوا کہ وہ واپس جا چکی ہیں۔ اِس طرح آپ کا خط مجھ تک نہ پہنچ سکا۔ معلوم نہیں آپ نے کیا لکھا تھا؟

فرمان صاحب سے معلوم ہوا تھا کہ آپ حافظ محمود شیرانی کے صد سالہ یومِ پیدائش کے سلسلے میں پاکستان آرہے ہیں، لیکن یہ اطلاع بھی افواہ ثابت ہوئی۔

ایک دِل چسپ واقعہ سنیے۔ میں ریڈیو کم ہی سنتا ہوں۔ ایک دِن اُردو سروس سننے کے لیے ریڈیو کھولا تو اُردو بورڈ کی لغت پر تبصرہ نشر ہو رہا تھا۔ آواز سے تو نہیں، تبصرے کے انداز سے سمجھ گیا کہ یہ آپ ہی ہیں۔ اناؤنسر نے آپ کا نام لیا تو بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کی آواز سن لی۔ آپ کو پڑھ لیا، سن لیا، اب دیکھنا باقی رہ گیا ہے۔ دیکھیے یہ آرزو کب پوری ہوتی ہے۔

میں گذشتہ چھے ماہ سے ایک ''غیر تحقیقی'' کام میں مصروف تھا۔ ''تخلیقی ادب'' کی پہلی دو جلدیں پریس میں ہیں۔ آٹھ دس دِن میں چھپ جائیں گی۔ ان شاء اللہ ارسالِ خدمت کروں

گا۔ دونوں جلدوں کے بارہ سوصفحات ہیں۔ اِسی سے اندازہ کر لیجیے کہ کتنی محنت کی ہوگی۔ ویسے محنت کا اندازہ ان کو دیکھ کر ہی ہوگا۔

ہاں مذکورہ تبصرہ میں نے پورا نہیں سنا۔ آخری حصہ سنا تھا۔ کیا آپ اِس کی نقل عنایت کریں گے؟

بہت دنوں سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ اب آپ اپنے حالات مفصل لکھیے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
02/11/78

(27)

جنابِ والا!

آخر ایسی بھی کیا بے اعتنائی، تغافل کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ آپ نے لکھا تھا کہ جمیل جالبی کی تاریخِ ادب پر تبصرہ آپ سب سے پہلے مجھے بھیجیں گے۔ سنا ہے اِس تبصرے کو چھپے ہوئے بھی ایک مدت ہو چکی ہے۔

میں نے ''ابیات''[۲۶] کے تین نسخے آپ کی خدمت میں بھیجے تھے۔ ایک آپ کے لیے اور دو اُن لوگوں کے لیے جن کے اُن پر نام لکھے تھے۔ کسی کو بھی توفیق نہ ہوئی کہ ان کی رسید ہی بھیج دیتا۔ باقی دو سے تو کوئی شکایت نہیں، لیکن آپ سے ہے۔

آپ کا خط آئے تو اِس خاموشی کا سبب معلوم ہو۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
28/11/78

(28)

محترمی و مکرمی۔ آداب

محترمہ ممتاز مرزا کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ آپ کے صاحب زادے کی طبیعت خراب ہے۔ انھیں دنوں آپ کی تازہ تصنیف بھی ملی تھی۔ میں نے صاحب زادے کی خیریت طلبی کے لیے

خط لکھا تھا اور اسی میں کتاب کی وصولی کی اطلاع دی تھی۔ چوں کہ آپ کی طرف سے کوئی خط نہیں آیا، اِس لیے پریشانی ہے۔ خدا کرے آپ کے صاحب زادے اب تک بالکل صحت یاب ہو چکے ہوں۔

آپ کی نئی کتاب، آپ کی پچھلی کتابوں کی طرح فکر و نظر کو نئے راستے دکھاتی ہے۔ تاریخِ ادب پر آپ کے مقالے کو دیکھنے کا شدید اشتیاق تھا۔ آپ کا تبصرہ عالمانہ اور منصفانہ ہے اور اِس کا خود جمیل جالبی صاحب کو اعتراف ہے۔ اب ایسا ہی تبصرہ میری کتاب ''جائزہ مخطوطاتِ اُردو'' پر بھی لکھیے گا جو آیندہ ماہ آپ کو ملے گی۔

تعریف کرنے والے تو مجھے بہت مل جائیں گے لیکن مجھے میری غلطیوں سے آپ ہی آگاہ کر سکتے ہیں۔

محترمہ ممتاز مرزا کو سات رنگ کے جس شمارے کی ضرورت ہے، وہ تلاش کر رہا ہوں۔ عنقریب بھیج دوں گا۔ ازرہِ کرم اُنھیں بتا دیجیے گا۔ خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

22/02/1979

(29)

محترمی و مکرمی۔ آداب

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔ اِس انتظار میں تھا کہ رباؔب صاحب سے ملاقات ہو جائے تو لکھوں۔ یہ حضرت مہینوں سے یہاں مقیم ہیں، لیکن مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا۔ مجھے کسی سے اُن کے آنے کا علم بھی نہیں ہوا، ورنہ میں خود اُن سے ملتا۔ اب نہ جانے اُن کے جی میں کیا آئی کہ ایک دن تشریف لے آئے۔ شاید اِس خیال سے کہ واپسی پر آپ سے کہہ سکیں کہ میں آپ کے نیاز مند سے مل آیا ہوں۔ بہت دیر اُن سے باتیں رہیں۔ آپ ہی کا ذکر ہوتا رہا۔ اِس کے دو تین روز بعد میں نے اُنھیں بلایا۔ پھر دیر تک آپ کا ذکر رہا۔ بہرحال رباب صاحب بہت مزے کے آدمی نکلے، لیکن ستم گر بھی کہ ملاقات کی بھی تو اُس وقت جب وہ واپس جانے والے ہیں۔ میں نے ترقی اُردو بورڈ کی لغت اُن کے حوالے کر دی ہے۔ خدا کرے یہ بہ حفاظت آپ تک پہنچ جائے۔ میری کتاب بھی آج کل میں آنے ہی والی ہے۔ وہ بھی اُن کے حوالے کر دوں گا۔

مولانا ابوسلمان صاحب کی کتاب آپ کو پسند نہیں آئی۔ آپ اُنھیں مفصل خط لکھیے۔ وہ آپ کی رائے سے ہرگز آزردہ نہیں ہوں گے۔ مولانا کو آپ کے خط کا انتظار ہے۔ وہ بہت اچھے

آدمی ہیں۔ اُن کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ چالیس کے قریب ہوں گے، لیکن داڑھی اس لیے رکھ چھوڑی ہے کہ علما میں شمار ہو۔ اُن میں بہت خوبیاں ہیں، لیکن خامی ایک ہی ہے۔ بہت زیادہ لکھتے ہیں۔ پندرہ بیس کتابوں اور بلا مبالغہ ہزاروں مضامین کے مصنف ہیں۔ ''چٹان'' کے ہر شمارے میں اُن کے ایک دو مضمون اصلی اور فرضی ناموں سے ہوتے ہیں۔ یہ نام ابوسلمان بھی فرضی ہے۔ اصلی نام تصدق حسین خاں ہے۔ اچھا خاصا نام چھوڑ کر ابوسلمان ہو گئے۔ یہ ابوالکلام کا اثر ہے جن کے وہ عاشق ہیں۔ اُمید ہے اب آپ کے صاحب زادے خیریت سے ہوں گے۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

21/04/1979

(30)

مکرمی و محترمی۔ آداب

21 اپریل کو ایک خط لکھا تھا جس میں رباب رشیدی صاحب سے دو ملاقاتوں کا حال بیان کیا تھا۔ اس کے بعد موصوف پھر غائب ہو گئے۔ کل فون آیا تھا۔ پرسوں ملاقات ہوگی تو ''جائزہ مخطوطاتِ اُردو''[۲۸] اُن کے حوالے کر دوں گا۔ اِس سے پہلے اُردو بورڈ کی لغت اُنھیں دے چکا ہوں۔ اور کسی کتاب کی ضرورت ہو تو مطلع فرمائیے۔

میں اُس دِن کا بے چینی سے انتظار کر رہا ہوں، جب ''جائزہ مخطوطات'' آپ کے ہاتھ میں ہوگی۔ میری دُعا ہے کہ رباب رشیدی صاحب یہاں سے جلد چلے جائیں تا کہ کتاب آپ تک جلد پہنچ جائے۔ رباب صاحب کے یہاں قیام کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ کسی سے ملتے ہی نہیں۔ سارا دِن گھر میں قید رہتے ہیں۔ ہاں تو حسبِ وعدہ مذکورہ کتاب کی غلطیوں سے آپ مجھے آگاہ کریں گے۔ یہ کام جو میں نے اپنے ذمے لیا ہے، اکیلے آدمی کے بس کا نہیں، مگر میری بساط پر نہ جائیے، حوصلے کی داد دیجیے۔

ابیات کے بارے میں آپ کے تاثرات معلوم نہ ہو سکے۔ آپ فرماتے ہیں، خط لکھا تھا۔ افسوس کہ یہ قیمتی خط مجھ تک نہیں پہنچا۔

اُمید ہے کہ صاحب زادے اب پوری طرح صحت یاب ہو چکے ہوں گے۔

اب تو وہاں کے لوگ یہاں اکثر آتے رہتے ہیں۔ آپ بھی آئیے نا! آپ کو دیکھنے اور باتیں کرنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ مثنوی ناسخ کا بہت بہت شکریہ۔ اس کو بھیجنے کی آپ ہی کوئی

صورت نکالیے۔ کسی پچھلے خط میں آپ نے فقہ ہندی کا ذکر کیا تھا۔ یہ رسالہ میں نے اُردو میں کوئی بیس برس پہلے شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ [۲۹] نے مرتب کیا تھا۔ 58 کی جلد اگر آپ کے پاس ہو تو یہ اُس میں ملے گا۔ خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

30/06/1979

(31)

محترمی و مکرمی۔ آداب

اِس سے پہلے دو خط لکھ چکا ہوں۔ اُمید ہے مل ہوں گے۔ رباب رشیدی صاحب 22 کو روانہ ہو رہے ہیں۔ آج شام اُن سے ملاقات ہو گی اور '' جائزہ مخطوطات'' اُن کے حوالے کر دوں گا۔ یہ خط بھی اُنھیں کو دے رہا ہوں۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جائزے کو آپ دشمن کی نظر سے دیکھیے۔ ہر طرح کی اغلاط پر نشان لگاتے چلے جایئے اور پھر مجھے مطلع فرمایئے۔

اُردو بورڈ کی لغت میں پہلے ہی ربابؔ صاحب کے حوالے کر چکا ہوں۔

رباب صاحب کے بارے میں ایک لطیفہ بھی سن لیجیے۔ اُن کے اعزاز میں میں نے کچھ دوستوں کو غریب خانے پر بلایا۔ پندرہ بیس حضرات تشریف لائے، لیکن ربابؔ صاحب ہی نے صورت نہ دکھائی۔ خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

17/07/1979

(32)

محترمی و مکرمی۔ آداب

ایک مدت سے آپ کا خط نہیں آیا۔

رباب رشیدی صاحب کے ذریعے کتابیں بھیجی تھیں۔ اُن کی رسید بھی نہیں آئی۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو دِل اُداس ہو جاتا ہے۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص

مشفق خواجہ

21/08/79

(33)

3-ڈی 9/26
ناظم آباد کراچی-18
محترمی ومکرمی۔آداب
اپنی کتاب بھیجی۔
اُردو بورڈ کی لغت بھیجی۔
متعدد خط لکھے لیکن واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں۔ اب میں ابو خالد صاحب کو آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں تا کہ آپ کی خاموشی کا سبب معلوم کر کے آئیں۔
ابو خالد صاحب اُردو کے افسانوی ادب پر کام کر رہے ہیں۔آپ ان سے مل کر خوش ہوں گے۔
ڈاکٹر وحید قریشی نے ''مجلۂ تحقیق'' جاری کیا ہے۔اِس کے پہلے دو شمارے اُنھوں نے آپ کے لیے بھیجے ہیں۔اُنھیں رسید ذیل کے پتے پر بھیج دیجیے:
269-این،سمن آباد۔کراچی ۳۰
ویسے آپ نے مجھے کون سی ''رسیدیں'' بھیجی ہیں جو آپ اُن کو بھیجیں گے۔
خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
13/11/79

(34)

محترمی ومکرمی۔آداب
گرامی نامہ ملا۔غم گساری کے اِن جذبات کے لیے تہِ دل سے ممنون ہوں۔ یہ غم زندگی بھر کا ہے۔خدا کی مرضی کے سامنے انسان بے بس ہے۔
آپ کو کئی کتابیں بھیجیں۔اُردو بورڈ کی لغت اور نہ جانے کیا کیا۔کئی خط لکھے۔زبانی پیغام بھجوائے،لیکن حیرت ہے آپ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔بس میں نے سوچ لیا تھا کہ آپ کو کبھی خط نہیں لکھوں گا۔جب تک آپ مفصّل خط نہیں لکھیں گے،میری ناراضگی دور نہیں ہوگی اور ہاں یہ بھی لکھیے کہ کون کون سی کتابیں آپ کو مل چکی ہیں۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔
آپ کا مخلص

مشفق خواجہ
13/03/80

(35)

محترمی ومکرمی۔آداب

غالب ایوارڈ ملنے پر میری طرف سے دِلی مبارک قبول کیجیے۔آپ کے تعلق سے کسی اچھی خبر کا ملنا دِلی مسرت کا باعث ہوتا ہے۔سو میں اِن دِنوں بہت خوش ہوں۔

ایک خط پچھلے دِنوں لکھا تھا،اُمید ہے ملا ہوگا۔

27 دسمبر کی ڈاک سے ایک رجسٹرڈ پیکٹ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔اس میں ''تخلیقی ادب'' نام کی دو کتابیں ہیں۔یہ ایک رسالہ نما کتابی سلسلہ ہے جو میں نے جاری کیا ہے۔اِن کتابوں کی وصولی سے مطلع فرمائیے۔اگر آپ نے فوری طور پر رسید سے نہ نوازا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ضائع گئی۔

آپ کے نام کے پیکٹ میں دونوں کتابوں کا ایک ایک زائد نسخہ بھی ہے۔یہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب[31] کے لیے ہے۔از رَہِ کرم اُن کو بھجوا دیجیے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
30/12/80

(36)

محترمی ومکرمی۔آداب

ڈاکٹر تنویر علوی صاحب نے آپ کا گرامی نامہ عنایت کیا۔دِلّی کی یہی سب سے خوب صورت سوغات وہ لائے تھے۔ورنہ آپ تو اب اِس حد تک کوتاہ قلم ہو گئے ہیں کہ کسی کتاب کی وصولی کی اطلاع دینے کا بھی موقع نہیں ملتا۔دسمبر کے آخری دنوں میں ''تخلیقی ادب'' کی دو جلدیں بھیجی تھیں جو آپ کو لازماً 3/4 جنوری تک مل گئی ہوں گی۔پیکٹ میں دو جلدیں شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے لیے بھی تھیں جو 15 جنوری تک اُن کو نہیں ملیں۔میں نے اُنھیں خط بھی لکھا تھا۔اُن کے جواب سے صورتِ حال واضح ہوئی۔میں کسی بات سے کوئی اثر نہیں لیتا،لیکن یہ بات بڑی تکلیف پہنچاتی ہے کہ کسی کو محبت سے کوئی کتاب بھیجی جائے تو وہ رسید تک نہ دے۔اور پھر وہ

بھی آپ جیسا شخص جو اِس قدر قریب ہو۔

آپ کی تشریف آوری کی اطلاع دِلی مسرت کا باعث ہے۔ میں تو سالہا سال سے چشم براہ ہوں۔ خدا جانے وہ دِن کب آئے گا کہ آپ اِدھر کا رُخ کریں گے۔

لغت کی دوسری جلد کی فروخت ابھی شروع نہیں ہوئی۔ اُردو بورڈ کے دفتر میں فون کرتا رہتا ہوں، جونہی فروخت شروع ہونے کی اطلاع ملی، آپ کے لیے ایک نسخہ حاصل کرلوں گا۔

علوی صاحب تو بہت مزے کے آدمی نکلے۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ذوق کی طرح خشک ہوں گے، لیکن وہ تو اچھے خاصے صاحبِ ذوق نکلے۔ اُن کے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا۔ آج کل وہ اسلام آباد میں تشریف فرما ہیں۔

لغت کی پہلی جلد پر آپ کے تبصرے کا انتظار ہے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیراندیش
مشفق خواجہ
09/01/81

(37)

محترمی و مکرمی۔ آداب

یہ خط صرف اِس لیے لکھ رہا ہوں کہ کسی کا ایک بہت اچھا شعر[۳۲] سننے میں آیا ہے، سوچا آپ کو بھی سنا دوں:

وہ لوگ جن سے تری بزم میں تھے ہنگامے
گئے تو کیا تری بزمِ خیال سے بھی گئے

خیراندیش
مشفق خواجہ
19/07/82

(38)

محترمی و مکرمی۔ آداب

ابھی ابھی آپ کا یک سطری گرامی نامہ ملا۔ ایک خط پرسوں مولانا ابوسلمان صاحب نے دیا تھا۔ اس سے پہلے کوئی خط نہیں ملا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کے خط کا جواب نہ دوں۔

میں تو جواب کی توقع کے بغیر بھی آپ کو خط لکھتا رہتا ہوں۔ آپ نے جائزہ مخطوطات پر جو تبصرہ لکھا تھا، اُس کے شکریے میں ایک خط لکھا تھا۔ صفیر والی کتاب پر آپ کا تبصرہ فوٹو اسٹیٹ کی صورت میں دیکھا۔ اصل رسالہ نہیں ملا۔ اس کا شکریہ اب ادا کرتا ہوں۔ یہ تبصرے لکھ کر آپ نے حوصلہ افزائی بھی کی اور عزت افزائی بھی۔

گذشتہ برس میں نے خط و کتابت ذرا کم کی۔ وجہ یہ کہ ایک ساتھ کئی کام شروع کر دِیے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی کام بھی مکمل نہ ہوا۔ پھر اِس سال خلافِ معمول دو مرتبہ لاہور جانا پڑا۔ گذشتہ 35 برسوں میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اتنا ''سفر'' کیا ہو۔

آپ سے ناراض ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ تو اُن لوگوں میں سے ہیں، جن سے میں اپنے رشتۂ نیاز مندی کو زِندگی کے سفر کا حاصل سمجھتا ہوں۔

''تخلیقی ادب'' کے دو شمارے پریس میں ہیں۔ آیندہ ماہ تک شائع ہو جائیں گے۔ اِس ''شوقِ فضول'' میں خاصا وقت ضائع ہوا۔ ''بازیافت'' کا ایک شمارہ بھی طباعت کے لیے تیار ہے۔ اور آپ ابھی سے تیار رہیے کہ اس کے اگلے شمارے کے لیے آپ کو مقالہ لکھنا ہے۔

اب آپ ایک مفصّل خط لکھیے۔ ان شاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور میں بھی باقاعدگی سے لکھتا رہوں گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
03/03/83

ازرہِ کرم منسلکہ خطوط پوسٹ کر دیجیے۔

(39)

میرے محترم۔ سلام مسنون۔

ایک عرصے سے آپ نے کوئی خط نہیں لکھا۔ پچھلے سال میں نے دو تین خط لکھے۔ جب آپ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو ہر آنے جانے والے سے آپ کا حال پوچھ کر خوش ہوتا رہا کہ آپ خیریت سے ہیں۔

تخلیقی ادب کا تیسرا شمارہ چھپ گیا ہے۔ جناب شاہد علی خان (مکتبہ جامعہ) کے نام ایک پیکٹ بھیجا ہے۔ اس میں ایک پرچہ آپ کے لیے بھی ہے۔ اِن خان صاحب سے درخواست کی ہے کہ یہ پرچہ ہمارے خان صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ مل جائے تو مطلع

فرمائیے گا۔ ویسا ہی مفصّل خط لکھیے، جیسے آپ پہلے لکھا کرتے تھے۔

میں خیریت سے ہوں۔ فقیری و گوشہ نشینی ایسی راس آئی ہے کہ 24 گھنٹوں میں صرف دو گھنٹوں کے لیے باہر نکلتا ہوں۔ چار میل کا چکر لگا کر واپس آتا ہوں۔

آپ کا خط آئے تو پھر میں بھی کچھ عرض کروں گا۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

17/01/84

(40)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون۔

10 جولائی کو ایک خط لکھا تھا، مگر شدید بارشوں کی وجہ سے اُسی دِن پوسٹ نہیں کر سکا۔ یہ خط منسلک ہے۔ پروفوں کی رسید تاخیر سے بھجوانے کی وجہ آپ اس میں پڑھ لیں گے اور میری ''بے گناہی'' واضح ہو جائے گی۔

خاں صاحب قبلہ! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ خط لکھیں اور میں فوراً جواب نہ دوں۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ میں نے اِس سلسلے میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع دیا ہو۔

کراچی میں قیامت کی بارشیں ہو رہی ہیں۔ بارشوں کی وجہ سے بجلی اور بجلی کی وجہ سے پانی غائب ہے۔ یہ خط بھی موم بتی کی روشنی میں لکھ رہا ہوں۔

کلّیاتِ یگانہ کا آپ کو انتظار ہے، اور میں بھی چاہتا ہوں کہ یہ جلد از جلد شائع ہو جائے۔ متن مرتّب کر لیا ہے۔ اب پرانے رسائل دیکھ رہا ہوں۔ ان میں سے بھی غیر مدون کلام مل رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مقدمہ بھی لکھ رہا ہوں۔ اِن شاء اللہ اِس سال کے آخر تک یہ کتاب پریس چلی جائے گی [۳۳]۔ یگانہ نے جھگڑوں اور دِیگر فضولیات میں بہت وقت ضائع کیا، اگر وہ صرف شاعری کا ہو رہتا تو واقعی بڑا شاعر ہوتا۔ اب تو اُس کا حال یہ ہے کہ عظمت کے دروازے پر دستک دے کر رہ گیا ہے۔ یگانہ کے مضامین اور خطوط بھی میں نے جمع کیے ہیں۔ ان کے مجموعے بھی بڑی حد تک مکمل کر لیے ہیں۔

یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ گلزارِ نسیم کی تدوین کا کام مکمل ہو گیا۔ غرائب اللغات کی تدوین کا حق بھی آپ ہی ادا کر سکتے ہیں۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ آپ نے اِس طرف توجہ فرمائی۔

''فقہ ہندی'' بھی آپ مرتّب کر رہے تھے، یہ کام کس مرحلے میں ہے؟

اِس خط کے ساتھ چند اور خط بھی ہیں۔آپ کو زحمت تو ہوگی، ان لوگوں سے ملاقات ہو تو اُن کے حوالے کر دیجے گا یا پھر پوسٹ کر دیجے۔

یہ لفافہ احتیاطاً رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

13/07/84

(41)

محترمی و مکرمی۔سلام مسنون۔

گرامی نامہ 17 اگست مجھے کل ملا تھا۔اِس عنایت کا شکریہ۔یہ آپ سے کس نے کہہ دیا کہ میں آپ سے خوش نہیں ہوں۔آپ سے نیاز مندی کا جو رشتہ قائم کیا ہے تو وہ کوئی ایسا کمزور نہیں ہے جس میں ناراضی یا ناخوشی کی گنجایش ہو۔آپ نے میرے کسی سابقہ خط سے اگر اِس قسم کا کوئی تاثر لیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔

آپ کی تشریف آوری کی اطلاع سے جو خوشی ہوئی، وہ بیان سے باہر ہے۔مختصر یہ کہ ابھی سے انتظار شروع کر دیا ہے۔ڈاکٹر خلیق انجم نے یوں تو بڑے بڑے کام انجام دیے ہیں، لیکن آپ کو ساتھ لے آئے تو میں یہ سمجھوں گا کہ اصل کام اب کیا۔غالب کے خطوط کو مرتب کرنے والے تو اور بھی ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کو یہاں لانے کا کام وہی کر سکتے ہیں۔

آپ کی یہ بات مجھے پسند آئی کہ خالص غیر علمی گپ شپ رہے گی، البتہ ہاکی، فٹ بال وغیرہ سے مجھے اِتنی بھی مناسبت اور دِل چسپی نہیں ہے جتنی ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کو لغت نگاری سے ہے۔گھومنے پھرنے کے پروگرام میں آپ کا شریک بل کہ شریکِ غالب رہوں گا۔اگر ممکن ہو تو ٹھٹھہ کا ویزا بھی لیتے آیئے۔کراچی سے اسّی میل کے فاصلے پر اِس تاریخی شہر کی سیر سے آپ خوش ہوں گے۔امیر خسرو، طالب آملی اور سرمد کے بعد آپ کے نقشِ قدم بھی اِس شہر کی تاریخ کا حصہ بن جائیں گے۔

رہی یہ بات کہ آپ سے کتابوں کی یا کسی اور چیز کی فرمایش کروں، تو آپ کا صرف آ جانا ہی کافی ہوگا۔میرے لیے اِس سے بڑا کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا۔آپ اِس سلسلے میں تکلف نہ فرمائیں۔تذکرۂ شورش میرے پاس ہے۔باقی جن کتابوں کے آپ نے نام لکھے ہیں، وہ میں کسی نہ کسی ذریعے سے منگوا لوں گا۔یہی بہت بڑا کرم ہے کہ بعض کتابوں کی اشاعت کا علم ہو گیا۔

ہاں خلیق انجم صاحب کا خط آیا تھا کہ اُنھوں نے عالی صاحب کے ہاتھ خطوط کے کچھ نسخے بھیجے تھے۔ اُن میں میرے لیے بھی ایک نسخہ تھا لیکن جو نسخے عالی صاحب لائے، اُن میں میرے لیے نہیں تھا۔

باقی بہ وقتِ ملاقات آپ آیئے اور بہت سے دِنوں کے لیے آیئے۔ آنے جانے اور یہاں رہنے کے سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے، اُن کے لیے آپ خلیق انجم صاحب کو زحمت نہ دیجیے۔ یہ میرا حق ہے اور فرض بھی۔ بس آپ اِس طرح آیئے جیسے آپ اپنے گھر آ رہے ہوں۔

مولانا شاہ جہاں پوری صاحب کل شام تشریف لائے تھے۔ اُن کو بھی آپ کا خط مل گیا۔ وہ بھی آپ کی آمد کی اطلاع سے بہت خوش ہیں۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
28/08/84

(42)

میرے محترم خان صاحب۔ سلام مسنون

سب سے پہلے تو اِس کی معذرت کہ بہت دیر سے خط لکھ رہا ہوں، مگر جب آپ کو اِس کی وجہ معلوم ہوگی تو آپ تاخیر کو تساہل یا تغافل کا نتیجہ قرار نہیں دیں گے۔ آپ کے جاتے ہی میرے دو بھائی امریکہ اور دوبئی سے آ گئے۔ اُن دونوں کی شادی ہوئی۔ آپ اندازہ کر لیجیے کہ اِن دونوں تقریبات میں کتنا وقت صرف ہوا ہوگا۔ ایک بھائی کی شادی لاہور میں ہوئی اور دُوسرے کی حسن ابدال میں۔ پھر آمنہ کی کلائی ٹوٹ گئی۔ کالج میں سیڑھیوں سے گر گئیں۔ اب تک بازو پر پلاسٹر چڑھا ہوا ہے۔

آپ کی آمد آمد نہیں، خواب معلوم ہوتی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ آپ کے ساتھ اِتنا وقت گزرا ہے اور ایسا اچھا گزرا ہے۔ آپ پہلے دِل کے قریب تھے، اور اَب اس کے مکین ہیں۔ حالاں کہ اِس دِل میں خلیق انجم صاحب کے دِل کی طرح مَردوں کا داخلہ ممنوع ہے اور پٹھانوں کا تو خاص طور پر! مولانا ابوسلمان جب بھی ملتے ہیں، آپ کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ اور یوں ہم دونوں اکثر آپ کو یاد کرتے ہیں۔ یہاں جو شخص بھی آپ سے ملا، آپ کا گرویدہ ہو گیا، ورنہ پہلے آپ کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ خشک مزاج ہیں، مسکرانے یا ہنسنے سے پہلے دیوانِ حافظ سے فال نکالتے ہیں، کسی بات کا جواب دینے سے پہلے فرہنگِ اندراج کی ورق گردانی کرتے ہیں خدا کا

شکر ہے کہ یہ سب باتیں غلط نکلیں۔ آپ کے آنے کا ویسا ہی فائدہ ہوا جیسے کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لگانے کا فائدہ ہوتا ہے۔ لوگ غلط نامے کے مطابق کتابت کی غلطیوں کی تصحیح کر لیتے ہیں۔ آپ کے آنے سے آپ کی کتابِ شخصیت کی کتابت کی غلطیاں درست ہو گئیں۔ اب صحیح متن لوگوں کے سامنے ہے، مگر یہ ایک بار کا آنا، آنا نہیں۔ یہ تو جانے کی تمہید تھی۔ سو آپ چلے گئے۔ اب ایسا پروگرام بنائیے کہ سال میں ایک مرتبہ آپ یہاں ضرور آئیں۔

لطف اللہ خان صاحب اور ذوالفقار مصطفیٰ صاحب (میرے ہم زلف کار جو ٹھٹھہ ساتھ گئے تھے) بھی آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ خان صاحب کے ''آواز خزانے'' میں آپ سے جو بات چیت ہوئی تھی، اُسے بھی ایک مرتبہ سنا۔

آمنہ آپ کو اور آپ کی بیگم صاحبہ کو سلام لکھواتی ہیں اور بچّی کو دُعا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے قلم کیمرے کے ڈبے میں رکھا گیا تھا۔ اگر اب تک نہ ملا ہو تو مطلع فرمائیے۔ میں کسی آنے جانے والے کے ہاتھ ایک اور قلم بھیج دوں گا۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے قلم سے لکھیں تا کہ آپ کے قلم سے مالک رام صاحب کے خلاف کوئی تحریر نہ نکل سکے۔ میرا دیا ہوا قلم میرے محبوب مصنفین کے خلاف بہ طورِ آلۂ حرب وضرب استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
30/01/85

(43)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

گرامی نامہ بہ ذریعہ مولانا ابو سلمان مل گیا تھا۔ آپ نے بہت دیر میں یاد کیا، لیکن یاد کیا تو! خواتین اور خوانین سے جو بھی مل جائے غنیمت ہے۔

آپ سے باتیں تو بہت سی کرنی ہیں۔ خط کیا لکھوں، خود ہی حاضر ہو جاتا ہوں تو جناب میں اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں دہلی پہنچ رہا ہوں۔ صحیح تاریخ سے بعد میں مطلع کروں گا۔ اِس وقت تو آپ یہ فرمائیے کہ یہاں سے آپ کے لیے کیا کچھ لاؤں۔ تکلف نہ فرمائیے کہ یہ خوانین کی روایات کے خلاف ہے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ ہاں آپ کی بھابھی میرے ساتھ ہوں گی۔

آپ کا
مشفق خواجہ
07/09/85

(44)

حضرتِ من۔آداب

گرامی نامہ ملا۔ بے حد ممنون ہوں۔ اِس خیال سے ہی خوش ہو رہا ہوں کہ آپ دہلی میں میری آمد سے بے حد خوش ہیں۔ یہ دراصل ''آمد'' نہیں، ''آورد'' ہے۔ میں اپنی مرضی سے دہلی نہیں جا رہا، آپ کی کشش کھینچے لیے جا رہی ہے۔ میرا اِرادہ تو ہوٹل میں ٹھہرنے کا تھا تاکہ میں آزادی کے ساتھ گھوم پھر سکوں، مگر خلیق انجم صاحب کو یہ منظور نہیں۔ لہٰذا اُنھیں اپنی غلطی کی سزا اِسی دُنیا میں مل جائے گی یعنی میں اُن کے ساتھ ٹھہروں گا۔ ویسے تو جناب مالک رام کا حق فائق تھا، لیکن اُن کی بیماری کی وجہ سے میں نے اُنھیں زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا، لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کوچۂ رقیب میں سر کے بل نہیں جائیں گے۔ اکیلے نہ سہی، میرے ساتھ تو جانا ہی ہوگا۔

یہ بھی خوب رہی کہ میں مولانا ابوسلمان کو ساتھ لے کر آؤں۔ حضرت! اطلاعاً عرض ہے کہ میں اپنی برائیاں اور عیب یہیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ اِس لیے مولانا کو ساتھ لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہم دونوں ان شاء اللہ 25 اور 26 اکتوبر کی درمیانی شب کو رات ڈھائی بجے دہلی پہنچیں گے۔ پین ایم کی فلائٹ نمبر PA066 سے۔ ڈھائی بجے رات سے مراد ہے آپ کے مقامی وقت کے مطابق۔ یہ وقت نہایت نامناسب اور ناموزوں ہے، مگر کیا کروں، کسی اور فلائٹ سے ٹکٹ نہیں ملے۔ خلیق انجم صاحب کو میں نے الگ خط لکھ دیا ہے۔ آپ بھی تاریخ اور وقت سے اُنھیں مطلع کر دیجیے گا۔ آپ سے ان شاء اللہ 26 کو ملاقات ہوگی، البتہ خلیق انجم صاحب کا ایئرپورٹ پر آنا بہت ضروری ہے۔

معلوم نہیں دہلی میں موسم کیسا ہے۔ یہاں تو آج کل قیامت کی گرمی پڑ رہی ہے۔ جون جولائی میں بھی اِتنی گرمی نہیں پڑی تھی۔ ہندوستان میں میرا قیام 26 اکتوبر سے 26 نومبر تک ہوگا، اِس لیے مطلع فرمایئے کہ کس کس قسم کے کپڑے ساتھ لاؤں۔ میرا یہ خط آپ کو چار روز میں مل جائے گا۔ اگر اِس کے ملتے ہی آپ خط لکھ دیں تو کرم ہوگا تاکہ میں غیر ضروری کپڑے ساتھ لانے

سے بچ جاؤں۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔آمنہ سلام لکھواتی ہیں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
08/10/85

(45)

میرے محترم خان صاحب۔سلام مسنون

دہلی میں آپ کی جو عنایات ہم دونوں کے حال پر رہیں، اُن کا شکریہ تو خیر کیا ادا کروں گا، ہاں یہ دُعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو میرے حال پر اسی طرح مہربان رکھے۔آپ کے ساتھ گو کم وقت گزرا، لیکن بہت اچھا گزرا۔

17 کو مجھے آپ کے پاس آنا تھا، مگر ہوا یہ کہ میں صبح اپنی کتابیں ایر کمپنی کے حوالے کرنے کے لیے پالم گیا۔خیال تھا کہ دس بجے تک فارغ ہو جاؤں گا اور اُس کے بعد آپ کے ہاں حاضری دوں گا، مگر ضیاء الحق صاحب صدرِ پاکستان کی آمد کی وجہ سے ایرپورٹ کے تمام راستے بند تھے۔بہ دقت ایک بجے تک میں وہاں پہنچا۔کتابیں کسٹم سے کلیر کرانے میں کئی گھنٹے صرف ہوئے۔واپس جب آیا تو اندھیرا ہو چکا تھا۔دُوسرے دِن میں نے یونی ورسٹی کے ایک طالب علم کے ذریعے آپ کو صورتِ حال کی اطلاع دی تھی۔شاید وہ طالب علم آپ تک نہیں پہنچا، ورنہ آپ ضرور مجھ سے رابطہ قائم کرتے۔بہرحال اِس صورتِ حال کے لیے بے حد شرمندہ ہوں۔اِس کا افسوس ہے کہ واپسی کے وقت آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔اُمید ہے آپ اِس ''غیر ارادی کوتاہی'' کے لیے میری معذرت قبول فرمائیں گے، اور ایک دو حرفی (سہ حرفی نہیں) خط لکھ کر اِس معذرت کو قبول کرنے کا مژدہ سنائیں گے۔

مولانا ابوسلمان صاحب خیریت سے ہیں۔شاید وہ شیخ الہند سمینار میں شرکت کے لیے دہلی آئیں۔آپ کو سلام لکھوا رہے ہیں۔خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
30/12/85

(46)

ارمغانِ علمی

بہ خدمت ڈاکٹر وحید قریشی

مجلس ادارت و مشاورت

جناب احمد ندیم قاسمی (لاہور) صدر
ڈاکٹر جمیل جالبی (کراچی)
ڈاکٹر وزیر آغا (سرگودھا)
ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی)
جناب علی جواد زیدی (لکھنؤ)
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ (دہلی)
ڈاکٹر مختار الدین احمد (علی گڑھ)
ڈاکٹر خلیق انجم (دہلی)
مشفق خواجہ (کراچی)
معتمد اعزازی

زیر اہتمام: مجلس ادبیاتِ مشرق 3 ڈی۔ 9 / 6 / 2 ناظم آباد کراچی 180007-

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون۔

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔ میں نے اس کا جواب بھی لکھا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ میرا خط آپ کو نہیں ملا ہو گا۔ ہوا یہ کہ ایک صاحب علی گڑھ سے آئے۔ غیر ادبی آدمی ہیں۔ تھوڑی سی یاد اللہ تھی۔ کہنے لگے کوئی خدمت ہو تو بتایئے۔ میں نے 30-35 خط کئی دن صرف کر کے لکھے۔ ہندوستانی ٹکٹ میرے پاس موجود تھے۔ ہر لفافے پر ٹکٹ چسپاں کر کے یہ خط ان کے حوالے کیے۔ یہ حضرت وہ لے کر چلے گئے۔ ان میں سے کوئی خط کسی کو نہیں ملا۔ میری 4-5 دنوں کی محنت غارت گئی۔

آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ میری گزارش کو قبول فرمایا۔ ''ارمغان علمی'' کے لیے آپ کے مقالے کا انتظار ہے۔ توجہ فرمایئے۔ دائیں طرف ناموں کی جو فہرست ہے، ممکن ہے ان میں کوئی نام آپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو۔ س وجہ سے آپ مقالے کو روک نہ لیجے گا۔ یہ میرا اور آپ کا معاملہ ہے۔ اس لیے میری خاطر ناپسندیدہ ناموں کو بھی گوارا کر لیجے گا۔

مولانا ابوسلمان صاحب خیریت سے ہیں، لیکن پچھلے دنوں وہ ایک قیامت سے گزرے ہیں۔ وسط دسمبر میں جو فسادات ہوئے تھے، ان میں ان کا مکان اور کتب خانہ جلا دیا گیا۔ مکان دوبارہ تعمیر ہو گیا ہے، لیکن کتابوں کا جو نقصان ہوا، اس کی تلافی ممکن نہیں۔ ہفتے میں دو تین بار ملاقات ہوتی ہے۔ اس سانحے کا اثر انھوں نے نہیں لیا۔ کوئی اور اُن کی جگہ ہوتا (یا میں ہوتا) ترک دنیا کر کے ایک گوشے میں بیٹھ جاتا۔

کراچی کے مخصوص حالات کی وجہ سے 4-5 مہینے نہایت پریشانی میں گزرے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب حالات بہتر ہیں۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور آپ کو سلام لکھوا رہی ہیں اور پوچھ رہی ہیں اب کب یہاں

آنے کا ارادہ ہے۔ اپریل میں خلیق انجم صاحب آرہے ہیں۔ کیوں نہ اب کے بھی آپ انھیں کے ساتھ تشریف لائیں۔ ان سے بہتر عصائے پیری ملنا ممکن نہیں۔

آپ کے مقالے کا انتظار رہے گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔ آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

04/03/87

ضروری:

میں نے عرض کیا تھا کہ کلیات ناسخ طبع اوّل کے غلط نامے کے آخری چار صفحات کا عکس مطلوب ہے۔ میرے نسخے میں غلط نامے کے ابتدائی تین صفحے ہیں۔ باقی چار ضائع ہو چکے ہیں۔ ایک عزیز ناسخ پر کام کر رہے ہیں۔ انھیں ان صفحات کی شدید ضرورت ہے۔

(47)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

آپ لاہور اور اِسلام آباد سے ہو کر واپس چلے گئے۔ کراچی کو آپ نے اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نہیں نوازا۔ اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا تو لاہور آکر آپ سے مل لیتا۔ جب آپ اِسلام آباد میں تھے تو میں نے آپ سے فون پر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ ڈاکٹر مختار الدین صاحب سے بات ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر وحید قریشی کے ''ارمغانِ علمی'' کے لیے آپ نے مقالہ بھجوانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ میں منتظر ہوں، توجہ فرمایئے۔

یہاں کے حالات ابھی تک خراب ہیں۔ شہر کے ایک آدھ حصے میں کرفیو کا نفاذ رہتا ہے۔ اِس وجہ سے طبیعت بے کیف ہے۔ کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

مولانا ابوسلمان صاحب خیریت سے ہیں اور آپ کو یاد کرتے ہیں۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔ یہ سال اِن کے لیے بہت بھاری رہا۔ پہلے بڑے بھائی کا انتقال ہوا اور پھر والدہ کا۔ پچھلے مہینے ایک لٹیرا اُن کا پرس چھین کر بھاگ گیا جس میں 30-25 ہزار کا زیور اور کئی ہزار نقد روپے تھے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

23/10/87

(48)

محترمی ومکرمی۔ سلام مسنون

آپ کی طرف میرے کئی خطوں کا جواب واجب ہے۔

''ارمغانِ علمی''[34] کے لیے آپ نے ''عنقریب'' مقالہ ارسال فرمانے کا مژدہ سنایا تھا، کیا ہی اچھا ہوا گر آپ یہ مقالہ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے ذریعے ارسال فرمادیں۔

میں پچھلے دِنوں لاہور گیا تھا۔ سراج منیر صاحب[35] نے فرمایا ہے کہ آپ لاہور تشریف لارہے ہیں۔ کیا پچھلی مرتبہ کی طرح اب کے بھی لاہور ہی سے واپسی ہوگی اور کراچی کے نیازمندوں کو محروم رکھا جائے گا۔ مولانا ابوسلمان نے دھمکی دی ہے کہ اگر آپ اب کے کراچی تشریف نہ لائے تو وہ اپنے نام کے ساتھ ''شاہ جہاں پوری'' کا لاحقہ لکھنا چھوڑ دیں گے۔ میری طرف سے یہ دھمکی ہے کہ اِس لاحقے کو میں اپنے نام کا جزو بنالوں گا۔

آپ کا

مشفق خواجہ

01/12/87

(49)

محترم خان صاحب۔ سلام مسنون

تین روز قبل گرامی نامہ ملا تھا، آج مقالہ مل گیا۔ اِس عنایت کے [لیے] تہِ دل سے شکرگزار ہوں۔ یہ مقالہ ''ارمغانِ علمی'' میں شامل کررہا ہوں۔ اِس سے ارمغان کے وقار میں اضافہ ہوگا۔

کچھ دِن ہوئے میں نے تقاضے کا ایک خط لکھا تھا۔ اُمید ہے ملا ہوگا۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ سراج منیر سے معلوم ہوا ہے کہ آپ جنوری میں لاہور آرہے ہیں۔ پچھلی مرتبہ آپ لاہور ہی سے واپس چلے گئے تھے۔ اِس مرتبہ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

آمنہ کی والدہ اور بھائی کے انتقال پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اُس کے لیے آمنہ آپ کی شکرگزار ہیں۔

میں خیریت سے ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف۔ نئے سال میں آپ کو ان شاءاللہ میری تین کتابیں ملیں گی۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
21/12/87

(50)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون۔

پچھلے پندرہ دِن آپ کے ساتھ گزارے ہیں۔ یہ تو سنا تھا کہ ''معجزۂ فن'' کوئی چیز ہوتی ہے، ہوتی ہوگی، لیکن ''معجزۂ تحقیق'' اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ آپ نے تدوین کا معیار اِتنا اُونچا کر دیا ہے کہ اِس معیار تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ تحقیقی مضامین لکھ کر آپ محققوں کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے تھے۔ اب اُن کی مشکلات میں اضافہ کر دیا ہے۔ خدا آپ کو صحت و شادمانی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور آپ ایسے بہت سے کام انجام دیں۔

معلوم ہوا کہ آپ ملازمت سے ریٹائر ہو گئے ہیں۔ اب کیا شغل ہے۔ کن حالات میں بسر ہوتی ہے۔

میں خیریت سے ہوں اور حسبِ معمول اپنے کاموں میں مصروف۔ دو تین کتابیں طباعت کے مختلف مرحلوں میں ہیں۔ یہ چھپ جائیں تو خود حاضر ہو کر پیش کروں گا۔ دہلی سے واپس آنے کے بعد دہلی سے متعلق کتابیں پڑھیں تو اندازہ ہوا کہ ایک مہینے کے قیام کے باوجود دہلی دیکھی ہی نہیں۔ اب کے دہلی کو دیکھنے کا ارادہ ہے اور آپ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی نیت ہے تاکہ آپ کو تحقیقی کاموں سے روکا جا سکے۔ پس ماندہ اور درماندہ محققوں کے مفاد میں ایسا کرنا ضروری ہے۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
22/08/90

(51)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

جناب شاہد علی خاں صاحب نے آپ کی کتاب ''تفہیم'' عنایت کی۔ اِسے دیکھ کر خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ خوشی اِس بات کی کہ جن مقالوں سے استفادے کے لیے رسالے ڈھونڈنے پڑتے تھے، اُنھیں اس کتاب میں یک جا کر دیا گیا ہے۔ حیرت اِس پر ہوئی کہ اِس کا انتساب میرے نام ہے۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ

خوشی تو اُس وقت ہوتی جب میں ایسی عالمانہ کتاب سے نسبت کا مستحق ہوتا۔ بہر حال یہ آپ کی ادائے خاص ہے کہ اپنے نیاز مندوں کی عزت بڑھاتے ہیں۔ اِس عزت افزائی کے لیے دِل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں۔

آپ کی پوتی کا کیا حال ہے۔ خدا کرے وہ اب تک صحت یاب ہو چکی ہو۔

کلیات یگانہ ابھی شائع نہیں ہوئی۔ فی الحال تدوین کا کام مکمل ہوا ہے۔ اب طباعت کا مرحلہ آئے گا۔ ظاہر ہے کہ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔

مولانا ابوسلمان خیریت سے ہیں، اور حسبِ معمول مولانا ابوالکلام پر کتابوں کے انبار لگانے میں مصروف ہیں۔ پچھلے دنوں اُن کی بیگم علیل تھیں اور ابھی تک پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئیں۔ میں نے مولانا سے کہا: آپ ابوالکلام آزاد اور بیگم دونوں سے یکساں سلوک کر رہے ہیں۔ ایک کو کتابوں کے بوجھ سے اور دوسرے کو بچوں کے بوجھ سے ہلکان کر رہے ہیں، مگر مولانا پر ایسی باتوں کا اثر نہیں ہوتا۔

انتخابِ ناسخ پر کام ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی طبیعت ناساز ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے اُنھیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ وہ انجمن سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ اب اُن کی جگہ کوئی دُوسرا آئے گا تو کتابوں کی اشاعت کا کام آگے بڑھے گا۔

اصل بات تو رہی جاتی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ کسی اُردو اکیڈیمی نے آپ کو پچاس ہزار روپے کا انعام دیا ہے۔ بے حد خوشی ہوئی۔ ایک تو اِس کی کہ رقم آپ کو ملی، دوسرے اِس کی [کہ] کسی اکیڈیمی نے تو کوئی معقول کام کیا۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔ ہم دونوں آپ کی صحت و شادمانی کے لیے دُعا گو ہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
25/04/91

(52)

محترم خان صاحب۔تسلیمات

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا، میں اِس انتظار میں رہا کہ انتخاب ناسخ مل جائے تو خط لکھوں۔سو یہ آج تک نہیں ملا۔ایم جبیب خان صاحب کا خط آیا ہے کہ اُنھوں نے کسی کے ہاتھ بھیجا ہے۔یہ اُنھیں یاد نہیں رہا کہ وہ کون شخص تھا۔یہاں سے جتنے بھی لوگ مولوی عبدالحق سمینار میں گئے تھے، وہ سب واپس آ گئے ہیں۔ ہرایک سے پوچھا،لیکن کسی کے پاس یہ کتاب نہیں تھی۔ اگر یہ انتخاب مل گیا ہوتا تو اب تک چھپ بھی چکا ہوتا۔

یہ جان کرخوشی ہوئی کہ آپ دو مہینے کے لیے بمبئ یونی ورسٹی میں وزیٹنگ فیلو کی حیثیت سے لیکچر دے رہے ہیں۔آپ سے ملاقات کا حال ساقی فاروقی[۳۶] نے سنایا۔وہ آپ سے مل کر ایسا خوش تھا کہ بس کچھ نہ پوچھیے۔

یہ خط خالد شمس الحسن صاحب[۳۷] پوسٹ کریں گے۔ وہ25 کو ہندوستان جا رہے ہیں۔بمبئ میں بھی چند روز قیام کریں گے اور وہاں اختر الایمان صاحب[۳۸] کے دولت خانے میں مقیم ہوں گے۔آپ اُن سے قائداعظم اکیڈیمی میں مل چکے ہیں۔اکیڈیمی کے سمینار میں یہی آپ کو مدعو کریں گے۔خوشی کی بات ہے کہ آپ سے دوبارہ ملاقات کی صورت نکل رہی ہے۔

میں بمبئ میں ایک ہفتہ رہا ہوں مگر یہ شہر پسند نہیں آیا۔ڈاکٹر عبدالستار دلوی[۳۹] اور یوسف ناظم[۴۰] کی عنایت سے اگر ایلی فنٹا[۴۱] کی سیر نہ کرتا تو اِس شہر کا کوئی نقش ذہن میں محفوظ نہ رہتا۔شہر کے لوگ اچھے ہیں، مگر لوگوں سے تو کہیں بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔اصل چیز یہ ہے کہ شہر کی کوئی ایسی تہذیبی، تاریخی اور ثقافتی اہمیت ہو جو کشش کا باعث ہو۔بمبئ میں مجھے کوئی ایسی کشش محسوس نہیں ہوئی۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

22/03/92

(53)

محترمی ومکرمی۔سلام مسنون

آپ کا2 جون کا گرامی نامہ ملا۔اِس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔حیرت ہے کہ آپ کو میرا وہ خط نہیں ملا جو میں نے آپ کو انتخابِ ناسخ کی وصولی کی اطلاع میں لکھا تھا۔جس روز

مسودہ ملا تھا، اُسی روز انجمن بھجوادیا کہ اس پر کام شروع کر دیا جائے۔ اسے مشینی خطاطی میں چھاپا جائے گا۔ انجمن کے پاس خود اپنی مشین ہے۔ خط اچھا ہے۔ قومی زبان اسی خط میں چھپتا ہے۔

اب کے آپ لاہور ہی سے واپس چلے گئے، اِس کا افسوس ہے۔ گوفون پر آپ سے بات ہوگئی مگر دِل تو آشتیِ چشم وگوش چاہتا ہے۔ غالب کے شعر والی نہیں، اس کے برعکس۔ مزید افسوس اِس کا ہے کہ جس سیمینار میں آپ کو آنا تھا، وہ منسوخ ہوگیا۔

جاوید طفیل صاحب نے ''فسانہ عجائب'' بھیج دی ہے۔ ''باغ و بہار'' ابھی نہیں چھپی۔ انجمن (دہلی) سے ''باغ و بہار'' ابھی تک نہیں آئی۔ اُنھیں یاد دِلایئے۔ اِس کتاب کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہوں۔

انتخاب ناسخ کی پروف ریڈنگ (فائنل پروف) کا کام ڈاکٹر اسلم فرخی کے ذمے کیا جائے گا۔ اگر آپ خود دیکھنا چاہیں تو پروف آپ کو بھی بھیجے جاسکتے ہیں۔ انتخاب کی کمپوزنگ کا کام نئے مالی سال (جولائی) سے شروع ہوگا۔

ممکن ہے میرا پچھلا خط اب تک آپ کو مل چکا ہو، باقی باتیں تفصیل سے اُس میں لکھی ہیں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
14/06/92

(54)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

یہ عجیب اتفاق ہے کہ کوئی دو گھنٹے پہلے آپ کا گرامی نامہ ملا اور اُس کے چند لمحوں بعد مولانا ابوسلمان تشریف لے آئے۔ میں نے آپ کا خط اُن کے سامنے رکھ دِیا۔ کہنے لگے، پچھلے دنوں جب میں شدید بیمار تھا تو مایوسی کے عالم میں خان صاحب کو لکھ دیا تھا کہ شاید اب ملاقات نہ ہو۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ایسے ظالم کا کیا کرے کوئی۔ نزلہ، زکام اور بخار جیسی ''بیماریوں'' میں مبتلا ہوکر مولانا زندگی سے مایوس ہوجاتے ہیں۔ ویسے آپ کا خط پڑھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بہرحال تشویش کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ اب بالکل ٹھیک ہیں اور اپنی نواسی کی شادی کے انتظامات میں مصروف ہیں۔ 11 ستمبر کو شادی ہے۔ مولانا کی اصل ''بیماری'' اُن کا تصنیف و تالیف کا شوق ہے۔ بیک وقت تین کتابیں پریس میں ہیں۔ میں نے اُن سے بارہا کہا ہے کہ اپنی

اوراپنے قارئین کی جان پر رحم کیجیے، مگر وہ نہیں مانتے۔ خدا اُنھیں خوش رکھے کہ اُن کا دم غنیمت ہے
!

آپ کا ایک خط چند روز پہلے بھی ملا تھا۔ میں انتظار کررہا تھا کہ باغ و بہار مل جائے تو خط لکھوں۔ کوئی دس دِن ہوئے جاوید صاحب نے یہ کتاب بھیج دی۔ خط نہ لکھنے کا سبب یہی کتاب ہے کہ میں اِس کے مطالعے میں مصروف ہوگیا۔ خان صاحب! آپ کے مُنھ پر آپ کی تعریف کرنا اگر چہ اچھا نہیں لگتا، لیکن اِس قدر ضرور کہوں گا کہ آپ نے تحقیق کا معیار اِتنا اُونچا کردِیا ہے کہ ہم جیسوں کے لیے یہ کارِ محال بن گئی ہے۔ میں نے باغ و بہار کو کم از کم ایک درجن مرتبہ پڑھا ہے، لیکن آپ کے مرتّبہ نسخے کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ نہ صرف کتاب پہلی مرتبہ پڑھ رہا ہوں بلکہ جو کچھ پڑھ رہا ہوں، اُس کا ایک ایک لفظ سمجھ میں بھی آرہا ہے۔ خدا آپ کو صحت کے ساتھ طویل عمر دے تا کہ ایسے بہت سے کام آپ کرسکیں۔ یہ دِل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دُعا ہے، اِس لیے ضرور قبول ہوگی۔

گلے کی بیماری کا سن کر تشویش ہوئی۔ ان شاء اللہ کوئی پریشان کُن بات نہیں ہوگی۔ اسپیشلسٹ کو آپ نے دکھایا تو اُس نے کیا کہا؟

میں نے دفتر انجمن کو ہدایت کر دی ہے کہ انتخابِ ناسخ کی تصحیح کا کام ختم ہو جائے تو طباعت سے پہلے پروف آپ کو بھجوا دیے جائیں۔ اچھا ہے کہ کتاب آپ کی نظر سے گزر جائے۔

ایم. حبیب خان صاحب نے مجھے باغ و بہار نہیں بھیجی تھی۔ 8 اکتوبر کو ڈاکٹر اسلم فرخی دہلی جارہے ہیں۔ خان صاحب سے کہیے گا کہ کتاب کا ایک نسخہ اُنھیں میرے لیے دے دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اِس کا ہندوستانی اڈیشن بھی میرے پاس ہو۔

آپ کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ 15 اگست کو پروفیسر ممتاز حسین کا انتقال ہوگیا۔ اُن سے آخری ملاقات آپ ہی کے ساتھ 3 دسمبر 91ء کو نیپا کے ہوسٹل میں ہوئی تھی۔ فون پر تو بات ہوتی رہتی تھی، اس کے بعد ملاقات کا موقع نہ ملا۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور آپ کو سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
02/09/92

(55)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

گرامی نامہ مورخہ 18 مارچ آج دوپہر کو موصول ہوا۔ اُسی وقت دفتر انجمن فون کرکے لائبریرین کو ہدایت کی کہ وہ ریحان کی مثنوی ''باغ و بہار'' ۴۲ کا عکس بنوالیں۔ انجمن کے تمام مخطوطات نیشنل میوزیم میں جمع کرادیے گئے ہیں۔ وہاں سے عکس بنوانے میں ضابطے کی کارروائی ہوتی ہے جس میں کچھ وقت لگتا ہے۔ بہرحال یہ عکس ایک ہفتے میں مل جائے گا۔ کوشش کروں گا کہ کوئی آنے جانے والا مل جائے تو اُس کے ہاتھ بھیج دوں۔ ورنہ اللہ کا نام لے کر ڈاک کے حوالے کردوں گا۔ آپ بھی دیکھیے اُدھر سے کوئی آرہا ہو تو اُسے ہدایت کیجیے کہ مجھ سے رابطہ کرے۔ آپ مطمئن ہوجائیے اور یہ سمجھ لیجے کہ کام ہوگیا۔

مولوی ابوسلمان شاہ جہان پوری عرق النسا میں مبتلا ہیں۔ اِس بیماری کے نام کے جز وِثانی کی ذومعنویت اب ظاہر ہورہی ہے۔ حیرت ہے کہ آزاد پر کام کرنے والے کو بیماری ہوئی بھی تو وہ جو ذومعنی ہے۔ کبھی کبھی فون پر بات ہوجاتی ہے یا وہ راستہ بھول کر آجاتے ہیں، ورنہ اُن کا سارا وقت مولانا آزاد کے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے میں گزرتا ہے۔

انتخابِ ناسخ کی طباعت میں تاخیر کا سبب یہ ہوا کہ انجمن نے 35 کے قریب پرانی مطبوعات کی نئی اشاعتوں کا پروگرام بنالیا۔ یہ کتابیں تیز رفتاری سے چھپ رہی ہیں۔ ان شاءاللہ اگلے مہینے سے انتخاب ناسخ پر کام شروع ہوجائے گا۔ مقدمہ تو مشینی کتابت میں کمپوز ہوگا، کیوں کہ آپ نے اس میں تبدیلیاں کی ہیں، البتہ انتخاب کا عکس چھاپا جائے گا کیوں کہ اِس میں آپ نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ مقدمے کے پروف آپ نہ منگوائیے۔ اِس میں خواہ مخواہ مزید تاخیر ہوگی۔ میں ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب سے کہوں گا کہ آخری پروف وہ خود نہایت احتیاط سے پڑھیں۔

میں آج کل اپنے ادھورے کاموں کو مکمل کرنے کی فکر میں ہوں۔ سارا وقت اُنھیں میں صرف ہوجاتا ہے۔ کلیاتِ یگانہ کی تدوین کا کام مکمل کرلیا ہے۔ اب اِس پر نظرثانی کررہا ہوں۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور آپ کو سلام لکھوارہی ہیں۔

خدا کرے آپ مع متعلقین خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیراندیش

مشفق خواجہ

30/03/93

(56)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

آپ حیران ہی نہیں، ناراض بھی ہوں گے کہ آپ کے 15 اپریل کے خط کا جواب میں تقریباً تین ماہ بعد دے رہا ہوں۔ مگر میں بالکل بے قصور ہوں کہ آپ کا خط مجھے صرف چار روز قبل ملا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ نے کتاب، پروف اور خط، تینوں کو ایک بند لفافے میں، پیکٹ کی صورت میں بھیجا۔ اِس قسم کے پیکٹ کسٹم میں چیکنگ کے لیے روک لیے جاتے ہیں اور جب ان کی باری آتی ہے تو انھیں دیکھا جاتا ہے۔ اگر آپ یہ چیزیں بک پوسٹ رجسٹری سے بھیجتے تو ایسا نہ ہوتا، بہر حال مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میرے جواب کا انتظار کرنا پڑا۔

پروف میں نے انجمن کے دفتر بھجوا دیے ہیں اور ہدایت کی ہے کہ ان کی جلد از جلد تصحیح کرالی جائے۔ ان شاء اللہ طباعت کا کام جلد مکمل ہو جائے گا۔ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب بیماری کی وجہ سے انجمن سے علاحدہ ہو چکے ہیں۔ اُن کی جگہ تو کسی کا تقرر نہیں ہوا، البتہ دفتری کاموں کی بہتری کے لیے امراؤ طارق صاحب [۴۳] کو شریک معتمد کے طور پر رکھا گیا ہے۔ آپ انھیں ضرور جانتے ہوں گے۔ یہ فرمان فتح پوری صاحب کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اور نیاز سمینار کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ یہ مستعد اور لائق آدمی ہیں۔ اُمید ہے اب انجمن کے کام تیز رفتاری سے ہوں گے۔ آپ کی کتاب کی جلد اشاعت کی ذمہ داری میں نے انھیں پر ڈالی ہے۔

تفہیم کا مجھے ایک ہی نسخہ ملا تھا جو میرے ایک دوست کو شاہد علی خاں صاحب نے دیا تھا۔ ڈاک سے کوئی نسخہ نہیں ملا۔ (اُن کا بھیجا ہوا) اب ایک اور نسخہ آپ کی عنایت سے ملا ہے۔ یہ دُوسرا نسخہ میں غالب لائبریری کو دوں گا تا کہ اس سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں۔ مولانا کو میں نے یہ کتاب دکھا دی تھی، اور کہہ دیا ہے کہ وہ اسے پڑھنا چاہیں تو مجھ سے لے لیں، مگر وہ اسے کیوں دیکھیں گے۔ اس کا تو پہلا مضمون ہی اُن کے ''ہیرو'' کے بارے میں خاصا سخن گسترانہ ہے۔ [۴۴]

شاہد علی خاں صاحب [۴۵] کی عنایت سے جب اِس کتاب کا ایک نسخہ ملا تھا تو میں نے فوراً اُن کو اور آپ کو خط لکھے تھے۔ یہ اپریل کے آخری ہفتے کی بات ہے۔ لفافہ رجسٹری سے بھیجا گیا تھا، اور شاہد صاحب کے نام تھا۔ اُمید ہے میرا یہ خط آپ کو مل گیا ہوگا۔ بہر حال ایک مرتبہ پھر اِس عزت افزائی کے لیے تہِ دِل سے شکر گزار ہوں کہ یہ کتاب میرے نام معنون کی ہے۔ [۴۶] میں اِس کتاب کو دیکھتا ہوں اور پھر اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں تو شرم آتی ہے کہ ایسی عالمانہ کتاب مجھ آوارۂ کُوئے نا اہلاں کے نام منسوب کی گئی ہے، لیکن اِس خیال سے بے حد خوشی ہوئی کہ آپ کے دِل میں میرے لیے کتنی محبت ہے۔ بس ایسی ہی کچھ باتیں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے زندگی خوب صورت نظر آنے لگتی ہے۔

مشتاق احمد یوسفی صاحب[۴۷] آپ کے بے حد مدّاح ہیں۔ اُنھوں نے یہ کتاب مجھ سے لے کر پڑھی ہے۔ آزاد (ابوالکلام) سے متعلق مضمون خاص طور پر اُنھیں بہت پسند آیا ہے۔ اُنھوں نے اِس مضمون کے بارے میں مجھ سے جو گفتگو کی، اُس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جو کچھ اُن کے دِل میں تھا، وہی کچھ آپ نے کاغذ پر پیش کر دیا ہے۔

اُردو لغت کی دو نہیں، تین مزید جلدیں چھپ چکی ہیں۔ پندرھویں جلد ابھی پچھلے دنوں شائع ہوئی ہے۔ یہ تینوں جلدیں فرمان صاحب سے لے کر آپ کی خدمت میں بھجوا دوں گا۔

میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کے لیے دُعا گو۔

آپ کا
مشفق خواجہ
10/07/94

(57)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

آپ کے دونوں گرامی نامے ملے اور ''انشائے غالب''[۴۸] بھی۔ اِن عنایات کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ آپ نے ''انشائے غالب'' شائع کر کے ایک بڑا کام انجام دیا۔ آپ کا دیباچہ اور مالک رام صاحب کا مقدمہ پڑھ لیا۔ آپ نے کتاب کی جو ''داستان'' لکھی ہے، حیرت انگیز ہے۔ کاش ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اپنے کاموں کی طرف سے اِتنی غفلت نہ برتتے۔ ڈاکٹر صاحب کے باقی مضامین بھی مسلم صاحب سے آپ لے لیجیے، ورنہ ضائع ہو جائیں گے۔ آپ کے پاس ڈاکٹر صاحب کے جو خط ہیں، وہ بھی چھپنے چاہئیں، بل کہ کیا ہی بہتر ہو کہ اُن کے جتنے خط بھی دستیاب ہو سکیں، آپ مرتب کر دیجیے۔ اِن خطوں پر آپ سے بہتر حواشی کون لکھ سکتا ہے؟ میرے پاس بھی مرحوم کے کچھ خطوط ہیں۔ آپ فرمائیں گے تو بھیج دوں گا۔

کراچی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ڈاک خانے کتابوں کے پیکٹ وصول نہیں کر رہے۔ جوں ہی حالات بہتر ہوں گے، میں لغت کی جلدیں حاصل کر کے بھجوا دوں گا۔ انھیں حالات کی وجہ سے ''انتخابِ ناسخ'' کی اشاعت میں تاخیر ہو رہی ہے۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
11/03/1995

(58)

محترمی ومکرمی۔سلام مسنون

''گلزارِنسیم'' کے دو نسخے ملے۔دوسرا نسخہ فرمان صاحب کو بھجوادیا ہے۔

اِس کتاب کو دیکھ کر میں جس عالمِ حیرت سے دوچار ہوا،اُس کا بیان بھی میری استطاعت سے باہر ہے،تو آپ کے کام کی تعریف مَیں کیا کروں گا کہ تعریف کرنے والے کے پاس بھی آپ کے علم ونظر کا کم ازکم سوواں حصّہ تو ہونا چاہیے۔

آپ کا جب کوئی نیا کام نظر سے گزرتا ہے تو میں آپ کی صحت وشادمانی اور درازیِ عمر کی دُعا کرتا ہوں،سوآپ کی کتاب ملنے کے بعد پہلا کام یہی کیا،اور دوسرا کام اب تک یہ کررہا ہوں کہ کتاب سے دست وگریباں ہوں کیوں کہ آپ کی ہرتحریر قاری سے شدید محنت کا مطالبہ کرتی ہے۔

ہم دونوں خیریت سے ہیں اور آپ کی خیریت کے طالب ہیں۔

آپ کا خیراندیش

مشفق خواجہ

19/12/95

(59)

محترمی ومکرمی۔سلام مسنون

یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ خط لکھیں اور میں جواب نہ دوں اور آپ کوئی فرمایش کریں اور میں اُس کی تعمیل نہ کروں۔آپ کا 25 نومبر کا گرامی نامہ خفگی کا جو پہلو لیے ہوئے ہے، وہ سر آنکھوں پر مگر بیماری،سفر اور موت کے سوا کوئی چوتھی وجہ نہیں ہوسکتی کہ میں خط نہ لکھوں۔آپ کا ایک گرامی نامہ (رجسٹرڈ) اگست کے آخر میں ملا تھا، میں نے خط موصول ہونے کے تیسرے روز جواب لکھ دیا تھا،اورعرض کیا تھا کہ آپ کے مطلوبہ مخطوطات کے عکس حاصل کرلوں گا،مگر اِس میں کچھ وقت صرف ہوگا۔افسوس کہ میرا یہ خط آپ کو نہیں ملا اور آپ نے ڈاک خانے کی اِس کوتاہی کو میرے ''تغافل'' سے منسلک کر دیا اور یہ تحریر فرمایا،''بات کیا ہے جو اِس قدر بے نیازی بل کہ بیزاری کی نوبت آ گئی''۔اللہ اللہ! اِس قدر دُشمنِ اربابِ وفا ہوجانا۔آپ یقین کیجیے آپ کا خط پا کر ہی نہیں،آپ کو خط لکھ کر بھی خوشی ہوتی ہے،اور آپ کی کسی علمی وادبی فرمایش کو تو میں کارِثواب سمجھ کر اُس کی تعمیل کرتا ہوں۔

صورتِ حال یہ ہے کہ انجمن کے تمام مخطوطات نیشنل میوزیم میں جمع کرا دِیے گئے

ہیں۔ اُن کا عکس حاصل کرنے کے لیے سرکاری ضوابط کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ درخواست دینی پڑتی ہے اور پھر اس پر محکمانہ کارروائی ہوتی ہے۔ اِس میں خاصا وقت صَرف ہوتا ہے۔ میں نے آپ کا خط ملتے ہی درخواست دے دی تھی، اُس پر کارروائی ہورہی ہے، مسلسل یاد دہانی کراتا رہتا ہوں۔ توقع ہے کہ اگلے مہینے تک کام ہوجائے گا۔ انجمن اور نیشنل میوزیم، دونوں کے مطلوبہ نسخوں کے عکس مل جائیں گے۔ صبا اکبر آبادی کے نسخے کا عکس بھی اُس وقت تک ان شاء اللہ حاصل کرلوں گا۔ اِن تینوں کے ساتھ معین الدین عقیل کا مضمون بھی بھیج دوں گا مگر اس میں آپ کے کام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

گلزارِ نسیم کی رسید میں نے دہلی کے پتے پر بھیجی تھی۔ وہاں آپ کی عدم موجودگی میں پہنچنے والی ڈاک شاید ضائع ہوتی رہی۔ ڈاکٹر نجم الاسلام [۴۹] (حیدرآباد سندھ) نے اپنا رسالہ ''تحقیق'' دہلی کے پتے پر بھیجا تھا۔ یہ واپس آ گیا۔ رجسٹری تھا، اِس لیے واپس آیا، ورنہ ضائع ہو جاتا۔ اُنھوں نے آپ کا شاہ جہاں پور کا پتا مجھ سے لے کر دوبارہ رسالہ بھیجا تھا، اُمید ہے ملا ہوگا۔

پچھلے دو تین برس اِس شہر میں قیامت کے گزرے۔ خدا کا شکر ہے کہ اب قدرے امن ہے۔ اِس دوران میں خاصی پریشانیاں رہیں۔ بہر حال یہ وقت بھی کسی نہ کسی طرح گزر گیا۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کو زحمت تو ہوگی، دوسرا خط شاہد علی خاں صاحب کے نام ہے، پوسٹ کر دیجیے گا۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
10/12/96

(60)

محترم خان صاحب۔ سلام مسنون

میں نے 10 دسمبر 1996 کو ایک خط رجسٹری سے بھیجا تھا، اُمید ہے ملا ہوگا۔ اِس دوران میں مَیں مسلسل میوزیم والوں کو یاد دہانی کراتا رہا، نتیجہ یہ کہ کامیابی ہوئی مگر آدھی۔ انجمن کے نسخے کا عکس مل گیا ہے جو اِس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ آپ کو یہ جان کر افسوس ہوگا کہ میوزیم کا وہ نسخہ (974/1) جو آپ کو مطلوب تھا، وہ ضائع ہو چکا ہے، بل کہ یہ کہنا چاہیے چوری ہو چکا ہے۔ میوزیم والوں نے تو کچھ نہیں بتایا مگر مجھے اپنے ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ نسخہ ایک نمایش

میں اسلام آباد بھیجا گیا تھا۔ وہاں سے کسی نے اُڑا لیا ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ دُنیا بھر میں مصور نسخوں کو ایک بین الاقوامی گروہ چوری کر رہا ہے۔ علی گڑھ یونی ورسٹی، دارالمصنفین اعظم گڑھ اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور میں بڑے پیمانے پر ڈاکے پڑ چکے ہیں۔ بین الاقوامی مارکیٹ میں مصور نسخوں کی قیمت بہت زیادہ ملتی ہے، بل کہ ایسے نسخوں کے اوراق الگ الگ فروخت کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ نسخے کی آپ اُمید نہ رکھیں۔ صبا اکبر آبادی والا نسخہ اگلے ہفتے تک مل جائے گا۔ وہ بھی ارسال کر دوں گا۔ ڈاکٹر اصغر عباس (علی گڑھ) کی بیگم صاحبہ کراچی میں تشریف رکھتی ہیں۔ وہ 12 جنوری کو واپس جا رہی ہیں۔ یہ خط اور نسخے کا عکس اُن کے ذریعے بھجوا رہا ہوں۔ وہ کل ہمارے ہاں تشریف لائیں گی تو میں اُن سے گزارش کروں گا کہ اسے ساتھ لے جائیں۔ ڈاکٹر اصغر عباس صاحب کو بھی خط لکھا ہے کہ وہ بذریعہ رجسٹری آپ کو بھجوا دیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی کا مقالہ ''سحر البیان کا ایک نادر قلمی نسخہ'' آپ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ یہ اُن کے مجموعے ''مقالاتِ تحقیق'' میں شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک، یہ مثنوی کا سب سے قدیم نسخہ ہے اور خود میر حسن کا لکھا ہوا ہے (یعنی بخطِ میر حسن)۔ یہ نسخہ پنجاب یونی ورسٹی میں ہے۔ کیا اِس کا عکس آپ حاصل کر چکے ہیں؟ اگر نہیں تو میں بھجوا سکتا ہے [کذا]۔ اِس کے چار صفحات کے عکس ڈاکٹر قریشی کی مذکورہ کتاب میں ہیں۔

جائزہ مخطوطات میں مَیں نے ''دیگر نسخوں'' کے تحت کسی مخطوطے کے صرف انھیں نسخوں کا ذکر کیا ہے جو پاکستان سے باہر کی لائبریریوں میں ہیں۔ پاکستانی لائبریریوں کے نسخوں کا اِس لیے ذکر نہیں کیا کہ اُن میں سے ہر ایک کو اگلی جلدوں میں متعارف کرانا تھا۔ انجمن ترقی اُردو پاکستان کے کتب خانے میں مثنوی کے چند اور نسخے بھی ہیں جن کا ذکر مخطوطات کے کیٹلاگ میں ہے۔ یہ کیٹلاگ جو چھے جلدوں میں ہے، دہلی میں انجمن کی لائبریری میں ہے۔ اسے دیکھ کر مطلع فرمایئے۔ انجمن کے کسی اور مخطوطے کی ضرورت ہو تو میں اُس کا عکس بھجوا دوں گا۔

اشپرنگر جو کتابیں یہاں سے لے گیا تھا، اُن کا کیٹلاگ بھی کئی سال ہوئے جرمنی سے چھپ گیا تھا۔ یہ ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی[۵۰] نے مرتب کیا تھا۔ جرمن زبان میں ہے۔ یہ جامعہ ملیہ کی لائبریری میں ضرور ہوگا۔ اسے بھی دیکھ لیجیے۔ شاید کوئی اہم نسخہ مل جائے۔

میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت کی دُعا کرتا ہوں۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا

مشفق خواجہ
07/01/97

(61)

محترمی و مکرمی۔سلامِ مسنون

گرامی نامہ مورخہ 17 جنوری مل گیا تھا۔یہ جان کر اطمینان ہوا کہ مثنوی کے نسخۂ انجمن کا عکس آپ کو مل گیا ہے۔اب میں نسخۂ صبا اکبرآبادی کا عکس بھیج رہا ہوں۔اگرچہ آپ نے پنجاب یونی ورسٹی کے ''نسخۂ وحید قریشی'' کا عکس بھیجنے سے منع کر دیا تھا مگر میرا خیال ہے کہ یہ آپ کے سامنے ہونا چاہیے کیوں کہ آپ مقدمے میں اِس پر مفصل بحث کریں گے۔میں نے اِس کا عکس بھی منگوالیا ہے اور وہ بھی بھیج رہا ہوں۔اِس نسخے میں ''اصلاحوں'' کا معما آپ ہی حل کر سکتے ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کسی نے اِس نسخے کا مقابلہ کسی دوسرے نسخے سے کیا ہو، اور اختلافات درج کر دیے ہوں اور ڈاکٹر وحید قریشی نے یہ سمجھا ہو کہ یہ کام میر حسن کا ہے۔ویسے پرانے لوگ بھی بعض اوقات کمال کرتے تھے۔کراچی کے نیشنل میوزیم میں وجدی کی مثنوی 'پنچھی باچا'[۵۱] کا ایک نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔اِس میں کسی نے اِس حد تک تحریف کی ہے کہ دکنی کے الفاظ کی جگہ شمالی ہند میں مروج الفاظ درج کر دیے ہیں۔اِس کا مختصر تذکرہ میں نے اُس مضمون میں کیا ہے جو ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخِ ادب پر لکھا تھا۔یہ مضمون ''ڈاکٹر جمیل جالبی: ایک مطالعہ'' میں شامل ہے جو دہلی سے چھپی ہے۔

آپ کے علم میں ہوگا کہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر نے اپنا پورا کتب خانہ مع مخطوطات ملیشیا کے اسلامک سنٹر کو فروخت کر دیا تھا۔ان کتابوں کی فہرست شائع ہو چکی ہے۔فہرست کا ترجمہ خدا بخش لائبریری نے شائع کر دیا ہے۔آج ہی خدا بخش جرنل نمبر 106 موصول ہوا ہے۔اِس میں نئی کتابوں کا اشتہار ص256 کے بعد شامل ہے۔اِس میں ''ملیشیا میں اُردو فارسی اور عربی مخطوطات کی ایک دستی فہرست'' کا نام ہے۔آپ یہ منگوا کر دیکھیے اور پھر مجھے مطلع فرمایئے کہ سحرالبیان کے کن نسخوں کی آپ کو ضرورت ہے۔اُنھیں حاصل کیا جا سکتا ہے۔محمد سہیل عمر صاحب[۵۲] سے تو آپ واقف ہوں گے۔اُن کا ملیشیا کے اِس ادارے سے تعلق ہے۔اُنھوں نے کچھ دوستوں کو وہاں سے بعض مخطوطات کے عکس منگوا کر دیے ہیں۔وہ آپ کے لیے بھی منگوا دیں گے۔

دُنیا کی تمام لائبریریوں میں باہمی تبادلے کا رواج ہے۔میں جب انجمن میں تھا تو کئی لائبریریوں سے مخطوطات کے عکس منگوائے تھے اور اُن کے عوض انجمن کے مخطوطات کے عکس بھیجے

تھے۔آپ انجمن ترقی اُردو (ہند) سے کہیے کہ وہ آپ کے مطلوبہ مخطوطات اِس طریقے سے منگوا دیں۔ببلیوتک ناسیونال سرس کا 1215ھ کا نسخہ ضرور منگوائیے مگر انجمن کے ذریعے ورنہ وہاں مائیکروفلم کے نرخ اِتنے زیادہ ہیں کہ ہم لوگوں کی برداشت سے باہر ہیں۔

پاکستان میں سحرالبیان کے کئی نسخے ایسے ہیں جو کسی فہرست میں شامل نہیں ہو سکے ہیں۔1230ھ سے پہلے کے نسخے تلاش کروں گا اور جو اہم ہوں گے، اُن کے عکس آپ کو بھیجوں گا۔انجمن کے 1209ھ کے نسخے کا عکس بھی بنوا دوں گا۔

شاہ جہاں پور میں اور تو ہر طرح کا آرام ہو گا مگر کتب خانوں کی وہ سہولت نہیں ہو گی جو دہلی میں حاصل تھی۔چھوٹے شہروں میں تحقیقی کام کی دقتیں بڑھ جاتی ہیں۔میرے خیال میں اُردو کے تحقیقی کام کے لیے ہندوستان میں ایک ہی شہر کام کا ہے اور وہ ہے حیدرآباد،مگر وہاں جا کر رہنا بھی تو آسان نہیں ہے۔

اگلے چار چھے ماہ میں کلیاتِ یگانہ کی تدوین کے کام سے فارغ ہو جاؤں گا تو حسام الدین حیدر (نامی) ۵۳؎کی سوانح عمری مرتب کروں گا۔یہ اُن کے پوتے اکبر مرزا نے لکھی تھی اور غیر مطبوعہ ہے۔اس میں عہدِ غالب کے بارے میں بعض نادر معلومات ہیں۔خدا کرے آپ کو ایسی سہولتیں میسر ہوں کہ آپ کلیاتِ میرؔ مرتب کر سکیں۔متن کے اعتبار سے اُردو کا سب سے بڑا شاعر سب سے بڑا مظلوم بھی ہے۔اِس کے ساتھ انصاف آپ ہی کر سکتے ہیں۔

یہ خط اور مثنوی کے دونوں عکس ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب دہلی سے پوسٹ کریں گے۔وہ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عرس میں شرکت کے لیے 21 فروری کو یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
17/12/97

(62)

محترمی و مکرمی۔سلام مسنون

یہ پیکٹ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے حوالے کیا گیا تھا مگر وہ لاہور پہنچ کر بیمار پڑ گئے اور کراچی واپس آ گئے۔اب میں اللہ کا نام لے کر یہ عکس ڈاک کے ذریعے بھیج رہا ہوں۔خدا کرے بہ حفاظت آپ تک پہنچ جائیں۔

ازرہِ کرم اِن کی وصولی کی اطلاع فوراً دیجے گا تا کہ اطمینان ہو کہ میری محنت ضائع نہیں ہوئی۔
خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
03/02/97 ☆

☆ مکتوب الیہ نے اس خط کے جواب میں لکھا ہے کہ یہ خط ''۳-۲-۹۷ء'' کو نہیں، بل کہ ''۳-۳-۹۷ء'' کو لکھا گیا ہوگا۔

(63)

محترمی و مکرمی۔ سلامِ مسنون

آپ کا گرامی نامہ ایسے زمانے میں ملا جب میں ایک آپریشن کے سلسلے میں اسپتال میں داخل تھا۔ میری ٹانگ پر ایک موذی پھوڑا نکل آیا جو بہت تکلیف دہ تھا۔ تقریباً ایک مہینہ اِس میں ضائع ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔

مجھے یوسف ناظم صاحب کے خط سے آپ کے بمبئی میں قیام کی اطلاع ملی تھی۔ آپ کی صحت و سلامتی کے لیے ہم دونوں دُعا کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ آپ بہت جلد کلّی طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔

سحر البیان کے جو نسخے میری نظر میں تھے، وہ فورٹ ولیم کالج کے نسخے ہی کی نقل نکلے، لہٰذا اُنھیں بھیجنا بے کار ہے۔ چند اور نسخوں کا مجھے علم ہے۔ نومبر کی 18 کو لاہور جاؤں گا اور اُنھیں دیکھوں گا۔ کوئی آپ کے کام کا نسخہ ہوا تو حاصل کرلوں گا۔

انجمن میں فورٹ ولیم کالج کا جو نسخہ ہے، اُس میں انگریزی میں سرورق ہے بائیں طرف۔ اُردو کے اعتبار سے دائیں طرف سرورق نہیں ہے۔ انگریزی سرورق کا عکس منسلک ہے۔ اِس کا ایک اور نسخہ میں نے ایک جاپانی کے پاس دیکھا تھا جو اُس نے کہیں سے حاصل کیا تھا۔ اُس میں بھی دائیں طرف سرورق نہیں ہے۔ اِس سے خیال ہوتا ہے کہ مثنوی انگریزی سرورق کے ساتھ ہی چھپی تھی۔ لاہور میں بھی اِس کا ایک نسخہ ہے۔ اُسے بھی دیکھوں گا۔

خدا آپ کو صحت و شادمانی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے کہ آپ اُردو دُنیا کا سب سے قیمتی اثاثہ ہیں۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
31/10/97

(64)

محترمی ومکرمی۔سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔ میں اِس انتظار میں رہا کہ ''مثنویاتِ شوق'' مل جائے تو خط لکھوں۔ یہ خاصی تاخیر سے ملی اور وہ بھی اُس وقت جب میں لاہور اور اِسلام آباد کے لیے پا بر کاب تھا۔اب واپس آیا ہوں تو سب سے پہلے آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ خط لکھنے میں جو تاخیر ہوئی، اُس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

''مثنویاتِ شوق'' کو میں بہ طور زادِ سفر ساتھ لے گیا۔ گویا آپ میرے ہم سفر تھے۔ کتاب کو جس توجہ اور انہماک سے پڑھنے کا موقع سفر میں ملا، اُس کا موقع کراچی کی ہنگامہ پرور زندگی میں کم ہی مل سکتا تھا اور اب واپس آیا ہوں تو اِس زادِ سفر کو میں حاصلِ سفر سمجھتا ہوں۔ جس طرح آپ کا ہر کام مثالی ہوتا ہے، اُسی طرح یہ کام بھی بے مثال ہے۔ میں نے اب تک مثنویات کے غلط سلط نسخے پڑھے تھے، آپ کی عنایت سے پہلی بار صحیح متون سے استفادے کا موقع ملا۔ آپ کے کسی کام کے بارے میں کوئی رائے دینا میرے لیے ممکن نہیں، رائے سے بہتر یہ ہے کہ آپ کے لیے دُعائے خیر کروں۔ آپ صحت وشادمانی کے ساتھ تادیر سلامت رہیں اور کام کرتے رہیں اور خدا کرے کہ وہ دِن بھی آئے جب آپ کی مرتبہ کلیاتِ میر شائع ہو۔ میر کے کلام کو صرف اور صرف آپ ہی مرتب کر سکتے ہیں۔

کلیات/دیوانِ جعفر زٹلی کے سلسلے میں مَیں نے اپنی یادداشتیں دیکھیں۔ 1206ھ کے کسی نسخے کا حوالہ نظر نہیں آیا۔ دُنیا بھر میں زٹلی کے جتنے نسخے بھی ملتے ہیں، اُن میں سے بیش تر پر تاریخ کتابت نہیں ہے۔انڈیا آفس کے دو نسخوں پر تاریخِ کتابت درج ہے۔ (۱) کیٹلاگ نمبر 135 مکتوبہ 10 ذی قعدہ 1218ھ (۲) کیٹلاگ نمبر 136 مکتوبہ 2 مارچ 1843۔ برلن میں اشپرنگر کے ذخیرے میں 1210ھ کا ایک نسخہ ہے جس کا ذکر مجاہد حسین زیدی نے اپنے کیٹلاگ میں کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق یہی قدیم ترین نسخہ ہے۔ آپ فرمائیں گے تو اس کا عکس منگوانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔ جرمنی میں ایک صاحب ہیں بیدار بخت۔ اُنھوں نے متعدد جدید

شاعروں کا کلام انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اُن سے میری رسم ہے۔ میں اُنھیں خط لکھ سکتا ہوں۔ بیدار بخت صاحب کے پاس بھی دیوانِ جعفر کا ایک صاف ستھرا نسخہ ہے۔ اُس کا عکس بھی منگوایا جا سکتا ہے۔ از رہِ کرم مطلع فرمائیے کہ آپ کے پیشِ نظر کون کون سے مخطوطے ہیں۔ میں دیکھوں گا کہ ان کے علاوہ کون کون سا مخطوطہ آپ کے کام کا ہو سکتا ہے۔

انجمن ترقی اُردو کے کتب خانے میں متعدد مطبوعہ نسخے ہیں مثلاً محمد فرحت اللہ کا مرتبہ نسخہ مطبوعہ بجنور 1925۔ محمدی پریس دہلی کا نسخہ 1872 کا۔ حیدری پریس بمبئی کے کئی نسخے جن میں سے ایک 1275ھ کا ہے۔ انجمن میں جعفر زٹلی کی پہلی سوانح عمری مصنفہ Hindustani Speculator بھی ہے جس کا حوالہ بلوم ہارٹ [۵۴] نے اپنے کیٹلاگ میں دیا ہے۔ اُردو ڈکشنری بورڈ میں انڈیا آفس لائبریری کے کسی نسخے کی مائیکروفلم بھی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ معلوم ہو جائے یہ کس نسخے کی ہے۔

یہ تو مجھے معلوم ہے کہ جالبی صاحب نے دیوان مرتب کیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اُن کے پیشِ نظر کون کون سا نسخہ رہا ہے۔ وہ آج کل امریکہ میں ہیں۔ واپس آئے تو پوچھوں گا، اور یہ بھی کہ اُن کے پاس مخطوطات کے جو عکس ہیں، کیا اُن کی نقل بصورتِ عکس مل سکتی ہے۔ جالبی صاحب یہ دیوان یہاں نہیں چھپوا سکتے۔ ممکن ہے ہندوستان سے چھپوانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔

انجمن میں موجود جن چیزوں کی آپ کو ضرورت ہوگی، اُن کا عکس بھجوا دوں گا۔

''مثنویاتِ شوق'' کے میرے نام کے پیکٹ میں تین نسخے تھے۔ ایک میرے لیے اور باقی دو عالی صاحب اور جالبی صاحب کے لیے۔ جالبی صاحب کا نسخہ تو اُن کے گھر بھجوا دیا۔ عالی صاحب یہ نسخہ پا کر اِتنے خوش ہوئے کہ اُنھوں نے اُسی وقت خلیق انجم صاحب کو دفترِ انجمن کی طرف سے خط لکھ کر پاکستانی اڈیشن شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ اُمید ہے خلیق انجم صاحب نے اِس سلسلے میں آپ کو لکھا ہوگا۔

زبانی طیور کی یہ بھی سنا ہے کہ آپ دسمبر میں نیاز و نگار کے جلسے میں آ رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو کیا کہنے۔ مجھ سمیت آپ کے بہت سے عشاق آپ کے لیے چشم براہ ہیں۔

لاہور میں احمد ندیم قاسمی صاحب [۵۵] اور منصورہ احمد [۵۶] سے ملاقات ہوئی۔ دیر تک آپ کا ذکرِ خیر رہا۔ اِس سال سے اکادمی ادبیات نے پانچ لاکھ روپے کا ایک ایوارڈ قائم کیا ہے جو کسی ایک ادیب کو عمر بھر کی ادبی خدمات پر دیا جائے گا۔ 1997 کا یہ ایوارڈ احمد ندیم قاسمی کو ملا ہے۔ اکادمی نے کتابوں کی اشاعت پر بھی انعامات کا سلسلہ جاری کیا ہے۔ 1997 کی بہترین کتابوں میں منصورہ احمد کا مجموعہ ''طلوع'' بھی شامل ہے۔ اس پر ایک لاکھ کا انعام دیا گیا ہے۔

جس چار رکنی کمیٹی نے یہ دونوں فیصلے کیے، میں بھی اُس میں شامل تھا۔ اِسی سلسلے میں اسلام آباد جانا ہوا تھا۔ قاسمی صاحب اور منصورہ احمد کو آپ خط لکھیں تو مبارک باد دے دیجے گا۔

یگانہ کی کلیات ابھی شائع نہیں ہوئی۔ شائع ہوتی تو سب سے پہلے آپ کی خدمت میں پیش کرتا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام اِتنا پھیل جائے گا۔ یگانہ کی بے شمار چیزیں جمع کیں، یہاں تک کہ تین غیر مطبوعہ تصنیفات / تالیفات بھی دستیاب ہوگئیں۔ کلیات کمپوز ہو چکی ہے۔ تقریباً ڈھائی سو صفحات پر مشتمل حواشی کمپوز ہو رہے ہیں۔ صرف کلیات ہی کا کام نہیں کیا، مضامین اور خطوط کے مجموعے بھی مرتب کیے ہیں اور سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ یہ سب کام چوں کہ ایک دوسرے سے منسلک ہیں، اِس لیے ساتھ ساتھ مکمل کر رہا ہوں۔

شان الحق حقی صاحب کنیڈا ہجرت کر گئے ہیں۔ اِس عمر میں دوسری ہجرت بھی اُنھیں کرنی تھی، مگر وہ وہاں زیادہ خوش نہیں ہیں۔ خوب کام کر رہے ہیں مگر تنہا ہیں۔ گاہے گاہے اُن کا خط آتا رہتا ہے۔

صبا اکبر آبادی کی کلیات شائع نہیں ہوئی۔ اگر چھپے گی تو پیش کروں گا۔

اِس دفعہ آپ کو خط لکھنے میں تاخیر ہوئی سو ہوئی، ان شاءاللہ آیندہ ایسا نہیں ہوگا۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں اور آپ کی صحت و عافیت کے لیے دُعا کر رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

05/11/98

(65)

محترمی و مکرمی۔ سلامِ مسنون

مجھے بے حد شرمندگی ہے کہ آپ کی خدمت میں بڑی تاخیر سے حاضر ہو رہا ہوں، مگر یہ تاخیر ناگزیر تھی۔ میں اِس فکر میں تھا کہ انڈیا آفس کے نسخے کا عکس مل جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آج ہی ملا ہے اور حسنِ اتفاق سے اِس کے بھیجنے کی بھی سبیل نکل آئی ہے۔ یہ جمیل جالبی صاحب کی عنایت سے ملا ہے۔ اُن کے پاس جو عکس ہے، وہ آج سے چالیس برس پہلے کا ہے جب فوٹو اسٹیٹ نیگٹیو سے بنتا تھا اور حروف ''سفید بر سیاہ'' ہوتے تھے۔ ایک تو خط بہت خراب ہے، دوسرے فوٹو اسٹیٹ پرانے انداز کا عکس کا عکس اور بھی خراب آیا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ کو پڑھنے میں دقت نہیں ہوگی۔ جالبی صاحب نے کلیات زٹلی مرتب کیا تھا۔ اِس کا مسودہ کاتب نے

گنوادیا۔ لہٰذا اب اس کے چھپنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بیدار بخت صاحب کا کنیڈا سے خط آیا ہے کہ وہ عنقریب اپنے نسخے کا عکس براہِ راست آپ کو بھجوا دیں گے۔ اُمید ہے یہ آپ کو مل چکا ہوگا۔ میں نے ہی اُنھیں لکھا تھا کہ وہ آپ کو براہِ راست بھیجیں کیوں کہ اس میں طوالت تھی کہ وہ مجھے بھیجتے اور پھر میں آپ کو بھیجتا۔ بیدار بخت صاحب بہت نفیس آدمی ہیں۔ آپ کی تقریباً سبھی کتابیں اُن کے پاس ہیں اور آپ کے کاموں کے بڑے مدّاح ہیں جس سے اُن کا سخن شناس ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اشپرنگر کے نسخے کے لیے میں اُنھیں کو لکھوں گا کیوں کہ اُن کے لیے اسے حاصل کرنا آسان ہوگا۔

''مثنویاتِ شوق'' کا اجازت نامہ انجمن کے دفتر میں پہنچ چکا ہے۔ دو ایک روز میں اس کا تخمینہ بن کر میرے پاس منظوری کے لیے آجائے گا اور پھر کام شروع ہو جائے گا۔ انجمن کے طباعتی کام میری نگرانی میں ہوتے ہیں، اِس لیے آپ مطمئن رہیے کہ یہ کام بلا تاخیر ہوگا۔ عالؔی صاحب کا اب صرف یہ کام ہوگا کہ وہ اِس کے لیے'' حرفے چند'' لکھیں گے۔ انجمن کی ہر کتاب پر، انجمن کی پالیسی کے مطابق ،معتمد اعزازی کا'' حرفے چند''ضرور ہوتا ہے۔ عالؔی صاحب اب سینٹ کے رکن ہیں، اِس لیے زیادہ تر اسلام آباد میں رہتے ہیں، اِس لیے ''حرفے چند'' کے لکھنے میں تاخیر ہو جاتی ہے،لیکن میں کوشش کروں گا کہ تاخیر نہ ہونے دوں۔

ڈاکٹر وحید قریشی ہی کیا، ہمارے اکثر محققین خطّی نسخوں میں ترامیم سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور ہر ترمیم کو مصنف کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ بہر حال پنجاب یونی ورسٹی کا نسخہ آپ کے سامنے رہنا چاہیے تھا اور یہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر قریشی کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی دُور کی جائے۔

''لغت'' اور'' کلیات'' کی جنس کے بارے میں میرا کوئی اصول نہیں۔ جو جی میں آیا، لکھ دیا۔ بہر حال محتاط رہوں گا اور آیندہ ان دونوں کو مذکر ہی لکھوں گا۔ اگر چہ مونث کو مذکر بنا دینا اچھی خاصی بدمذاقی ہے۔

''کلیاتِ میرؔ'' کی تدوین کے لیے آپ کو جن نسخوں کی ضرورت ہے۔ اُن کی فہرست بنائیے۔ اللہ نے چاہا تو کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔

ڈاکٹر عابد پیشاوری کی وفات میرے لیے بھی باعث غم ہے۔ گذشتہ بیس برسوں سے اُن سے مخلصانہ تعلقات تھے۔ 1985 میں وہ مجھ سے ملنے کے لیے دہلی بھی آئے تھے۔ اُن کے 50-60 خط میرے نام ہوں گے جن میں سے بیش تر خاصے طویل ہیں۔ خط وہ نہایت دل چسپ لکھتے تھے۔ سوچتا ہوں کہ انھیں چھپوادوں۔ رسالہ'' غالب'' یا'' اُردو'' میں ایک گوشہ اُن کی یاد میں

شائع کیا جاسکتا ہے، بشرطے کہ آپ اور ڈاکٹر گیان چند اس کے لیے مضامین لکھیں۔

ڈاکٹر گیان چند سے اکثر فون پر بات ہوتی رہتی ہے۔آپ کا ذکر بڑی محبت سے کرتے ہیں۔میری پریشانیوں کا سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا۔آمنہ خود تو بیمار تھیں ہی، اُن کی چھوٹی بہن بھی شدید بیمار ہیں۔وہ ایک مہینے سے اسپتال میں ہیں۔آمنہ اُن کے ساتھ اسپتال میں ہیں۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

05/04/1999

(66)

محترمی و مکرمی۔سلام مسنون

گذشتہ ماہ کی 9 کو جامعہ ملیہ دہلی کے پروفیسر مسعود الحق[۵۷] یہاں سے واپس دہلی روانہ ہوئے تو میں نے ''دیوانِ جعفر زٹلی''، نسخۂ انڈیا آفس کا عکس دیا اور کہا کہ وہ اسے شاہد علی خاں صاحب کے حوالے کر دیں۔شاہد صاحب کو لکھا کہ اسے آپ کے پتے پر پوسٹ کر دیا جائے۔مجھے اِس کی رسید نہیں ملی۔معلوم نہیں یہ عکس آپ تک پہنچا کہ نہیں۔اس کے ساتھ ایک مفصل خط بھی تھا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ چند سال پہلے میں نے ڈاکٹر وحید قریشی کو پیش کیے جانے والے ''ارمغانِ علمی'' کے لیے آپ سے مضمون منگوایا تھا۔کراچی کے حالات کی وجہ سے یہاں اس کی اشاعت کی کوئی صورت نہ نکلی تو میں نے سارا مواد ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو لاہور بھیج دیا۔خدا خدا کر کے یہ اب شائع ہوا ہے۔اِس کا ایک نسخہ پیش کر رہا ہوں۔

ڈاکٹر بیدار بخت نے دیوانِ جعفر کے اپنے نسخے کا عکس بھجوا دیا ہوگا۔یہ اطلاع مل جاتی تو میں اُنھیں خط لکھتا کہ اشپر نگر کے نسخے کا عکس بھی بھجوا دیں۔

انجمن میں مثنویاتِ شوق پر کام شروع ہو چکا ہے۔

''آج کل'' میں ڈاکٹر گیان چند پر آپ کا مضمون پڑھا۔''گفتنی'' اور ''ناگفتنی'' سب کچھ اِس میں آ گیا ہے۔اِس مضمون کو پڑھ کر خیال آیا کہ آپ خود نوشت کیوں نہیں لکھتے۔آپ نے ایک دُنیا دیکھی ہے، اور بہت سے سگانِ دُنیا کو بھی دیکھنے کا موقع ملا ہے۔یہ سب کچھ دُوسروں کو بھی دکھا دیجیے۔

میں خیریت سے ہوں، البتہ آمنہ بلڈ پریشر اور اپنی بہن کی بیماری کی وجہ سے پریشان

ہیں۔ وہ گذشتہ ڈھائی ماہ سے اپنی بہن کے ساتھ اسپتال میں ہیں۔
خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
21/05/99

(67)

فون:6610648

محترمی ومکرمی۔ سلام مسنون

آپ کے دونوں خط مل گئے۔ بے حد ممنون ہوں۔ پہلا خط (21 جون کا) کوئی 15 روز پہلے ملا تھا۔ دوسرا (28 جولائی کا) کل کی ڈاک سے ملا ہے۔ میں اِس انتظار میں تھا کہ آپ کی کتاب مل جائے تو خط لکھوں۔ یہ کتاب نہ جانے کن کن ہاتھوں اور راستوں سے گزرتی ہوئی مجھ تک پہنچی ہے، اِس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کی جب بھی کوئی نئی کتاب آتی ہے، میرے لیے علم کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا ہے اور میں اپنے سارے کام چھوڑ کر اس کے مطالعے میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ آج کل میں اِسی کام میں مصروف ہوں۔ کتاب پرسوں شام ملی تھی، اگرچہ بیش تر مضامین رسالوں میں پڑھ چکا ہوں لیکن انھیں یک جا پڑھنے کا مزہ کچھ اور ہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تقریباً دو درجن مضامین آپ کے ایسے ہوں گے جو کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے۔ مثلاً ''تحریک'' اور ''الحمرا'' میں شائع شدہ مضامین۔ انھیں بھی مرتب کر دیجیے۔

کل جب آپ کا خط ملا تھا تو میں نے اُسی وقت انجمن کے متعلقہ شخص کو فون کر کے تصحیح کے لیے کہہ دیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ متعلقہ صفحہ تصحیح کر کے مجھے دکھایا جائے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے لکھا تھا ''مثنویاتِ شوق'' کے چربے اُٹھوائے جا چکے ہیں، کاپیاں جوڑی جا چکی ہیں، نئے مالی سال کا انتظار تھا کہ اسے پریس بھیجا جائے۔ یہ انتظار اب ختم ہو چکا ہے۔ ان شاءاللہ اِس مہینے یہ کتاب پریس چلی جائے گی۔ کتاب چھپتے ہی اِس کے دس نسخے آپ کی خدمت میں بھیج دیے جائیں گے۔

حیرت ہے کہ خلیق انجم صاحب نے آپ کو کتاب ''ارمغانِ علمی'' نہیں بھیجی۔ وہ خط جس میں کتاب بھیجنے کی اطلاع آپ کو دی تھی، اس کتاب کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ انجم صاحب دراصل عروسِ ہزار داماد ہیں۔ کام کی باتیں بھول جاتے ہیں۔ میں اُنھیں بھی خط لکھ رہا ہوں اور

آپ ہی کو بھیج رہا ہوں۔ اگر زحمت نہ ہو تو یہ خط اُنھیں بذریعہ رجسٹری بھجوا دیجے تاکہ وہ خط نہ ملنے کا عذر نہ تراش سکیں۔ یہ خط آپ بھی پڑھ لیجے۔

یگانہ نے ایک جگہ تداخل فصلیں کے معنی ''نکلتے پیٹھتے دن'' اور'' دور ساون'' بتائے ہیں۔ یہ دونوں معنی کسی لغت میں نہیں ملے۔ ان کے بارے میں آپ کا قولِ فیصل مطلوب ہے۔ ''نکلتے پیٹھتے دن'' کا محاورہ یگانہ نے ایک شعر میں استعمال کیا ہے:

اجل کو کیا خبر دل میں اسیروں کے جوار ماں تھا
نکلتے پیٹھتے دن تھے، بہار آنے کا ساماں تھا

یگانہ کی شاعری اور نثر میں بہت سے ایسے الفاظ ملتے ہیں جن کا استعمال شاذ ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو لغات میں نہیں ملتے۔ لکھنؤ والوں کے مقابل اپنے زبان دان ہونے کی دھاک بٹھانے کے لیے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے لفظ اور محاورے لاتا تھا، اُس کا ذخیرۂ الفاظ جوش سے تو کم ہے مگر باقی معاصرین سے کہیں زیادہ ہے۔

بیدار بخت صاحب کو میں نے خط لکھ دیا تھا۔ ان شاء اللہ نسخۂ اشپرنگر آپ کو جلد ہی مل جائے گا۔ ''تحقیق نامہ'' میں میرا خط جو آپ نے پڑھا ہے، اُس میں مَیں نے نسخے اور تدوین کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔ میں نے تو طباعت کی اور اِنتساب کی تعریف کی ہے۔ معین صاحب [۵۸] نے مجھے کئی خط لکھے کہ میں اس پر تبصرہ کر دوں، مگر تبصرہ اُن کے حق میں نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ اُنھوں نے حسبِ سابق اس معاملے میں بھی ''دھاندلی'' کی ہے۔ میں نے اُنھیں لکھا ہے کہ لاہور آؤں گا تو اصل نسخہ دیکھوں گا۔ میرا خیال ہے کہ اُن کے پاس کوئی قلمی نسخہ ہے ہی نہیں، اور اگر ہے تو وہی معروف نسخہ۔

آمنہ ابھی تک اپنی بہن کے ساتھ اسپتال میں ہیں۔ پانچ مہینے ہو گئے کہ وہ خود بیمار ہوتے ہوئے بہن کی تیمارداری 24 گھنٹے کر رہی ہیں۔ یہ قابلِ صد ستایش جذبہ ہے۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
08/08/99

(68)

محترمی و مکرمی۔ تسلیمات

آپ کا گرامی نامہ مل گیا تھا۔ اس کے بعد خلیق انجم صاحب کا خط بھی ملا کہ اُنھوں نے

''ارمغانِ وحید'' کا نسخہ آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا ہے۔ اُمید ہے ملا ہوگا۔

نسخۂ جرمنی (دیوانِ جعفر زٹلی) کے ملنے کی ایک یقینی صورت نکل آئی ہے۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل کا نام آپ نے سنا ہوگا۔ یہ ٹوکیو یونی ورسٹی میں اُردو پڑھاتے ہیں۔ پچھلے دنوں یہ کراچی آئے اور مجھ سے ملے۔ اُن کے دُنیا بھر کے کتب خانوں سے روابط ہیں اور اکثر کتب خانوں کی سیر بھی کر چکے ہیں۔ اُنھوں نے یہ ذمہ داری خوش دِلی سے قبول کر لی ہے کہ مذکورہ نسخے کا عکس حاصل کر کے آپ کو براہِ راست بھیج دیں گے۔ اب بیدار بخت کو لکھ رہا ہوں کہ وہ زحمت نہ کریں۔

''مثنویاتِ شوق'' کی کاپیاں پریس بھیج دی گئی ہیں۔ ان شاء اللہ بہت جلد یہ کتاب مطبوعہ صورت میں آپ کو مل جائے گی۔ آپ نے ایک غلطی کی تصحیح کے لیے کہا تھا۔ میں نے متعلقہ صفحہ منگوا کر اطمینان کر لیا کہ غلطی کی تصحیح ہو گئی ہے۔

سید معین الرحمن کو میں نے بھی اپنے شبہات سے آگاہ کیا تھا۔ میرے خط کے جواب میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ وہ اپنا نسخہ پنجاب یونی ورسٹی کو دے دیں گے۔ گویا یہ وہیں پہنچے گا جہاں کا خمیر تھا۔ معین صاحب کو اس کا علم نہیں کہ پنجاب یونی ورسٹی کے نسخے کا عکس قاضی عبدالودود لے گئے تھے اور اَب یہ خدا بخش لائبریری میں ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر وحید قریشی آپ کے لکھے کا برا نہیں مانیں گے۔ اُن کا احترام اپنی جگہ، لیکن اِس وجہ سے حقیقت سے رُوگردانی تو نہیں کی جا سکتی۔ مجھے تو یہ محسوس ہوتا ہے مثنوی کے اس نسخے میں کسی ایسے شخص نے ''اصلاحیں'' کی ہیں جسے میر حسن کے مذہبی عقائد پسند نہیں تھے۔ ''غلام حسن'' کو ''غلامِ رسول'' بنا دینا اِسی ناپسندیدگی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ ''اصلاحیں'' کرنے والے کا نام ''غلام رسول'' ہو۔

منصورہ احمد کا خط پوسٹ کر دیا تھا۔ شبنم رومانی کو دستی بھجوا دیا۔ مولانا ابوسلمان کا خط میرے پاس رکھا ہے۔ جب فون کرتا ہوں، معلوم ہوتا ہے وہ کراچی سے باہر گئے ہیں۔ اِس وقت بھی فون کیا تو معلوم ہوا سانگھڑ تشریف لے گئے ہیں۔ مولانا ذیابیطس اور عارضۂ قلب دونوں میں مبتلا ہیں، مگر بہت سی بلائیں اپنے سر لے رکھی ہیں۔ آج کل وہ سر سیّد کو انگریزوں کا پِٹھو ثابت کرنے میں مصروف ہیں، اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اُنھوں نے اپنا نام بھی تبدیل کر لیا ہے، اب وہ ''ابوسلمان سندھی'' کہلاتے ہیں۔

آپ نے اچھا کیا کہ دیوانِ بیان کسی لڑکی کو مرتب کرنے کے لیے دے دیا، مگر مخطوطہ اُس

سے واپس لے کر کسی مرکزی لائبریری میں جمع کرادیجے تا کہ اس سے دوسرے بھی استفادہ کرسکیں۔

بمبئی کا رسالہ ''ترسیل''[59] چند روز قبل ملا تھا۔ اس میں آپ کے بارے میں مضامین پسند آئے، خصوصاً آپ کا انٹرویو۔ اِس سے کئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ یہ مضامین پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوا جیسے آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ معلوم نہیں آپ سے کب ملاقات ہوگی۔ حالات ٹھیک رہے تو اگلے سال ہندوستان آنے کا ارادہ ہے۔ موقع ملا تو شاہ جہاں پور کی طرف بھی نکل آؤں گا۔

کلیاتِ یگانہ پر ضرورت سے زیادہ وقت صَرف ہوگیا، لیکن غیر مدوّن کلام کی جمع آوری کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔ شاعری میں تو یگانہ نے اِتنے الفاظ اور محاورے استعمال نہیں کیے، جتنے اُس کی نثر میں ملتے ہیں۔ میں نے اُس کے تقریباً ایک سو مضامین اور دو غیر مطبوعہ نثری تصانیف حاصل کی ہیں۔ موقع ملا تو اُنھیں بھی شائع کروں گا۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

ہم دونوں آپ کی صحت وشادمانی کے لیے دُعا کرتے ہیں۔

آپ کا

مشفق خواجہ

18/09/99

(69)

محترمی ومکرمی۔ سلام مسنون!

آپ کا 18 اکتوبر کا خط مل گیا تھا۔ اس دوران مَیں لاہور اور اسلام آباد چلا گیا تھا اور پھر سفر کے نتیجے میں کراچی آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ گوشہ نشینی کی ایسی عادت پڑ گئی ہے کہ سفر میرے لیے وسیلۂ ظفر نہیں ہوتا۔

اِس دوران انجمن سے ''مثنویاتِ شوق'' کے دس نسخے بھیجے گئے تھے۔ اُمید ہے مل ہوں گے۔ مجھے اس کی طباعت بالکل پسند نہیں آئی۔ اب انجمن میں جو کارکن ہیں، وہ کام سے کوئی دل چسپی نہیں رکھتے۔ ایک زمانہ تھا کہ انجمن میں معمولی تنخواہیں لینے والے بڑے بڑے کام کرتے تھے۔ اب بڑی بڑی تنخواہیں لینے والے معمولی کام کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل نے دیوانِ جعفر نسخۂ جرمنی کی مائیکروفلم حاصل کر لی تھی۔ اب اِس سے اُنھوں نے عکس بھی بنوا لیا ہے جو وہ عنقریب آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔

اُنھوں نے ایک خط آپ کو لکھا تھا، جس کا جواب نہ آنے سے وہ یہ سمجھے کہ اُن کے پاس آپ کا غلط پتا ہے۔ میں نے اُنھیں بتایا ہے کہ پتا صحیح ہے بل کہ دوبارہ لکھ بھیجا ہے۔ اب یہ عکس آپ کے پاس آتا ہی ہوگا۔ عقیل کو شکریے کا خط ضرور لکھ دیجیے گا۔

دیوانِ بیاںؔ کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ معراج نامہ ناسخ کی طرح یہ بھی میرے لیے دُرِ بے بہا ہوگا۔ ڈاک سے ہرگز نہ بھیجیے گا۔ کوئی آنے جانے والا ہو تو اُس کے ہاتھ بھجوا دیجیے گا۔ میں بھی دیکھوں گا کہ کوئی ''شاہ جہاں پوری'' مسافر مل جائے۔ ڈاکٹر صدیقی کا ابنِ درید پر کام بھی ضرور عنایت کیجیے۔

غالب کے املا سے متعلق کام آپ ہی کر سکتے تھے۔ غالبیات کا یہ نیا گوشہ آپ نے خوب ڈھونڈ نکالا۔ اب تک تو یہ کام مکمل ہو گیا ہوگا۔ یہ بہت مفید کام ہے۔ خدا کرے یہ جلد شائع ہو۔

'مصطلحاتِ ٹھگی'' کو آپ ضرور مرتب کیجیے کہ موجودہ زمانے میں صورتِ حال وہی ہے جو اِس کتاب کی تصنیف کے وقت تھی۔ آپ اِس کا انتساب دِلّی کے اُن ''ادیبوں'' کے نام کیجیے گا جنھیں آپ نے قریب سے دیکھا ہے۔ مرزا محمد علی الہ آبادی [۶۰] کی یہ تصنیف 1839 میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ یہ مطبوعہ نسخہ انجمن ترقیِ اُردو کے کتب خانے میں ہے۔ اگر اب تک دستیاب نہ ہوا ہو تو میں آپ کا خط آنے پر اِس کا عکس پیش کر دوں گا۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لندن یا وہیں کے کسی دوسرے کتب خانے میں بھی ہے۔ اس پر مختار زمن صاحب [۶۱] نے ایک مضمون بھی لکھا تھا جو تعارفی نوعیت کا ہے اور شاید ''افکار'' میں چھپا تھا۔ اگر ضرورت ہو تو اُس کا عکس بھی مہیا کر سکتا ہوں۔ میری گزارش ہے کہ جعفر زٹلی والا کام آپ پہلے کریں کہ وہ زیادہ اہم ہے۔

یہ فرمائیے ''دوران'' کے بعد ''میں'' استعمال ہونا چاہیے کہ نہیں۔ میں کرتا ہوں، مگر تحریر پر نظرِ ثانی کرتے وقت ''میں'' کو قلم زد کر دیتا ہوں۔

مخطوطۂ دیوانِ غالب پنجاب یونی ورسٹی کا جو عکس رام پور میں ہے، اُس کے شروع اور آخر کے صفحات کا عکس ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب [۶۲] سے مل گیا۔ ''موصوف'' [۶۳] نے ستم یہ کیا کہ مخطوطے کے آخری صفحے پر جہاں پنجاب یونی ورسٹی کی مدوّر مہر تھی، وہاں ایک کاغذ چپکا کر ''فتے دین'' لکھ دیا۔ چوری اور سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں۔

ہم دونوں خیریت سے ہیں اور آپ کی صحت و شادمانی کے لیے دُعا کرتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

09/12/99

(70)

محترمی ومکرمی۔سلامِ مسنون

آپ کا 24 دسمبر کا گرامی نامہ چندروز قبل موصول ہوا۔فوراً ''مصطلحاتِ ٹھگی'' کا نسخہ منگوایا، فوٹو اسٹیٹ بنوایا اور اب ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ اگر عید کی تعطیلات درمیان میں نہ پڑتیں تو یہ کام چندروز پہلے انجام پا سکتا تھا۔اب Ramaseeana کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی ہے۔ یہ یہاں کی کسی نہ کسی لائبریری میں ضرور مل جائے گی۔ یہاں نہیں تو لندن میں ضرور ہوگی۔ بہر حال مطمئن رہیے، یہ کام ہو جائے گا۔

''املاے غالب'' کی اشاعت کا یہاں سے بھی فوری انتظام ہو سکتا ہے، لہٰذا فوراً بھجوایئے۔شرط یہ ہے کہ پاکستانی اڈیشن کے لیے آپ کو ایک مختصر دیباچہ لکھنا ہوگا، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہندوستانی اڈیشن بلا اجازت چھاپ دیا۔ ادارۂ یادگارِ غالب سے کتابوں کی اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا ہے۔تقریباً ایک درجن کتابیں زیرِ اشاعت ہیں۔''املاے غالب'' کو بھی اِس پروگرام میں شامل کیا جا سکتا ہے۔غالب سے متعلق، اگر آپ اپنے مضامین مرتب فرما دیں تو وہ بھی شائع کیے جا سکتے ہیں۔ اتفاق سے کتابوں کی اشاعت کا فیصلہ میں ہی کرتا ہوں۔ گویا یہ فیصلہ آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔اب تک چار کتابیں چھپ چکی ہیں۔اِن میں سے دو اِس لائق ہیں کہ آپ کی خدمت میں پیش کی جائیں، لہٰذا بھیج رہا ہوں۔حسرت موہانی کا تذکرۂ شعرا کبھی مکمل طور پر کتابی صورت میں شائع نہیں ہوا۔میں ایک عرصے سے اِس تذکرے کے اجزا جمع کر رہا تھا، اِسی دوران شفقت رضوی صاحب[٦٤] آئے اور اُنھوں نے بتایا کہ وہ بھی اِس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔میں نے ساری جمع شدہ اقساط اُن کے حوالے کر دیں۔شفقت صاحب نے اِس کام پر محنت کی ہے۔ اِس کا اندازہ اُن کے حواشی سے ہو سکتا ہے۔دوسری کتاب ڈاکٹر گیان چند کی ''رموزِ غالب'' ہے۔ پہلے یہ بہت غلط سلط چھپی تھی، یہاں تک کہ غالب کے شعر بھی غلط تھے، لیکن موجودہ اڈیشن غلطیوں سے بڑی حد تک پاک ہے۔ اِس میں شامل ہر شعر اور ہر اقتباس کا اصل سے مقابلہ کیا گیا ہے۔ اِس کام پر ایک صاحب کو متعین کیا گیا اور اُنھوں نے چھے مہینوں [میں] اِسے مکمل کیا۔ڈاکٹر گیان چند صاحب کی خواہش ہے کہ یہ کتاب آپ کی خدمت میں ضرور بھیجی جائے۔وہ نہ بھی کہتے تو میں بھیجتا، مگر اب یہ اُنھیں کی طرف سے قبول فرمایئے۔آپ اگر کبھی اُنھیں خط لکھیں تو کتاب کے ملنے کی اطلاع دے دیجیے گا۔ ویسے میرا اُن سے برابر رابطہ رہتا

ہے۔ وہ مہینے میں ایک آدھ مرتبہ فون پر ضرور بات کرتے ہیں۔ یہاں سے اُن کی بارہ کتابیں مختلف اداروں سے شائع ہورہی ہیں۔

''مثنویاتِ شوق'' کے معاوضے کے لیے آپ یہاں کسی کو اتھارٹی لیٹر بھجوا دیں۔ پھر یہ رقم کسی نہ کسی طرح آپ کی خدمت میں پہنچ جائے گی۔ اتھارٹی لیٹر میرے نام اِس لیے نہ بھیجیے گا کہ میں ہی تو انجمن کی طرف سے ادائی کروں گا۔ میں انجمن کا خازن ہوں اور چیک میرے دستخطوں سے جاری ہوتے ہیں۔ اِس کام کے لیے شبنم رومانی یا مولانا ابوسلمان شاہ جہاں پوری مناسب ہوں گے۔ جن صاحب کے نام اتھارٹی لیٹر ہوگا، وہ رقم وصول کرلیں گے۔

بچّی کی طرف سے پریشانی کا حال پڑھ کر ہم دونوں پریشان ہوگئے۔ خداوند تعالیٰ سے دُعا ہے کہ تمام معاملات بخیر و خوبی طے پا جائیں۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔ آج کل یہ بھی بہت پریشان ہیں۔ ایک طرف بہن کی تکلیف دہ بیماری ہے اور دوسری طرف خود بھی ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔ پچھلے 20-25 دِن میری طبیعت بھی بے حد خراب رہی، ذیابیطس کا موذی مرض تو پہلے ہی تھا، اب بلڈ پریشر نے بھی گلا دبالیا ہے۔ کہتے ہیں کہ بلڈ پریشر کے سبب پریشانیاں ہوتی ہیں، مگر مجھے تو کبھی کوئی پریشانی نہیں رہی۔ یہاں تک کہ بلڈ پریشر کی وجہ سے بھی پریشان نہیں ہوں۔

خدا آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔

آپ کا
مشفق خواجہ
13/01/2000

(71)

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

آپ کے 24 جنوری کے گرامی نامے کا جواب میں نے فوراً لکھ بھیجا تھا۔ اِس دوران آپ کی طرف سے کوئی خط ملا نہ ''املاے غالب'' کی کتابت کی کاپیاں۔ شاید میرا خط ملنے سے پہلے ہی آپ بمبئی چلے گئے ہوں گے اور یہ خط اِس اُمید پر لکھ رہا ہوں کہ اب تک آپ شاہ جہاں پور واپس آچکے ہوں گے۔ ازرہِ کرم ''املاے غالب'' کی کاپیاں (کتابت) بھجوائیے نہ کہ مسودہ۔ آپ کی کسی کتاب کو ازسرِ نو کتابت کرا کے صحیح چھاپنا ناممکن ہے۔ کتابت کا کام آپ ہی کی نگرانی میں ہوسکتا ہے۔

ابوسلمان صاحب کے نام آپ کا جو اتھارٹی لیٹر آیا تھا، اُس پر کارروائی ہو رہی ہے۔

آپ کی امانت آپ تک پہنچانے کا انتظام ہوگیا ہے۔ یہ اطمینان ہوجائے کہ آپ واپس آچکے ہیں تو مزید کارروائی ہوگی۔ Ramseeana مولفہ سلیمن [۶۵] کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اِس کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی میں ہے۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب اِس کا عکس حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ یہ بھی سنا ہے کہ یہ نسخہ بہت خستہ ہے اور شاید اس کا عکس تیار نہ ہوسکے۔ اِس صورت میں معین الدین عقیل صاحب کو مزید زحمت دینی ہوگی۔

''املاے غالب'' کے پاکستانی اڈیشن کے لیے آپ ایک مختصر سی عبارت لکھ دیجے [۶۶] جس سے معلوم ہو کہ پاکستان میں یہ اڈیشن آپ کی اجازت سے ادارۂ یادگارِ غالب شائع کررہا ہے۔ جس تقطیع کی کتاب ہے، اُس کے ایک صفحے کے برابر عبارت ہونی چاہیے تاکہ اس کا عکس شائع کیا جاسکے۔

مثنوی میر حسن کی کتابت کی کاپیاں بھی بھجوا دیجے گا۔ ان شاء اللہ اس کی اشاعت کا سامان بھی ہوجائے گا۔

سیّد معین الرحمٰن کے نسخۂ مسروقہ (دیوانِ غالب) پر ڈاکٹر تحسین فراقی نے ایک سنسنی خیز مقالہ [۶۷] لکھا ہے۔ اس سے عجیب وغریب معاملات سامنے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دیوان میں اصل کے بالمقابل جدید کتابت میں جو کلام شامل ہے، وہ سارے کا سارا نسخۂ عرشی سے نقل ہے۔ تمام رموزِ اوقاف اور اعراب بھی اُسی کے مطابق ہیں اور دِل چسپ بات یہ ہے کہ قلمی نسخے میں اگر کوئی شعر کم یا زیادہ ہے، تو اُس کی پروا نہیں کی گئی۔ مثلاً غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے، والی غزل ص 78 پر ہے۔ اس کے سامنے کے ص 78 پر ہی یہ غزل جدید کتابت میں لکھی ہے۔ اصل دیوان کا دوسرا شعر (۔۔۔سرکو دوش ہے) جدید کتابت میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسخۂ عرشی کے حصے ''نوائے سروش'' میں نہیں ہے بل کہ ''گنجینۂ معنی'' میں ہے۔ چوں کہ معین صاحب نے غالب کی یہ غزل ''نوائے سروش'' سے نقل کی ہے، اِس لیے تصور کر لیا کہ غزل کے سارے شعر اس میں ہوں گے۔ یہ ہے بکف چراغ دارد کی بہترین مثال۔ یہ مقالہ چھپتے ہی آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ اُمید ہے بمبئی میں علاج اطمینان بخش رہا ہوگا۔ خدا آپ کو صحتِ کلی عطا فرمائے۔

آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں اور اِس کا شکریہ ادا کرتی ہیں کہ آپ ہر خط میں اُن کو یاد رکھتے ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ
10/03/2000

(72)

محترمی ومکرمی۔تسلیمات

ابھی کچھ دیر پہلے ''املاے غالب'' کا مسودہ موصول ہوا۔ اِس عنایت کے لیے سراپا سپاس ہوں۔آج رات میں اِسے پڑھوں گا کہ پہلا قاری ہونے کا اعزاز حاصل کرسکوں۔کل سے اس کی طباعت کا کام شروع ہوجائے گا۔ان شاءاللہ بہت جلد یہ کتاب مطبوعہ صورت میں آپ کی خدمت میں پہنچے گی۔

آپ کا پچھلا گرامی نامہ بھی مل گیا تھا،اُس کا جواب اِس لیےنہیں دیا کہ کام ہوجائے تو لکھوں۔ یہ کام قدرے تاخیر سے اس لیے ہوا کہ صدرِانجمن ملک سے باہر تھے۔وہ دوروز پہلے آئے ہیں اوراُنھوں نے متعلقہ فائل پر دستخط کیے ہیں۔مولانا ابوسلمان صاحب اگلے چندروز میں ''کتاب'' بھجوادیں گے۔

آپ نے تازہ گرامی نامے میں تحسین فراقی کے مقالے کا ذکرنہیں کیا۔اِس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آپ تک نہیں پہنچا،حالاں کہ کوئی مہینہ بھر پہلے میں نے بھیجا تھا۔غلطی یہ کی کہ عام ڈاک سے بھیجا۔اب اِس خط کے ساتھ رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔معین صاحب نے اس کا جواب کتابچے کی صورت میں چھپوایا ہے جو آپ کوضرور ملا ہوگا کیوں کہ یہ تین ہزار کی تعداد میں تقسیم ہوا ہے۔کاش وہ یہ جواب نہ لکھتے۔اُنھوں نے ایک بھی اعتراض کا جواب نہیں دیا،حسبِ معمول تعریفی خطوں کے اقتباسات جمع کردیے ہیں۔

جیسا خط آپ نے انجمن کے نام لکھا تھا،ویسا ہی ادارۂ یادگارِ غالب کے سیکریٹری کے نام لکھ دیجیے تاکہ مولانا ابوسلمان صاحب کورائلٹی ادا کردی جائے۔

یہ جان کرخوشی ہوئی کہ سحرالبیان چھپنےہی والی ہے۔میں سراپا انتظار ہوں۔ خان صاحب! آپ یقین کیجیے مجھےصرف دومصنفین کی کتابوں کا انتظار رہتا ہے۔ایک آپ ہیں اور دوسری قرۃالعین حیدر[۲۸]۔حقیقت اورافسانے سے یکساں دِل چسپی ہی کی وجہ سے زندگی خوش گوارگزرتی ہے۔میں یہ خط لکھ رہا ہوں مگر دِل ''املاے غالب'' کے مسودے میں اٹکا ہوا ہے کہ کب رات ہواور میں اسے پڑھوں۔

اب خدا کاشکر ہے کہ صحت کی طرف سے اطمینان ہے۔بس یہ بےاحتیاطی ہوئی کہ

اپریل کے وسط میں ملتان کے قریب ایک گاؤں میں چلا گیا۔ وہاں کی گرمی کی میں تاب نہ لا سکا اور کچھ دِن طبیعت خراب رہی۔ مذکورہ گاؤں (جھنڈیر) جانے کا سبب یہ تھا کہ وہاں ایک بہت بڑے جاگیردار کا کتب خانہ دیکھنا تھا۔ اِتنا شاندار اور بڑا ذاتی کتب خانہ شاید ہی کہیں اور ہو۔ ایک لاکھ سے زیادہ کتابیں، اور نوادر بھی ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ لوگ دور دور سے اِستفادہ کرنے کے لیے آتے ہیں اور صاحبِ کتب خانہ کی طرف سے قیام و طعام کا نہایت عمدہ انتظام کیا جاتا ہے۔ میں وہاں پانچ چھے روز رہا اور اپنے کام کی کچھ چیزوں کے فوٹو اسٹیٹ لے آیا۔

آمنہ خیریت سے ہیں اور سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

15/06/2000

(73)

3-ڈی 26/9

ناظم آباد کراچی-74600

محترمی و مکرمی خان صاحب۔ سلام مسنون

آپ کے خطوط ملے، آپ کی مرتّبہ مثنوی سحر البیان ملی اور پھر محترمہ نسیم اقتدار علی کے ذریعے نادر کتابوں کے تحفے ملے۔ آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں۔ میں خوش قسمت ہوں کہ آپ میرے حال پر مہربان ہیں، اور اس حد تک کہ اپنے آپ پر مجھے رشک آتا ہے۔

مثنوی سحر البیان کی علمی و ادبی حیثیت سے قطع نظر، اِس کتاب کو دیکھ کر زندہ رہنے کا حوصلہ پیدا ہوا کہ آپ کیسے نامساعد حالات میں کیسا عمدہ کام کر رہے ہیں۔ کام کرنے والوں کے لیے آپ کی ذات رہنما ستارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیکڑوں میل دور بیٹھا ہوا یہ فقیر گوشہ نشین، آپ کی صحت و سلامتی اور شادمانی کی دُعا ہی کر سکتا ہے، سو کرتا رہتا ہے۔

مثنوی کا متن ابھی نہیں پڑھا، مقدمہ پڑھ لیا ہے جو آپ کی روایات کے مطابق معلومات کا بحرِ زخار ہے۔ اِس میں آپ نے مثنوی اور میر حسن سے متعلق بہت سے مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کر دیا ہے۔ بعض روایات جو مسلّمات کا درجہ رکھتی تھیں، اُن کی بھی اصل حقیقت آپ نے بیان کر دی ہے۔ نسخۂ پنجاب یونی ورسٹی کے معاملے میں آپ کی نظر جن امور تک پہنچی ہے، حیرت ہے ڈاکٹر وحید قریشی سا صاحب نظر اُن سے بے خبر رہا۔ آپ نے میر حسن پر آیندہ

تحقیق کرنے والوں کے لیے بہت سی مشکلیں آسان کر دی ہیں۔ خصوصاً حیاتِ میر حسن کا جو خاکا آپ نے پیش کیا ہے، آیندہ اُس کو بنیاد بنا کر کام کرنا ہوگا۔ اب میں مثنوی کے متن اور ضمیموں سے استفادہ کروں گا۔

آپ کو جان کر خوشی ہوگی کہ ''املاے غالب'' پریس بھیج دی ہے۔ ان شاء اللہ یہ جلد ہی چھپ جائے گی۔ اِس میں آپ کی اجازت کے بغیر ایک ترمیم کی ہے۔ انتساب میں مولوی مہیش پرشاد کے نام کے ساتھ اور ص 21 پر پرتھوی چندر کے نام کے ساتھ لفظ ''مرحوم'' لکھا تھا۔ اُسے حذف کر دیا ہے۔ یہاں کا ماحول کچھ ایسا ہے کہ کسی نے مالک رام کے نام کے ساتھ ''مرحوم'' لکھا تھا تو اُس پر خاصا شور مچا تھا۔ اُمید ہے اِس بے ادبی کے لیے آپ مجھے معاف فرمائیں گے۔

''املاے غالب'' کے مطالعے سے بھی ایک نئی دُنیا سامنے آئی۔ آپ نے غالب کی خود نوشت تحریروں کا جس دیدہ ریزی سے مطالعہ کیا ہے، اُس کی پہلے سے کوئی مثال موجود نہیں۔ کلامِ غالب مرتب کرنے والوں کے لیے تو یہ ایک رہنما کتاب ہے ہی، مگر عام قارئین خصوصاً اُردو کے اُستادوں کو اِسے ضرور پڑھنا چاہیے، مگر اُردو کے اُستادوں کی ایسی قسمت کہاں کہ علمی مباحث میں دل چسپی لیں۔ حیرت ہے کہ ایسی عالمانہ کتاب آپ نے اِتنے کم وقت میں لکھی ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ 1999 کے وسط میں آپ نے ایک خط میں لکھا تھا کہ ''املاے غالب'' پر کام شروع کیا ہے اور اسی سال کے آخر میں اطلاع دی تھی کہ کتاب پریس چلی گئی گویا صرف چھے ماہ میں آپ نے یہ کام مکمل کر لیا!

محترمہ نسیم اقتدار علی کے ہاتھ آپ نے جو کتابیں ارسال فرمائی ہیں، وہ سب کی سب کارآمد ہیں اور ایسی نادر کہ اُن کے دیکھنے سے آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ دیوان بیان تو لاجواب چیز ہے۔ اس کی ورق گردانی سے یہ بات فوری طور پر ذہن میں آئی کہ یہ بڑے اہتمام سے لکھا ہوا نسخہ ہے۔ اِس قسم کے نسخے عموماً بادشاہوں یا اُمرا کو پیش کرنے کے لیے لکھوائے جاتے تھے۔ کوئی تعجب نہیں کہ یہ نسخہ خود بیاںؔ نے لکھوا کر کسی امیر کو پیش کیا ہو۔ آخر کوئی دوسرا اتنے اہتمام سے کیوں لکھوائے گا۔ بیان کی زندگی میں لکھے جانے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ متن میں مکمل کلام نہیں ہے۔ بعض غزلیں حواشی پر اضافہ کی گئی ہیں جو کسی نے بعد میں کسی دوسرے نسخے سے مقابلہ کر کے لکھی ہیں۔ میں نے چند غزلیں پڑھی ہیں، ان میں کتابت کی اغلاط بھی نظر نہیں آئیں۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے دیوانِ بیان مرتّب کیا تھا اور بہ قول ڈاکٹر مختار الدین احمد،

طباعت کے لیے عبدالرزاق قریشی مرحوم [۶۹] کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ خدا جانے اب اس کا مسودہ کہاں ہے؟ دیوانِ بیان مرتبہ ثاقب رضوی میرے پاس ہے مگر آپ کا ارسال کردہ نسخہ بھی میں اپنے پاس رکھوں گا، کیوں کہ اس کے شروع میں آپ کے قلم سے جو نوٹ ہے، وہ بہت اہم ہے۔ آپ نے چند سطروں میں اِس نسخے کی ''اوقات'' بیان کر دی ہے۔ حیرت ہے کہ اگر کوئی لفظ مرتّب سے پڑھا نہیں گیا تو وہاں بڑی ڈھٹائی سے کوئی غلط یا بے معنی لفظ لکھ دیا ہے اور اُس کے آگے سوالیہ نشان بھی نہیں بنایا۔ ایک مثنوی کا عنوان ہے ''زدالا براد...'' فہرست میں بھی یہی ہے اور مقدمے میں ''مثنوی زوالا'' لکھا ہے۔ فرہنگ میں لفظ ''زدالا'' شامل ہے مگر اس کے معنی نہیں لکھے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ''ردالا یراذ'' کی ترکیب مرتب کی سمجھ میں نہیں آئی اور اُس نے اُسے کیا سے کیا بنا دیا۔

دیوانِ بیان [۷۰] کے ملنے کی مجھے اتنی خوشی ہے کہ جی چاہتا ہے کسی اور کو بھی اِس خوشی میں شریک کروں، مگر افسوس کہ ایک کروڑ کی آبادی والے شہر میں ایک بھی شخص ایسا نہیں ہے جس سے میں اِس مخطوطے کا ذکر کروں۔ ہمارے ہاں صرف ایک ڈاکٹر وحید قریشی ہیں جو اِس قسم کی چیزوں میں دل چسپی لیتے ہیں مگر وہ ہزار میل کے فاصلے پر رہتے ہیں۔

مولانا نظم طباطبائی کا رسالہ ''تلخیصِ عروض وقافیہ'' [۷۱] بھی ایک کمیاب کتاب ہے۔ اِس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نوٹ نے اِسے گراں قدر بنا دیا ہے۔ خود ڈاکٹر صدیقی [کا] کارنامہ (مصنفہ ابن درید) عربی میں دخیل الفاظ کے بارے میں ایک مفید تصنیف ہے۔ ان دخیل الفاظ میں سے بہت سے اُردو میں بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب اِس لائق ہے کہ اسے اُردو میں ترجمہ کرایا جائے۔ ڈاکٹر صدیقی کے ایک بیٹے زہیر صدیقی یہاں کراچی میں تھے۔ اُن سے میرے گہرے مراسم تھے۔ اُن کے پاس طباطبائی کی شرحِ دیوانِ غالب کا ایک ایسا نسخہ تھا جس پر صدیقی صاحب کے حواشی تھے۔ اُنھوں نے یہ نسخہ مجھے دینے کا مژدہ سنایا تھا، مگر افسوس کہ ٹریفک کے ایک حادثے میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سے ایک زمانے میں میری خط کتابت رہی ہے۔ میرے پاس اُن کے متعدد خطوط ہیں۔ افسوس کہ اِتنے بڑے عالم کا آپ کے سوا کوئی نام لیوا نہیں رہا۔ ''املاے غالب'' میں ایک جگہ آپ نے اُن سے اختلافِ راے کیا ہے، مگر اِس عالمانہ شان کے ساتھ کہ اُنھیں ''اُستادِ معظم'' کہہ کے اپنی بات کہی ہے۔

''سحر البیان'' نسخۂ فورٹ ولیم کالج اگرچہ خاصا خستہ ہے مگر متن بالکل محفوظ ہے۔ اِس کا ہر ورق بٹر پیپر کے لفافے میں رکھ کر جلد سازی کراؤں گا۔ ''زہرِ عشق'' کے دونوں اڈیشن نوادر کا

درجہ رکھتے ہیں۔ غرضے کہ آپ کی عنایت کردہ کتابیں، سب کی سب بہت اہم ہیں۔

آج کل میں کلیاتِ یگانہ کی فرہنگ بنا رہا ہوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ فرہنگ کو کسی لفظ میں [فرہنگ میں کسی لفظ کو] شامل کرنے کا معیار کیا ہو، یہ مسئلہ آپ کی مرتّبہ کتابوں کی فرہنگیں دیکھ کر حل ہو گیا کہ ہر طرح کے الفاظ فرہنگ میں شامل ہونے چاہئیں کیوں کہ فرہنگ کسی مخصوص ذہنی سطح کے لوگوں کے لیے نہیں ہونی چاہیے، ہر سطح کا آدمی پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ اب ایک اور مسئلہ میرے سامنے ہے اور وہ یہ کہ کلاسیکی متن کے ساتھ فرہنگ تو بہر حال ضروری ہے، لیکن ہم عصر شعرا کا کلام مرتّب کیا جائے تو اس کے ساتھ فرہنگ کی کیا ضرورت ہے کیوں کہ معاصرین ہم سے الگ زبان استعمال نہیں کرتے۔ میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جب شاعر یگانہ جیسا ہو جس نے حریفوں پر لسانی برتری حاصل کرنے کے لیے خاص خاص محاورے اور الفاظ عمداً اِستعمال کیے ہوں تو اُس کے کلام کے ساتھ فرہنگ کا ہونا ضروری ہے۔ یگانہ اکثر ایسے خوابیدہ الفاظ اور محاورے استعمال کرتا ہے جو اُس کے معاصرین نہیں کرتے۔ اِس سلسلے میں آپ میری رہنمائی فرمائیے۔

فرہنگوں کو دیکھتے دیکھتے میں نے آپ کی کتابوں کے مقدمے دوبارہ پڑھ ڈالے اور اِس نتیجے پر پہنچا کہ ان مقدموں کو گاہے گاہے پڑھتے رہنا چاہیے تا کہ بہت سے اہم مباحث ذہن نشین ہو جائیں۔ گلزارِ نسیم کے دیباچے میں ایک دل چسپ بات نظر آئی۔ ''معرکۂ چکبست وشرر'' کے مرتّب مرزا محمد شفیع شیرازی کے بارے میں ڈاکٹر نیر مسعود کی رائے ہے کہ یہ ایک فرضی نام ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ یہ صاحب یگانہ کے خسر تھے۔ یگانہ نے ان کا ذکر ''آیاتِ وجدانی'' کے دیباچے میں کیا ہے، بل کہ اُن کا شجرۂ نسب بھی درج کر دیا ہے۔ اُن کا انتقال 1928 میں ہوا تھا۔ گمانِ غالب ہے کہ یگانہ کو نول کشور پریس میں ملازمت اُنھیں کی وجہ سے ملی تھی۔ افسوس کہ آپ کو ''معرکۂ چکبست وشرر'' کا ناقص الطرفین نسخہ ملا۔ میرے پاس اس کا مکمل نسخہ ہے۔ آپ کے نسخے میں جو صفحات کم ہیں، وہ میں بھیج سکتا ہوں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1913 میں شائع ہوئی۔ سرورق پر اِس سنہ کا اندراج ہے۔[۲]

پچھلے دنوں آپ کے فون نمبر کی ضرورت تھی۔ آپ کے سارے خط دیکھ ڈالے مگر کہیں نہ ملا۔ مولانا ابوسلمان والے کام کے سلسلے میں آپ کو اطلاع دینی تھی۔ اب تو یہ کام ہو گیا ہوگا۔ ''املاے غالب'' کی رائلٹی بھی آپ کو جلد ملے گی۔ کتاب کی اشاعت کے بعد ہی اِس سلسلے میں کارروائی ہوگی۔ آپ اپنا فون نمبر ضرور لکھیے۔

آپ کو ایک زحمت دے رہا ہوں۔ پچھلے دنوں رام پور کے شعائر اللہ خان صاحب کراچی آئے تھے تو اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے اُن سے ایک چھوٹا سا کام کہا تھا۔ وہ یہ کہ رضا لائبریری میں دیوانِ غالب نسخۂ لاہور (جو معین الرحمٰن نے چھاپا ہے) کا عکس ہے۔ یہ قاضی عبدالودود یہاں سے عرشی صاحب کے لیے لے گئے تھے۔ مجھے اس کے ص22 کا عکس درکار ہے۔ یہ وہ صفحہ ہے جس کے شروع میں یہ شعر:

رشک کہتا ہے کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے صبر کس کا آشنا

شعائر اللہ خان صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ رام پور پہنچتے ہی اس صفحے کا عکس بھیج دیں گے، مگر اُنھیں یہاں سے گئے دو مہینے ہو چکے ہیں اور اُنھوں نے توجہ نہیں کی۔ ازرہِ کرم آپ اُنھیں خط لکھ کر متوجہ کیجیے بل کہ مذکورہ صفحے کا عکس اپنے پاس منگوا لیجے اور مجھے رجسٹری سے بھجوا دیجے۔

انجمن سے ''سحر البیان'' کا جو پیکٹ آیا ہے، اُس میں دو نسخے تھے، ایک میرے لیے اور دُوسرا معین الدین عقیل کے لیے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کا نسخہ میرے پاس نہیں آیا۔ شاید خلیق انجم صاحب اُنھیں براہِ راست بھیجیں۔ آج جالبی صاحب سے فون پر بات ہوئی تھی، اُنھیں یہ کتاب ابھی تک نہیں ملی۔

''املاے غالب'' کے اعزازی نسخے دینے کے لیے جن افراد کی فہرست آپ نے بھیجی ہے، اُن سب کو یہ کتاب ادارے کی طرف سے بھیج دی جائے گی۔ آپ کے نسخوں میں کمی کیوں کی جائے۔ یہ آپ کو پوری تعداد میں ملیں گے۔

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اصطلاحاتِ ٹھگی[۳ے] والا کام آدھے سے زیادہ مکمل ہو گیا ہے۔ اُمید ہے اس کے بعد پوری توجہ کلامِ جعفر زٹلی پر ہوگی۔ آپ نے تدوین کے نمونے کے طور پر جو دو نظمیں بھیجی ہیں، اُنھیں پڑھ کر پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ جعفر نے ان میں کیا کہا ہے۔ یہ نظمیں پہلے بھی کئی مرتبہ پڑھی تھیں مگر ان کے معنی پوری طرح واضح نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے انھیں آئینہ کر دیا، البتہ کہیں کہیں مزید حواشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً ہجوِ شاہزادہ میں تمر لنگ، بدر اور منوہر پر بھی حواشی ہوتے تو اچھا تھا۔ کتاب میں بھی حواشی و فرہنگ کا یہی انداز ہونا چاہیے یعنی ہر نظم کے ساتھ اختلافِ نسخ، وضاحتی حواشی اور لفظوں کے معنی ہونے چاہئیں۔ اگر آخر میں ہوئے تو استفادے میں مشکل ہوگی۔ بار بار ورق اُلٹنے پڑیں گے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آخر میں اِن الفاظ کی الفبائی فہرست دے دی جائے جن کے معانی متن کے ساتھ لکھے گئے۔ ہر لفظ کے

سامنے صفحہ نمبر بھی دے دیا جائے۔ تاریخی شخصیات و واقعات پر آپ جو حواشی لکھیں گے، اُن کی وجہ سے یہ کتاب پورے ایک دور کی تاریخ بن جائے گی۔

میں جعفر کو اُردو کا سب سے بڑا طنز نگار سمجھتا ہوں۔ اگر وہ سہ حرفی لفظوں کا استعمال اس کثرت سے نہ کرتا اور ہر جگہ اشاروں کنایوں سے کام لیتا تو وہ اور بھی بڑا فن کار ہوتا۔ ہماری معاشرتی و اخلاقی روایات کی وجہ سے اُس کا کلام چھپ کر پڑھنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اِس طرح اُس کا دائرۂ اثر بھی وسیع ہو جاتا اور اُسے ہماری تاریخِ ادب میں وہ مقام ملتا جس کا وہ مستحق ہے۔ یہ نہیں کہ جعفر فحاشی سے پاک نظمیں نہیں لکھ سکتا تھا۔ اُس نے لکھی ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ ان نظموں میں وہ مزہ نہیں جو دوسری قسم کی نظموں میں ہے۔ اورنگ زیب کے مرثیے میں اور اورنگ زیب کی وفات کے وقت کے جنگ نامے میں فحاشی نہیں ہے مگر ان میں اصلی جعفر بھی نہیں ہے۔ مجھے ذاتی طور پر جعفر کی شاعری سے زیادہ اُس کی نثر نگاری پسند ہے۔ پیروڈی تو وہ اس کمال کی کرتا ہے کہ اِس میدان میں آج تک کوئی دوسرا ایسا پیدا نہیں ہوا۔ آپ کی فرہنگ نگاری کا کمال ''شرح بعضے اصطلاحاتِ زمانہ'' میں نظر آئے گا۔ مغلوں کے عہد کے اہل کاروں اور عہدے داروں کے علاوہ اُس عہد سے مخصوص اصطلاحات کی تشریح جب آپ کریں گے تو پڑھنے والوں کے سامنے ایک جہانِ دیگر ہوگا۔ آپ کلامِ جعفر کو مرتّب کر کے مجھ جیسے نیاز مندوں پر ہی نہیں، اُردو کے لغت نگاروں پر بھی احسان کریں گے کہ اُن کی بہت سی مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

آپ کو اپنے کاموں کے سلسلے میں کتابوں کے حصول کے لیے جو پریشانیاں اُٹھانی پڑتی ہیں، اُن کی تفصیلات آپ کی کتابوں کے مقدموں سے جان کر بے حد افسوس ہوتا ہے۔ کاش آپ یہاں ہوتے تو میں آپ کو اس سلسلے میں پریشان نہ ہونے دیتا۔ اوّل تو میرا کتب خانہ ایسا ہے کہ اس میں آپ کے مطلب کی بیش تر کتابیں موجود ہیں اور پھر آپ کی دُعا سے تعلقات ایسے ہیں کہ گھر بیٹھے دوسرے کتب خانوں کی ہر کتاب تک رسائی ہے۔ میں کبھی کراچی کے کسی کتب خانے میں نہیں جاتا۔ مطلوبہ کتاب کا عکس منگوا لیتا ہوں۔ میرے مہربان ایسے ہیں کہ میری فرمایشیں پوری کر دیتے ہیں۔ انجمن ترقی اُردو کا کتب خانہ نہایت شاندار ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے پاس بھی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ شاہ جہان پور میں رہ کر کام کرنا آپ ہی کی ہمت ہے۔

تحسین فراقی صاحب[۴] سے فون پر بات ہوئی تھی۔ اُنھیں آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ آپ نے جو علمی باتیں لکھی ہیں، فون پر کیا بتاتا۔ میں نے آپ کے خط کی متعلقہ عبارت اُنھیں نقل کر کے بھیج

دی ہے۔ وہ بہت خوش ہیں کہ آپ نے اُن کے کام کی داد ہی نہیں دی، رہنمائی بھی کی ہے۔

پچھلے دنوں ایک صاحب الٰہ آباد سے آئے تھے۔ اُنھوں نے بتایا کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مکان پر اُن کے مالی نے قبضہ کرلیا ہے۔ کیا مسلم صاحب کی اولاد وہاں نہیں رہتی۔

اِس لفافے میں ایک اور لفافہ ہے۔ اگر آپ رجسٹری سے بھجوا دیں تو کرم ہوگا۔ عبدالقوی دسنوی صاحب کو یہاں سے براہِ راست خط بھیجا جائے تو گھبراتے ہیں۔ اُن کے نام قومی زبان جاتا تھا، منع کردیا کہ نہ بھیجا جائے۔

میں نے خاصا طویل خط لکھ دیا۔ اِس طومار نویسی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ

10/08/2000

(74)

محترمی و مکرمی۔ سلامِ مسنون

چند روز ہوئے ایک خط ارسالِ خدمت کیا تھا۔ خط کے ساتھ پروفیسر عبدالقوی دسنوی کے نام ایک لفافہ تھا اور میں نے گزارش کی تھی کہ اسے پوسٹ کرا دیجے۔ اب خیال آیا کہ میں نے غلطی سے آپ کے نام کا لفافہ رجسٹری نہیں کرایا۔ اِس لیے خدشہ ہے کہ یہ کہیں گم نہ ہوجائے۔ میں نے اپنے خط کی نقل احتیاطاً رکھ لی تھی۔ اب یہ نقل رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔ اگر اصل خط آپ تک نہ پہنچا تو یہ نقل ضرور پہنچ جائے گی۔

اِس دوران میں ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کے نام ''سحرالبیان'' کا پیکٹ مل گیا۔ میں نے جالبی صاحب کو فون پر اِس کی اطلاع دے دی ہے۔ اُن کا آدمی آکر لے جائے گا۔

منسلکہ خط میں اِتنا کچھ لکھ چکا ہوں کہ لکھنے کے لیے مزید کوئی بات نہیں رہی۔ اب آپ کا گرامی نامہ آئے تو سلسلۂ کلام آگے بڑھے گا۔

آپ کا

مشفق خواجہ

10/08/2000

(75)

محترمی و مکرمی۔ سلامِ مسنون

میں اِس انتظار میں تھا کہ آپ کی کتاب پریس سے آجائے تو خط لکھوں، مگر افسوس کہ کتاب ابھی تک نہیں چھپی۔ وجہ یہ ہے کہ بازار میں کاغذ نہیں مل رہا۔ اب اُمید بندھی ہے کہ صورتِ حال بہتر ہوگی اور اگلے مہینے کاغذ مل جائے گا۔ اِس تاخیر کا مجھے بہت افسوس ہے۔ اُمید ہے آپ میری معذرت قبول فرمائیں گے۔

اُمید ہے مولانا ابوسلمان سے متعلق کام اب تک ہو گیا ہوگا۔ اِس میں مولانا صاحب کا کوئی قصور نہیں، ساری کوتاہی اُس شخص کی ہے جس نے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔ مولانا نے اور میں نے بھی، اُس شخص کی اچھی طرح مزاج پرسی کی۔ مولانا نے تو یہ کام، اپنے سارے کام چھوڑ کر نہایت مستعدی سے انجام دیا تھا، مگر اُس ناہنجار نے بلاوجہ تاخیر کی۔

یگانہ کی فرہنگ کے سلسلے میں آپ کے ارشادات میری رہنمائی کریں گے۔ نہایت ضروری الفاظ ہی کو اس فہرست میں شامل کروں گا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایک روز ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پوتے سہیل صدیقی نے ازخود مجھ سے رابطہ کیا اور پھر ڈاکٹر صاحب کے کچھ کاغذات بھجوا دیے جو زیادہ تر ''المعربات'' سے متعلق تھے۔ میں نے اُنھیں دیکھا۔ معلوم ہوا، متن مکمل ہے۔ دیباچے کے لیے صدیقی صاحب نے کچھ یادداشتیں جمع کر رکھی تھیں۔ مجھے معلوم تھا کہ فرہنگِ رشیدی کا جو اڈیشن تہران سے شائع ہوا تھا، اُس کے آخر میں ''المعربات'' کو بہ طورِ ضمیمہ شامل کیا گیا تھا۔ اُس کا ایک نسخہ کسی ایرانی عالم کے پاس تھا۔ صدیقی کے پیشِ نظر دو نسخے تھے۔ ایک اُن کا اپنا اور دوسرا رام پور کا۔ صدیقی صاحب کے مرتّبہ متن کا ایرانی متن سے مقابلہ کیا تو خاصا فرق نظر آیا۔ چند روز بعد مظہر محمود شیرانی [45] (حافظ محمود شیرانی کے پوتے، اختر شیرانی کے بیٹے) کراچی آئے تو مجھ سے ملے۔ میں نے اُنھیں آمادہ کر لیا ہے کہ وہ ''المعربات'' پر کام کریں۔ اِس طرح صدیقی صاحب کا یہ کام ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

صدیقی صاحب کے مضامین کی پہلی جلد تو آپ کی توجہ سے چھپ گئی تھی، دوسری جلد کہاں ہے؟ کیا یہ ابھی تک اُتر پردیش اکیڈمی کے پاس ہے؟ اگر وہ نہ چھاپ رہے ہوں تو دونوں جلدوں کی اشاعت کا انتظام میں کر سکتا ہوں۔ مسلم صاحب، صدیقی صاحب کے خطوط بھی جمع کر رہے تھے۔ خدا جانے اب یہ خطوط کہاں ہیں۔ صدیقی صاحب سے میری بھی خط و کتابت رہی ہے۔ 15-20 خط تو میرے نام کے نکل ہی آئیں گے۔ مولوی عبدالحق کے نام کے کچھ خط بھی میرے پاس ہیں۔ کچھ اور خط بھی مل جائیں گے۔ اِس طرح خطوط کا ایک مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔

شعائراللہ خاں صاحب نے آپ کے توجہ دلانے پر دیوان غالب کے مطلوبہ صفحات کے عکس بھیج دیے۔ یہ اِتنے مدھم تھے کہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ بہر حال کمپیوٹر کے ذریعے حروف کو واضح کرایا گیا تو کچھ بات بنی۔ اُن کو شکریے کا خط لکھ رہا ہوں۔ آپ اگر اُنھیں خط لکھیں تو شکریہ ادا کر دیجیے گا۔ میرا ٹیلی فون نمبر 6610648 ہے۔

دیوانِ غالب نسخۂ مسروقہ کے بارے میں سیّد قدرت نقوی نے بھی ایک کتابچہ لکھا ہے۔ یہ آپ کے ملاحظے کے لیے بھیج رہا ہوں۔

عبدالقوی دسنوی صاحب کو میرا خط مل گیا تھا۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش
مشفق خواجہ
13/10/2000

(76)

3-ڈی 26/9
ناظم آباد۔ کراچی-74600

محترمی و مکرمی۔ سلام مسنون

عجیب اتفاق ہے کہ 14 اکتوبر کو ایک خط رجسٹری سے آپ کی خدمت میں روانہ کیا اور اُسی روز کی ڈاک سے آپ کا گرامی نامہ مورخہ 3 اکتوبر موصول ہو گیا۔ یہ آپ نے ایر میل سے بھیجا ہے لیکن اِسے یہاں تک پہنچنے میں پورے گیارہ دِن لگے۔ آپ آیندہ کبھی ایر میل سے کوئی خط نہ بھیجیں، اِس پر ٹکٹ زیادہ لگتے ہیں اور کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ وقت اُتنا ہی صَرف ہوتا ہے جتنا سرفیس میل میں۔ رفیع الدین ہاشمی صاحب کے نام کا خط میں نے رجسٹری سے اُنھیں بھجوا دیا ہے تا کہ یقینی طور پر اُنھیں مل جائے۔ ہاشمی صاحب سڑک کے ایک حادثے میں زخمی ہو گئے تھے۔ ایک مہینے سے وہ کالج نہیں آ رہے، اِس لیے میں نے یہ خط اپنے ایک دوست ڈاکٹر اورنگ زیب عالم گیر کو بھیجا ہے کہ ہاشمی صاحب کے گھر جا کر، یہ خط اُن کو پیش کر دیں۔

دیوانِ جعفر کے اوراق ملے۔ اِن کے بارے میں مَیں اِن شاء اللہ اگلے خط میں لکھوں گا۔ ابھی اِنھیں سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ چوں کہ آپ کے حکم کے مطابق خط کا جواب فوراً لکھ رہا ہوں، اِس لیے اِن اَوراق کو توجہ سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔

لاہور کے اُردو بورڈ میں کبھی کوئی خاتون وہ عصمت النسا بیگم ہی کیوں نہ ہو، ڈائرکٹر نہیں

رہی۔ ہاں ایک زمانے میں محدود مدت کے لیے کشور ناہید[76] اِس اِدارے میں آئی تھیں اور اُن کا شمار خواتین میں نہیں ہوتا۔ اُنھوں نے پوری زندگی مردانہ وار گزاری ہے۔ آج کل اِس ادارے کے ڈائرکٹر جنرل محمد اکرام چغتائی ہیں۔[77] اب یہ ادارہ اُردو سائنس بورڈ بن گیا ہے۔ علومِ عمرانی اور اَدب پر اِس نے جو کتابیں شائع کی تھیں، وہ کب کی ختم ہو چکیں۔ دوبارہ شائع نہیں کی گئیں۔ پاکستان میں عہدِ عالم گیری کی تاریخوں کے عموماً تراجم شائع ہوئے ہیں۔ اصل متن صرف ایک چھپا ہے☆ جو ''مراۃ العالم تاریخِ اورنگ زیب'' (مصنفہ: محمد بختاور خان)[78] کا ہے۔ دیوانِ جعفر کے حواشی کے لیے دو کتابیں کافی ہیں۔ تاریخِ محمدی (مرتبہ عرشی) اور مآثر الامرا۔ تاریخِ محمدی آپ کے پاس ہوگی۔ (یہ اب بھی رام پور میں دستیاب ہے)۔ مآثرالامرا کا ترجمہ (از محمد ایوب قادری[79]) برسوں پہلے لاہور میں چھپا تھا مگر اب نایاب ہے۔ میں اِن شاءاللہ اِس کا ایک سیٹ (تین ضخیم جلدیں) آپ کے لیے حاصل کرلوں گا۔ تاریخِ محمدی میں معمور خاں کا مختصر ذکر ہے اور مآثر الامرا میں مفصل۔ مآثر الامرا کے حاصل کرنے میں تھوڑا سا وقت صَرف ہوگا، اِس لیے آپ کچھ دیر انتظار فرمائیں، لیکن جیسا کہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں، ہمارے مترجمین نے عموماً تن آسانی سے کام لیا ہے۔ اِس لیے بہتر ہوگا کہ مآثر الامرا کا اصل متن (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ) آپ کے پیشِ نظر رہے۔ یہ انجمن ترقی اُردو، دہلی کے کتب خانے میں لازماً ہوگا۔ مآثر عالم گیری کا اصل متن کلکتہ سے چھپا تھا، ترجمہ جامعہ عثمانیہ سے۔ پاکستان میں یہی ترجمہ چھپا ہے۔

جمیل جالبی صاحب پہلے لندن گئے تھے اور اَب امریکہ میں ہیں۔ شاید اِسی وجہ سے وہ آپ کو خط نہیں لکھ سکے۔ معین الدین عقیل اپنا مکان بنوانے میں مصروف ہیں۔ ملاقات ہوگی تو خط نہ لکھنے کا سبب معلوم کروں گا۔ اُن کو کتاب میں نے خود بھجوائی تھی۔ پاکستان کے احباب کے نام خطوط آپ مجھے بھجوادیا کریں، میں پوسٹ کردیا کروں گا۔ ''املاے غالب'' کے سلسلے میں عرض کرچکا ہوں کہ کاغذ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتاب چھپ نہیں سکی۔ اِن شاءاللہ اگلے مہینے میں یہ ضرور چھپ جائے گی۔ خدا کرے آپ خیریت سے ہوں۔

خیر اندیش

مشفق خواجہ

17/10/2000

3-ڈی 26/9
ناظم آباد، کراچی-74600

محترم ومکرم خان صاحب۔تسلیمات

آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ مشفق خواجہ کیسا فضول آدمی ہے کہ اُس نے خط کا جواب دیا نہ کتابوں کی رسید بھیجی۔آپ ایسا سوچنے میں حق بجانب ہوں گے مگر اِس دوران میری ساری توجہ مآثر الامرا کے حصول پر رہی۔اندازہ نہیں تھا کہ یہ کتاب اتنی کمیاب ہوگئی ہے۔خیال تھا کہ ناشر (مرکزی اُردو سائنس بورڈ) کے گودام میں ایک آدھ سیٹ تو ضرور ہوگا اور اکرام چغتائی کی وجہ سے مل جائے گا۔چغتائی نے گودام کا کونا کونا چھان مارا، مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔معلوم ہوا عصمت النسا بیگم نے اپنی سقہ شاہی کے دنوں میں اسٹاک کی بے شمار کتابیں ردّی میں اُٹھوا دیں۔انھیں میں مآثر الامرا کی وہ چند جلدیں بھی تھیں جنھیں بہ طور ریکارڈ محفوظ کیا گیا تھا۔چغتائی ہی سے معلوم ہوا کہ احمد ندیم قاسمی صاحب بھی اِس کتاب کی تلاش میں ہیں۔میں سمجھ گیا کہ آپ ہی کے لیے تلاش کر رہے ہوں گے۔میں نے اُن کو خط لکھا کہ اگر آپ کو یہ کتاب مل جائے تو مجھے بتا دیجے گا اور مجھے مل گئی تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔کراچی میں کئی لوگوں سے رابطہ کیا، لاہور بھی خط لکھے مگر کہیں سے مثبت جواب نہ آیا۔پھر سوچا کہ فوٹو اسٹیٹ بنوالوں، مگر تقریباً تین ہزار صفحات کے عکس بنوانا اور اُنھیں ڈاک سے بھیجنا ایک طویل عمل تھا۔اِس دوران معلوم ہوا کہ کراچی میں ایک صاحب کے پاس تینوں جلدیں موجود ہیں اور وہ بیچنا چاہتے ہیں۔فوراً آدمی بھیج کر اُنھیں منگوایا۔کل یہ ملی تھیں اور آج آپ کو پوسٹ کر رہا ہوں۔مآثرِ عالم گیری بھی بازار میں دستیاب نہیں، تاہم میں اپنا نسخہ بھیج دوں گا۔مجھے دوسرا نسخہ مل جائے گا۔کتابوں کے دو تین پیکٹ چند روز بعد بھیجوں گا۔اِن میں مآثرِ عالم گیری کے ساتھ ''املاے غالب'' کے دس نسخے بھی ہوں گے۔یہ کتاب چھپ گئی ہے۔نمونے کا ایک نسخہ پریس سے آیا ہے اور میرے سامنے رکھا ہے۔اِس کا ٹائٹل چھپنا باقی ہے۔یہ نمونے کے نسخے کے مطابق چھپے گا۔چھپائی اچھی ہوئی ہے مگر کاغذ اچھا نہیں ملا۔آج کل یہاں کاغذ کا قحط ہے اور کتاب میں جو کاغذ لگایا ہے، وہ بھی اتنا مہنگا ملا ہے کہ اچھے دِنوں میں اِتنی قیمت میں نہایت اچھے کاغذ پر ''املاے غالب'' کی ضخامت کی پانچ کتابیں چھپ سکتی تھیں۔

آپ کی ارسال کردہ سب کتابیں ایک سے ایک عمدہ ہیں۔خصوصاً فسانہ عجائب۔یہ میرے کتب خانے کا گلِ سرسبد ہے۔یہ کتاب پاکستان کے کسی کتب خانے میں نہیں ہے۔

منشی سجاد حسین پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ایک مضمون لکھ رہے تھے۔ اِس کا ذکر اُنھوں نے میرے نام کے ایک خط میں کیا ہے۔ اِس سلسلے میں اُنھوں نے کچھ یادداشتیں بھی لکھ رکھی تھیں۔ اُن کا کچھ حصہ سہیل صاحب کے ذریعے مجھے ملا ہے۔ ''نشتر'' کا جو اڈیشن آپ کے پاس ہے، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر آپ عنایت کرسکیں تو کرم ہوگا۔

جعفر زٹلی کے جو صفحات آپ نے بھیجے ہیں، میں نے اُنھیں بغور اور نہایت شوق سے پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے بعد میں دوسرا شخص ہوں جس نے جعفر کا صحیح متن (آپ کے ارسال کردہ صفحات کی حد تک) پڑھا ہے۔ اِس سے پہلے مطبوعہ نسخوں سے 25فی صد جعفر بھی پلّے نہیں پڑا تھا، اور اب یہ آپ کی تصحیح اور حواشی کے ساتھ مکمل سمجھ میں آرہا ہے، اور اِس سے جعفر کی عظمت کا بھی پہلے سے زیادہ اندازہ ہورہا ہے۔ آپ نے بالکل صحیح فرمایا، کوئی دوسرا اِس کام کو اِس عمدگی سے نہیں کر سکتا تھا۔ بعض جگہ مزید حواشی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، مثلاً تعریت جیسے الفاظ کے معنی ضرور لکھیے۔ میں نے بھی لغت سے اس معمے کو حل کیا۔ حاضر ضامنی اور تمسک جیسی اصطلاحوں پر بھی حواشی کی ضرورت ہے۔ آج کسے معلوم ہے کہ یہ کیا ہیں۔ ٹھگ مل تو سمجھ میں آتا ہے مگر اس کے باپ کے نام پون پانی میں کیا رعایت ملحوظ ہے، سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر اِس قسم کے ناموں کے ساتھ بھی وضاحتی الفاظ لکھ دیے جائیں تو بہت اچھا ہو۔ کیا ہی اچھا ہو اگر آپ آیندہ بھی دیوان کے صفحات مجھے بھیجتے رہیں۔ شاہد علی خان صاحب کو خط لکھوں گا کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مضامین کی دوسری جلد شائع کردیں یا مجھے دے دیں۔ میں پہلی جلد کے ساتھ یہاں سے چھپوادوں گا۔

ابھی ابھی لاہور سے ڈاکٹر تحسین فراقی کا فون آیا۔ اُنھوں نے بتایا کہ دہلی میں اُن کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور ''املاے غالب'' وہاں چھپ گئی ہے۔

آمنہ سلام لکھوارہی ہیں۔

آپ کا خیراندیش

مشفق خواجہ

30/11/2000

(78)

محترم و مکرم خان صاحب۔ سلام مسنون۔

سمجھ میں نہیں آرہا کہ اِتنے دنوں تک خط نہ لکھنے کی معذرت کن الفاظ میں کروں۔ بس یوں سمجھ لیجے کہ وہ ذہنی سکون میسر نہ تھا جو خط لکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے اور پھر ایک روز آپ

کافون آجانے سے آپ کی اُس تشویش کا علم ہوا جو میرا خط نہ ملنے سے آپ کو تھی۔ ساتھ ہی اِس کی بے حد خوشی بھی کہ آپ میرا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ آپ کی کتاب کی اشاعت میں جو مسلسل تاخیر ہوئی، اس کا بھی مجھے بے حد افسوس ہے۔ کتاب کا متن تو تین مہینے پہلے چھپ گیا تھا مگر سرورق نے بہت پریشان کیا۔ ایک مرتبہ ڈیزائن کی فلمیں گم ہو گئیں۔ دوسری مرتبہ فلیپ کی عبارت، ایک دوسری کتاب کی چھپ گئی۔ غرض کہ بعد از خرابیِ بسیار (یا خرابیِ بصرہ؟) ٹائٹل مکمل ہوا۔ اِس کے بعد جلد سازی نے خاصا وقت لیا۔ بہر حال خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا اور اِس خط کے ساتھ میں کتاب بھیج رہا ہوں۔ اِس دوران ہندوستانی اڈیشن بھی ملا۔ اُس کا کاغذ بہتر ہے، مگر ہمارا اڈیشن مجموعی طور پر جاذبِ نظر ہے۔ خدا کرے آپ کو بھی پسند آئے۔ کتاب کا متن چھپ چکا تھا کہ ص 12 پر غالب کے شعر میں کتابت کی ایک غلطی نظر آئی کہ ''معنیِ مضمون'' کی جگہ ''معنی موزوں'' چھپا ہے۔ سوچا اِس کی تصحیح کی کیا صورت ہو؟ یہ ترکیب ذہن میں آئی کہ فلیپ کی عبارت میں اِس شعر کو صحیح صورت میں درج کر دیا جائے۔ سو ایسا ہی کیا گیا۔

آپ کی ارسال کردہ کتابوں کا پیکٹ بحفاظت مل گیا۔ ایک سے ایک عمدہ کتاب ہے، یہاں تک کہ وہ خطبات بھی جن سے آپ نے پیکٹ بنانے کا کام لیا ہے، نوادر کا درجہ رکھتے ہیں۔ منشی سجاد حسین انجم [۸۰] کی جتنی چیزیں اب میرے پاس ہیں، شاید ہی کسی دوسری جگہ ہوں۔ یہ سب آپ کی عنایت ہے۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے آپ کی مرتّبہ فرہنگوں کو یک جا کرنے کا جو منصوبہ بنایا ہے، وہ میری رائے میں نہایت اہم ہے۔ اِس طرح اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے کلاسیکی ادب کا لغت وجود میں آجائے گا۔ اصل کتابوں میں تو مثالوں کی ضرورت نہیں تھی، حوالے کافی تھے، لیکن اِس لغت میں اسناد بھی ہوں گی تو اِس کی افادیت بڑھ جائے گی۔ آپ کی پانچوں فرہنگوں میں زیادہ الفاظ وہ ہیں جن کا ہماری تہذیبی و معاشرتی زندگی سے تعلق ہے اور اَب یہ الفاظ کم تر استعمال ہوتے ہیں۔ مجوزہ لغت سے کلاسیکی ادب ہی سے نہیں، ہماری تہذیب و معاشرت سے بھی آگاہی عام ہو گی۔ آپ اس کام کو کیجیے اور ضرور کیجیے۔ جعفر زٹلی [۸۱] اِس کے بعد سہی، مگر یہ کام بھی بہت اہم ہے اور اِسے آپ کے سوا کوئی انجام نہیں دے سکتا۔

''جوبن نامہ'' کا متن میں نے پڑھا۔ آپ کے حواشی نے اِس کے مطالب کو آئینہ کر دیا ہے۔ یہ نظم میں نے پہلے بھی پڑھی تھی مگر پوری طرح سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ایک دِل چسپ بات یہ ہے کہ جعفر کے ہاں بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو آج بھی پنجابی میں بولے جاتے ہیں۔

مثلاً اِس نظم کا ایک لفظ ''روس''، ہم آج بھی اپنے گھروں میں بولتے ہیں جیسے ''اوہ رُس گیا اے'' یعنی وہ رُوٹھ گیا ہے۔ اِسی طرح ''کھیس'' گوشۂ لب کے معنوں میں آتا ہے۔ ''کھیساں کڈھنا'' (کھیسیں نکالنا= کھسیانی ہنسی ہنسنا) بھی مروّج ہے۔ ''کل سرا'' بھی پنجابی میں ملتا ہے۔

میں آج کل کلیات یگانہ کی فرہنگ بنا رہا ہوں۔ آپ کی ہدایت کے مطابق اِس کام کو زیادہ نہیں پھیلایا۔ خاص خاص الفاظ ومحاورات ہی اس میں شامل کیے ہیں۔ میں یہ فرہنگ آپ کی خدمت میں بھیجوں گا کہ آپ کی نظر سے گزر جائے اور غلطیوں سے پاک ہوجائے۔ آپ کو فرہنگ کا جو مسودہ بھیجوں گا، اُس میں متعلقہ اشعار بھی شامل کر دوں گا تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ میرے بیان کردہ معانی کس حد تک درست یا غلط ہیں۔

آپ نے ''املاے غالب'' تحفۃً پیش کرنے کے لیے جن حضرات کی فہرست بھیجی ہے، اُن سب کو یہ کتاب پیش کی جائے گی۔ اِن کے علاوہ بھی پچاس سے زاید حضرات کو بھیج رہا ہوں۔ ہندوستان میں ڈاکٹر حنیف نقوی، مختارالدین احمد، کالی داس گپتا رضا، خلیق انجم وغیرہ کے علاوہ علی گڑھ، پٹنہ اور رام پور کی لائبریریوں کو بھی یہ کتاب بھیجی جائے گی۔ آپ اِن میں سے کسی کو نہ دیجیے گا۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری صاحب کو آپ کا خط مل گیا ہے۔ اِن شاء اللہ بہت جلد اِس کام کے لیے بھی کارروائی ہوگی۔ اِس میں تاخیر کا امکان ہے کیوں کہ جن صاحب کے ذریعے ''مطلوبہ کتابیں'' بھیجی جائیں گی، وہ ذرا مشکل سے ہاتھ آتے ہیں۔

اِس خط کے ساتھ کتابوں کے دو پیکٹ بھیج رہا ہوں۔ ایک میں املاے غالب کے آٹھ نسخے ہیں اور دُوسرے میں دو۔ دوسرے پیکٹ میں یہ کتابیں بھی ہیں:

۲) مآثرِ غالب

۳) تصحیح وتحقیقِ متن اور رسالہ غالب کا تازہ شمارہ۔

ازرہِ کرم اِن دونوں پیکٹوں کے وصول ہونے کی اطلاع دیجیے۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیراندیش

مشفق خواجہ

09/03/2001

Nazimabad
Karachi-74600

میرے محترم خان صاحب۔ سلام مسنون

یہ خط اِس لیے تاخیر سے لکھ رہا ہوں کہ آپ نے اطلاع دی تھی کہ 12 مئی تک آپ بمبئی میں رہیں گے، ورنہ کئی بار جی چاہا کہ خط لکھ کر آپ کی خیریت معلوم کروں۔ آپ نے اپنی صحت کا جو حال لکھا ہے، اُس سے تشویش ہے۔ خداوند تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔ آمنہ بھی آپ کے لیے دست بدعا ہیں۔

کالی داس گپتا رضا کی وفات اُن سب لوگوں کے لیے دِلی رنج کا باعث ہے جو اُن سے تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ قطعِ نظر اس سے کہ وہ بہت اہم علمی کام انجام دے رہے تھے، شخصی طور پر بھی بے مثال تھے۔ میں نے کبھی کسی کی زبان سے اُن کے خلاف کوئی بات نہیں سنی، جس نے بھی اُن کا ذکر کیا، اچھے لفظوں میں کیا۔ 1985 میں جب میں بمبئی گیا تھا تو اُن سے تین ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اُن ملاقاتوں کی خوش گوار یادیں ذہن میں ابھی تک تازہ ہیں۔ معلوم نہیں اُن کی لائبریری کا کیا ہوگا۔ اِسے اُن کی یادگار کے طور پر علی گڑھ جیسے کسی مرکزی مقام پر محفوظ ہونا چاہیے۔ پاکستانی اخبارات میں رضاؔ صاحب کے انتقال کی خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ کئی مضامین بھی شائع ہوئے۔

ڈاکٹر ابوسلمان صاحب والا کام اِن شاءاللہ جلد ہوگا۔

اِس سے بہتر کیا ہوگا کہ ''املاے غالب'' کو اِدارۂ یادگارِ غالب سے شائع کر دیا جائے۔ آپ اِس کا مقدمہ دوبارہ لکھ کر عنایت فرمائیے۔ فوری طور پر اِس کی طباعت کا کام شروع کر دیا جائے گا۔

آپ کے دوست اسلم محمود صاحب آئے تھے، مگر وہ تو ہوا کے گھوڑے پر سوار تھے۔ ایک دِن وہ غریب خانے پر تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا کہ خاص کلام تھوڑا سا میرے پاس ہے۔ میں نکال رکھوں گا۔ آپ لے لیجے گا۔ اُنھوں نے لکھنؤ سے متعلق تصاویر دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، وہ اُن کے سامنے رکھ دیں، چار تصویریں اُن کے کام کی نکلیں۔ کہنے لگے، میں ان کے عکس بنوا کر واپس کر دوں گا۔ میں نے کہا، عکس بنوانے کی ضرورت نہیں۔ یہ چاروں آپ کی نذر ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے پاس مکرّر کتابیں خاصی تعداد میں ہیں۔ آپ اُنھیں دیکھ لیں۔ جو کتابیں آپ کے کام کی ہوں گی، پیش کر دوں گا۔ اُنھوں نے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا۔ پھر ایک دِن اُن کا فون آیا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ اُنھوں نے تو خدمت کا کوئی موقع ہی نہیں دیا۔

مقالاتِ صدیقی کے لیے میں نے شاہد علی خاں صاحب کو خط لکھا تھا مگر اُنھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اب دوبارہ لکھوں گا۔ ''معربات رشیدی'' سے متعلق تمام کاغذات میں نے مظہر محمود شیرانی صاحب کو دے دیے ہیں، وہ ان شاء اللہ بہت جلد ان کاغذات کو مرتب کر دیں گے اور اصل متن کا اُردو ترجمہ بھی کر دیں گے۔[۸۲]

سید معین الرحمٰن صاحب کے خلاف جو کچھ ہو رہا ہے، اُسے میں نے رکوانے کی کوشش کی ہے۔ تحسین فراقی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ آیندہ کچھ نہیں لکھیں گے، مگر لطیف الزمان خان صاحب[۸۳] کسی کی نہیں سنتے۔ اُنھوں نے، سنا ہے کہ مقدمہ دائر کر دیا ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے، اُس کے ذمہ دار خود معین صاحب ہیں۔ اُنھوں نے لطیف الزماں کے خلاف پوری ایک کتاب شائع کر دی جس میں ان [کو] گالیاں دی گئی ہیں۔ بہر حال میری ہمدردیاں معین صاحب کے ساتھ ہیں کیوں کہ وہ بہت پریشان ہیں اور اِس جھگڑے کی وجہ سے بیمار بھی پڑ گئے ہیں۔

کلیاتِ یگانہ کی فرہنگ میں نے تیار کر لی ہے۔ یہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اِسے بہ نظر اصلاح دیکھ لیجے۔ بعض لفظوں یا محاورات کے معنی میں متعین نہیں کر سکا۔ اُن کو بہ طورِ خاص ملاحظہ فرمائیے۔ اُن پر سرخ نشان لگا دیا ہے۔ فرہنگ کی ترتیب لغت کے مطابق نہیں ہے۔ یہ میں بعد میں درست کر لوں گا۔ الفاظ میں نے بہت کم کر دیے ہیں، لیکن اب بھی اگر بعض الفاظ خارج کرنے کے لائق ہوں تو خارج کر دیجیے۔ آپ کی نظر سے گزرنے کے بعد مجھے اطمینان ہو جائے گا کہ یہ فرہنگ اشاعت کے لائق ہے۔

آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا
مشفق خواجہ
15/05/2001

(80)

3-ڈی 26/9
ناظم آباد۔ کراچی-74600

مکرم و محترم خاں صاحب۔ سلام مسنون

آپ کا یہ 11 جون کا رجسٹری لفافہ پرسوں 25 جون کو ملا۔ گویا 14 دِنوں میں یہ سفر طے ہوا۔ رجسٹری، ایرمیل ہو یا سرفیس میل وہ سب دیر سے ملتی ہے۔ لہٰذا آیندہ آپ ہوائی ڈاک سے

ہرگز کچھ نہ بھیجا کریں۔ٹکٹ بھی زیادہ لگتے ہیں اور بلا وجہ تاخیر بھی ہوتی ہے۔

فرہنگ کلیاتِ یگانہ کا اصلاح شدہ متن ملا۔بے حد ممنون ہوں۔آپ نے نہایت توجہ سے اسے ملاحظہ فرمایا ہے۔اب میں اطمینان سے اسے شائع کروں گا۔چند الفاظ کی آپ نے الگ سے جو وضاحت کی ہے،اس سے بھی میری بہت سی مشکلیں آسان ہوگئی ہیں۔یہ کام آپ ہی کر سکتے تھے۔آپ نے املا کے سلسلے میں جو ہدایات دی ہیں،اُن پر بھی عمل کروں گا،مگر لفظ ''منہ'' کا معاملہ یہ ہے کہ کلیات کے متن میں ''منھ'' ہی لکھا ہے،لہٰذا فرہنگ میں اسے تبدیل کرنا مناسب نہیں۔میں نے یہ لفظ مولوی عبدالحق یا ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے ہاں اس صورت میں (منھ) دیکھا تھا۔دوسرے یہ غلط فہمی رہی کہ میں ہ کو مخلوط سمجھتا رہا۔

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی گذشتہ ایک ڈیڑھ مہینے سے اسپتال میں ہیں۔اُن کی آنت کا تقریباً ایک فٹ حصہ کاٹ کر نکال دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ اِس حالت میں وہ آپ کو خط نہ لکھ سکے ہوں گے۔میرا فون STD نہیں ہے،براہِ راست بات نہیں ہوسکتی۔ٹرنک کال بُک کرائی تو لائن نہ ملی۔مجبوراً بازار جا کر PCO سے فون کیا تو معلوم ہوا ہاشمی صاحب ابھی اسپتال ہی میں ہیں۔میں نے ایک دوست کو خط لکھا ہے کہ وہ ہاشمی صاحب سے معلوم کریں کہ آپ کا پیکٹ انھیں ملا ہے یا نہیں۔جواب آتے ہی مطلع کردوں گا۔ویسے مجھے یقین ہے کہ پیکٹ مل گیا ہوگا۔انشاے غالب کا مسودہ مل گیا۔بے حد شکر گزار ہوں۔یہ کتاب ان شاءاللہ بہت جلد چھپ جائے گی۔مقدمے کی کتابت میں خود پڑھوں گا۔آپ اطمینان رکھیے۔کوئی غلطی نہ ہوگی۔آپ نے مالک رام صاحب کی پھیلائی ہوئی غلط فہمی کی خوب تردید کی۔[۸۴] سید سجاد مرحوم نے بعد میں ''نوطرز مرصع'' پر کام کر کے جرمنی کی کسی یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی لے لی تھی۔جامعہ عثمانیہ میں شاید صدرِ شعبہ بھی ہوگئے تھے۔تقسیم کے بعد کراچی آگئے تھے اور یہاں اسلامیہ کالج میں استاد ہوگئے تھے۔بی۔اے آنرز میں وہ میرے اُستاد تھے۔بہت لائق آدمی تھے۔مرحوم جرمنی سے ڈگری ہی نہیں، بیوی بھی ساتھ لائے تھے۔سالی بھی ساتھ آگئی تھی۔حیدرآباد میں وہ بیوی اور سالی کے ساتھ اکثر سیر کے لیے پیدل نکلتے تھے۔سید صاحب ذرا لنگڑا کے چلتے تھے۔صدق جائسی[۸۵] نے یہ شعر کہا تھا:

اک سمت دسہری ہے، اک سمت سفیدہ ہے
اور بیچ میں دونوں [کے] لنگڑا نظر آتا ہے [۸۶]

فرمان صاحب سے بات ہوئی۔انھوں نے بتایا ہے کہ اب کے دسمبر میں نیاز سمینار میں آپ کو اور خلیق انجم صاحب کو مدعو کیا ہے۔اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے۔

آیئے اور ضرور آیئے۔ آپ کو دیکھے ہوئے دس برس سے زیادہ ہو گئے۔ آنکھیں ترستیاں ہیں۔

ایک تجویز ذہن میں آئی ہے۔ خدا کرے آپ اتفاق کریں۔ غالب پر آپ نے جتنے مقالے لکھے ہیں، کیوں نہ انھیں ایک مجموعے کی صورت میں شائع کر دیا جائے۔ اسی مجموعے میں دستنبو کا ترجمہ بھی شامل کر دیا جائے۔

ہم دونوں خیریت سے ہیں۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

ازرہِ کرم دوسرا خط ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کو پوسٹ کر دیجے اور پڑھ بھی لیجے تاکہ آپ کو صورتِ حال کا علم رہے۔

آپ کا
مشفق خواجہ

27/06/2001

(81)

خان صاحب مکرّم و محترم سلام مسنون۔

جولائی کے تیسرے ہفتے میں ایک ہی دن میں دو مرتبہ فون آیا، لیکن کٹ گیا۔ میں نے دونوں مرتبہ آپ کی آواز سُنی مگر میری آواز آپ تک نہ پہنچی۔ افسوس کہ میرا فون ڈائریکٹ نہیں ہے، بکنگ کرانی پڑتی ہے اور پھر آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے گھر میں قید رہ کر انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اگر ڈائریکٹ ڈائلنگ کی سہولت حاصل ہوتی تو جنتِ نگاہ کے نہ سہی، فردوسِ گوش کے مزے تو اکثر لوٹتا۔ خدا بھلا کرے جناب عبدالوہاب سلیم کا، وہ کبھی میری فرمایش پر اور کبھی ازخود آپ کو فون کر کے آپ کی خیریت سے مطلع فرما دیتے ہیں۔

''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' ملتے ہی میں نے آپ کو خط لکھا تھا۔ افسوس کہ میرا یہ خط آپ کو نہیں ملا۔ اس عظیم کام یعنی کارنامے نے میری کتنی مشکلیں آسان کیں، یہ میں ہی جانتا ہوں۔ آج کل فرمان سلیمانی کی فرہنگ بنا رہا ہوں۔ اُس میں قدم قدم پر اس سے مدد ملی ہے۔ میں نے خط میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ حسبِ سابق اس کی کتابت عنایت فرمایئے تاکہ پاکستانی اڈیشن بھی فوراً شائع کیا جاسکے۔ ''گنجینۂ معنی کا طلسم'' کے لیے بھی یہی درخواست ہے۔ آپ کی ہمت کی داد اس طرح دیتا ہوں کہ آپ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا کرتا رہتا ہوں۔

''کلیاتِ جعفر زٹلی'' کو دیکھنے کا جتنا انتظار مجھے ہے، کسی دوسرے کو نہ ہوگا۔ ایک چوتھائی مسودے کی صورت میں دیکھ چکا ہوں۔ باقی تین چوتھائی کو آپ مجھ سے کیوں چھپانا چاہتے ہیں۔

جعفر کی بُری باتوں کو آپ کے توسط سے سنوں گا تو میرا نامۂ اعمال خراب ہوگا، نہ آپ گناہ گار ہوں گے۔ آپ اسے لسانی و ادبی خدمت کے طور پر مرتب کر رہے ہیں اور میں عبرت کے لیے پڑھوں گا کہ اب اس عمر میں عبرت حاصل کرنے ہی کے لائق رہ گیا۔ ترغیب و تشویش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔ میں نے تو عبدالوہاب سلیم صاحب سے کہا ہے کہ اس کے کم از کم پچاس نسخے میرے لیے حاصل کر کے بھیجیں تا کہ اُن سب لوگوں کے لیے عبرت کا سامان مہیا کر سکوں، جنھوں نے جعفر کا غلط متن پڑھ کر اپنا اخلاق اور کردار خراب کیا ہے۔

ہاں جناب ''کلیات یگانہ'' کی رسید آپ نے نہیں بھیجی۔ یہ کتاب آپ کو بھیجتے ہوئے مجھے خوف آ رہا تھا، لیکن پھر خیال آیا کہ غلطیوں کی نشان دہی تو آپ ہی کریں گے اور کون ہے، جو میری رہنمائی کر سکتا ہے اور یہ کام بھی تو آپ کی عنایات کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔

دہلی کے ایک بد بخت ناشر ایجوکیشنل نے ''کلیات یگانہ'' شائع کیا ہے۔ اس میں میرے حواشی حذف کر دیے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دیباچے میں حواشی کے جتنے حوالے موجود ہیں وہ رہنے دیے ہیں۔

مولانا ابو سلمان شاہ جہاں پوری صاحب خیریت سے ہیں۔ ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد انھوں نے دو کام بہت اچھے کیے ہیں۔ ایک تو نیا مکان بنایا ہے جو خاصا کشادہ ہے اور پوری ایک منزل لائبریری کے لیے وقف کی ہے۔ دوسرا کام یہ کہ انھوں نے اس سال حج کی سعادت حاصل کر لی ہے، مگر بیٹے کی طرف سے دکھی ہیں کہ وہ نافرمان نکلا۔ اب مولانا سے ملاقات کم ہوتی ہے۔ اُن کا مکان میرے مکان سے بہت فاصلے پر ہے اور پھر راستہ بھی بے حد مخدوش۔ اس لیے میرے لیے اُس راستے پر گاڑی چلانا ناممکن ہے۔ نئے مکان میں ایک ہی مرتبہ گیا ہوں، مکان کی مبارک باد دینے۔ حج کی مبارک باد فون پر ہی دے دی تھی اور کہا تھا کہ مولانا اب گناہ سے بالکل دامن چھڑا لیجیے۔ کہنے لگے: ''وہ کس طرح؟'' میں نے کہا: ''مولانا ابوالکلام پر کتابیں لکھنا چھوڑ دیجیے۔''

اس خط کے ساتھ ''معربات رشیدی'' بھیج رہا ہوں اور داد کا طالب ہوں۔ دیکھیے منتشر کاغذات سے کیسی خوب صورت کتاب وجود میں آتی ہے۔ مظہر محمود شیرانی نے تدوینِ نو کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب میری خواہش ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مضامین بھی شائع کر دیے جائیں۔ مطبوعہ نسخہ (جلد اوّل) تو میرے پاس ہے۔ جلد دوم کسی طرح سے مکتبہ جامعہ والوں سے حاصل کر کے بھیج دیجیے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے خطوط کا مجموعہ چھاپنا ضروری ہے۔ اس

سلسلے میں آپ کی رہنمائی کا طالب ہوں۔

ڈاکٹر صدیقی کے پوتے سہیل صدیقی ہندستان سے اپنے دادا کے کاغذات لائے تھے۔ ''معربات'' سے متعلق کچھ چیزیں اُن سے ملی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا ہے کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے، وہ مجھے دکھائیں۔ شاید چھاپنے کے لائق چیزیں نکل آئیں۔

اوپر میں ''فرمانِ سلیمانی'' کا ذکر کیا ہے، معلوم نہیں اس کے بارے میں میں نے آپ کو کبھی لکھا یا نہیں۔ یہ کام کئی سال پہلے مکمل کر کے ایک طرف ڈال دیا تھا (ایسے اور بھی کئی کام ہیں)۔ اب سوچ رہا ہوں کہ اسے شائع کر دوں، لہٰذا آج کل اس پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ یہ واجد علی شاہ کے چھوٹے بھائی مرزا سلیمان قدر کا روز نامچہ ہے۔، جسے امانت لکھنوی کے بیٹے لطافت نے لکھا ہے۔ لطافت اُن کے مصاحب تھے۔ روز نامچہ روز کے روز لکھا جاتا تھا اور میرے پیشِ نظر اس کا اصل مسودہ ہے۔ یہ 80 دنوں کا روز نامچہ ہے، بہت دل چسپ اور معلوماتی۔ اس کے بارے میں ایک تعارفی مضمون ''نذرِ حمید'' میں شامل ہے۔ اسی کو ردو بدل کے بعد مقدمہ بنا دیا ہے۔ اس کے بعد شاہ قدرت کے دونوں دیوان مرتب کروں گا۔ اس سلسلے میں بھی کام تقریباً مکمل ہے۔

آپ کی صحت کا حال سنتا ہوں اور پھر آپ کے کاموں پر نظر ڈالتا ہوں تو خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں سے کہیں زیادہ اور بہتر، بل کہ لاثانی کام کر رہے ہیں جن کی صحت قابلِ رشک ہے۔ میرا حال بھی کچھ اچھا نہیں ہے۔ 60 برس کی عمر تک تو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، یہاں تک کہ ذیابیطس بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکی، مگر 61 سال میں قدم رکھتے ہی جسمانی عوارض دامن کش ہونے لگے۔

نوبت بایں جا رسید کہ گذشتہ برس گردوں کی کارکردگی متاثر ہوئی۔ ذیابیطس کی دواؤں نے گردوں کو خراب کیا۔ اب یہ صرف 30 فی صدی کام کر رہے ہیں۔ دوائیں چھوڑ کر انسولین شروع کی ہے۔ اُمید ہے کہ اس کے مثبت اثرات ہوں گے۔ فی الحال تو یہ عالم ہے کہ دو قدم چلتا ہوں تو تھک جاتا ہوں۔ بیماری کا ایک دل چسپ نتیجہ یہ ہے کہ 68 برس کا ہوں، لیکن 168 برس کا نظر آتا ہوں۔ میز پر بیٹھ کر البتہ کمزوری کا احساس نہیں ہوتا۔ روزانہ دس بارہ گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔ بس بیماری کا یہی پہلو اطمینان بخش ہے کہ اس نے میرا حوصلہ نہیں چھینا۔

آمنہ آپ کو سلام لکھوا رہی ہیں اور ہمیشہ آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔

ادارۂ یادگارِ غالب سے ہم لوگوں نے خاصی کتابیں چھاپی ہیں۔ فہرست بھیج رہا ہوں۔ آپ کی دل چسپی کی جو کتابیں ہوں، وہ بھجوائی جا سکتی ہیں۔

آپ کا مخلص
مشفق خواجہ
8اگست2003

(82)

III D-9/26,NIZAMABAD,
KARACHI-74600

3-ڈی26/9، ناظم آباد
کراچی-74600

3-ڈی26/9، ناظم آباد
کراچی-74600

میرے محترم خاں صاحب، سلامِ مسنون۔

آج ایک مدت کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔

11 نومبر 2003 کو میری طبیعت خراب ہوئی۔ پہلے گیارہ دن اسپتال میں رہا اور پھر میرے بھائی بہن مجھے اپنے ساتھ ایک ایسے علاقے میں لے گئے جہاں طبّی سہولتیں آسانی سے دستیاب تھیں۔ 31 دسمبر تک میں بستر پر رہا۔ اس کے بعد لکھنے پڑھنے کا کام شروع کر دیا اور جب میرے بھائی بہنوں کو اطمینان ہو گیا کہ میں بڑی حد تک صحت یاب ہو چکا ہوں تو وہ اس پر آمادہ ہو گئے کہ میں اپنے گھر واپس چلا جاؤں۔ اب میں اپنے گھر میں ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ میں آپ جیسے مخلصوں اور مہربانوں کی دعاؤں سے معمول کے مطابق اپنے کاموں میں مصروف ہوں۔

آپ کا 9 دسمبر 2003 کا خط مجھے مل گیا تھا۔ آپ نے جس محبت سے مجھے یاد کیا، اُس سے مجھ میں بیماری کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہوئی۔ اسی دوران ''زٹل نامہ'' موصول ہوا۔ اگرچہ اس کام کا ایک حصہ تو میں پہلے دیکھ چکا تھا لیکن اب جو اسے بغور دیکھا تو جعفر کی عظمت کا اندازہ ہوا۔ وہ بلاشبہہ اُردو کا سب سے بڑا طنز نگار ہے۔ اور آپ نے اُس پر کام کر کے اُسے نئی زندگی دی ہے۔ اب اُردو والوں کو معلوم ہو گا کہ اُنھوں نے فحاشی کے پردے کے پیچھے کتنی بڑی ادبی شخصیت کو چھپا رکھا تھا۔

اپنے حالات سے مفصل آگاہ کیجیے۔ اب ان شاءاللہ خط کتابت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

خدا آپ کو خوش و خرم اور صحت مند و توانا رکھے۔ آمنہ سلام لکھوا رہی ہیں۔

آپ کا خیر اندیش

مشفق خواجہ
04/04/2004

حواشی:

☆ یہ خط ''متعلقاتِ مشفق خواجہ'' (مرتبین: ساحر شیوی، صابر ارشاد عثمانی، سید معراج جامی) سے نقل کیا گیا ہے۔

۱ یہ تبصرہ ماہ نامہ ''سات رنگ'' ستمبر، اکتوبر 1961 کے شمارے میں آٹھ صفحات (ص 81 تا 88) پر محیط ہے۔

☆ ''متعلقاتِ مشفق خواجہ'' میں اس خط پر تاریخ غلط لکھی گئی ہے۔ چوں کہ اس خط میں ''سات رنگ'' میں ''نمونۂ لغاتِ اُردو'' پر ''گذشتہ سال'' تبصرہ شائع ہونے کا ذکر ہے۔ (یہ تبصرہ 1961) میں شائع ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیرِ نظر مکتوب 1962 میں لکھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ رشید حسن خاں کے جس مکتوب کے جواب میں یہ خط لکھا گیا ہے، اُس پر مشفق خواجہ نے اپنے قلم سے ''جواب 12/10/62 کے الفاظ لکھے ہیں۔

۲ پروفیسر سیّد محمد طارق حسن اور نور الحسن نقوی نے خوب چند ذکا کے تذکرے ''عیارالشعرا'' کو مرتب کیا۔ اسے قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان، نئی دہلی نے 2011 میں شائع کیا۔

۳۔ ''گلشنِ ہمیشہ بہار'' کے مصنف نصراللہ خان خویشگی ہیں۔ یہ تذکرہ ڈاکٹر اسلم فرخی نے مرتب کیا اور انجمن ترقی اُردو نے اسے 1967 میں شائع کیا۔ ''ہمیشہ بہار'' فارسی شعرا کا تذکرہ ہے۔ اس کے مصنف کشن چند اخلاص ہیں۔ اس کے مرتب ڈاکٹر وحید قریشی ہیں۔ اسے انجمن نے 1973 میں شائع کیا۔ ''تذکرہ عروس الاذکار'' نصیر الدین نقش حیدر آبادی کی تالیف ہے۔ اسے افسر صدیقی امروہوی نے مرتب کیا اور انجمن کی طرف سے 1975 میں اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

۴ رشید حسن خاں کے جس مضمون کا مکتوب نگار نے ذکر کیا ہے۔ اُس کا عنوان تھا 'املا کا اختلاف اور لغت'۔ مذکورہ مضمون ''اُردو نامہ''، شمارہ:29، اکتوبر 1967 (ص 67 تا ص 82) میں شائع ہوا تھا۔

۵ اکبر علی خاں رام پور رضا لائبریری میں اسسٹنٹ لائبریرین تھے۔ وہ ''نگار'' رام پور (یو۔ پی) کے ایڈیٹر بھی تھے۔

۶ عبداللہ خان خویشگی کے ''گلشنِ ہمیشہ بہار'' کو ڈاکٹر اسلم فرخی نے مرتب کیا اور اسے انجمن ترقی اُردو نے 1967 میں محمد رضا پہلوی آریا مہر شاہنشاہِ ایران کی تاج پوشی کے موقع پر شائع کیا تھا۔

۷ مکتوب نگار نے 'گلشنِ بے خار' مطبوعہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی کی طرف اشارہ کیا ہے

۔محمد احسان الحق فاروقی نے 1962 میں شائع ہونے والے اس تذکرے کا ترجمہ کیا اور حواشی لکھے۔

۸۔ مشفق خواجہ نے مذکورہ تذکرے کا جائزہ ''گلشنِ سخن پر ایک نظر'' کے عنوان سے لیا تھا۔ یہ جائزہ سہ ماہی ''اُردو''، جلد: 43 شمارہ:3، جولائی 1967 میں شائع ہوا۔ چودہ صفحات (ص 133 تا 146) پر محیط اس جائزے میں مشفق خواجہ نے حواشی نہ ہونے کی کمی کا اظہار کیا ہے۔اس کے علاوہ مطبوعہ متن میں پائی جانے والی اغلاط کی نشان دہی بھی کی ہے۔

۹۔ ''تذکرہ عروس الاذکار'' کے مصنف نصیرالدین نقش حیدرآبادی ہیں۔اسے افسر صدیقی امروہوی نے مرتب کیا۔انجمن ترقیِ اُردو، پاکستان، کراچی سے اس تذکرے کی اشاعتِ اوّل 1975 میں عمل میں آئی۔

۱۰۔ مشفق خواجہ کی شادی آمنہ صدیقی (آمنہ مشفق) سے 27 دسمبر 1964 بروز اتوار ہوئی تھی۔آمنہ صدیقی نے ''افکارِ عبدالحق'' (اُردو اکیڈمی سندھ کراچی ، 16 اگست 1962) کے نام سے ایک کتاب بھی مرتب کی ہے۔مشفق خواجہ اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور کتابوں ہی کو اپنی اولاد تصور کرتے تھے۔

۱۱۔ مولانا امداد صابری (16 اکتوبر 1914-13 اکتوبر 1988) کا اصل نام امداد الرشید تھا۔دہلی کے محلّہ چوڑی والاں میں پیدا ہوئے۔مولانا امداد صابری نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔جو کتابیں راقم کی نظر سے گزری ہیں، اُن میں ''تاریخ جرم و سزا''، ''فرنگیوں کا جال''، ''رسولِ خدا کا دُشمنوں سے سلوک''، ''رسولِ خدا کی غریبوں سے محبت''، ''1857 کے مجاہد شعرا''، ''1857 کے غدار شعرا''، ''تلامذۂ میر''، ''آثارِ رحمت''، ''تذکرۂ شعرائے حجاز''، ''دہلی صدیقی برادری کی شخصیتیں''، ''دہلی کی یادگار ہستیاں''، ''تاریخ صحافتِ اُردو''، ''اُردو کے اخبار نویس''، ''صوفی انبا پرشاد مرادآبادی اور شہیدانِ وطن ضلع مرادآباد''، ''دہلی کے قدیم مدارس اور مدرس''، ''جنوبی افریقہ کے اُردو شاعر''، ''داستانِ شرف''، ''فیضانِ رحمت''، ''گلدستۂ صحافت''، دہلی کی یادگار شخصیتیں''، علامہ سیّد سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیاں''، ''اخبار مخبر عالم مرادآباد اور تحریکِ آزادی''، ''تذکرۂ راحت مولائی''، ''سوبھاش بابو کی تقریریں'' شامل ہیں۔

۱۲۔ ڈاکٹر سلامت اللہ (1913-23 جنوری 2002) سہائل ضلع اٹاوہ میں پیدا ہوئے۔علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے بی۔ٹی کیا۔کولمبیا یونی ورسٹی، امریکا سے ایجوکیشن میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد جامعہ ٹیچرس کالج سے وابستہ ہوگئے۔اس کالج کے پرنسپل بھی رہے۔''ہم کیسے پڑھائیں''، ''ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیم''، ''تعلیم، فلسفہ اور سماج'' اور ''تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر'' شامل ہیں۔ان کی خودنوشت ''یادوں کے چراغ'' بھی شائع ہو چکی ہے۔

۱۳۔ عبداللطیف اعظمی (یکم مارچ 1917-11 مئی 2002) موضع بندی کلاں ضلع اعظم گڑھ (اُترپردیش) میں پیدا ہوئے۔جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے بی۔اے کیا۔یہیں سے بہت تاخیر سے

(1973 میں) ایم۔اے اُردو کیا۔ مکتبہ جامعہ، دہلی کے شعبۂ تصنیف و تالیف و طباعت کے انچارج رہے۔ شیخ الجامعہ م،نئی دہلی کے پرسنل مددگار اور سیکرٹری بھی رہے۔ ہفتہ وار ''نئی روشنی'' نئی دہلی کے مینجنگ ایڈیٹر جب کہ ماہ نامہ ''ہمدرد جامعہ'' اور ''صبح'' (انجمن ترقیِ اُردو شاخ دہلی) کے ایڈیٹر رہے۔ ماہ نامہ ''جامعہ'' جامعہ ملیہ، نئی دہلی سے مختلف حیثیتوں (اسسٹنٹ ایڈیٹر، مدیر معاون، ایڈیٹر) سے منسلک رہے۔ عبداللطیف اعظمی کی کتابوں میں ''مولانا شبلی کا مرتبہ اُردو ادب میں''، ''ڈاکٹر راجندر پرشاد''، ''سوشلزم'' اور ''تیسرے راشٹر پتی ڈاکٹر ذاکر حسین'' شامل ہیں۔

۱۴۔ راجیند رناتھ شیدا کی دو کتابوں ''مطالعے اور جائزے'' اور ''ادبی رُجحانات کا تجزیہ'' پر مشفق خواجہ نے تبصرہ بھی کیا تھا۔ راقم کی نظر سے شیدا صاحب کی ایک اور کتاب ''ادب، فکر اور سماج'' بھی گزر چکی ہے۔

۱۵۔ ظل عباس عباسی (16 اکتوبر 1925 - 1997) اجمیر میں پیدا ہوئے۔ محلّہ نیاریاں، عقب کوچہ پنڈت، دہلی میں رہتے تھے۔ ناشر تھے۔ ''کلیاتِ میر'' مرتب کیا۔ اس کے علاوہ ''اُردو کا مقدمہ'' اور ''گلدستۂ نعت'' بھی مرتب کیں۔

☆ خط نمبر ۱۴۔ مکتوب نگار نے اِس مکتوب پر تاریخ نہیں لکھی۔ چوں کہ زیرِ نظر مکتوب میں مکتوب نگار نے گذشتہ سال نومبر میں انجمن سے قطع تعلق کرنے کا لکھا ہے، اِس لیے اس مکتوب کا سالِ تحریر 1974 ہے۔ مکتوب نگار نے اس سے پہلے لکھے گئے دو خطوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے دُوسرا خط 16 اکتوبر کو لکھا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زیرِ نظر مکتوب 16 اکتوبر 1974 کے بعد اور یکم جنوری 1975 سے پہلے لکھا گیا ہے۔

۱۶۔ چار سال بعد لکھے گئے مکتوب بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد میں مشفق خواجہ نے تیسری جلد کے نہ چھپنے کا ذکر اِن لفظوں میں کیا ہے:

> ''خوش معرکہ زیبا کی تیسری جلد (تعلیقات و حواشی) مکمل کر چکا ہوں لیکن ناشر (مجلسِ ترقیِ ادب) کے حالات دگرگوں ہیں۔ اِس لیے مستقبل قریب میں اس کی اشاعت کی توقع نہیں ہے''۔

(مکتوباتِ مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد'' (مرتّبۂ ڈاکٹر سیّد حسن عباس) مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور، طبعِ اوّل ص 43)

۱۷۔ لگتا ہے مکتوب نگار نے یہ مکتوب بہت عجلت میں لکھا ہے۔ ایک صفحے کے خط میں دس جگہ اُنھوں نے لفظوں یا جملوں کو کاٹ کر دوبارہ لکھا ہے۔ شاید اسی عجلت کے باعث وہ ''آپ کا'' کے بعد ''مخلص'' اور اس سے نیچے اپنا نام لکھنا بھول گئے۔

۱۸۔ گوپال متل (6 جون 1907 - 15 اپریل 1993) مشرقی پنجاب کی ریاست مالیرکوٹلا میں پیدا ہوئے۔ سناتن دھرم کالج، لاہور سے 1932 میں بی۔اے کیا۔ ''صبحِ اُمید'' نام کا رسالہ

نکالا۔تاجور نجیب آبادی کے ''شاہ کار'' کے علاوہ روزنامہ ''نیشنل کانگریس'' سے بھی وابستہ رہے۔ 1948 میں لاہور سے دہلی منتقل ہو گئے۔ یہاں سے ''تحریک'' جاری کیا۔ نیشنل اکاڈمی کے نام سے ایک اشاعت گھر بھی بنایا۔ دہلی میں انتقال ہوا۔ گوپال متل کی خدمات شاعری، افسانہ نگاری، آپ بیتی، ترجمہ نگاری اور ادارت پر محیط ہیں۔ ان کے شعری مجموعوں میں ''صحرا میں اذان''، ''شرارِ نغمہ''، ''دوراہا'' اور ''سچے بول'' شامل ہیں۔ ''کلیات'' بھی شائع ہو چکا ہے۔ ''انقلابی افسانے'' اور ''پھول اور کانٹے'' افسانوں کے مجموعے ہیں۔ ''لاہور کا جو ذکر کیا'' ان کی لاہور کی یادوں پر مشتمل ہے۔ اروِن ڈی کنہم کی کتاب کو ''آزادی کی نئی وسعتیں'' کے نام سے اُردو میں ترجمہ کیا۔

۱۹ مشفق خواجہ نے ماہنامہ ''سات رنگ'' میں دو قسطوں پر مشتمل مضمون ''کارِ طفلاں تمام خواہد شد'' میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی مرتّبہ نصابی کتابوں کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ اسی طرح روزنامہ ''انجام'' کراچی (29 دسمبر 1963) میں بھی ان کاموں کی خوب خبر لی ہے۔

۲۰ ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار'' حکیم سیّد احمد اللہ ندوی (پروفیسر جامعہ طبیہ شرقیہ، کراچی) کی تالیف ہے۔ اس کتاب پر ملنے کا پتا بھی حکیم صاحب ہی کا لکھا ہوا ہے یعنی حکیم سیّد احمد اللہ ندوی، پیر الٰہی بخش کالونی نمبر 895 کراچی۔

۲۱ جوشؔ ملیح آبادی (5 دسمبر 1898 - 2 فروری 1982) کا اصل نام شبیر حسین خاں اور جوشؔ تخلص تھا۔ اُتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد 1957 میں پاکستان آ گئے۔ اُنھوں نے اُردو شاعری اور نثر میں کثیر سرمایہ چھوڑا۔ اُن کی شاعری کے مجموعوں میں سے اہم نام یہ ہیں: ''رُوحِ ادب''، ''نقش و نگار''، ''شعلہ و شبنم''، ''جنون و حکمت''، ''حرف و حکایت''، ''حسین اور انقلاب''، ''آیات و نغمات''، ''عرش و فرش''، ''رامش و رنگ''، ''سنبل و سلاسل''، ''سیف و سبو''، ''سرور و خروش''، ''سموم و صبا''، ''طلوعِ فکر''، ''الہام و افکار''، ''نجوم و جواہر''، ''جوش کے مرثیے''، ''عروسِ ادب'' (حصہ اوّل و دُوم)، ''عرفانیاتِ جوش''، ''محراب و مضراب'' اور ''دیوانِ جوشؔ''۔ اُن کے نثری مجموعوں میں ''مقالاتِ جوشؔ''، ''اوراقِ زرّیں''، ''جذباتِ فطرت''، ''اشارات''، ''مقالاتِ جوش'' اور ''یادوں کی بارات'' (خود نوشت سوانح) شامل ہیں۔

۲۱ شان الحق حقی (15 دسمبر 1917 - 11 اکتوبر 2005) دہلی میں پیدا ہوئے۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے گریجوایشن کی۔ سینٹ اسٹیفنز کالج (دہلی یونی ورسٹی) سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔ تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ حقی صاحب کو متعدد زبانوں پر دست رس حاصل تھی۔ محکمہ اطلاعات، اشتہارات، مطبوعات اور فلم سازی سے وابستہ رہے۔ ''اُردو نامہ'' کے ادارۂ تحریر میں شامل تھے۔ اُردو لغت بورڈ کے لیے بھی خدمات انجام دیں۔ کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں وفات پائی۔ ''فرہنگِ تلفظ'' اور ''جدید آکسفورڈ اُردو انگریزی ڈکشنری'' مرتّب کی۔ شان الحق حقی کی دو کتابیں ''درپن درپن'' اور ''نقد و نگارش''، مشفق خواجہ نے اپنے ادارے مکتبۂ اسلوب سے شائع کیں۔ ان کی دیگر کتابوں

میں ''تارِ پیراہن''، ''دِل کی زبان''، ''حرفِ دِل رس''، ''آئینۂ افکارِ غالب''، ''لسانی مسائل و لطائف''، ''نذرِخسرو''، ''نکتۂ راز''، ''تشیدِ حریت'' شامل ہیں۔ ولیم شیکس پیئر کے ڈرامے ''انطنی کلوبطرہ'' کا ترجمہ ''قہرِ عشق'' کے نام سے کیا۔ ''بھگود گیتا'' اور ''درپن درپن'' دونوں منظوم ترجموں پر مشتمل ہیں۔ ''افسانہ در افسانہ'' ان کی خودنوشت ہے۔

۲۲ محمد رفیق اسلم کے متعلق زیادہ معلومات نہیں مل سکیں۔ اُن کی ایک کتاب ''انتخابِ معانی'' (محمد قلی قطب شاہ معانی) مطبوعہ چمن بک ڈپو، اُردو بازار دہلی 1978 اس وقت راقم کے پیشِ نظر ہے۔ اس کے ''پیش گفتار'' سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رفیق اسلم نے دہلی یونی ورسٹی سے ایم۔اے اُردو کیا تھا۔

۲۳ مشرف احمد نے ''شاہ حسین حقیقت اور اُن کا خاندان'' کے عنوان سے کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب ادارۂ ادبیاتِ پاکستان کی طرف سے 1977 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کے بارے میں معین الدین عقیل کا یہ کہنا ہے کہ یہ کتاب ''مفصل اور معلوماتی تو ہے، لیکن مستند حوالوں اور مآخذ کی نشان دہی کے نہ ہونے سے اِس کا تحقیقی معیار قابلِ اعتبار نہ رہا''۔ ('پاکستان میں اُردو تحقیق''، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی 1987 ص86)

۲۴ ''تحقیق نامہ'' کے نام سے کوئی کتابی سلسلہ شروع نہیں کیا جا سکا تھا، البتہ ''تخلیقی ادب'' کے نام سے مشفق خواجہ نے ایک کتابی سلسلہ ضرور شروع کیا تھا۔ اس کے پانچ ضخیم شمارے شائع ہوئے تھے۔ ''تحقیق نامہ'' کے عنوان سے مشفق خواجہ کے تحقیقی مضامین کا مجموعہ مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی لاہور سے 1991 میں شائع ہوا تھا۔ اسی سال نومبر میں یہ کتاب مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی سے بھی شائع ہوئی۔

۲۵ یہ تبصرہ ''نیا دور'' کراچی کے شمارہ 68-67، ص478 تا 480، 1976 میں شائع ہوا۔

۲۶ مشفق خواجہ کا واحد مجموعہ کلام ''ابیات'' کے نام سے مکتبہ نیا دور، کراچی سے 1978 میں شائع ہوا۔

۲۷ ماہنامہ ''سات رنگ'' اطہر صدیقی کی ادارت میں کراچی سے نکلتا تھا۔ اس پرچے میں شائع ہونے والے مشفق خواجہ کے بعض تبصرے پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں، خصوصاً ''تاریخ ادبِ اُردو'' مرتّبۂ عبدالقیوم پر کیا جانے والا تبصرہ اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی مرتّبہ اُردو کی نصابی کتابوں پر دو قسطوں میں شائع ہونے والا تبصرہ بہ عنوان ''کارِ طفلاں تمام خواہد شد'' اپنی مثال آپ ہیں۔

۲۸ مشفق خواجہ نے ''جائزہ مخطوطاتِ اُردو'' کی صورت میں اپنی نوعیت کا ایک منفرد، اعلا اور یادرہ جانے والا کام کیا تھا۔ اس کتاب میں پاکستان میں موجود دو سو مخطوطات کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ مخطوطات کی روایتی فہرست سازی سے بلند تر سطح کا کام ہے جس میں مخطوطات اور اُن کے مصنفوں کے متعلق تحقیقی مسائل بیان کیے گئے ہیں اور نتائج اخذ کیے گئے ہیں۔ یہ دس جلدوں پر مشتمل منصوبہ تھا مگر اس کی ایک ہی جلد (مرکزی اُردو بورڈ لاہور، 1979) منظرِ عام پر آسکی۔

۲۹ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (یکم جولائی 1912-25 ستمبر 2005) جبل پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ میں زیرِ تعلیم رہے۔ اُردو اور فارسی میں ایم۔اے کیا۔ ''سیّد حسن غزنوی: حیات و ادبی

کارنامے'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی۔ 1959 میں ناگ پور یونی ورسٹی کی طرف سے انھیں ڈی۔لٹ کی ڈگری سے نوازا گیا۔مختلف اداروں سے وابستہ رہے۔سندھ یونی ورسٹی، جام شورو میں صدرِ شعبۂ اُردو رہے۔حیدر آباد (سندھ) میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔متعدد مقالات اور کتابیں لکھیں۔ان میں ''حضرت مجدد الف ثانی: ایک تحقیقی جائزہ''، ''اقبال اور قرآن''، ''معارفِ اقبال''، ''ادبی جائزے'' اور ''حالی کا ذہنی ارتقا'' شامل ہیں۔

۳۰ مکتوب نگار نے ڈاکٹر وحید قریشی کا پتا لکھتے وقت غلطی سے کراچی لکھ دیا ہے۔ جناب ڈاکٹر وحید قریشی کا پتا تھا:26-این۔سمن آباد۔لاہور

۳۱ شمس الرحمٰن فاروقی (30 ستمبر 1935-25 دسمبر 2020) اعظم گڑھ (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ الہ آباد یونی ورسٹی سے 1955 میں انگریزی میں ایم۔اے کیا۔محکمہ ڈاک سے وابستہ تھے اور بہ حیثیت پوسٹ ماسٹر جنرل ریٹائر ہوئے۔covid-19 کی وجہ سے الہ آباد میں وفات پائی۔چار دہائیوں سے زیادہ عرصے تک ''شب خون'' کی ادارت کی۔ فاروقی کی کتابوں میں ''شعرِ شور انگیز'' (چار جلدیں)، ''تفہیمِ غالب''، ''شعر، غیر شعر اور نثر''، ''لغاتِ روزمرہ''، ''کئی چاند تھے سرِ آسمان'' اور How to Read Iqbal شامل ہیں۔

۳۲ یہ شعر عزیز حامد مدنی کی ایک غزل کا ہے۔یہ غزل اُن کے مجموعے ''دشتِ امکاں'' (1964) میں شامل ہے۔راقم نے یہ شعر ''کلّیاتِ عزیز حامد مدنی'' میں دیکھا ہے۔''کلّیاتِ عزیز حامد مدنی'' (مرتّبہ ظفر سعید سیفی) اکادمی بازیافت، کراچی نومبر 2013، ص234

۳۳ مشفق خواجہ نے ''کلّیاتِ یگانہ'' کی تدوین پر بہت سال لگائے۔یہ کلیات، جس کو وہ 1984 کے آخر تک پریس میں چلے جانے کی خبر دے رہے ہیں، کہیں جنوری 2003 میں جا کر اکادمی بازیافت کراچی سے شائع ہو پایا۔

۳۴ 'ارمغانِ علمی' (بپاسِ خدماتِ علمی و ادبی ڈاکٹر وحید قریشی) القمر انٹر پرائزز، رحمان مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور سے 1998 میں شائع ہوئی۔ اس میں رشید حسن خاں کا مقالہ ''اِملا کا بنیادی مسئلہ''، ص89-110 شامل ہے۔

۳۵ سراج منیر (یکم جون 1951-25 ستمبر 1990) معروف عالمِ دین مولانا متین ہاشمی کے صاحب زادے تھے۔گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔تدریس کے پیشے سے منسلک ہوئے۔ سیماب صفت سراج منیر نے 1979 میں پیشۂ تدریس کو خیر باد کہا اور یکے بعد دیگر مختلف اخبارات و رسائل سے وابستگی اختیار کی۔1984 میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور کے ڈائرکٹر جنرل کی حیثیت سے تقرر ہوا۔تا دمِ مرگ اسی منصب پر فائز رہے۔ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے سہ ماہی ''المعارف'' کے مدیرِ اعلا تھے۔''روایت'' نام کا ایک عمدہ پرچہ بھی جاری کیا۔

۳۶ ساقی فاروقی (21 دسمبر 1936- 19 جنوری 2018) کا اصل نام قاضی محمد شمشاد نبی فاروقی تھا۔

گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد اپنے خاندان کے ہم راہ پہلے مشرقی پاکستان ہجرت کی۔ وہاں سے ان کا خاندان کراچی منتقل ہوگیا۔ کراچی میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد ساقی فاروقی انگلستان چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ساقی فاروقی کی بے باکی کی کوئی دوسری مثال ملنی مشکل ہے۔ اُن کی شاعری کے علاوہ اُن کی آپ بیتی بہ عنوان ''پاپ بیتی'' میں اس بے باکی کا کھل کر اظہار ملتا ہے۔ اُن کی دیگر کتابوں میں ''پیاس کا صحرا''، ''بہرام کی واپسی'' ''ہدایت نامہ شاعر''، ''حاجی بھائی پانی والا''، ''رادار''، ''رازوں سے بھرا بستہ'' اور ''سرخ گلاب اور بدرِ منیر'' شامل ہیں۔

۳۷۔ خالد شمس الحسن (1927-30 جون 1995) دہلی میں پیدا ہوئے۔ پیشے کے لحاظ سے بینکار تھے۔ نیشنل بنک آف پاکستان سے سینئر ایگزیکٹو نائب صدر کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد اُنھوں نے شمس الحسن فاؤنڈیشن قائم کی۔ انگریزی میں کتابیں لکھیں۔ Quaid-i-Azam's Unrealised Dream اُن کی معروف کتاب ہے۔ حکومتِ پاکستان کی طرف سے اُنھیں ستارۂ امتیاز سے نوازا گیا۔

۳۸۔ اختر الایمان (12 نومبر 1915-9 مارچ 1996) نجیب آباد ضلع بجنور (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ اینگلو عربک کالج، دہلی سے بی۔ اے کیا۔ ساغر نظامی کے ساتھ ''ایشیا'' کے نائب مدیر رہے۔ کچھ عرصہ دہلی ریڈیو سے بھی منسلک رہے۔ بمبئی آکر فلمی دُنیا سے وابستہ ہوئے اور خوب نام کمایا۔ بمبئی میں وفات پائی۔ اختر الایمان کی شاعری کے دس مجموعے شائع ہوئے۔ ان میں ''گرداب''، ''سب رنگ''، ''تاریک سیارہ''، ''آب جو''، ''یادیں''، ''بنتِ لمحات''، ''نیا آہنگ''، ''سروسامان''، ''زمین زمین'' اور ''سردمہری کا زمستان'' شامل ہیں۔

۳۹۔ عبدالستار دلوی (پ: 18 اگست 1937) بمبئی میں پیدا ہوئے۔ شعبۂ لسانیات بمبئی یونی ورسٹی سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد اسکول آف اوری اینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز، لندن یونی ورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ عین شمس یونی ورسٹی قاہرہ (مصر) کے شعبۂ اُردو کی بنیاد رکھی۔ ممبئی یونی ورسٹی کے صدرِ شعبۂ اُردو کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ مہاتما گاندھی میموریل ری سرچ سینٹر ممبئی کے علاوہ انجمن اسلام اُردو ری سرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی کے ڈائرکٹر رہے۔ لسانیات، ادب، تراجم اور مسلمانوں کی تہذیبی تاریخ اُن کے مطالعے کے خاص موضوعات ہیں۔ ان کی اہم تصانیف میں ''اُردو میں لسانیاتی تحقیق''، ''ادبی و لسانی تحقیق اور تقابلی ادب''، ''اُردو زبان اور سماجی سیاق''، ''دو زبانیں، دو اَدب'' اور ''اقبال اور بمبئی'' شامل ہیں۔

۴۰۔ یوسف ناظم (18 نومبر 1918-23 جولائی 2009) جالنہ (مہاراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ لیبر ڈیپارٹمنٹ میں لیبر آفیسر بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے ڈپٹی لیبر کمشنر کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ بمبئی میں وفات پائی۔ یوسف ناظم نے طنز و مزاح نگاری سے اُردو زبان کا دامن مالا مال کیا۔ اُن کی کتابوں میں ''فٹ نوٹ''، ''فقط''، ''البتہ''، ''فی الحال''،

''فی الفور''، ''فی زمانہ''، ''فی الحقیقت'' اور ''علیک سلیک'' شامل ہیں۔

۴۱؎ ممبئی میں ایلی فنٹا نامی ایک جزیرہ ہے۔ یہ معروف سیاحتی مقام ہے۔

۴۲؎ مشفق خواجہ کے بھیجے گئے ریحان کی مثنوی کے عکس سے استفادے کا ذکر رشید حسن خاں نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''ریحان کی مثنوی کا عمدہ نسخہ [جس پر کسی کے قلم سے مفصل حواشی لکھے ہوئے ہیں] کراچی کے نیشنل میوزیم میں تھا۔ محبی مشفق خواجہ صاحب کی عنایت سے اُس کا عکس حاصل ہوا۔

رشید حسن خاں: ''مقدمۂ مرتّب'' مشمولہ ''گلزارِ نسیم'' انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دِلّی 1995 ص 48

۴۳؎ امراؤ طارق (24 مارچ 1932 - 8 دسمبر 2011) کا اصل نام سیّد امراؤ علی تھا۔ فتح پور (ہسوہ) اُتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ پاکستان بننے کے بعد امراؤ طارق پہلے ڈھاکا منتقل ہوئے اور پھر وہاں سے کراچی آ گئے۔ پولیس کے محکمے میں ملازم تھے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ انجمن ترقی اُردو کراچی سے بھی وابستہ رہے۔ کراچی میں انتقال ہوا۔ ان کی تصنیفات میں ''بدن کا طواف'' (افسانے)، ''خشکی پہ جزیرے'' (افسانے)، ''تمام شہر نے پہنے ہوئے ہیں دستانے''، ''دھنک کے باقی ماندہ رنگ'' (خاکے)، ''تاروں پہ لکھے نام'' (خاکے) اور ''معتوب'' (ناول) شامل ہیں۔ ''فرمان فتح پوری۔ حیات وخدمات'' کے عنوان سے تین جلدوں پر مشتمل مجموعہ بھی مرتّب کیا۔ اس کے علاوہ فرمان فتح پوری کے ساتھ مل کر ''ادا جعفری: فن وشخصیت'' بھی مرتّب کی۔

۴۴؎ ''تفہیم''، دسمبر 1993 میں مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس میں شامل پہلے مضمون کا عنوان ہے: ''مولانا آزاد کا اسلوب''۔

۴۵؎ شاہد علی خاں (13 فروری 1930-20 اپریل 2021) فرخ آباد میں پیدا ہوئے۔ 1949 میں صوبہ متحدہ تعلیمی بورڈ سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ 1951 میں مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی میں جونیئر کلرک کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ ترقی کرتے کرتے اس ادارے کے جنرل منیجر کے عہدے تک پہنچے۔ بچوں کے رسالے ''پیام تعلیم'' اور ادبی رسالے ''کتاب نما'' کی ادارت بھی کی۔ مکتبۂ جامعہ سے ریٹائر ہونے کے بعد شاہد علی خاں نے نئی کتاب پبلشرز کے نام سے اپنا ذاتی ادارہ قائم کیا۔ دہلی میں وفات پائی۔

۴۶؎ انتساب کی عبارت ہے:

مشفق خواجہ
کے نام
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

۴۷؎ مشتاق احمد یوسفی (4 ستمبر 1923-20 جون 2018) جے پور میں پیدا ہوئے۔ آگرہ یونی ورسٹی سے فلسفہ میں ایم۔ اے کیا۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے قانون کا امتحان پاس کیا۔ پاکستان بننے کے بعد اپنے خاندان کے ہم راہ کراچی منتقل ہو گئے۔ بینکاری کے شعبے سے منسلک ہوئے۔ یونائیٹڈ بنک

لمیٹڈ کے صدر اور پاکستان بینکنگ کونسل کے صدر نشین رہے۔ یوسفی نے طنز و مزاح نگاری میں اپنی پہچان بنائی۔ اُن کی تصانیف میں ''چراغ تلے''، ''خاکم بدہن''، ''زرگزشت''، ''آبِ گم'' اور ''شامِ شہر یاراں'' شامل ہیں۔

۴۸۔ ''انشائے غالب'' مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی سے 1994 میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں یہ کتاب کراچی سے ادارۂ یادگارِ غالب نے 2001 میں شائع کی۔

۴۹۔ ڈاکٹر نجم الاسلام (یکم جولائی 1933-13 فروری 2001) کا اصل نام نجم الدین صدیقی تھا۔ بجنور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ 1956 میں بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ پاکستان آنے سے پہلے ''معیار'' میرٹھ کے ادارتی عملے میں شامل تھے۔ سندھ یونی ورسٹی، جام شورو سے 1960 میں ایم۔اے اُردو کیا۔ ''دبستانِ دہلی کی نثر'' کے موضوع پر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی زیر نگرانی مقالہ لکھ کر سندھ یونی ورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ سندھ یونی ورسٹی کے صدرِ شعبۂ اُردو رہے۔ یونی ورسٹی کے مجلّہ ''تحقیق'' کے مدیر تھے۔ حیدرآباد (سندھ) میں وفات پائی۔ ان کے مطبوعہ کاموں میں ''ابھرتی کرنیں''، ''معیار'' (تنقید نمبر)، ''عالمی امن''، ''نقش و نغمہ''، ''دین و ادب'' اور ''مطالعات'' شامل ہیں۔

۵۰۔ ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی میں اُستاد تھے۔ اُن کی ایک کتاب ''دہلی'' راقم کی نظر سے گزر چکی ہے۔

۵۱۔ نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ کے کتب خانے میں ''پنچھی باچھا'' کا ایک مخطوطہ موجود تھا۔ اسے سیّد محمد ام۔اے (ریڈر شعبۂ اُردو، جامعہ عثمانیہ) نے مرتّب کیا۔ چناں چہ یہ مثنوی 1959 میں اعجاز پرنٹنگ پریس حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ راقم کی نظر سے مذکورہ مطبوعہ کتاب گزر چکی ہے۔

۵۲۔ محمد سہیل عمر (پ: 18 ستمبر 1954) کراچی میں پیدا ہوئے۔ سینٹرل ماڈل سکول، لاہور سے دسویں کا امتحان پاس کیا۔ ایف۔سی کالج، لاہور سے سائنس کے ساتھ انٹر کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ بی۔اے اور ایم۔اے (انگریزی) کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیے۔ اقبالیات میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے ایم۔فل کیا۔ پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ فلسفہ سے ابنِ عربی اور اقبال کے تقابلی مطالعہ پر ڈاکٹریٹ کی۔ ''روایت'' کے بانی مدیر رہے۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے اکیڈمک ڈائرکٹر رہے۔ اس ادارے کے پرچے ''المعارف'' کی ادارت کی۔ ''اقبال ریویو'' کے ایڈیٹر رہے۔ ''اقبالیات'' (فارسی) اور ''اقبالیات'' (عربی) کے مدیر رہے۔ اقبال اکیڈمی کے ناظم رہے۔ محمد سہیل عمر نے اقبالیات کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔

۵۳۔ حسام الدین حیدر (نامی)۔ میر حسام الدین حیدر نام، مبارز الدولہ ممتاز الملک خان بہادر حسام جنگ خطاب اور نامی تخلص تھا۔ سالِ ولادت معلوم نہیں۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں محلّہ بلّی ماراں میں ان کی ایک عالی شان حویلی تھی۔ نامی کے میرزا غالب کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ نامی

کے نام غالبؔ کے خطوط سے بھی ان مراسم کی جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔3اکتوبر1846 بہ مطابق22شوال1262ھ کو دہلی میں فالج کے عارضے سے انتقال ہوا۔دہلی میں مدفون ہیں۔ڈاکٹر اکبرحیدری کاشمیری نے مقدمے اور حواشی کے ساتھ ''دیوانِ ناؔمی'' مرتب کیا ہے۔یہ دیوان1972 میں شائع ہوا۔ناؔمی کے متعلق مذکورہ بالا معلومات کا ماخذ یہی دیوان ہے۔

۵۴۔ بلوم ہارٹ (1844 - 10 دسمبر 1922) کا پورا نام جیمز فُلر بلوم ہارٹ (James Fuller Blumhardt) تھا۔ وہ بنگال میں پیدا ہوا۔مخطوطات کے کیٹلاگ مرتب کیے۔ انگلستان میں انتقال ہوا۔

۵۵۔ احمد ندیم قاسمی (۲۰نومبر1916-10جولائی2006) کا اصل نام احمد شاہ تھا۔ضلع شاہ پور کے گاؤں انگہ میں پیدا ہوئے۔مختلف رسالوں کی ادارت کی۔ان میں ''تہذیبِ نسواں''، ''پھول''، ''ادبِ لطیف''، ''سویرا'' اور ''نقوش'' شامل ہیں۔بعدازاں اپنا رسالہ ''فنون'' جاری کیا۔مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور سے بھی وابستہ رہے۔لاہور میں وفات پائی۔افسانہ نگار کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ شاعری کے بھی متعدد مجموعے شائع ہوئے۔شعری مجموعوں میں ''جلال و جمال''، ''شعلۂ گل''، ''کشتِ وفا''، ''دشتِ وفا''، ''دوام''، ''محیط''، ''لوحِ خاک''، ''بسیط'' اور ''ارض وسما'' شامل ہیں۔ افسانوں کے مجموعوں میں ''سناٹا''، ''کپاس کا پھول''، ''بگولے''، ''بازارِ حیات''، ''آنچل''، ''آبلے''، ''برگِ حنا''، ''چوپال''، ''درودیوار''، ''گھر سے گھر تک''، ''سیلاب وگرداب''، ''طلوع و غروب''، ''آس پاس''، ''کوہ پیما'' اور ''نیلا پتھر'' شامل ہیں۔

۵۶۔ منصورہ احمد (یکم جون 1958-8جون2011) حافظ آباد میں پیدا ہوئیں۔ 1982 میں لاہور کالج برائے خواتین سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔احمد ندیم قاسمی نے منصورہ کو بیٹی بنایا ہوا تھا۔وہ 1986 سے 2006 تک ''فنون'' سے منسلک رہیں۔اشاعتی ادارے ''اساطیر'' کی ذمے داری بھی اُن کے پاس تھی۔منصورہ کا مجموعۂ کلام ''طلوع'' (20نومبر1997) اُن کی شہرت کا باعث بنا۔ لاہور میں انتقال ہوا اور اپنے آبائی شہر حافظ آباد میں مدفون ہوئیں۔

۵۷۔ مسعود الحق (پ:21 ستمبر1931) بارہ بنکی (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔جامعہ ملیہ اسلامیہ سے بہ طورِ طالبِ علم اور بعدازاں شعبۂ تعلیم میں اُستاد کی حیثیت سے وابستہ رہے۔اُنھوں نے تعلیم، ادب اور ڈرامے کے حوالے سے کتابیں لکھیں۔کئی تراجم بھی کیے۔اُن کی کتابوں میں ''تعلیم، سماج، اُستاد''، ''اُستادوں کی تعلیم اور تربیت''، ''نیا تھیٹر'' شامل ہیں۔اُنھوں نے خالدہ ادیب خانم کی کتاب کا ترجمہ ''درونِ ہند'' کے عنوان سے کیا۔مشیرالحسن کی کتاب A Moral Reckoning کا ترجمہ ''دہلی کے مسلمان دانش ور'' کے عنوان سے کیا ہے۔''اتحاد سے انتشار کی طرف'' بھی مشیرالحق کی کتاب کا ترجمہ ہے۔اس میں کالونیل اودھ کے قصبات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ڈاکٹر ذاکر حسین کے خطبات کا ترجمہ ''اعلا تعلیم'' کے نام سے کیا ہے۔

مسعود الحق نے تین جلدوں میں ''کلیاتِ چودھری محمد علی ردولوی'' بھی مرتب کیا ہے۔کلیات کے آغاز میں مرتب نے مشفق خواجہ کا شکریہ ان لفظوں میں ادا کیا ہے:

''اس کلیات کے منصوبے میں محترم مشفق خواجہ صاحب کے مشوروں کو بھول نہیں سکتا۔ ایک ملاقات میں موصوف نے زبانی مشورے دِیے تھے۔ بعد کو ایک طویل خط میں بھی بہت سی کام کی باتیں لکھ کر بھیجیں۔ میں ان کا بھی ممنون ہوں۔''

۵۸۔ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن (5 نومبر 1942-15 اگست 2005) بٹھنڈہ (ریاست پٹیالہ) میں پیدا ہوئے۔کراچی یونی ورسٹی سے ایم۔اے اُردو کیا۔سندھ یونی ورسٹی، جام شورو سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ پنجاب کے مختلف کالجوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ایک طویل عرصے تک گورنمنٹ کالج لاہور سے منسلک رہے۔اس ادارے میں وہ صدر شعبۂ اُردو اور بعد ازاں ڈین فیکلٹی آف آرٹس بھی رہے۔غالب پر متعدد کتابیں لکھیں۔سیّد معین الرحمٰن کا مرتبہ دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ خاصا متنازع رہا۔ڈاکٹر تحسین فراقی نے ''دیوانِ غالب نسخۂ خواجہ: اصل حقائق'' نامی کتابچہ لکھ کر حقائق سے پردہ ہٹایا۔ڈاکٹر صدیق جاوید نے ''ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن: تحقیق کے چراغ تلے'' لکھ کر موصوف کی تحقیقی کم زوریاں نمایاں کیں۔

۵۹۔ سہ ماہی ''ترسیل'' بمبئی کے مشترک شمارے: 21، 22 (جنوری تا جون 1999) میں رشید حسن خاں کے لیے سڑسٹھ صفحات (ص 6 تا ص 72) پر مشتمل ایک گوشہ مختص کیا گیا تھا۔اس میں مُندرجۂ ذیل تحریریں شامل تھیں:

''ہمارے خاں صاحب'' از کالی داس گپتا رضا، ''رشید حسن خاں صاحب'' از ڈاکٹر اشفاق محمد خاں، ''رشید حسن خاں اور آدابِ تاریخ نگاری'' از پروفیسر حنیف نقوی، ''خدائے تدوین کا چوتھا صحیفہ۔مثنویاتِ شوق'' از ڈاکٹر گیان چند جین، ''مثنویاتِ شوق۔مرتّب رشید حسن خاں'' از پروفیسر فضیل جعفری، ''رشید حسن خاں کا تنقیدی رویہ اور شخصیت'' از انور خان، ''خاں صاحب سے بات چیت (انٹرویو)'' ترتیب معین الدین جینابڑے۔

۶۰۔ محمد علی الہٰ آبادی۔مشفق خواجہ سے نام لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔''مصطلحاتِ ٹھگی'' کے مصنف کا نام علی اکبر الہٰ آبادی ہے۔

۶۱۔ مختار زمن (21 فروری 1924-2 جولائی 2003) الہٰ آباد میں پیدا ہوئے۔اعلا پائے کے ادیب اور صحافی تھے۔ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان (اے پی پی) کے ڈائرکٹر جنرل تھے۔ریڈیو پاکستان ڈھاکا اور بی۔بی۔سی سے بھی تعلق رہا۔ان کی کتابوں میں ''تحریکِ پاکستان میں طلبہ کا کردار'' اور ''بھارت میں قومی زبان کا نفاذ'' مشہور ہیں۔

۶۲۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد (14 نومبر 1924- 30 جون 2010) پٹنہ میں پیدا ہوئے۔علی گڑھ مسلم یونی

ورسٹی سے عربی میں ایم۔اے کیا اور یونی ورسٹی میں اوّل آئے۔علامہ عبدالعزیز میمن کی زیرِنگرانی پی ایچ۔ڈی کی۔ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد پہلے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں اسسٹنٹ لائبریرین اور پھر شعبۂ عربی میں لیکچرر مقرر ہوئے۔علی گڑھ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔عربی کے عالم ہونے کے باوجود ڈاکٹر مختارالدین احمد نے اُردو میں بھی کام کیا۔غالب پر اُن کی دو کتابیں ''احوالِ غالب'' اور ''نقدِ غالب'' قابلِ ذکر ہیں۔ڈاکٹر سیّد حسن عباس نے ''مکتوباتِ مشفق خواجہ بنام ڈاکٹر مختارالدین احمد'' مرتب کیے ہیں۔یہ کتاب مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں ایک سو چونتیس (134) مکتوبات شامل ہیں۔

۶۳ ''موصوف'' سے مراد ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن ہیں۔

۶۴ پروفیسر شفقت رضوی (15 مارچ 1927-27 دسمبر 2009) حیدرآباد (دکن) میں پیدا ہوئے۔جامعہ عثمانیہ حیدرآباد سے اُردو اَور سیاسیات میں ایم۔اے کیا۔تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔نیشنل کالج کراچی سے وابستہ رہے۔کراچی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔اُنھوں نے ''دیوانِ مہ لقابائی چندا'' اور حسرت موہانی کے ''تذکرۃ الشعرا'' کو مرتب کیا۔ان کی دیگر کتابوں میں ''بیگم حسرت موہانی: حیات وسیرت''، ''فیضانِ دکن''، ''اذکارِ دکن''، ''ایک علمی خاندان''، ''مولانا حسرت موہانی''، ''مخدوم محی الدین: حیات اور ادبی خدمات'' شامل ہیں۔

۶۵ راقم نے ڈبلیو۔ایچ۔سلیمن (W.H Sleeman) کی کتاب راماسیانا (Ramaseeana) دیکھی ہے۔ پانچ سو پندرہ (515) صفحات پر مشتمل اس کتاب کے ناشر جی۔ایچ۔ہٹ مین، ملٹری آرفن پریس، کلکتہ (G.H. Huttman, Military Orphan Press, Calcutta) ہیں۔

۶۶ ''املائے غالب'' کے پاکستانی اڈیشن کے شروع میں رشید حسن خاں کی مُندرجۂ ذیل تحریر بہ صورتِ عکس شامل ہے:

> ''ادارۂ یادگارِ غالبؔ'' (کراچی) کا ممنون ہوں کہ وہ میری کتاب اِملائے غالب کا پاکستانی اِڈیشن شائع کرنا چاہتا ہے۔میرے لیے یہ بات خاص کر یوں باعثِ مَسرّت ہے کہ اِس طرح اِملائے غالب جیسے اہم موضوع سے متعلّق تفصیلات بیش تر اہلِ نظر تک پہنچ سکیں گی اور مرزا صاحب کی تدوین کے نہایت ضروری مسائل سامنے آسکیں گے۔
>
> دستخط (رشید حسن خاں)
>
> 2 جون 2000

۶۷ ڈاکٹر تحسین فراقی نے ''نسخۂ خواجہ: اصل حقائق'' کے نام سے مقالہ لکھا تھا۔

۶۸ قرۃ العین حیدر (20 جنوری 1926-21 اگست 2007) علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔دہلی اور لکھنؤ سے تعلیم حاصل کی۔تقسیم کے بعد پاکستان آئیں، لیکن دوبارہ بھارت چلی گئیں۔نوئیڈا میں انتقال ہوا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں مدفون ہوئیں۔قرۃ العین حیدر معروف ناول نگار ہیں۔اُن کے ناولوں

میں ''آگ کا دریا''، ''آخرِ شب کے ہم سفر''، ''میرے بھی صنم خانے''، ''کارِ جہاں دراز ہے''، ''سفینۂ غمِ دِل''، ''گردشِ رنگِ چمن''اور''چاندنی بیگم'' شامل ہیں۔

۶۹ے عبدالرزاق قریشی (1912 - 1977)انجمن اسلام اُردو رِسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی سے وابستہ تھے۔ انجمن کے تحت نکلنے والے پرچے''نوائے ادب'' کے مدیر بھی رہے۔ان کی تصنیفات و تالیفات میں''میرزا مظہر جان جاناںؒ اور اُن کا اُردو کلام''، ''مکاتیبِ میرزا مظہر''، ''اُردو زبان کی تمدنی اہمیت''،''نوائے آزادی''، ''تاثرات''اور''مبادیاتِ تحقیق'' شامل ہیں۔

۷۰ے راقم کے پیشِ نظر''دیوانِ بیان'' مرتبۂ ثاقب رضوی مطبوعہ مجلسِ اشاعتِ ادب (رجسٹرڈ) 4910 باڑہ ہندوراؤ، دہلی نمبر 6 ہے۔اس میں فہرست (ص 16) پر''مثنوی زوالا برادروے سخن بمیر سجادؔ'' لکھا ہے۔فرہنگ (ص 54) پر''زوالا'' کا لفظ موجود ہے، لیکن اس کے معنی نہیں لکھے گئے۔بعض اور لفظ لکھ کر اُن کے سامنے بھی معنی نہیں لکھے گئے۔اسی طرح مثنوی کے متن (ص 151) پر اس کا عنوان''مثنوی زوالا برادروے سخن بمیر سجادؔ'' لکھا ہے۔یہ تفصیل دینے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مشفق خواجہ نے اپنے مکتوب میں جس''دیوانِ بیان'' کی غلطیاں گنوائی ہیں، وہ مرتبۂ ثاقب رضوی ہے۔

۷۱ے ''تلخیص عروض وقوافی'' ایک سودو (102) صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔یہ تاج پریس چھتہ بازار، دکن سے چھپا۔قیاس ہے کہ یہ 1923 میں شائع ہوا ہوگا کیوں کہ 1924 کے اوائل سے اس پر تبصرے آنے لگے تھے۔(ان معلومات کا ماخذ''نظم طباطبائی (حیات اور کارناموں کا تنقیدی مطالعہ)''مرتبۂ ڈاکٹر اشرف رفیع الیاس ٹریڈرس پبلشرز اینڈ بک سیلر، حیدرآباد، دسمبر 1973،ص 109 ہے۔)

۷۲ے ''مباحثۂ گلزارِ نسیم''یعنی''معرکۂ چکبست وشرر'' راقم کا دیکھا ہوا ہے۔اس پر مولف کا مکمل نام خلاصۃ الحکما میرزا محمد شفیع شیرازی ثم اللکھنوی لکھا ہے۔یہ مطبع نول کشور لکھنؤ میں 1913 میں طبع ہوا۔

۷۳ے ''مصطلحاتِ ٹھگی'' کے بہ جائے مشفق خواجہ''اصطلاحاتِ ٹھگی'' لکھ گئے ہیں۔

۷۴ے تحسین فراقی (پ: 17 ستمبر 1950) کا اصل نام منظور اختر ہے۔ پتوکی (ضلع قصور) میں پیدا ہوئے۔پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے ایم۔اے اُردو کرنے کے بعد ایم۔اے۔او کالج، لاہور میں اُردو کے لیکچرار ہو گئے۔ بعد ازاں اوری اینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے منسلک ہو گئے اور یہیں سے 16 ستمبر 2010 کو وظیفہ یاب ہوئے۔ڈاکٹر تحسین فراقی نے شاعری، تنقید، تحقیق، تدوین اور تراجم کے حوالے سے معیاری کام کیے ہیں۔اُنھوں نے''مولانا عبدالماجد دریابادی: احوال و آثار'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر پنجاب یونی ورسٹی، لاہور سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔وہ مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور کے ناظم بھی رہے۔''نقشِ اوّل''اور''شاخِ زریاب'' اُن کے شعری مجموعے ہیں۔ دیگر کتابوں میں''جستجو''، ''افادات''، ''اقبال: چند نئے مباحث''،

’’جہاتِ اقبال‘‘، ’’معاصر اُردو اَدب‘‘، ’’حسن کوزہ گر‘‘، ’’غالب۔فکر وفرہنگ‘‘ شامل ہیں۔ مشفق خواجہ کی تحریک پر اُنھوں نے یوسف خان کمبل پوش کے سفرنامے ’’عجائباتِ فرنگ‘‘ کی تدوین کی۔اس کتاب کا انتساب بھی مشفق خواجہ کے نام ہے۔’’مطالعۂ بیدل: فکرِ برگساں کی روشنی میں‘‘ ترتیب وترجمہ کا نمونہ ہے۔ڈاکٹر تحسین فراقی کے نام مشفق خواجہ کے خطوط کا مجموعہ ’’باتیں مشفق خواجہ کی‘‘ کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ راقم نے ایم۔فل (اُردو) کا مقالہ بہ عنوان ’’طفیل ہوشیار پوری: حیات اور ادبی خدمات‘‘ ڈاکٹر تحسین فراقی کی نگرانی میں لکھا تھا۔

۵ے مظہر محمود شیرانی (9/اکتوبر1935-13 جون 2020) ضلع ناگور میں شیرانی آباد کے مقام پر پیدا ہوئے۔ 1958 میں گورنمنٹ کالج لاہور سے تاریخ میں ایم۔اے کیا۔1960 میں اوری اینٹل کالج، لاہور سے فارسی میں ایم۔اے کیا۔1987 میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اُن کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ’’حافظ محمود شیرانی اور اُن کی علمی و ادبی خدمات‘‘ کے عنوان سے مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا۔زیادہ عرصہ شیخوپورہ کے سرکاری کالج میں گزارا۔یہیں سے صدرِ شعبۂ فارسی کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔اس کے بعد گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، لاہور سے وابستہ رہے۔شیخوپورہ میں وفات پائی۔’’مقالاتِ حافظ محمود شیرانی‘‘ کے نام سے اپنے دادا مرحوم کے مقالات کو دس جلدوں میں مرتب کیا۔شخصی خاکوں کی صنف کو باثروت بنانے میں بھی کردار اَدا کیا۔اُن کے شخصی خاکوں کے مجموعوں میں ’’کہاں گئے وہ لوگ‘‘، ’’کہاں سے لاؤں انھیں‘‘، ’’جانے کہاں بکھر گئے‘‘ اور ’’بےنشانوں کا نشاں‘‘ شامل ہیں۔

٦ے کشور ناہید (پ:3 فروری1940) بھارت کے قصبے بلند شہر میں پیدا ہوئیں۔اُن کا تعلق سادات کے قدامت پسند گھرانے سے تھا۔ پنجاب یونی ورسٹی میں ایم۔اے معاشیات کے سالِ دوم کی طالبہ تھیں کہ ان کا نکاح کر دِیا گیا۔اُنھوں نے پاکستان نیشنل کونسل آف آرٹس کی ڈائرکٹر جنرل کے منصب پر کام کیا۔’’ماہِ نو‘‘ کی کئی سال تک ادارت کے فرائض انجام دِیے۔وہ کثیر التصانیف مصنفہ ہیں۔ان کی شاعری کا کلیات ’’دشتِ قیس میں لیلیٰ‘‘ کے نام سے چھپ چکا ہے۔اس میں اُن کے آٹھ مجموعے ’’لبِ گویا‘‘، ’’بے نام مسافت‘‘، ’’نظمیں‘‘، ’’گلیاں، دُھوپ، دروازے‘‘، ’’ملامتوں کے درمیان‘‘، ’’سیاہ حاشیے میں گلابی رنگ‘‘، ’’خیالی شخص سے مقابلہ‘‘ اور ’’میں پہلے جنم میں رات تھی‘‘ شامل ہیں۔اُن کی آپ بیتی ’’بری عورت کی کتھا‘‘ پاکستان اور بھارت، دونوں ممالک سے شائع ہو چکی ہے۔

۷ے اکرام چغتائی (پ: 22 اکتوبر 1941) نام وَر نقاد، محقق، مصنف اور مترجم ہیں۔اُردو سائنس بورڈ، لاہور کے ڈائرکٹر کے عہدے پر فائز رہے۔انھیں انگریزی زبان کے ساتھ جرمن زبان پر بھی دست رس حاصل ہے۔اُن کی کتابوں میں ’’1857 (تاریخی، علمی اور ادبی پہلو)، ’’1857 مجموعۂ خواجہ حسن نظامی‘‘، ’’1857 روزنامچے، معاصر تحریریں، یادداشتیں‘‘، ’’اقبال اور گوئٹے‘‘، ’’تاریخِ

مشغلہ''، ''شاہ ولی اللہ (سوانح، تصنیفات وغیرہ)، ''پیر رومی و مریدِ ہندی'' اور ''گوئٹے بہ طور سائنس دان'' شامل ہیں۔ ان کے تراجم میں ''شاہانِ اودھ کے کتب خانے'' اور ''محمد اسد بندۂ صحرائی'' شامل ہیں۔ چغتائی نے ڈاکٹر قاضی افضل حسین کے ساتھ مل کر ڈاکٹر سی۔ ڈبلیو۔ ٹرول کی کتاب کا ترجمہ بہ عنوان ''سر سیّد احمد خاں: فکرِ اسلامی کی تعبیرِ نو'' بھی کیا۔

☆ یاد آیا کہ آدابِ عالم گیری کا بھی اصل متن چھپا ہے۔ (حاشیہ از مکتوب نگار)

۷۸۔ ''مرآۃ العالم تاریخِ اورنگ زیب'' (مصنفہ: محمد بختاور خان)۔ یہ کتاب (بہ تصحیح، مقدمہ اور حواشی ساجدہ علوی) ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہِ پنجاب، لاہور سے دو جلدوں (بالترتیب اگست 1979 اور نومبر 1979) میں شائع ہوئی۔

۷۹۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری (28 جولائی 1926-25 نومبر 1983) بریلی کے نزدیک آنولہ (اُتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونی ورسٹی سے 1962 میں اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ اسی یونی ورسٹی سے 1980 میں ''اُردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اُردو کالج کراچی میں اُستاد تھے۔ سڑک پر چلتے ہوئے گاڑی نے ٹکر ماری جو ڈاکٹر قادری کی موت کا سبب بنی۔ قادری مرحوم نے متعدد کتابیں لکھیں۔ ان کی مرتّبہ کتابوں میں ''لُولُوئے از غیب'' مصنفہ شیولال، 'مقالاتِ یومِ عالم گیر'، ''تذکرۂ علمائے ہند''، ''جنگ نامہ آصف الدولہ و نواب رام پور (خلیفہ محمد معظم عباسی)''، ''علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں'' شامل ہیں۔ دیگر تصانیف میں ''جنگِ آزادی 1857 (واقعات و شخصیات)''، ''مولانا فیض احمد بدایونی''، مخدوم جہانیاں جہاں گشت'' اور ''غالب اور عصرِ غالب'' قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے شخصی خاکوں کا مجموعہ'' کاروانِ رفتہ'' مشفق خواجہ نے اپنے دیباچے کے ساتھ اپنے ادارے مکتبۂ اسلوب کراچی سے شائع کیا۔

۸۰۔ نام کی یک سانی کی وجہ سے منشی سجاد حسین انجم کو بعض لوگ منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ سمجھتے ہیں۔ یہ مغالطہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو بھی ہوا ہے۔ یہاں منشی محمد سجاد حسین کسمنڈوی تخلص بہ انجم کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ سرکار آصفیہ حضور نظامِ دکن میں ملازم تھے۔ راقم نے منشی صاحب کی تین تصانیف دیکھی ہیں۔ (۱) نشتر (کتابی دُنیا لکھنؤ) (۲) کائنات (مطبع آفتابِ ہند، آگرہ (۳) حیاتِ شیخ چلی (شامِ اودھ لکھنؤ)

۸۱۔ ''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' (جلد اوّل) انجمن ترقی اُردو (ہند) نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ اس کی پہلی اشاعت 2003 میں جب کہ اشاعتِ دوم 2013 میں عمل میں آئی۔ اس کے ضابطے کے صفحے پر ''سن اشاعت'' لکھا ہے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ رشید حسن خاں ''سنِ اشاعت'' کے بہ جائے ''سنہِ اشاعت'' لکھنے پر زور دیتے تھے۔ اس سلسلے میں اسی کتاب میں شامل اُن کا مکتوب: 93 ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ''کلاسکی ادب کی فرہنگ'' (جلد اوّل) پاکستان میں مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور نے شائع کی ہے۔

۸۲۔ مظہر محمود شیرانی نے ''رسالہ معربات رشیدی'' کی تدوین نو مع ترجمہ کی۔ اسے ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی نے 2003 میں شائع کیا۔

۸۳۔ لطیف الزماں خان (13 مارچ 1924-26 دسمبر 2013) ریاست میواڑ میں پیدا ہوئے۔ تقسیم کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ کراچی یونی ورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا۔ ایمرسن کالج ملتان میں انگریزی کے اُستاد تھے۔ اُن کے کتب خانے میں غالبیات کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود تھا۔ یہ کتاب خانہ بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی کو عطیہ کر دیا تھا۔ اسی طرح اُن کے پاس اپنے لکھے ہوئے اور مشاہیر کے خطوط کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا۔ اسے اُنھوں نے مسعود جھنڈیر لائبریری کو عطیہ کر دیا تھا۔ ملتان میں وفات پائی۔ اُن کی کتابوں میں خطوط کے پانچ مجموعوں بہ عنوان ''انشائے لطیف'' کے علاوہ خاکوں کا مجموعہ ''اِن سے ملیے'' بھی شامل ہے۔

۸۴۔ مالک رام نے بتایا ہے کہ کس طرح غالبؔ کا خطی نسخہ 'انشاء اُردو' ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے دس روپے کے عوض خریدا۔ رشید حسن خاں نے 'عرضِ مرتّب' کے عنوان سے اپنی تحریر میں مالک رام کے مذکورہ بیان کی تردید کی ہے۔

۸۵۔ صدق جائسی (وفات: 2 جنوری 1967-20 رمضان المبارک 1386ھ) کا اصل نام مرزا تصدق حسین تھا۔ جائس ضلع رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ فوقانیہ دارالعلوم حیدر آباد اور مدرسہ فوقانیہ انگریزی چادرگھاٹ حیدر آباد میں پڑھاتے رہے۔ نواب معظم جاہ بہادر کے دربار سے وابتہ ہوئے۔ صدق جائسی کی کتابوں میں ''سچے موتی''، ''جواہر الصدق'' اور ''دربارِ دُربار'' شامل ہیں۔ موخر الذکر کتاب کا پہلا حصہ پاکستان اور بھارت سے شائع ہو چکا ہے۔ راقم اس کتاب کو مرتب کر رہا ہے۔ یوں یہ کتاب پہلی بار مکمل صورت میں شائع ہوگی۔

۸۶۔ ''دربارِ دُربار'' میں صدق جائسی کی یہ ہجو موجود ہے۔ اس میں یہ شعر یوں دِیا گیا ہے:

اک غیرتِ فجری ہے، اک رشکِ دسہری ہے
خود بیچ میں دونوں کے، لنگڑا نظر آتا ہے

صدق جائسی: ''دربارِ دُربار'' حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدر آباد، باردوم، ص 191

نوٹ:

مشفق خواجہ بہ نام رشید حسن خاں کے تمام خطوط ڈاکٹر محمود احمد کاوش (پرنسپل گورنمنٹ کالج فار ایلی مینٹری ٹیچرز نارووال، پاکستان) کی کتاب ''مکاتبت مشفق خواجہ بہ نام رشید حسن خاں، مطبع زندہ کتابیں، کراچی، اشاعت 2021 سے ماخوذ ہیں۔ خط نمبر 81 ''مکاتیبِ مشفق خواجہ بہ نام رفیع الدین ہاشمی'' اشاعت فروری 2008 ادارہ مطبوعات سلیمانی رحمان مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ، اُردو بازار لاہور، ص 284 تا 287 کو محیط ہے۔ مشفق خواجہ بہ نام رشید حسن خاں پر جو بھی حواشی درج ہیں

انھیں ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے راقم الحروف کے استفسار پر 9 اکتوبر 2021 کو یہ تمام خطوط، ان پیج اور پی ڈی ایف فائل میں ارسال کیے۔ موصوف کے التفاتِ خاص کے لیے میں ان کا جتنا شکریہ ادا کروں کم ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے ''مشفق خواجہ احوال و آثار'' کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ ان کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں جن میں ''قافلے اُجالوں کے (شخصی خاکے)، اُردو کی مختصر آپ بیتیاں (حواشی و اضافہ ڈاکٹر محمود احمد کاوش)، مشفق خواجہ احوال و آثار، تیرے خوشبو میں بسے خط، مصاحباتِ مشفق خواجہ، نگارشاتِ مشفق خواجہ، یکتہ و تنہا: کدار شرما وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ مرتب

❁❁❁

مقبول احمد لاری بہ نام رشید حسن خاں

27فروری1981[1]

مکرمی! آداب عرض۔

آپ کو علم ہوگا کہ آل انڈیا میر اکاڈمی لکھنؤ اُردو کے اہلِ قلم حضرات کو اُن کے ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ''امتیازِ میر''[2] کی سند پیش کرتی ہے۔ میر اکاڈمی کی دلی خواہش ہے کہ ''امتیازِ میر'' کی سند آپ قبول فرمائیں۔ براہِ کرم منظوری سے مطلع کر کے ممنون فرمائیں۔

''امتیازِ میر'' کی سند کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں پانچ سو روپیہ کی رقم پیش کرنے کی اجازت بھی چاہیں گے۔ جواب سے لکھنؤ کے پتے پر سرفراز فرمائیں۔

اُمید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

نیازمند

مقبول احمد لاری

(صدر) آل انڈیا میر اکیڈمی، لکھنؤ

بگرامی خدمت جناب رشید حسن خاں صاحب

شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

حواشی:

1. یہ خط ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کی مرتبہ کتاب 'رشید حسن خاں کے خطوط جلد دوم' 2015، ص646 سے ماخوذ ہے۔
2. رشید حسن خاں کو لکھنؤ میں قائم ''آل انڈیا میر اکادمی'' نے سنہ 1980 کا ''امتیازِ میر'' انعام پیش کیا تھا۔

❁❁❁

مقصود احمد بہ نام رشید حسن خاں

(1)

786

یکم دسمبر 2005

محترمی و مکرّمی! آداب و تسلیمات

خدا کرے، ہم جیسے کم سوادوں پر آپ کا سایہ تادیر قائم رہے۔

امید کہ مزاجِ گرامی ہم آغوشِ عافیت ہوگا۔ اِس عریضے کے ذریعے آپ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہونے کی سعادت حاصل کررہا ہوں۔ آپ کو یہ جان کر یقیناً مسرّت ہوگی کہ ''احوالِ ڈاکٹر عبدالستّار صدیقی اور مقالاتِ صدیقی جلدِ اوّل کا مفصّل جائزہ''[1] کے عنوان سے میری ایک تالیف حال ہی میں منظرِ عام پر آئی ہے۔ اِس میں دوسری کتابوں کے علاوہ آپ کی متعدّد تصانیف سے بھی استفادہ کیا گیا ہے اور جگہ جگہ اُن کے حوالے بھی درج کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں ڈاکٹر صاحب مرحوم اور آپ کی آرا سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ گستاخی معاف!

املا کے سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ کے تتبّع میں میں نے مرکّب الفاظ مثلاً افسوس ناک، خوش خبری، دست یاب، صحّت یاب وغیرہ کو عموماً جدا جدا لکھا ہے، لیکن کہیں کہیں کمپوزر نے اِن کو ملا کر کمپوز کر دیا ہے، جن پر پروف دیکھتے وقت میری نظر نہیں پڑ سکی اور وہ علیٰ حالہٖ رہ گئے۔ اِسی طرح میں نے یہ توجیہ، وجہ، کہ لکھا تھا، مگر افسوس کہ کمپوزنگ میں اِن کے نیچے علامت نہیں آسکی۔

مذکورہ تالیف کا ایک نسخہ ارسالِ خدمت ہے۔ امید ہے کہ ملاحظے کے بعد آں جناب اپنی گراں قدر رائے سے ضرور نوازیں گے اور اغلاط کی نشان دہی تو حتمی طور پر فرمائیں گے تاکہ مستقبل میں اُن کو درست کیا جاسکے۔

مجھے غیر مصدّقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ''مقالاتِ صدیقی''[2] کی باقی دو جلدیں بھی مشفق خواجہ مرحوم کے زیرِ اہتمام شائع ہو چکی ہیں۔ اُن کی اشاعت کی بابت اگر آپ کے پاس کوئی مصدّقہ اطّلاع ہو تو عنایت فرمائیے۔ ممنون ہوں گا۔

بااحترام فراواں

نیازمند
مقصود

(2)

786

26 دسمبر 2005

محترم المقام جناب رشید حسن خاں صاحب! تسلیم مع التکریم

امید کہ مزاجِ عالی قرینِ عافیت ہوگا۔

نوازش نامہ مورخہ 8 دسمبر 2005 وقت پر مل گیا تھا، مگر جواب لکھنے میں اچھی خاصی تاخیر ہوگئی، اِس کے لیے طلب گارِ معافی ہوں۔ خورد نوازی اور حوصلہ افزائی کا بہت بہت شکریہ!

پروفیسر مختار الدین احمد صاحب کی خدمتِ عالی میں میں نے اپنی کتاب کی ایک کاپی ارسال کی تھی۔ موصوفِ محترم نے رسید سے سرفراز فرمایا ہے اور اُس میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اُن کے پاس ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کے پچاس گرامی نامے محفوظ ہیں۔ حواشی لکھے جا چکے ہیں اور اب اُن کو ایک خوش معاملہ اور مستعد ناشر کی تلاش ہے۔ خدا کرے اُن کو مطلوبہ ناشر جلد ہی مل جائے۔

آپ کے عنایت نامے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دورۂ قلب کی وجہ سے آپ ایک کمرے کے قیدی ہو کر رہ گئے ہیں۔ خدا آپ کو شفائے عاجلہ و کاملہ عطا فرمائے۔ ''ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد''۔

مجھے گوپی چند نارنگ صاحب کا پتا درکار ہے، ہو سکے تو عنایت فرمائیے۔ مشکور ہوں گا۔

طالبِ دعا
مقصود

حواشی:

1. پروفیسر مقصود احمد کی کتاب ''احوال ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مقالات صدیقی جلد اوّل کا مفصل جائزہ'' فلاحِ دارین ٹرسٹ D-188 ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی-25 سے اگست 2005 میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انتساب 'استادِ محترم پروفیسر محمد رفیق مرحوم و مغفور کے نام جنھوں نے میرے اندر پڑھنے کا ذوق پیدا کیا اور علمی و تحقیقی کاموں کی انجام دہی میں از راہِ شفقت میری رہنمائی فرماتے رہے' معنون کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں ''مقالاتِ عبدالستار صدیقی، جلد اوّل

’’میں شامل مضامین کا تنقیدی و تحقیقی محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر مقصود احمد نے انگریزی میں بھی ایک کتاب بہ عنوان Dr."ABDAL SATTAR SIDDIQI A BRIEF INTRODUCTION TO HIS D.PHIL. THESIS لکھی تھی۔ اس کتاب کو حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد (گجرات) نے جنوری 2014 میں شائع کیا۔

۲۔ ’’مقالاتِ صدیقی‘‘ [پہلا حصہ] مرتبہ مسلم صدیقی کو اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ نے سلسلۂ مطبوعات 79 کے تحت 1983 میں شائع کیا۔ اس کتاب کے پیش لفظ میں اکادمی کی مجلس انتظامیہ کے چیرمین محمود الٰہی نے لکھا کہ ’’ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہر مقالہ ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے مقالات مختلف علمی اور ادبی جرائد میں منتشر ہیں اور زمانے نے اتنا موقع نہیں دیا کہ وہ کتابی صورت میں مرتب ہوکر سامنے آئے‘‘۔

اس کتاب میں پروفیسر عبدالستار صدیقی کے جن مقالات کو شامل کیا گیا ان میں اُردو املا، تماہی کی ترکیب، ہندستان بغیر واؤ کے صحیح ہے (مع ضمیمہ)، ذال مع جمع فارسی میں، جز اور جزو کی بحث، بعض پرانے لفظوں کی نئی تخلیق، بغداد کی وجہ تسمیہ، افسوس [لفظ کا ایک بھولا ہوا مفہوم] معرب لفظوں میں حرف ’ق‘ کی حیثیت، لفظ سُغد کی تحقیق، اُردو صرف نحو کی ضرورت، اُردو میں ضمائر مفعولی، احوال اسم، دلّی کی زبان، ’وضع اصطلاحات‘ پر تبصرہ، معائب سخن کلام حافظ کے آئینے میں، ’اصلاح سخن‘ پر تبصرہ اور ضمیمہ مکتوب (شامل ’اصلاح سخن‘) سرفہرست ہیں۔ مکمل کتاب کی ضخامت 339 اور قیمت 15 روپے تھی۔

پروفیسر مقصود نے رشید حسن خاں سے اس خط میں دریافت کیا ہے کہ کیا مرحوم مشفق خواجہ نے لاہور سے پروفیسر عبدالستار صدیقی کے باقی مقالات کو شائع کیا ہے یا نہیں؟ مشفق خواجہ صاحب نے صدیقی صاحب کے مقالات کو شائع کرنا چاہتے تھے اسی سلسلے میں انھوں نے مکتبہ جامعہ نئی دہلی اور شاہد علی خاں سے رابطہ قائم کیا۔ ’’مقالاتِ عبدالستار صدیقی [جلد دوم] مرتبہ ساجد صدیقی نظامی کو مجلسِ ترقی ادب، لاہور نے ربیع الآخر 1436ھ / فروری 2015 نے شائع کیا۔ اس کتاب کا مقدمہ ڈاکٹر تحسین فراقی نے ’’تہ رس محقق‘‘ عنوان سے رقم کیا۔ مقالاتِ صدیقی جلد دوم میں جن مضامین کو شامل کیا گیا ان میں دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب، کچھ بکھرے ہوئے ورق، کچھ اور بکھرے ہوئے ورق، غالب کے خطوط کے لفافے، غالب کے حوالے سے ایک خط، تبصرہ [مکاتیب غالب مرتبہ: امتیاز علی عرشی]، المبین پر تعقب و تبصرہ، ہندستان کے پرانے اخبار [فارسی اور اُردو]، شاہ جہاں کی ایک منبّت کار تصویر، کچھ غیر لفظ اُردو میں، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم، ڈاکٹر اشپرنگر، اور ایک انگریزی مقالہ Ibn- e - Duraid and His Treatment of Loan Words قابلِ ذکر ہیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا دونوں خط ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کی مرتبہ کتاب ’رشید حسن خاں کے خطوط‘ (جلد سوم)، 2019، ص 396 تا 397 سے ماخوذ ہیں۔

❁❁❁

مہندر لال پروانہ بہ نام رشید حسن خاں

(1)

جموں،

8 فروری 1996

محترم خاں صاحب، آداب!

9 جنوری کو ہفت تماشا رجسٹری سے آپ کو بھیج دی تھی۔ اُمید ہے کہ 15 جنوری سے پہلے ہی آپ کو مل گئی ہوگی مگر ابھی تک اس کی رسید نہیں آئی۔ شاید آپ شفٹنگ میں مصروف ہیں۔

24 دسمبر 95 کو شعبۂ اُردو میں کتابوں کی نمائش کا اہتمام ہوا۔ اِس نمائش میں دو ادارے اپنی کتابیں لائے: ایک انجمن اور دوسرا سیمانت۔ اِس میں انجمن والے آپ کی تین کتابیں لائے تھے: (۱) باغ و بہار (۲) گلزارِ نسیم (۳) ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ۔ ڈاکٹر امریک سنگھ نے باغ و بہار اور گلزارِ نسیم، رینا صاحب نے گلزارِ نسیم اور میں نے ادبی تحقیق خریدی۔ عبارت کیسے لکھیں اور انشا اور تلفظ اِس نمائش میں شامل نہیں تھیں۔

میرا لکھنے کا کام پورے زوروں پر ہے۔ مندرجۂ ذیل ضربُ الامثال کے معانی معلوم نہیں ہو سکے:

(الف) (۱) گگری میں دانہ سوواُ تانا (۲) چلے نہ پاؤں کو دن ناوں (۳) بھیگ میں بھیک دے تین تلوک جیت لے (۴) کرم کا لکھا نہ مٹے کوئی جو پیا چاہے سو بہا گن ہوئے (۵) بے بوجھ راجا، ٹکے سیر بھاجی ٹکے سیر کھاجا

(ب) رنگین کا مصرع: تیغ ذکر کو اپنی سیہ تاب کیجیے۔ اِس شعر کا دوسرا مصرع کیا ہے اور حوالہ بھی۔

(ج) اشعار کی ضمیمہ کیسے تیار کیا جائے۔ کیا اشعار کی ترتیب داستان کے صفحات کی ترتیب کے لحاظ (سے) رکھی جائے۔ دوہے بھی اِ(میں) شامل کروں یا الگ سے رکھوں۔

(د) خط کشیدہ الفاظ سمجھ میں نہیں آئے:

(1) جس دم قریب کوہِ طور کے پہنچا، سنگِ موسیٰ دیکھ پُکارا: یا مولیٰ! اُذکارِنی اُذرِنی۔

(2) صورت اُس کی دیکھ رنگ سلہٹ کی سیر کا بھول گیا۔

(3) باگ کو تھام، پٹریاں جما، دو چار کاوے دے، اوچھی باگوں پر لگا، میٹھے پوئیوں سے تیز قدم کر، برچھا ہاتھ میں لے، ایک ڈانڑا اوپر بدن کے میرے مار، تیز گام ہو، خیز کر گئی۔

(4) پانچ چار کوڑے ایسے مارے کہ فوتے چر گئے۔

(5) قلعۂ دراج پر چڑھائی کی۔ مورچے آگے کو پڑے۔

(6) اِسی طور دو چار بگ چھٹ دوڑا۔ پان چار پلّے قریب میرے آئی۔

(7) اگر اِس طور سے تمام لکھے گا تو پانچ ہزار اشرفی زرِ سُرخ اُس کی اُجرت میں انعام دوں گا۔

(8) کوٹھی ساہوکار کی لوٹ لاٹ دھڑ نے دھڑ کو پکڑ بال گوبند کو آباد کر مالا ے مروارید ی پہنا قلعے میں داخل ہوئے۔

(9) اُس چٹیل میدان سے قریب گھانٹے کڑا اکڑی کے پہنچ کمر پکڑ کوٹھا پکڑ نسیاں اُٹھا بُرجِ حمل سے جا لیٹا۔

(10) اے غم زدگانِ عشق، یہ وصلہ جو تم نے تن پر سجا ہے۔

(11) یعنی آب و آتش، باد و خاک کے تئیں گلولا کر قالب حضرت آدم کا بنایا۔

(12) گھوڑے کو ٹھکرا نیچے درخت کے جا کود پڑا۔

الامثال سے الگ کر لوں یا پھر الفاظ کے ساتھ رکھوں۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ بہت مصروف ہیں۔ آپ کے پاس وقت نہیں ہوتا لیکن کیا کروں، آپ کے بغیر کوئی مدد بھی تو نہیں کرتا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور لکھیں۔ میں آپ سے ملنے کے لیے ضرور آتا مگر بیمار ہوں۔ پچھلے کچھ دنوں سے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی ہے۔ دوا استعمال کر رہا ہوں مگر ابھی تک نارمل نہیں۔ ڈاکٹروں نے اِس کی وجہ کوئی ذہنی پریشانی بتائی ہے۔ خیر خدا کی مرضی ہے۔ آپ کے جواب کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔

آپ کا جاں نثار

مہندر لال پروانہ

19۔ نیو پلاٹ، جموں-5

(2)

جموں

12مارچ1996

محترم خاں صاحب!

آپ کا12 فروری کا خط میرے سامنے ہے۔آپ نے بیش تر سوال حل کر دیے ہیں اوراس طرح مجھے اپنے کام میں بڑی مدد ملی ہے۔میں نہایت ادب واحترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نوّے فی صدی کام پرنظرِ ثانی ہو چکی ہے اور ہر لحاظ سے کام بہتر اور معیاری بنانے کی کوشش کی ہے۔سب سے پہلے میں نے باغ و بہار،فسانۂ عجائب،گلزارِنسیم،سحرالبیان،مہر افروز ودلبراور ڈاکٹر گیان چند جین کی کتاب نثری داستانیں کا غور سے مطالعہ کیا اور پھر آپ نے ممتحن کےطور پر جو رپورٹ یونی ورسٹی کو بھیجی تھی،وہ حاصل کی اور اُس رپورٹ کی روشنی میں اپنا کام شروع کیا۔اب یہ کام پہلے سے بہتر ہو گیا ہے لیکن ابھی بہت کچھ باقی ہے۔میرے پی ایچ ڈی کے کام سے متعلق آپ نے اپنی رپورٹ نمبر(4)میں لکھا ہے:

> ’’تمہیدی حصہ تشنہ ہے، بہت تشنہ ہے۔اِس کو پڑھ کر زیرِ بحث داستان سے پہلے جو احوال تھا اُردو میں،اُس کا ہلکا سا بھی اندازہ نہیں ہوتا۔اِس حصے کو ازسرِ نو لکھا جائے،جس میں داستان کے فن پر اور پھر اُردو میں اُس وقت تک کے داستانی ادب پر اِس طرح گفتگو کی جائے کہ صورتِ حال کا ایک واضح نقش نمایاں آ سکے۔‘‘

(1)اب سوال یہ ہے کہ’’مقدمے‘‘میں مجھے اپنی گفتگو کیا ہفت سیّاح تک ہی محدود رکھنی ہے؟ مجھے خوب یاد ہے کہ آپ نے یہاں شعبۂ اُردو میں’’تحقیق وتدوین‘‘پر اپنے طالب علموں سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ’’تحقیق‘‘میں’’تنقید‘‘کو شامل نہیں کرنا چاہیے۔ہفت سیّاح سے پہلے اُردو میں داستان کا جو احوال تھا،اُس پر گفتگو تنقید کے زمرے میں آ جائے گی اور پھر دوسری بات یہ کہ میرا کام مشکل بھی ہو جائے گا اور بڑھ بھی جائے گا۔مجھے صرف یہ جاننا ہے کہ کیا مقدمے میں اپنی گفتگو کو ہفت سیّاح تک ہی محدود رکھوں یا پھر آپ نے جو اِس داستان سے پہلے کا احوال لکھنے کی ہدایت کی ہے،ویسا کروں؟

(2) آپ نے اپنے خط میں دو فقروں کی تصحیح تو کر دی مگر معانی نہیں لکھے:

(الف) سنگ موسیٰ دیکھ پُکارا:یا مولیٰ! اَدِر کنی

(ب) باگ کو تھام،پٹریاں جما،دو چار کاوے دے،اُوچھی باگوں پر لگا،ٹِھے پوٹیوں سے تیز قدم کر،برچھا ہاتھ میں لے،ایک ڈانڑا اوپر بدن میرے کے مار،تیز گام ہو،خیز کر گئی۔

(ج) پانچ چار کوڑے ایسے مارے کہ فوطے چِر گئے۔

مندرجہ بالا جملوں میں (الف) اَدرِ کنی اَدرِ کنی (ب) اُچھی باگوں پر لگانا اور فوطے چِر جانا کے معانی لکھ کر بھیج دیجیے۔

(3) مندرجۂ ذیل جملوں کو بھی دیکھ لیجیے تا کہ غلطی کی گنجایش نہ رہے:

(الف) پھر میرے تیرے درمیان میں اب کیا باقی رہا۔مُتعہ:اقرار کرتی ہوں کہ روح تک،تو بھی کہ،قبل تو کا[کذا]۔یہ اقرار کرو اوجہ ہلّیت کی موافق شرع کے ادا کر دست بہ گریبان ہوگئی (متعہ سے لے کر ہلیّت تک۔(ہلیّت کہیں نہیں ملا)۔

(ب) تیاری شادی کی دھوم دھام سے کریں کہ داغِ کلفت والدین کا فرو ہو۔تمنائیں جانبین کی از سرِ نو برآویں۔(اس جملے میں جان و بین سمجھ میں نہیں آیا۔کیا یہ جانبین تو نہیں؟)

(ج) اگر وہ اشرفی محمد شاہی بہ تلاش اب ہاتھ آوے تو البتہ یہ بھی مال نرم گرم وقت بے وقت تانکے ٹونکے میں کھپ سکتا ہے۔(اشرفی محمد شاہی میں کیا خصوصیت تھی؟)

(د) وہ حلقۂ کمان مُلتانی کشش اُس کی سے مثال کبادہ کے چم خم سے اُتر بہ گئی لیکن تا ہم نوبت گزاری کی نہیں۔تیر دُور اندازی کا اُس صف میدان پر،نشانہ مُرغ دل تک جالگا۔(اس جملے میں تیر دور اندازی کو بدل کر تیر اندازی کا کرلیا ہے)اِس کی تصحیح فرما دیجیے۔

کچھ دنوں سے میری طبیعت خراب ہے۔میری نبض تیز چل رہی ہے۔دوا چل رہی ہے۔آپ کی دُعا میرے ساتھ ہے،جلدی ہی صحت یاب ہوں گا۔

ڈاکٹر صاحب کا کام بھی رُکا ہوا ہے۔وہ کام دکھانے کے لیے دیوندر سنگھ کے پاس گئے تھے۔اُنھوں نے ڈاکٹر صاحب کو کالڑا صاحب کے پاس بھیجا۔کالڑا صاحب نے پھر سے لکھنے کو کہا۔یہ تو وہ مثل ہوئی: دو ملاّؤں میں مرغی حرام۔ایک مانتا ہے تو دوسرا انکار کر دیتا ہے۔

رینا صاحب کو آپ کا خط نہیں ملا۔وہ بھی کام کر رہے ہیں۔آج جناب اوم پرکاش سونی کا خط آیا۔سونی صاحب نے کچھ مواد بھی بھیجا ہے اور رینا صاحب سے بھیجے ہوئے مواد کی رسید بھی چاہی۔

مجھے ہفت سیّاح کے نسخے کی ضرورت محسوس ہوئی۔نسخے کے ص451 پر جو شعر درج ہے،وہ نقل ہونے سے رہ گیا تھا۔ظہور صاحب سے بھی عرض کی اور کالڑا صاحب سے بھی ملا۔وعدہ تو کرتے ہیں لیکن نسخہ نہیں دکھاتے۔زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے لیے۔یہ کام آپ کے جموں تشریف لانے ہی پر ہوگا۔بڑے بے رحم لوگ ہیں۔

قتیل سے متعلق ضمیمہ تیار کیا ہے۔تین صفحوں کا۔

جواب کے لیے لفافہ ساتھ بھیج رہا ہوں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ضرور لکھیں۔

آپ کا

مہندر لال پروانہ

19۔ نیو پلاٹ، جموں۔180005

پس نوشت:

مقدّمہ تیار کرنے سے متعلق اگر آپ اپنی راے دینا چاہیں یا مقدمے کے سلسلے میں کوئی خاص بات آپ لکھنا چاہیں تو ضرور لکھیں۔

نوٹ:

مذکورہ بالا دونوں خط ڈاکٹر ٹی. آر. رینا کی مرتب شدہ کتاب 'رشید حسن خاں کے خطوط جلد دوم، اشاعت 2015 نومبر، ص638 تا642 سے ماخوذ ہیں۔

❁❁❁

نجیب اشرف ندوی بہ نام رشید حسن خاں

(1)

19 اکتوبر 1963ء[1]

حبیبی الاعز، سلام شوق

میں باہر گیا ہوا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا محبت نامہ ملا۔ بچوں کی علالت وحرارت کا حال معلوم کر کے صدمہ ہی نہیں ہوا بل کہ ایک قسم کی تشویش تھی۔ خدا کرے اب دونوں بچے بالکل اچھے ہوں کہ کم از کم آپ کو ایک طرف سے تو اطمینان نصیب ہو۔ پھر مستقبل سے متعلق جو پریشانیاں اور تذبذب ہے وہ بھی انسان کے سکون کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے لیکن اسی سلسلہ میں یہ امر وقتی طور پر طمانیت بخش ہے کہ آپ کو ایک سال کی مہلت اور مل گئی ہے کسی نے کہا ہے کہ جب کبھی کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو انسان یادر کھے کہ دشتِ درمیان درست۔ ان شاء اللہ اس ایک سال میں کچھ نہ کچھ تو ہو رہے گا اور آپ اطمینان کے ساتھ ہمارے خزانہ علم کو اپنے تحقیقی جواہرات سے پُر کرتے رہیں گے۔

میں آپ کی جس خوبی کا قائل ہوں وہ آپ کا حق وصداقت کے اظہار کے لیے جرأت مندانہ اقدام ہے۔ ہماری مصلحت کوشی یا سکینت جوئی نے ہم کو بزدل بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رشید حسن کو سلامت رکھے کہ اس نے حوادیث ونتائج کا خیال کرے بغیر جب کہ ہر شخص خاموش تھا حق کا نعرہ بلند کیا، اگر یہ نہ ہوتا تو غلط ہائے مضامین کی کوئی حد نہ ہوتی۔ آپ کو دو خوش خبریاں دیتا ہوں۔ ایک تو یہ ہے جب کہ میں 11 اکتوبر سے 15 تک بمبئی میں تھا اور وہاں شاہ معین الدین صاحب کو آپ کا بڑا مداح پایا۔ کہتے تھے کہ اُردو ادب وتاریخ پر ان کی نظر بڑی گہری ہے۔ میں نے کہا وہ اس سے زیادہ ہیں اور آپ کے قاموس الاغلاط اور دوسرے مضامین کا حوالہ دیا۔ آپ کے محققانہ اور بے باکانہ تحریر سے بہت متاثر ہیں۔ دوسرے ہم لوگوں کے مخدوم قاضی صاحب نے اس تاریخ پر مفصل ریویو لکھنا شروع کیا ہے اور اب آپ تنہا نہیں ہیں۔

میں تو اس چیز کا قائل ہوں کہ کوئی شخص کامل نہیں ہے اور آگے جانے والے کے مقابلہ

میں پیچھے آنے والا شخص زیادہ مستند اور وسیع المعلومات ہوتا ہے۔اس لیے اگر کوئی نوجوان کسی غلطی کی اصلاح کرے تو خوش ہونا چاہیے۔

آپ اسی سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سن لیجیے۔آپ کے مضامین کی روشنی میں شاہ صاحب آپ کو پنجاہ سالہ بزرگ سمجھ رہے تھے لیکن جب میں نے ان کو بتایا کہ آپ تیس بتیس سے زیادہ نہیں ہیں تو وہ حیرت میں رہ گئے۔اللہ تعالیٰ آپ کو حیات،صحت،عزت واقبال اور سعادت مند اولاد کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا رہے کہ ہماری علمی وادبی رسید میں ہمیشہ سے دربستہ ہیں۔

بچوں کی خیریت سے مجھے مطلع کرتے رہیے۔میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے۔آپ مضمون کا دوسرا حصہ ضرور لکھیے۔تحریک کا کوئی پرچہ مجھے اب تک نہیں ملا ہے۔اطلاعاً عرض ہے آپ کا مضمون میں نے اس تحریک میں پڑھا جو آپ نے جناب دسنوی صاحب کو بھیجا۔

آپ کا

نجیب اشرف ندوی

(2)

21/03/1965ء

محبّ عزیز ورفیق رشید،سلام شوق۔

کچھ دنوں ہوئے آپ کا پٹھانی عتاب نامہ ملا تھا۔لیکن آپ نے کبھی یہ بھی سوچا کہ میں کیوں نہیں ملا بل کہ اس کے بعد کوئی خط بھی کیوں نہیں لکھا آپ تو بس:

بیٹھے ہوئے سنوارا کریں گے گیسو اپنے

پر کام کرنے والے ہیں۔ہم شیفتہ مزاجوں کی طبیعت سے آپ کو کیا کام۔میرے بھائی میں:

وفاداری بشرط امنداری میں ایمان ہے

کا قائل ہوں یا تو انسان محبت اور دوستی کا ہاتھ بڑھائے نہیں یا پھر اگر بڑھائے تو عمر بھر کا عہد وفا ہو۔(مانا کہ عمر کو بھی پاسداری نہیں ہے۔)

اب صحیح حالات سنیے جس وقت میں نے آپ سے حاضر فرصت ہونے کا وعدہ کیا تھا میرا خیال تھا کہ اتوار کو میٹنگ بارہ بجے ختم ہو جائے گی اور چار گھنٹے ملاقات کے لیے کافی ہوں گے لیکن جب میٹنگ ختم ہوئی دوپہر کا کھانا کھایا گیا تو کہیں جانے ہی کا وقت باقی نہیں رہا تھا بل کہ ڈاکٹر خواجہ صاحب کی صاحب زادی میرے لیے کچھ سامان خریدنے بازار گئی ہوئی تھیں وہ بھی میری روانگی کے وقت واپس نہیں آسکیں اور مجھے وہ سامان وہیں چھوڑنا پڑا۔پھر میں آپ کے

یہاں کس وقت جاسکتا تھا۔شریف صاحب ہی نہیں خواجہ صاحب خود...دفتر تک تشریف لائے۔

وہاں سے واپس آ کر میری طبیعت اتنی خراب ہوگئی کہ عمر میں پہلی مرتبہ عید کے دن پلنگ سے اُٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔بارے 15-14 کو کچھ آرام ہوااور میں 17 کو دارالمصنفین کے جشن میں شرکت کے لیے اعظم گڑھ چلا گیا اور وہاں سے اپنی بہو کو جو بیمار ہے دیکھنے پٹنہ گیا اور وہاں سے 7 مارچ کی شام کو واپس آیا تو کئی رات سے کمر میں اتنا درد ہوا کہ 18 تک پلنگ پر رہا۔اٹھنا بیٹھا تو بڑی چیز ہے کروٹ بھی نہیں لے سکتا تھا۔اب بحمد اللہ اس قابل ہوں کہ بیٹھ کر لکھ سکوں اور پہلا خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔اسی لیے اس ڈیڑھ مہینے میں نہ معلوم کتنے خط انتظار جواب کھینچ رہے ہیں۔

سمجھے جناب خاں صاحب۔اب غصے کو تھوک دیجیے۔دل میں تو نہ معلوم کتنے خوابوں کی تعبیر ہے میرے لیے دعا کیجیے۔

احباب کو سلام شوق۔بلگرامی صاحب کہاں اور کیسے ہیں۔میں نے آپ سبھوں کو بیماری کی حالت میں عید مبارک لکھا تھا۔رسید سے بھی محروم کرے۔اب یہ مظلوم کیا کرے۔

آپ کا

نجیب اشرف ندوی

میں 24 کو .U.G.C کی ایک کمیٹی کے سلسلے میں 24 کو حیدرآباد ہوتا ہوا بنگلور اور مدراس جا رہا ہوں۔پہلی تک واپس آؤں گا اس وقت آپ کا [کذا] ختم ملنا چاہیے۔

(3)

786

PATNA-4 ؎

10/01/1966

اخی الاعز،سلام شوق۔

کل ہی ڈاکٹروں نے اجازت دی کہ میں بستر اچھوڑ کر چند قدم چل سکتا ہوں اور کل ہی میں کار سے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔میری عیادت کو وہ تشریف لائے تھے۔لیکن پھر نصیب و دشمناں ان کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی اب بحمد اللہ وہ اچھے ہیں۔وہ جتنے شریف بلند اخلاق اور انسان در بستہ ہیں اس کی روشنی میں مجھے یقین تھا کہ آپ کا اندیشہ آپ کا خود ساختہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی سارا تغافل آپ کی طرف سے تھا انھوں نے ایک کام آپ کے ذمے کیا تھا اور اپنی سعادت مندی میں آپ نے اس کو قبول کر لیا تھا اسی سلسلے میں انھوں نے یونی ورسٹی

سے ایک کتاب بھی آپ کو بھیجی لیکن اس کام کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ آپ نے ان کو کچھ نہیں لکھا بل کہ جب انھوں نے لکھا تو آپ نے اس وقت تک جواب کی زحمت بھی گوارا نہیں کی اب معاملہ صاف ہے آپ معذرت کا فوراً خط لکھیے اور صورت حال سے ان کو مفصل طور پر مطلع کیجیے۔وہ دل کے اتنے اچھے ہیں اور آپ کو اتنا چاہتے ہیں کہ اس پر فخر کرنا چاہیے وہ آپ کو یقیناً فوراً جواب دیں گے۔میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔اب آپ جانیں اور وہ۔

مجھے یقین تھا کہ میری علالت کی خبر سن کر آپ ضرور دریافت حال کے لیے لکھیں گے لیکن شاید کام کی کثرت یا گھریلو ذمہ داری اور رمضان شریف کی وجہ سے آپ کو مہلت نہیں ملی۔خدا کرے آپ لوگ مع [کذا] بخیر ہوں گے۔ڈاکٹر صدیقی اور دوسرے احباب کو سلام شوق اور نئے سال کی تبریک۔

بے چارے بلگرامی کا کیا ہوا دل لگا ہوا ہے۔میں سوائے دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ہاں! اگر چہ زخم پورا نارمل نہیں ہوا ہے پھر بھی اتنا اچھا ہو گیا ہے کہ ڈاکٹروں نے بھی جانے کی اجازت دے دی ہے اور میں ان شاء اللہ جمعہ چودہ جنوری کو یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا اگر آپ جواب دینا چاہیں تو بمبئی کے پتے سے دے سکتے ہیں۔

مجھے ''تین مثنویاں'' اور گلزار نسیم کی ضرورت ہے۔

خیر طلب

نجیب اشرف ندوی

حواشی:

۱۔ اس خط کو نجیب اشرف ندوی نے ان لینڈ لیٹر پر اندھیری بمبئی-58 سے رشید حسن خاں کو 40 جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر ارسال کیا۔اس خط میں دائیں جانب نجیب اشرف کا پتا انگریزی میں لکھا ہوا ہے. بائیں جانب نجیب اشرف ندوی کے نام کا logo اُردو اور انگریزی میں بنا ہوا ہے۔ندوی صاحب کا مکمل پتا اس طرح ہے:58- 37.T.P.E VI,ANDHERI BOMBAY TELEPHONE:572316,

۲۔ دوسرے خط کو بھی نجیب اشرف ندوی نے ان لینڈ لیٹر پر اندھیری، بمبئی-58 سے رشید حسن خاں کو جبلی ہال دہلی یونی ورسٹی کے پتے پر ارسال کیا۔اس خط پر نیچے کی جانب 23/03/65 دہلی ڈاک

خانہ کی مہر لگی ہوئی ہے اور اوپر کی جانب Bombay.R.M.S.1965 کی مہر ثبت ہے۔خط کے دائیں جانب نجیب اشرف کا پتا انگریزی میں لکھا ہوا ہے اور بائیں جانب نجیب اشرف کے نام کا logo اُردو اور انگریزی میں ثبت ہے۔

۳۔ اس خط کو نجیب اشرف ندوی نے ان لینڈ لیٹر پر C/O Principal Momul Haq Patna-6 S.M کے پتے سے رشید حسن خاں کو C-11 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 پر ارسال کیا۔مرتب

❁❁❁

نورالحسن ہاشمی بہ نام رشید حسن خاں

اسماعیل بلڈنگ، یونی ورسٹی روڈ[1]
لکھنؤ-7
10 جنوری 1974
محبی وعلیکم السلام

عرصہ دراز کے بعد عنایت نامہ مورخہ 6 جنوری کا ممنون ہوں۔ اُردو املا[2] کی جلد جس دن مجھے ملی تھی اُسی دن میں نے ترقی اُردو بورڈ اور آپ کو شعبۂ اُردو کے پتے پر ایک ایک کارڈ شکریہ کے ساتھ رسید کا لکھ کر بھیج دیا تھا۔ آپ کے گھر کا پتا مجھے معلوم نہ تھا، نورانی صاحب کو بھی لکھا تھا کہ گھر کا پتا لکھیے۔ مگر کل آپ کے خط سے آپ کے گھر کا پتا معلوم ہو سکا۔

آپ کی یہ کتاب واقعی بہت معرکے کی تالیف ہے اور اس پر آپ نے جتنی محنت شاقہ صرف کی ہے۔ اُس کا اعتراف نہ کرنا ناسپاسی ہوگی۔ یہ گوشہ باوجود نہایت ضروری ہونے کے عرصے سے تشنہ تھا۔ عبدالستار صدیقی[3] صاحب مرحوم نے واقعی اس طرف بڑی لگن اور بڑے مطالعے اور غور و خوض کے ساتھ کام کیا تھا لیکن کماحقہ پورا نہ کر سکے تھے کیوں کہ بعد میں اُن کے دماغی طور بہ سبب کہولت بہت کمزور ہو گئے تھے۔ مجھے اس امر کی بھی نہایت مسرت ہے کہ آپ نے اپنی یہ تالیف مرحوم صدیقی صاحب کے نام منسوب اور معنون کی۔ واقعی اُن کی ذات اس کی بدرجہ اولیٰ مستحق تھی۔

آپ کی اس عرق ریزی سے یہ بھی فائدہ ہوگا اور ملا ہے کہ املا کے تمام نازک سے نازک مسائل سامنے آ گئے۔ اس سے لوگ اختلاف بعض مقامات پر کر سکتے ہیں بعض ترمیمیں یا اضافے پیش کر سکتے ہیں یہ الگ بات ہے لیکن اُردو املا کا معاملہ مکمل طور پر یک جا تو ہو گیا۔ یہی کیا کم ہے۔

(ہائے مختفی و ملفوظی کے متعلق میرا خیال بھی کچھ اور ہے جسے پھر آیندہ لکھوں گا) گوپی چند نارنگ کا املا نامہ[4] دیکھ کر مجھے بھی تعجب ہوا تھا کہ ترقی اُردو بورڈ نے آپ کی ضخیم و مفصل اور مکمل

کتاب کے علاوہ انھیں اپنے نام سے اس کا خلاصہ چھاپنے کی اجازت کیوں کر دے دی! یہ تو واقعی سراسر زیادتی ہے۔

آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے کہ مالک رام صاحب نے مہیش پرشاد مرحوم ہی کے مرتب کردہ خطوط[۵] چھپوا دیے، نہایت تعجب ہوا۔ ان کے یہ خطوط میری نظر سے نہیں گزرے، اشتہار ضرور دیکھا تھا خیال تھا کہ انھوں نے اُن میں کچھ اضافے کیے ہوں گے یا کوئی اور طرف کی پہل کی ہوگی۔ آپ نے تو عجیب حالات سنائے!

آخر میں مبارک باد کے ساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں، آپ کا یہ کارنامہ واقعی یادگار رہے گا۔ ان شاء اللہ۔ فقط والسلام۔

خیراندیش
نورالحسن ہاشمی

مزید:
ہاں بھئی آپ نے واقعی کتاب (نوطرز مرصع از محمد غوث زریں) جو آپ نے کہیں سے حاصل کر کے عرصہ ہوا مجھے دکھائی تھی، کیا کیا، اُس پر کچھ لکھا یا نہیں۔ اُسے تو چھپوا دینا چاہیے تھا!
ہاشمی

حواشی:

۱۔ نورالحسن ہاشمی صاحب نے اس خط کو ان لینڈ لیٹر پر لکھ کر رشید حسن خاں کو F3/4 ماڈل ٹاؤن دہلی-9 کے پتے پر ارسال کیا۔

۲۔ رشید حسن خاں کی یہ ضخیم کتاب ترقی اُردو بیورو، نئی دہلی سے 1974 میں شائع ہوئی۔ رشید حسن خاں نے اُردو املا کے منظرِ عام پر آنے کی روداد کو 7 جولائی 1973 کو لکھے اپنے مقدمے کے صفحہ 42 پر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ترقی اُردو بورڈ نے املا کے سلسلے میں ایک کمیٹی بنائی تھی جس کے صدر ڈاکٹر عابد حسین صاحب تھے۔ مجھے مسرت ہے کہ کہ اُس کمیٹی نے اِس کتاب کے مسودے کو منظور کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بزرگانہ شفقت اِس دوران میں میرے شاملِ حال رہی ہے۔ یہ اعتراف ضروری ہے کہ کہ موصوف کی نوازش اور مشوروں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔''

۳۔ رشید حسن خاں نے ''اُردو املا کا انتساب ''پروفیسر عبدالستار صدیقی'' (مرحوم) کے نام کرتے ہوئے غالب کا درج ذیل شعر بھی لکھا:

طبعِ تو ادا سر خطِ مشقِ سخن بما
گوپی براتِ نور زخا درگرفتہ ایم

خاں صاحب جب اُردو املا پر کام کر رہے تھے صدیقی صاحب سے ان کی خط وکتابت تھی۔صدیقی صاحب نے انھیں اُردو املا پر کام کرنے کی ترغیب دی۔اُردو املا کے مقدمے میں ان باتوں کی وضاحت ملتی ہے۔اس بابت رشید حسن خاں نے اُردواملا کے مقدمے کے صفحہ 41 پر لکھا کہ ''اس کتاب کا انتساب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کے نام کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف مجھے حاصل نہیں ہوسکا،مگر خطوط کے ذریعے میں نے اُن سے اُسی طرح استفادہ کیا ہے،جس طرح شاگرد،اُستاد کے سامنے زانوے ادب تہہ کر کے سبق پڑھتا ہے؛اسی بنا پر میں مرحوم کو اُستاد مانتا ہوں۔اور املا کے موضوع پر تو وہ اپنے زمانے میں اُستادِ کُل کی حیثیت رکھتے ہی تھے؛ایسے اُستاد جن کا کوئی شریک وسہیم نہیں تھا۔مرحوم زندگی بھر صحیح املا لکھنے کی تبلیغ کرتے رہے اور مضامین، تبصروں اور خطوں کے ذریعے سے معلومات کے فیض کو عام کرتے رہے۔اس انتساب کے واسطے سے،مرحوم کی اُس فیض بخشی کے اعتراف کی سعادت حاصل کرنا مقصود ہے۔''

۴ نورالحسن ہاشمی اس بات پر نالاں ہیں کہ ترقی اُردو بورڈ،نئی دہلی نے اُردو املا جیسی ضخیم کتاب کو اشاعت کی منظوری دینے کے بعد گوپی چند نارنگ کو اس کا خلاصہ ''املا نامہ'' کے نام سے کیوں شائع کرنے کی اجازت دی۔غور طلب ہے کہ نارنگ صاحب کے املا نامہ کی جتنی بھی اشاعتیں منظرِ عام پر آئی ہیں ان میں کچھ نہ کچھ تبدیلیاں ضرور دیکھنے کو ملتی ہیں۔رشید حسن خاں نے مشفق خواجہ کے نام لکھے کئی خطوط میں اس بات کا دعوا کیا ہے کہ املا نامہ،اُردو املا کا سرقہ ہے۔

۵ خطوط غالب [مرزا اسداللہ خاں غالب کے خط،رقعے وغیرہ] مہیش پرشاد نے مختلف ماخذوں سے جمع کر کے تین جلدوں میں ترتیب دیے تھے۔ان خطوط پر عبدالستار صدیقی صاحب نے نظرِ ثانی کی تھی۔خطوط کی پہلی جلد ہندستانی اکیڈمی،صوبہ متحدہ،الہ آباد سے 1941 میں شائع ہوئی۔
خطوط غالب مرتبہ مالک رام،انجمن ترقی اُردو(علی گڑھ) سے 1962 میں منظرِ عام پر آئے۔اس کا تعارف 20 مارچ 1962 کو آل احمد سرور نے لکھا۔

نوٹ:
گوپی چند نارنگ کی کتاب ''املا نامہ'' میں املا کمیٹی کی جو تفصیلات درج ہیں ان میں اراکین املا کمیٹی کے صدر ڈاکٹر سید عابد حسین تھے۔رشید حسن خاں اور گوپی چند نارنگ (مرتب) کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔اس کمیٹی نے 1972 سے 1974 تک کام کیا اور اس کے جلسوں میں شہباز حسین بہ حیثیت پرنسپل پبلی کیشنز آفیسر شرکت کی۔اس کے بعد ایک نظرِ ثانی کمیٹی (توسیع شدہ املا کمیٹی) بنائی گئی۔اس کمیٹی میں ڈاکٹر عبدالعلیم (صدر) کے علاوہ ڈاکٹر سید عابد حسین،رشید حسن خاں،حیات اللہ

انصاری، مالک رام، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر محمد حسن ،ڈاکٹر خلیق انجم، سید بدر الحسن، اور پروفیسر گوپی چند نارنگ کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔اس کمیٹی کے 1976 اور 1977 میں تین اجلاس ہوئے۔ڈاکٹر شارب ردولوی، نے بہ حیثیت پرنسپل آفیسر اور ابوالفیض نے بہ حیثیت اسسٹنٹ ڈائرکٹر شرکت کی۔اس کے بعد ایک ورک شاپ اُردو املا کمیٹی بنائی گئی۔جس میں شمس الرحمٰن فاروقی (صدر) رشید حسن خاں، ڈاکٹر نثار احمد فاروقی، اور پروفیسر گوپی چند نارنگ (مرتب) نے اس میں کام کیا۔ستمبر 1981 میں اس کے تین اجلاس ہوئے۔ ابوالفیض سحر اور شمیم احمد نے بہ حیثیت اسسٹنٹ ڈائرکٹر شرکت کی۔

❁❁❁

نیّر مسعود بہ نام رشید حسن خاں

(1)

ادبستان، دین دیال روڈ
لکھنؤ-226003
29 جون 1998

برادرم خاں صاحب! آداب

کچھ دیر قبل ''ایوانِ اُردو'' کا جولائی کا شمارہ ملا تو دیکھتا ہوں اُس میں میرا خط چھپا ہوا موجود ہے۔ یہ مخمور صاحب کے نام میرے مسلسل دو خطوں میں تاکیدی ممانعت کے باوجود ہوا ہے۔ میں نے ابھی ابھی اُن کو احتجاجی خط لکھا ہے اور دریافت کیا ہے کہ صحافتی آداب کی یہ خلاف ورزی کیوں کی گئی ہے۔ دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔ مجھے آپ کا یہ اندیشہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اِس معاملے میں دہلی کی ادبی سیاست در آئی ہے۔ بہر حال آپ سے سخت شرمندہ ہوں۔

معلوم نہیں آپ کا بمبئی والا پروگرام کس حد تک عملی ہوا۔ یہ بھی نہیں معلوم ہو پا رہا ہے کہ یوپی اُردو اکادمی کی انعامی تقریب کا کیا بنا، البتّہ وزیر اعظم کے عنقریب لکھنؤ آنے کی خبر ہے۔ ممکن ہے تقریب اِسی موقعے پر رکھی جائے۔

درد ِسر نے سخت پریشان کر رکھّا ہے۔

خدا کرے آپ بہ خیریت ہوں۔

ثمرہ، صائمہ آداب لکھوا رہی ہیں۔ صائمہ انٹر کے امتحان میں سکنڈ ڈویژن میں پاس ہو گئی ہیں۔

آپ کا
نیّر مسعود

(2)

جولائی 1998

برادرم خاں صاحب آداب!

خدا کرے آپ کی صحت بہ حال ہو۔ یہ خط کچھ با دلِ ناخواستہ لکھ رہا ہوں۔ قصّہ یہ ہے کہ اِدھر آپ کے مضمون ''مثنویاتِ شوق ،لکھنوی معاشرت کے آئینے'' (ایوانِ اُردو ،اپریل 1998) کے حوالے سے مجھ پر طعنے پڑ رہے ہیں کہ'' آپ کے دوست'' اور'' آپ کے محقق اعظم'' نے یہ مضمون جو لکھا ہے اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ اتفاق سے ایوانِ اُردو کا یہ شمارہ میرے پاس نہیں آیا، لیکن ایک صاحب نے مجھے اس کی نقل بھجوادی۔ بھائی،'' آپ نے تو حد کر دی۔ میں آپ کو اب بھی اپنے عہد کا سب سے بڑے محققوں میں شمار کرتا ہوں، لیکن یہ مضمون ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تحقیقی اصولوں کی جملہ خلاف ورزیوں، غیر محققوں کی تحقیقی خرمستیوں اور ''ناتحقیقی'' ستم ظریفیوں کی مثال میں نمونے کے طور پر لکھا ہے۔ اب میں طعنوں کا جواب تو کیا دے پاتا، مناسب یہی معلوم ہوا کہ اس مضمون کی سب نہیں کچھ قباحتوں کو آپ کے گوش گزار کر کے دریافت کروں کہ یہ معاملہ کیا ہے اور آپ کے سے محقق کو بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہو گیا۔

یہ مضمون اگر اپنے عنوان کی حدوں کے اندر ہی رہتا تو میں اس کے دفاع میں یہ کہہ سکتا تھا کہ خاں صاحب نے صرف یہ دکھایا ہے کہ شوق کی مثنویاں لکھنوی معاشرے کے کن پہلوؤں کا آئینہ نظر آتی ہیں اور مضمون کی بنیادی خامی یہ ہے کہ مضمون نگار نے ان مثنویوں کو سوچ سمجھ کر پڑھا اور اس ناقص مطالعہ کی وجہ سے ان آئینوں کی بعض تمثالیں انھوں نے نہیں دیکھیں (مثلاً زہرِ عشق کا دو تہائی حصہ جو ہیروئن کی خودکشی سے تعلق رکھتا ہے، اور جو اس مثنوی کی مقبولیت کا اصل سبب رہا ہے، مضمون نگار نے اس کو نظر انداز کر دیا اس بحث سے سروکار نہیں رکھا کہ وہ کون سے معاشرتی دباؤ تھے جن کی وجہ سے ایک لڑکی کو محض اپنی محبت کا راز کھل جانے پر اس شہر لکھنؤ میں خودکشی کرنا پڑ گئی جہاں مضمون نگار کی رائے میں عورتوں مردوں کے ناجائز جنسی تعلقات عام تھے) مگر آپ نے غضب یہ کیا کہ لکھنوی معاشرت کے موضوع پر اپنے برائے نام اور یک رُخے مطالعے کو کافی جان کر خود طبع آزمائی شروع کر دی۔ بھائی، کسی تہذیب اور معاشرے کے تجزیاتی اور تحقیقی مطالعے کے کیا آداب اور طریق کار ہوتے ہیں اس کی ابجد سے ناواقفیت کے باوجود اگر آپ کو قلم اُٹھانا ضروری تھا تو کم از کم اس موضوع پر غیر مربوط سا مطالعہ ہی کر لیتے۔ آپ کا عالم یہ ہے کہ ''گزشتہ لکھنؤ'' بھی آپ نے پوری طرح نہیں پڑھی، کمال الدین حیدر کی تاریخ تک (باوجود یہ کہ وہ انگریزوں کے لیے ان کے ایک وفادار نے لکھی تھی) آپ کی رسائی نہیں، نول کشور کی تواریخ نادرالعصر، جو ایک انگریز کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تحریر ہوئی تھی۔ (اس کا نام ہی ''تحفۂ کرنل ایبٹ'' ہے) وہ بھی آپ کے لیے مجہول رہی۔ لکھنؤ کی گھریلو معاشرت کا آپ کو پتا ہی نہیں

اس لیے عباس حسین ہوش کی مثنوی ''تفسیر عفت''، ''فسانۂ نادر جہاں''، لکھنؤ کی عورتوں کے بارے میں خواجہ عبدالرؤف عشرت کے مجموعے (ہم جولی، قصہ اوّل و دوم) قسم کے ضروری ماخذوں سے آپ کی شناسائی نہیں۔ لکھنؤ میں طوائفوں کی حیثیت پر آپ فیصلہ کُن گفتگو کرتے ہیں اور ''امراؤ جان ادا'' تک کو اُٹھا کر نہیں دیکھتے کہ وہ آپ کی تائید کر رہی ہے یا نہیں۔ ''قدیم ہُنر و ہُنر مندانِ اودھ''، ''وضع دارانِ لکھنؤ'' حتیٰ کہ ماہ نامہ ''نیا دور'' کے دونوں حالیہ اودھ نمبر بھی آپ کو دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ پیشگی فیصلہ کر لینے کے بعد جذبات اور تاثرات کی تابع تحقیق کو غیر جانب داری کے انداز میں پیش کرنا اور اپنے پیشگی جذباتی فیصلے اور قلبی خواہش کے برخلاف شواہد کو دیکھنے سے کنھیا لال کپور کے ''مسٹر ڈالر'' کی طرح بالارادہ معذور ہو جانا آپ کی تحقیق کی کمزوری رہی ہے۔ لیکن اس مضمون میں یہ کمزوری، نا قابلِ یقین حد تک بڑھ کر ''خواہش زدہ'' تحقیق کی مکمل مثال بن جاتی ہے۔

لکھنؤ کی تہذیب اور معاشرے پر کچھ لکھنے کے لیے کسی قسم کے اور کتنے ماخذوں سے استفادے کی ضرورت ہے اس کا اندازہ آپ کو نہ سہی، پھر بھی ذرا اپنے مضمون کے ماخذوں کی فہرست پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

1۔ نجم الغنی، تاریخ اودھ (صرف منفی شواہد)
2۔ شرر، گذشتہ لکھنؤ (صرف منفی شواہد)
3۔ شوق، مثنویاں (صرف منفی شواہد)
4۔ پروفیسر آل احمد سرور (لکھنوی طوائفیں)
5۔ پروفیسر خورشید الاسلام (لکھنوی طوائفوں کی سوز خوانی)

یہ لکھنؤ کی پیچیدہ اور کثیر الابعاد تہذیب و معاشرت پر آپ کے ماخذوں کی کُل بساط ہے۔ اس کا دوسروں کو تو کیا، خود آپ کو بھی یقین نہ آنا چاہیے اور اس بساط پر جس تیقّن اور خود اعتمادی کے ساتھ قولِ فیصل کے انداز میں آپ نے گفتگو کی ہے اور تحقیق کے معروضی، منطقی اور غیر جذباتی انداز کو جس طرح نظر انداز کیا ہے اس کو بے علمی کی جسارت کے سوا اور کیا کہا جائے۔

آپ کا یہ قول پسند ہے کہ تحقیق کی بنیاد شک پر ہوتی ہے، لیکن آپ کے اس مضمون میں تحقیق کی بنیاد شک پر نہیں، ایمان، بل کہ ایمان بالغیب پر، اور شواہد پر نہیں، مفروضوں بل کہ افواہوں پر ہے۔ ایمان کا ایسا مظاہرہ بھی کم دیکھنے میں آتا ہے کہ لکھنوی معاشرے کا محقق پروفیسر خورشید الاسلام اور میرے شفیق محترم سرور صاحب سے استناد کرے، اور وہ محقق رشید حسن خاں کے

پائے کا ہو۔ خورشید صاحب اور سرور صاحب بہر حال دیانت دار نقاد ہیں۔ وہ خود اس پر راضی نہ ہوں گے کہ انھیں اس موضوع پر سند بنا دیا جائے۔

مذکورۂ بالا پانچ اور سچ پوچھیے تو صرف تین، وہ بھی نامکمل ماخذوں کے بل بوطے پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے اور اس لکھے ہوئے سے جو منطقی نتیجہ بر آمد ہوتا ہے اس کے تھوڑے سے نمونے دیکھ لیجیے:

> 1۔ لکھنؤ کے علمائے فرنگی محل ہوں یا خاندانِ اجتہاد مراجع دین، یا صوفیائے کرام کے حلقے، یا انیس یا دبیر اور محسن کاکوروی اور امیر مینائی قسم کے شاعر، یا پابندیِ سرع میں حد سے بڑھ کر لطیفوں کا موضوع بن جانے والے نقاط اور دوسرے اشرافیہ طبقات، عیش طلبی نے ان میں سے ''کسی کو کسی اور کام کا رکھا ہی نہیں تھا۔ عیش، تفریح اور لذت اندوزی کو زندگی کا واحد مقصد بنا دیا تھا۔ 6

(کسی کو کسی اور کام کا رکھا ہی نہیں تھا، کا مطلب یہ ہوا کہ لکھنؤ میں بلا استثنا ہر طبقے کا ہر فرد صرف، عیش تفریح اور لذت اندوزی میں منہمک تھا اس لیے کہ یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد تھا)

2۔ لکھنؤ کے مختلف افراد کی جو تصویریں کثیر تعداد میں موجود ہیں اور یہاں کے لوگوں کی وضع قطع اور لباس وغیرہ کے بارے میں جو چشم دید بیانات فراوانی کے ساتھ دستیاب ہیں وہ آپ کی نظر میں معتبر نہیں ہیں اس لیے کہ:

> ''لکھنؤ میں یہ عام وضع ہوگئی (تھی) کہ سر پر مانگ، اس پر مسالے کی کام دار ٹوپی ..... ماتھے پر دونوں طرف پٹیاں۔ وغیرہ وغیرہ (آپ کا ماخذ: شرر) 7

مگر ان تصویروں میں عام طور پر یہ ''عام وضع'' نظر نہیں آتی۔ مثلاً میر انیس کے سر پر سفید سوتی پیچ گوشہ ٹوپی، نواب والا جاہ کے سر پر عمامہ نظر آتا ہے اور چکن کی دوپلّی ٹوپی تو لکھنؤ میں رواجِ عام رکھتی تھی، لیکن آپ کا تائید یافتہ بیان ان شواہد کو جھٹلا رہا ہے۔ البتہ یہاں صرف ایک سوال کرنا ہے کہ صرف آپ کی نظر سے لکھنؤ والوں کی قلمی، عکسی تحریری تصویریں نہیں گزریں؟ یا شرر کی زبان پر آپ اپنی آنکھوں سے زیادہ ایمان رکھتے ہیں؟

3۔ لکھنؤ کی تہذیب کے بارے میں وہ سارے معاشرہ چشم دید بیان اور وہ تمام راست ماخذ جو طوائفوں کے ذکر سے خالی ہیں۔ جھوٹے اور گم راہ کُن ہیں۔ لکھنؤ کی تہذیب کا اصل مظہر طوائفیں

تھیں۔اس لیے کہ آپ کے بہ قول ''طوائف کو معاشرے میں تہذیبی نمایندگی کا شرف مل گیا تھا۔''

یعنی جو لوگ لکھنؤ میں کسی نہ کسی طوائف سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کر سکے انھوں نے لکھنؤ کی تہذیب اور معاشرے کو دیکھا ہی نہیں۔

4۔آپ لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں طوائف کی اہمیت اور حیثیت کا اس سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عزاداری جیسی مذہبی چیز بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں رہی تھی۔8

لکھنؤ کے شہدوں اور فقیروں کی عزاداری بھی مشہور تھی، بل کہ عزاداری کسی کی بھی ''دسترس سے باہر نہیں رہی تھی''۔کیا آپ ''اس معاشرے میں شہدوں،فقیروں بل کہ عزاداری کی دست گاہ رکھنے والی ہر کس و ناکس کی اہمیت کا اور حیثیت کا اس سے بہ خوبی اندازہ'' کر سکتے ہیں؟

5۔فرنگی محل،خاندانِ اجتہاد اور دوسرے دینی مراکز کا پھر ذکر کرنا پڑ رہا ہے،حالاں کہ آپ کا مضمون اس ذکر سے خالی رکھا گیا ہے،کیا اس لیے کہ آپ حسبِ تحقیق لکھنؤ کے ''معاشرے میں تہذیبی نمایندگی کا شرف'' ان مرکزوں کو نہیں طوائفوں کو حاصل تھا۔تہذیب کے میدان میں یہ مراکز کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتے تھے۔لیکن مذہب بھی تہذیب اور معاشرے کا اہم جز ہوا کرتا ہے۔آپ نے لکھنؤ میں ''مذہبیت کی طاقت ور روایت'' اور تہذیب پر اس کے ''دیر پا اثرات'' کو تسلیم بھی کیا ہے(6) سوال یہ ہے کہ کیا مذہب کے میدان میں بھی یہ دینی مراکز ہیچ اور بے حیثیت تھے؟ آپ کا مضمون اس سوال کا جواب اثبات میں دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ عزاداری میں بھی:

''طوائفوں نے سوز خوانی کے کمال سے فائدہ اُٹھا کر دخل حاصل کر لیا تھا اور اس طرح دُنیا ہی نہیں،آخرت بھی ان کے ہاتھ میں چلی گئی تھی 8(آپ کا ماخذ:خورشید الاسلام)

اس بیان کی تائید میں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ علمائے فرنگی محل میں کسی ایسے بزرگ کا سراغ مجھے نہیں ملا جنھوں نے سوز خوانی کے فن میں طوائفوں کے برابر کمال حاصل کیا ہو،اور خاندان اجتہاد کے علما تو سوز خوانی کے وقت (آخرت کو طوائفوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر؟) مجلس سے اُٹھ جاتے تھے۔بھائی،یہ سب کیا ہے؟ ذہن کو زحمت دیے بغیر لکھنا اور لکھنے کے بعد ذہن کو زحمت نہ دینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔لکھنؤ میں با کمال سوز خوانوں کو آخرت پر قبضہ دے دیا جاتا

تھا۔مندرجۂ بالا انشا پرداز نہ فقرے کا اگر اس کے سوا کچھ اور مطلب نکلتا ہو تو براہِ کرم مجھ کو (خود یا اپنے ماخذ سے پوچھ کر) بتائیں۔

6۔آپ کا تائید یافتہ ایک اور انکشاف :لکھنؤ کی بیگموں میں کوئی ایسی نہیں تھی جو ''چھنال'' نہ ہو 9(آپ کا ماخذ: شوق کی ایک خیالی داستان کا ایک خیالی نسوانی کردار)۔آپ سے یہ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے کہ خود آپ کا کیا خیال ہے۔

7۔ہمارے آپ کے محترم بزرگ سرور صاحب طوائف شناسی میں وہ مرتبہ رکھتے ہیں کہ آپ کا سارا عمل محقق طوائفوں کی اداؤں کی پہچان کے لیے ان کی سند پیش کرتا ہے اور شوق کی ہیروئنوں کے بارے میں سرور صاحب کے اس جملے کو ''نہایت بلیغ بات'' کہہ کر نقل کرتا ہے:

> ''مہہ جبیں میں کم اور مہہ لقا میں زیادہ ہمیں طوائف کی جھلک نظر آتی ہے۔'' (ص،8)

یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف آپ لکھنؤ میں ہر طرف طوائفوں کی تصویریں دکھا کر اپنی تحقیقی کمائی بڑھانے میں سرگرم ہیں دوسری طرف طوائفوں کی گویا اتنی بھی پہچان نہیں رکھتے جتنی سرور صاحب کے سے نستعلیق بزرگ رکھتے ہیں۔کیا آپ شریف عورتوں اور طوائفوں میں تمیز نہیں کر سکتے؟

عجیب تر بات یہ کہ ایک طرف تو آپ معلومات کی فراہمی اور ''تمتع زہر گوشہ اے'' کی سعی میں یہاں تک سرگرداں ہیں کہ طوائفوں کے معاملے میں بھی سرور صاحب کے سے غیر متوقع ماخذ تک پہنچ جاتے ہیں، دوسری طرف آپ کے ماخذوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں بڑھ پاتی اور ابتدا میں جن چند اہم اور آسانی کے ساتھ دکھائی دے جانے والے ماخذوں کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ بھی آپ کو نظر نہیں آتے (وہی 'مسٹر ڈالز' والا کمال)

8۔ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں۔آپ کے اس مضمون کا موضوع دہلی معاشرہ نہیں تھا لیکن آپ نے اسے بھی لپیٹے میں لے کر لکھنوی معاشرے سے بھی گیا گزرا دکھایا۔لکھنؤ میں جو ''لذت اندوزی اور عیش کوشی'' معاشرے کے نمایندہ طبقے پر چھائی ہوئی تھی (ص۔6) اس کا تذکرہ کرتے کرتے آپ بیان کی ابتذال پر آتے ہیں اور شوق کی 'بہارِ عشق' کے کچھ شعروں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''ان میں ابتذال ہے، کھلا ہوا ابتذال۔لیکن ایسے شعروں کی تعداد بہت سے بہت 24 یا 25 ہوگی، اس سے زیادہ نہیں ایسی دوسری مثنویوں کے ایسے ہی اشعار کو اگر یک جا کیا جائے، مثلاً اُردو ہی میں میر اثر اور مومن کی

مثنویوں کے ایسے اشعار کو، تو پھر شوق کا نام اس سلسلے میں سرفہرست نہیں
لکھا جا سکے گا۔ کئی سطر نیچے لکھا جائے گا۔'' 10

اور اس کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں۔

''اسی طرح (یعنی اثر اور مومن کی طرح) شوق کی مثنویوں کو بھی ادب کا
حصہ اور شوق کو (اثر اور مومن کی طرح) اپنے معاشرے کا ترجمان مانا
جائے گا۔ معاشرہ جیسا تھا ترجمانی بھی ویسی ہی ہوگی اور تصویر بھی ویسی
ہی بنے گی۔'' 10

اور یہ معاشرتی تصویر ان مبتذل شعروں کے آئینے میں بنے گی جن کے مصنف شوق لکھنوی کا نام ابتذال یعنی اپنے معاشرے کی سچی تصویر کشی کرنے کے لحاظ سے اثر دہلوی اور مومن دہلوی کے ناموں سے ''کئی سطر نیچے لکھا جائے گا''۔ اور اپنے مبتذل کلام کے ذریعے ایسے دہلوی معاشرے کی تصویر دکھانے والوں میں اثر اور مومن کے نام شوق سے ''کئی سطر اوپر'' لکھے جائیں گے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ لکھنؤ کے معاشرے کو پست اور مبتذل ٹھہرانے کے بعد آپ نے دہلی کے معاشرے کو اس سے بھی بدتر ظاہر کرنا کیوں ضروری سمجھا اور اپنی تہذیبی روایت کی ان دو بڑی (اور دونوں مرحوم) علامتوں کے خلاف کون سی در پردہ نفسیاتی گتھی آپ کو ان کا دشمن بنائے ہوئے ہے۔ کیا ذاتی طور پر آپ کو دہلی اور لکھنؤ میں کچھ تلخ تجربے ہوتے ہیں؟ دہلی اور لکھنؤ کی پُرانی آویزش میں ملوث لکھنوی جماعت آپ کے اس فیصلے سے خوش ہو کر آپ کو دہلوی معاشرے کا نبّاض مان سکتی تھی۔ لیکن میں لکھنؤ کو دہلی کی ضمنی پیداوار مانتا ہوں (یہ تو آپ کے بھی علم میں ہونا چاہیے کہ لکھنؤ کے بیش تر ممتاز گھرانے اصلاً دہلی کے تھے) اور دہلی کا زوال مجھ کو لکھنؤ کی تباہی سے بڑا المیہ معلوم ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس احساس میں اپنی تہذیبی روایت سے میرے تعلقِ خاطر (آپ کی رائے میں قدامت پسندی) کو دخل ہو۔ بہر حال میں آپ کی اس نتیجہ گیری سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ اثر، مومن اور شوق کی مثنویوں پر ''معاشرہ جیسا، ترجمانی بھی ویسی ہی، اور تصویر بھی ویسی ہی'' کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور ''ابتذال کھلا ہوا ابتذال'' لکھنؤ سے زیادہ دہلی کے معاشرے کی ترجمانی کرتا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ کی بہت سی ادبی بضاعت میں سنجیدہ اخلاقی معاشرہ قدروں کی عکاسی ہوئی ہے۔ لیکن وہ تصویریں آپ کو نظر نہیں آتیں، انہیں ''مسٹر ڈالر'' کی طرح۔

9۔ تضاد تحقیق کے لیے زہر قاتل ہے۔ جو محقق کے حافظے اور قوتِ تمیز سے لے کر اس کی نیت اور دیانت تک کو مشکوک کر سکتا ہے۔ آپ کی تحقیقی تحریروں میں یہ تضاد گاہ گاہ نظر آتا ہے۔ لیکن اس

مضمون میں آپ نے تضاد کی صنعت کی حد تک پہنچا دیا ہے۔ کچھ نمونے دیکھیے۔

(الف) لکھنؤ کی تہذیب کے بارے میں آپ لکھتے ہیں ''کم سے کم مدت میں اس کو فروغ حاصل ہو گیا''۔ کم سے کم مدت کا مطلب ہوا تقریباً اچانک (میں آپ کی اس رائے سے متفق ہوں اور سرور پر اپنی کتاب میں لکھنوی تہذیب کے یک لخت عروج'' کا ذکر کر چکا ہوں 44) لیکن آپ اسی تقریباً اچانک فروغ پا جانے والی تہذیب کے تشکیلی عناصر کی بحث میں یہ بھی لکھ دیتے ہیں:

''یہ ایسی بات نہیں تھی جو اچانک واقعی ہوئی ہو۔'' 9

(ب) آپ لکھتے ہیں کہ لکھنؤ کی تہذیب اور معاشرے میں ''ظاہر سب کچھ تھا باطن خالی تھا۔'' اپنے مادہ پرستانہ عقائد کے ساتھ آپ کو ظاہر اور باطن کی بحث سے دور رہنا چاہیے تھا۔ اس درخواست پر آپ کان نہیں دھریں گے کہ باطن کے خالی ہونے اور خالی نہ ہونے کی دو ایک مثالیں عنایت کیجیے۔ اس حقیقت پر بھی غور کرنے میں آپ کی طبیعت گھبرائے گی کہ باطن کا خالی ہونا انسان کی حد تک محالات سے ہے۔ اس لیے اس کی فکر چھوڑیے اور اپنے بیان کا تضاد دیکھیے کہ لکھنوی تہذیب میں باطن کو خالی کر دینے کے ڈیڑھ سطر بعد آپ لکھتے ہیں۔

''ہاں ایک چیز ضرور ایسی ہے جس نے دیرپا اثرات پیدا کیے اور وہ ہے
مذہبیت کی طاقت وروایت، جس کا تعلق حقیقی طور پر باطن سے ہوتا ہے۔
مذہب کے اثرات افراد کے احساس کا جز ہوتے ہیں اور پورے گروہ کی
زندگی پر حاوی رہتے ہیں۔ عمل کتنا ہی کم ہو، عقیدہ ذہن کی تہہ میں پیوست
رہا کرتا ہے۔'' 6

''دیرپا اثرات''۔ ''مذہبیت کی طاقت وروایت''، ''حقیقی طور پر باطن'' سے تعلق ''احساس کا جز''، ''عقیدہ'' جو ذہن کی تہہ میں پیوست رہا کرتا ہے'' وغیرہ کہ معنی تو میری سمجھ میں آتے ہیں، لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سب کے ہوتے ہوئے ''ظاہر سب کچھ تھا، باطن خالی تھا'' کا کیا مطلب ہوا:

''یہ عجیب بات تھی کہ (لکھنؤ میں) ایک طرف تو عیش طلبی اور لذت کوشی
اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور دوسری طرف عزاداری کا عروج تھا، اور اس سے
بھی زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس معاشرے کا حسن کچھ اور بڑھ گیا
تھا۔ ان عناصر نے بھی تضاد اور تبوت، یعنی دہرے پن کو معاشرت کا
نہایت حسین چیز بنا دینے میں بہت کامیابی حاصل کی۔'' 7

آپ کے مضمون کے سیاق وسباق میں جتنا جتنا غور کرتا ہوں اتنی اتنی ان جملوں اور مضمون کی

معمائیت باری باری بڑھتی جاتی ہے۔آپ بھی غور کر کے دیکھیے۔لیکن اس سے قطع نظر، یہاں گفتگو تضاد کی ہے۔پڑھنے والوں کی سہولت کی خاطر آپ نے ''عنویت'' کا ترجمہ بھی کر دیا ہے (یعنی دہرے پن کو) لیکن اگلے صفحے پر یہ فیصلہ بھی سنایا ہے:

''معاشرے میں نفاست اور صلابت کے عدم توازن نے یک رُخا پن پیدا کر دیا تھا۔'' 8

کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ منشائے مصنف کیا ہے۔آپ نے دہرے پن اور یک رخے پن سے ایک ہی معنی مراد لیے ہیں؟

(د) تضاد کو صنعت بنا دینے کی بات میں نے یوں ہی نہیں کہہ دی تھی۔آپ لکھتے ہیں:

''غیدری بیگم نے واجد علی شاہ سے جب یہ کہا تھا (کہ کچھ دوسری عورتوں کے بھی مردوں سے ناجائز تعلقات ہیں) تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار کیا تھا جس سے بہت سے لوگ باخبر تھے۔اسی طرح جب نواب مرزا شوق اپنی مثنوی ''فریبِ عشق'' میں یہ کہتے ہیں (کہ بیگموں میں کون ہے جو چھنال نہیں) تو (انھوں نے) معاشرے کی ایک ایسی تلخ حقیقت کو بیان کیا تھا جس سے لوگ بے خبر نہیں تھے۔لیکن اس کو بیان کرنے کی یا تو جرأت باقی نہیں رہی تھی یا پھر وہ معاشرے کا ایسا حصہ بن چکی تھی کہ اجنبیت اور اعتراض کی گنجائش گویا ختم ہو چکی تھی۔''

آپ کو بیان کا تضاد نظر آیا؟ آپ کا کہنا ہے کہ اس معاشرے میں عورتوں کا غیر مردوں سے تعلقات رکھنا۔

(1) اتنا بڑا عیب سمجھا جاتا تھا کہ لوگ اس کو زبان پر لانے کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔یا

(2) کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کا ذکر یا اس پر اعتراض کیا جائے۔

عام تضاد کے لیے ''یک بام و دو ہوا'' کی ضرب المثل استعمال ہوتی ہے۔لیکن آپ کا یہ بیان ''دو بام دیک ہوا'' کی عمدہ مثال ہے اور یہ تضاد کو صنعت بنا دینے کی بھی عمدہ مثال ہے۔

(10) مذہب کی گفتگو میں آپ نے کئی جگہ علم وفکر کے دائرے سے باہر قدم رکھا ہے۔مثلاً آپ لکھنؤ میں ''بہت سی ایسی رسمیں پیدا'' ہو جانے کا ذکر چھیڑتے ہیں جن کا حقیقتاً مذہب سے لازمی تعلق نہیں تھا 7 اور اس کو صرف لکھنؤ سے مخصوص قرار دیتے ہیں۔مذہب کے حوالے سے ایسی رسموں کا رواج پایا جانا جن کا ''حقیقتاً'' مذہب سے ''لازمی'' تعلق نہ ہو مذہبیاتِ عمرانیات (اور

شاید کچھ اور علوم کا بھی) ایسا موضوع ہے جس پر آپ کو اظہارِ خیال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس عالم گیر مظہر کو لکھنؤ سے مخصوص کر دینا تو ایسی بات ہے کہ معاملے میں آپ اپنی بے علمی کا حلفیہ اعتراف کریں تو بھی اسے آپ کی کسرنفسی پر محمول کیا جائے گا۔ کیا آپ کو واقعی زیادہ نہ سہی، صرف ہندوستان کے مختلف خطوں "فرقوں" اور مسلکوں کی ان رسموں کا بننا نہیں جن کا "حقیقتاً" مذہب سے "لازمی" تعلق نہیں ہے یا یہ بھی وہی "مسٹر ڈالز" کی معجز نمائی ہے۔

(11) آپ لکھنؤ کی مذہبیت کے تمام مظاہر کو بلا استناد "خارجی زندگی سے قریب تر7" بتاتے ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اور ان مظاہر کے مقابل "دور تر" مظاہر کون سے ہوں گے اور ان کی اچھائی بُرائی کی پہچان اور معیار کیا ہوں گے؟ اس کی وضاحت کی درخواست پر بھی آپ "باطن خالی" کی وضاحت کی درخواست کی طرح کان نہیں دھریں گے، لیکن اس پر غور کیجیے کہ لکھنؤ میں مختلف مذہبی مما لک کی دینی تصنیفوں، مذہبی سرگرمیوں، صوفیائے کرام کے افادوں کا صحیح شمار تک ممکن نہیں صوفیوں کو تو خصوصیت کے ساتھ "اہلِ باطن" اور "اہلِ عرفان" کہا جاتا ہے۔ آپ نے ان سارے مظاہر کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہ "عرفان سے زیادہ اظہار ان کا اہم جز تھا7" اور اس طرح ان مظاہر کو کھوکھلا، نمائشی اور گویا زبانی جمع خرچ ٹھہرا دیا۔

(12) مخاصمانہ جذبات اور پیش حکمی کے تحت کی جانے والی خواہش زدہ تحقیق کیا کیا کرشمے دکھا سکتی ہے اس کے کچھ نمونے آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ لیکن ایک کرشمہ آپ کے مضمون میں ایسا ہے جو بہتوں کی، اور اگر غور کیجیے تو خود آپ کی بھی سخت دل آزاری کا باعث ہو سکتا ہے۔ پُرانے زمانے کے ایک شہر کی عورتوں کو بدکار ثابت کرنے کی خواہش سے مغلوب ہو کر آپ نے اس زمان و مکان تک چلے آئے اور شرر کا یہ قولِ فیصل کسی اختلافی نوٹ یا مستثنیات کے امکان کو نظر انداز کرتے ہوئے نقل کر گزرے:

> "رہے عورتوں کے اخلاق و عادات، اس بارے میں ہمارا عام دعوا ہے کہ
> جن لوگوں کو زناکاری کا شوق ہو، ان کی عورتیں پارسا نہیں ہو سکتیں۔"

اور یہ دعوا کسی مخصوص جگہ اور زمانے کے لیے نہیں بل کہ "عام" ہے۔ آپ نے کمال کیا ہے قیدی کے ساتھ اس کو بھی اپنے مضمون کے استناد اور استشہاد میں استعمال کر لیا اور شرر کے ساتھ۔ "**اقتدتُ بھٰذا الامام**" والا رویہ یہاں بھی ترک نہیں کیا۔ کاش اس اقتباس کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرنے سے پہلے اس کے غوامض پر غور کر لیتے۔

آپ نے گذشتہ زمانے کے، ایک شہر میں محدود معاشرے سے تجاوز کر کے اور

جغرافیائی حدوں کو توڑ کر خود اپنے عہد کے معاشرے تک کو لے ڈالا۔ بھائی، خدا کے لیے مردوں کی مکاریوں کی سزا (یا دفاع؟) میں خانہ دار عورتوں کے دامن کو اس طرح آلودہ نہ کیجیے۔

اب اس کے آگے آپ کے مضمون کی کرشمہ کاریوں کی نشان دہی کیا کروں از راہِ کرم میرے معروضات کا جلد از جلد جواب دے کر میری تشفی کیجیے اور یہ بھی بتائیے کیا یہ مضمون آپ کی مرتبہ مثنویات شوق میں شامل ہوگا؟ اور اسی صورت میں؟

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ آج کل امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں اودھ اور لکھنؤ پر تحقیق کا بازار گرم ہے اور لکھنوی معاشرے کے الگ الگ مظاہر (طوائفوں سے لے کر علمائے مذہب تک) پر انگریزی میں کتابوں کی خاصی تعداد چھپ چکی ہے۔ اس موضوع پر کام کرنے والے اہلِ تحقیق لکھنؤ بھی آتے رہتے ہیں اور ان میں بعض سے میری بھی ملاقات ہو جاتی ہے اور میں ان سے یہ ضرور پوچھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت اور معاشرے سے اتنی دل چسپی کیوں پیدا ہو گئی ہے؟ قریب قریب سب کا جواب یہی ہوتا ہے کہ یہ دُنیا کی آخری 'COMPACT' تہذیب تھی اور قریب العہد ہونے کی وجہ سے اس کے آثار اور عناصر (جن کو آپ ریت پر بننے والے نقش بتاتے ہیں 6) اب بھی کسی حد تک موجود ہیں اور یہ بھی کہ انگریزوں کے ہندوستانی وفاداروں نے اپنے سفید آقاؤں کو خوش کرنے کی کوشش سے مغلوب ہو کر اپنی ہی تہذیبی، معاشرتی اور تاریخی تصویروں کو جی بھر کر مسخ کیا ہے، درحالے کہ خود انگریزوں نے ان موضوعات پر اپنی تصنیفوں میں قدرے محتاط اور بعض نے تو منصفانہ رویہ رکھا ہے۔ پھر معافی مانگ کر کبھی کبھی یہ بھی کہہ گزرتے ہیں کہ ایسے 'WRETCH" (اس لفظ کے معنی نہ پوچھیے) آپ ہی لوگوں میں پائے جاتے ہیں جو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہونے کے بعد بھی اپنی تہذیبی روایت کو مفروضہ گھناؤنی تصویریں پیش کرتے ہیں، اس لیے ہم مجبور ہوئے کہ اپنے طور پر لکھنؤ کی تہذیبی روایات کا مطالعہ کریں۔

اپنے موضوع سے متعلق مواد تک ان مغربیوں کی حیرت خیز رسائی کا آپ کو علم نہیں، مجھے کچھ اندازہ ہے، اس لیے کہ میری نظر سے کبھی کبھار ان کی انگریزی کتابیں گزر جاتی ہیں۔ لکھنوی معاشرے پر آپ کے نام ور محقق کا یہ مضمون وہ بڑی اُمیدوں کے ساتھ پڑھیں گے۔ آپ نے کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر یہ سب کیا اور کیوں لکھ دیا، میری سمجھ میں نہیں آتا۔ سفید آقا رہے نہیں جس کی خوش نودی آپ کو مطلوب ہو۔ کچھ کالے آقا ضرور خوش ہوں گے۔ لیکن میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں اور آپ کی طرف سے دعوا کر سکتا ہوں کہ ان کی خوش نودی حاصل ہو

جائے گی۔ لیکن اس سوال کا میرے پاس جواب نہیں ہے کہ اپنی تحقیق کے دامن کو اپنی غیر تحقیقی جذباتیت اور خواہش زدگی کی سزا (یا دفاع؟) میں اس طرح آلودہ کرنے کے پیچھے آپ کا کیا مقصد تھا۔ ظاہر ہے یہ مقصد تو قطعی نہیں تھا کہ اپنے موضوع کا قدرِ وسعت، گہرائی اور دیانت داری سے مطالعہ کیا جائے، جیسا کہ آپ کے کل ماخذوں کی اس فہرست سے ظاہر ہے، جو شروع میں درج کر چکا ہوں اور آپ کے حافظے پر بھروسا نہ کرتے ہوئے آخر میں پھر درج کرتا ہوں:

1۔ نجم الغنی: تاریخِ اودھ

2۔ شرر: گذشتہ لکھنؤ

3۔ شوق: مثنویاں

4۔ پروفسر آلِ احمد سرور

5۔ پروفیسر خورشید الاسلام

آپ کا

نیّر مسعود

ادبستان، دین دیال روڈ لکھنؤ 226003

(ماہ نامہ ایوانِ اُردو، دہلی جولائی 1998، ص 23 تا 29)

نوٹ:

پروفیسر نیر مسعود نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''منتخب مضامین'' میں مذکورہ بالا مضمون کو 'خواہش زدہ تحقیق' کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ مضمون کتاب میں صفحہ 199 تا 213 کو محیط ہے۔ اس کتاب کو پہلی مرتبہ 2009 میں، زیرِ اہتمام 'آج کی کتابیں'، سٹی پریس بُک شاپ 316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی 74400 سے شائع کیا گیا۔ 'منتخب مضامین' میں شامل مضمون کے آخر میں پروفیسر نیر مسعود نے صفحہ 211 پر لکھا (جمعہ یکم مئی 1998 کو بذریعہ رجسٹری شاہ جہاں پور بھیجا گیا) ساتھ ہی مضمون کے اختتام پر ایک ضمیمہ بھی لگایا جو یہاں قارئین کے لیے پیشِ خدمت ہے:

ضمیمہ

مندرجہ بالا مضمون خط کی صورت میں رسالہ ایوانِ اُردو، دہلی (جولائی 1998) میں شائع ہوا تھا۔ اس کا عنوان 'بہ نام رشید حسن خاں' (بہ حوالۂ مضمون ''مثنویاتِ شوق لکھنوی معاشرت

کے آئینے'') تھا۔
اب اس کو بدل کر ''خواہش زدہ تحقیق'' (بہ نام رشید حسن خاں) کر دیا گیا ہے۔ رشید حسن خاں کا مندرجہ ذیل خط میرے مضمون کے چھپنے سے پہلے لکھا گیا تھا (میں نے انھیں اپنے مضمون کی نقل بھیج دی تھی)۔ اگرچہ انھوں نے اپنے خط میں عام اشاعت کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن زہرِ عشق پر ان کا مضمون خلافِ وعدہ ان کی کتاب میں من وعن شامل ہوا ہے، اس لیے میں نے اس خط کو بھی اپنے نام ان کے خطوں (سہ ماہی اُردو ادب، نئی دہلی، جنوری، مارچ 2007) میں شامل کر لیا، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ خاں صاحب نے اس مضمون کو از سرِ نو لکھنے کا وعدہ کیا تھا۔
اس وقت تک مجھ کو صحیح اندازہ نہیں تھا کہ رشید حسن خاں اپنے اوپر اعتراضوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میرے نام اس خط میں ان کا لہجہ لجاجت آمیز ہے اور انھوں نے میرے کسی اعتراض کا جواب نہیں دیا لیکن اپنے حلقۂ احباب میں کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے مجھے تکلیف پہنچی، لیکن اس وقت تک وہ انتقال کر چکے تھے اس لیے میں ان سے شکایت بھی نہیں کر سکا۔ اب ان کا خط اس ضمیمے کے طور پر شامل کر رہا ہوں تا کہ اصل صورتِ حال واضح ہو جائے۔ (نیر مسعود)
''شاہ جہاں پور
2 مئی 1998

برادرم!
ابھی آپ کے دو خط ملے۔ شکریہ۔
ضروری باتیں: (1) نوری نام کے شعرا سے تو واقفیت تھی، یہ معلوم کرنا تھا کہ صاحبِ دیوان کون ہے؟ میر حسن نے نوری کے دیوان کا ذکر کیا ہے۔ اُردو کے دونوں شاعر بس دو ایک شعروں کے مالک ہیں، ان کے صاحبِ دیوان ہونے کا کسی کو علم نہیں۔ فارسی میں کوئی صاحبِ دیوان ہے؟ (ویسے میر صاحب کی مراد اُردو والوں ہی سے ہوگی۔)
(2) نور باغ کے لیے بس یہی لکھا جاتا ہے کہ ہوگا ضرور مگر احوال معلوم نہیں۔ (3) رہے کالے پیادے، تو حبشی دستے والی بات لگتی ہوئی ہے۔ کیا یہ بات آپ کے حوالے سے لکھی جا سکتی ہے؟ برلاس مرزا کا حوالہ میں نہیں دینا چاہتا۔ انھوں نے تو بہت کچھ لکھا ہے۔ کراچی میں ان کی ایک کتاب دیکھی تھی۔ اب اس کے محتویات سب ذہن میں بھی نہیں۔
ایک نئی بات: بے نظیر کی شادی دھوم سے ہوئی، اُس نے پھر ویسی ہی دھوم دھام سے وزیر زادی کی شادی کی:

دقیقہ نہ چھوڑا کسی بات میں
برابر رکھی چھل دن رات میں

کیا لکھنؤ میں ''چُہل برابر رکھنا'' کبھی مستعمل رہا ہے؟ میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ چہل کے ایک معنی چہل پہل بھی لکھے ہیں ایک لغت میں حوالے کے بغیر۔ میری غرض یہاں اس کے محاورہ ہونے یا نہ ہونے سے ہے۔

یہ باتیں یہاں ختم ہوئیں۔

دیکھیے بھائی! میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں تھا، ہو بھی نہیں سکتا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کے دل کو تکلیف پہنچی۔ مجھے اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو یہ تحریر ہی وجود میں نہ آتی۔ میں اپنے مخلصین کے دل کو تکلیف پہنچانا گناہ سمجھتا ہوں۔ میں یہ مانتا ہوں کہ مجھے احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ اب مزید غیر مناسب باتیں ہوں اور بحث بڑھے۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دہلی خط ابھی لکھا ہے میں نہیں چاہتا کہ وہاں اور بحث بڑھے۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ میں نے دہلی خط ابھی لکھا ہے۔ میں جون میں وہاں جاؤں گا اور اس حصے کو از سرِ نو لکھوں گا، تاکہ شکایت کا کوئی پہلو نہ رہے اور احتیاط کے تقاضوں کی پاسداری بھی ہو جائے۔ آپ کے خط سے یہ بڑا فائدہ ہوا ہے اور اس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ بر وقت بات سامنے آ گئی اور بہ آسانی اسے بنایا جا سکتا ہے۔ میں غیر ضروری بحثوں میں پڑنا ہی نہیں چاہتا کہ یہ علمی کاموں کے لیے ناسازگار رہوا کرتا ہے۔ آپ اپنے احباب سے اس خط کے حوالے سے یہ سب باتیں کہہ سکتے ہیں؛ البتہ خط یہ صرف آپ کے لیے ہے۔ اب آپ اس پر غور کر لیجیے کہ جب اُسی تحریر کو از سرِ نو لکھا جانا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ خواہ مخواہ بات بڑھے اور یار لوگ لطف لیں اور فضول باتوں سے ان کی آرائش کی جائے۔ ایسی باتیں بہت جلد ضمنیات کا شکار ہو جایا کرتی ہیں۔ اس بنا پر کیا مناسب نہیں ہوگا کہ اب وہ خط نہ چھپے۔ اس کا لہجہ بھی خاصا غیر مناسب ہے۔ آپ نے مجھے کالے آقاؤں کا طعنہ دیا ہے جب کہ آپ جانتے ہیں کہ مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں۔

خیر، حساب دوستاں در دل۔ اس پر پھر کبھی بات ہوگی تنہائی میں بیٹھ کر۔ میں نہیں چاہتا کہ اغیار اس بحث میں شریک ہوں یا لطف لیں۔ آپ اس پہلو پر غور کر لیجیے۔ مخمور کو بہ آسانی دوسرا خط لکھ کر آپ منع کر سکتے ہیں۔ وہ بھی نہیں چاہیں گے کہ خواہ مخواہ کی اختلافی بحث کا وہ نشانہ بنیں۔ تحریر بہ ہر طور انھوں نے چھاپی ہے۔ اگر اب تک آپ کا غصہ کچھ کم ہو گیا ہو تو خوب ہو۔ میری تجویز آپ مان ہی لیجیے۔ ہاں بھائی، یہ خط میرے آپ کے درمیان ہے اور قطعی طور پر ذاتی ہے۔ اس کے بس ضروری اجزا کا آپ بلا تکلف حوالہ دے سکتے ہیں، مگر خط

آپ کی نظروں کے لیے ہے۔
آپ کے خط کا انتظار کروں گا۔
ہاں، جون تو مجھے بھی راس نہیں آئے گا، بمبئی جانا ہے۔اس لیے جو ہونا ہے وہاں مئی ہی میں ہو جائے تو اچھا ہے۔ورنہ پھر بمبئی سے آنا پڑے گا اور اس میں بہت دقت ہوگی۔صائمہ بٹیا سے کہیے کہ کھانا بمبئی سے واپسی پر کھاؤں گا، پھر زیادہ بھی کھا سکوں گا اور بد پرہیزی بھی کر لوں گا۔اس بار تو بس صبح آ کر شام کو واپسی ہوگی، رکوں گا نہیں۔یہاں بھی بعض معاملات ہیں۔آپ سے جلسے میں تو ملاقات ہوگی ہی، میں اسٹیشن سے سیدھا جلسے میں آؤں گا اور وہاں سے بس اڈّے پر تا کہ جلد تر گھر پہنچ جاؤں۔مثنوی کی مطبوعہ اشاعتیں بھی پھر دیکھوں گا، اس بار نہیں، غالباً بمبئی سے واپسی پر۔
خط فوراً لکھیے، اگرچہ عشرے کا زمانہ ہے، پھر بھی۔

رشید حسن خاں''

(منتخب مضامین، نیر مسعود، زیرِ اہتمام، آج کی کتابیں، سٹی پریس بُک شاپ، 316 مدینہ سٹی مال، عبداللہ ہارون روڈ، صدر، کراچی 74400، پہلی اشاعت 2009، صف 211 تا 213)

نوٹ

ایوانِ اُردو، دہلی، جولائی کے شمارے میں پروفیسر نیر مسعود کے مضمون کے شائع ہونے کے بعد ادبی حلقوں میں بحث ومباحثوں کا دور شروع ہوا کہ رشید حسن خاں جیسے سنجیدہ محقق کو کیا لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کے تعلق سے مضمون تحریر کرنا چاہیے تھا یا نہیں؟ اس پوری بحث کو راقم الحروف نے ''نیّر مسعود بہ نام رشید حسن خاں'' اشاعت 2020 میں شامل کیا ہے۔قارئین کی خدمت میں مضمون ''مثنویاتِ شوق: لکھنوی معاشرت کے آئینے میں'' پیش کیا جاتا ہے جس کی بنیاد پر رشید حسن خاں اور نیّر مسعود کے مابین غلط فہمیاں پیدا ہوئیں:

مثنویاتِ شوق: لکھنوی معاشرت کے آئینے میں

نوّاب مرزا شوقؔ لکھنوی کی مثنویاں (فریبِ عشق، بہارِ عشق، زہرِ عشق) اُن کی اپنی سرگزشت ہیں، اِس سے تو اختلاف کیا گیا ہے اور بجا طور پر؛ لیکن اِس بات سے شاید ہی کسی نے اختلاف کیا ہو کہ یہ مثنویاں اُس زمانے کی لکھنوی معاشرت کی بعض جہتوں کی بہترین ترجمان ہیں۔یہ گویا تمثال دار

آئینے ہیں۔ اِن میں تہذیبی روداد اور شاعری کا ارتکاز ایک نقطے پر نظر آتا ہے اور اِس تہذیبی روداد کے پس منظر میں اودھ کی سیاسی تاریخ کے بعض طاقت ور اثرات کا بہ خوبی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں، چند اشارے کافی ہوں گے، یوں ہی یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں۔

اودھ کی حکومت، جس کے آخری فرماں روا جانِ عالم پیا واجد علی شاہ تھے، اِس کے پہلے حکمراں نوّاب برہان الملک تھے؛ جو نسباً سیّد تھے، شیعہ تھے، ایرانی النسل تھے؛ اولوالعزم، بہادر اور جنگ جو تھے۔ تلوار زندگی بھر اُن کے ہاتھ میں رہی اور زندگی کا بڑا حصّہ میدانِ جنگ میں گزرا۔ مغل دربار میں اِن کی بڑی حیثیت تھی۔ اودھ کی حکومت کی سند اُن کو حسبِ معمول مغل بادشاہ سے ملی تھی؛ مگر سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہندستان کی تاریخ میں پہلی بار ایک ایسا علاقہ مل گیا تھا جہاں دہلی کے مغل دربار کی طرح اُمرا کی، خاص کر ایرانی و تورانی امیروں کی وہ کش مکش نہیں تھی جس نے اورنگ زیب کے نااہل اور کم زور جانشینوں کے زمانے میں مغل حکومت کو اختلافات اور تباہی سے بُری طرح دوچار کر رکھا تھا۔ فیض آباد اِس نئی حکومت کا مرکز تھا۔ لکھنؤ کی اُس وقت کیا حیثیت تھی، اِس کا کچھ اندازہ لکھنؤ کے متعلق میر حسؔن کے اِس شعر سے کیا جا سکتا ہے:

زبس کوفے سے یہ شہر ہم عدد ہے
اگر شیعہ کہے نیک اس کو، بد ہے

نوّاب شجاع الدّولہ اِس سلسلے کے تیسرے حاکم تھے، مگر بکسر کی لڑائی (1178ھ/ 1764) میں انگریزوں سے شکست کھانے کے بعد اُن کی اُس مضطرب زندگی کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا جس نے اُن کو حکومت اور میدانِ جنگ کی تدبیروں میں مصروف رکھا تھا۔ تلوار تو اب بھی اُن کے ہاتھ میں تھی اور فوجوں کے پرے بھی جمے ہوئے تھے؛ لیکن اُن کی زیادہ توجہ فیض آباد کی آراستگی اور طوائفوں کی سرپرستی کی طرف مبذول ہو کر رہ گئی۔ یہاں شؔرر کے الفاظ نقل کرنا مناسب ہوگا:

> ''شجاع الدّولہ کا طبعی میلان مہ جبیں عورتوں اور رقص و سرود کی طرف تھا، جس کی وجہ سے بازاری عورتوں اور ناچنے والے طوائفوں کی شہر میں اِس قدر کثرت ہوگئی کہ کوئی گلی کوچہ اِن سے خالی نہ تھا اور نوّاب کے انعام و اکرام سے وہ اِس قدر خوش حال اور دولت مند تھیں کہ اکثر رنڈیاں ڈیرے دار تھیں، جن کے ساتھ دو دو، تین تین عالی شان خیمے رہا کرتے تھے اور نوّاب صاحب جب اضلاع کا دورہ کرتے، تو نوّابی خیموں کے ساتھ ساتھ اُن کے خیمے بھی شاہانہ شکوے سے چھکڑوں پر لدلد کے روانہ ہوتے اور اُن کے گرد دس دس، بارہ بارہ تلنگوں کا پہرا رہتا۔
>
> جب حکمراں کی یہ وضع تھی، تو تمام اُمرا اور سرداروں نے بھی بے تکلّف یہی وضع اختیار کر لی اور سفر میں سب کے ساتھ رنڈیاں رہنے لگیں۔ اگرچہ اِس سے

بداخلاقی اور بے شرمی کو ترقّی ہوگئی، لیکن اِس میں شک نہیں کہ اُن شاہدانِ بازاری کی کثرت اور اُمرا کی شوقینی سے شہر کی رونق بہ درجہ ہا بڑھ گئی''۔
(گذشتہ لکھنؤ، مکتبۂ جامعہ، دہلی اڈیشن، ص 51)

یہیں سے عیش طلبی کی اُس روایت کا آغاز ہوتا ہے، جس نے بعد کے حکمرانوں کے زمانے میں خاص کر نصیرالدین حیدر کے زمانے میں بہت فروغ پایا، اور مزید ترقّی پا کر واجد علی شاہ کے عہد میں کسی کو کسی اور کام کا رکھا ہی نہیں تھا۔ عیش، تفریح اور لذّت اندوزی کو زندگی کا واحد مقصد بنا دیا تھا۔ شجاع الدّولہ کے جانشین آصف الدّولہ تھے۔ اُن کو ورثے میں تلوار کے بجائے صرف عیش طلبی ملی تھی۔ وہ اپنے اجداد کے عزم و ہمّت سے تہی دامن اور مجہول تعیش کے جذبات سے سرشار تھا۔ اِس یک رُخے پن کے اثر سے وہ توازن ختم ہو گیا تھا جو زندگی کو لطف اندوزی اور سخت کوشی، دونوں جذبات سے سرشار رکھا کرتا تھا، نسائیت اور مجہولیت کو دور رکھتا ہے اور کسی ایک دائرے کا قیدی نہیں بننے دیتا۔

اودھ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ اُس وقت آیا جب انگریزوں نے اپنی تدبیر جہاں بانی کے تحت اودھ کے حکمراں غازی الدین حیدر کو بادشاہ کا خطاب عطا کیا۔ برہان الملک کے زمانے سے اُس وقت تک اودھ کے حکمراں ''نوّاب وزیر'' کہلاتے تھے اور اپنے کو رسماً اور روایتاً سلطنتِ دہلی کا ماتحت تصوّر کرتے تھے۔ یہ لازم تھا کہ اِس تبدیلی کے بعد یہ نئی بادشاہت ہر لحاظ سے یہ کوشش کرے کہ اِس روایتی زیردستی کے سارے نقش مٹ جائیں اور یہاں وہ سب کچھ نئے انداز کا اور اپنے انداز کا ہو جس سے ایک طرف بادشاہت کے تصوّر کی تکمیل ہوتی ہے اور دوسری طرف ایک متمائز معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے۔ مشکل یہ تھی کہ عسکریت کی روایت پوری طرح ختم ہو چکی تھی۔ زمین کے مالک تو بہ ظاہر بادشاہ سلامت تھے، لیکن زمین کی محافظ فوج کے مالک انگریز تھے۔ رزیڈنٹ بہادر کی مرضی کے خلاف کوئی نیا فرماں روا اِس نئے تختِ بادشاہت پر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ مختصر یہ کہ اہم سیاسی اور فوجی مسائل و معاملات کی وسعت ختم ہو چکی تھی البتہ مذہبی آزادی پوری طرح باقی تھی اور تہذیبی وسعت بڑھتی جاتی تھی۔

اِس کے بعد یہی ہو سکتا تھا کہ جتنی تبدیلیاں، ایجادیں اور اضافے ہوں، وہ سب مذہبی رسوم، آدابِ معاشرت اور ادبی روایات سے متعلّق رہیں اور یہی ہوا۔ اِس میں شک نہیں کہ جلد ہی لکھنؤ میں ایک نئی معاشرت کا خاکا تیّار ہو گیا، تہذیب کا ایک نیا انداز سامنے آنے لگا، شاعری میں ایک نیا انداز نمایاں ہونے لگا اور ایک نئی لسانی روایت بننے لگی؛ مگر تہذیبی مظاہر کی نمود اور (تہذیبی) تشکیل و ارتقا کا عمل تو بہت سست رفتار ہوا کرتا ہے۔ طویل مدّت درکار ہوتی ہے مختلف عناصر کو تہ نشیں ہونے کے لیے۔ اگر کوشش کر کے چیزوں کی شکل صورت کو بدل دیا جائے تو پھر مجموعی طور پر تصنّع اور ساختگی کا رنگ گہرا ہوتا جائے گا۔ سطح پر بہت کچھ ہوگا جو تاب ناک ہو سکتا ہے، مگر حقیقتاً وہی عالم ہوگا جیسے

سارے نقش ریت پر بنائے گئے ہوں۔

اِس نئی تہذیب اور اِس نئے معاشرے کی جس طرح نمود ہوئی اور جن حالات میں کم سے کم مدّت میں اُس کو فروغ حاصل ہوگیا، تو اِس میں یہی کمی تھی کہ ظاہر سب کچھ تھا، باطن خالی تھی۔ اِس معاشرے میں ظاہر آرائی اور ظاہرداری پر جو اِس قدر زور ملتا ہے اِس کی وجہ یہی ہے۔

ہاں ایک چیز ضرور ایسی ہے جس نے دیرپا اثرات پیدا کیے، اور وہ ہے مذہبیت کی طاقت و رروایت، جس کا تعلّق حقیقی طور پر باطن سے ہوتا ہے۔ مذہب کے اثرات افراد کے احساس کا جز ہوتے ہیں اور پورے گروہ کی زندگی پر حاوی رہتے ہیں۔ عمل کتنا ہی کم ہو، عقیدہ ذہن کی تہوں میں پیوست رہا کرتا ہے۔ اودھ میں مذہبیت کا فروغ خاص حالات میں ہوا تھا اور در پردہ اِس میں بھی دہلی کے مقابلے میں ایک نئی آزادیِ اظہار کا احساس شامل تھا۔ اِسی احساس نے مذہبیت کے مظاہر کو بھی خارجی زندگی سے قریب تر رکھا اور عرفان سے زیادہ اظہار اِن کا اہم جز رہا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ایسی بہت سی مذہبی رسمیں پیدا ہوگئیں جن کا حقیقتاً مذہب سے لازمی تعلّق نہیں تھا۔ چوں کہ فرماں روایانِ وقت نے اِن کو اختیار کیا تھا، اِس لیے عوام میں ان کا مقبول ہونا لازمی تھا۔ مذہبی عناصر نے، جن کے بے محابا اظہار اور فروغ کے لیے دہلی کی فضائیں تنگ معلوم ہوتی تھیں اور وہاں ایک کش مکش کا سا عالم رہا کرتا تھا، اس نئی مملکت میں نئے مظاہر اور نئی نئی رسموں کی شکل میں فروغ پایا اور یہ پوری معاشرت پر چھا کر رہ گئے یہی وجہ ہے کہ ہندستان کے دوسرے علاقوں کے برخلاف یہاں تولّا اور تبرّا نے خاص حیثیت پالی۔ تعزیہ داری کا رواج بڑھا، مرثیہ خوانی تہذیبی اور ادبی زندگی کا جز قرار پائی اور مجلسوں نے تہذیبی اداروں کی سی اہمیت حاصل کرلی۔ عزاداری، سوزخوانی، امام باڑے، کربلا، درگاہ حضرت عباس، مرثیے کی مجلسیں، یہ سب تہذیبی مظاہر کا درجہ رکھتے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ایک طرف تو عیش طلبی اور لذّت کوشی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور دوسری طرف عزاداری کا عروج تھا اور اِس سے بھی زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ اِس سے معاشرے کا حسن کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ اِن عناصر نے بھی تضاد اور ثنویت، یعنی دُہرے پن کو معاشرت کا نہایت حسین جز بنا دینے میں بہت کامیابی حاصل کی اور تصنّع کو فروغ بخشا۔

جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے، عسکریت کے فقدان کے سبب معاشرے میں توازن نہیں تھا۔ نفاست نے بڑھتے ہوئے نسائیت سے اپنے کو قریب تر کرلیا تھا۔ شرر کے الفاظ میں:

> ''چوں کہ اب سپہ گری و جنگ جوئی کی بہت ہی کم ضرورت باقی تھی۔ عیش پرستی اور عورتوں کی صحبت بہت بڑھتی جاتی تھی، اِس لیے مردوں پر عورتوں کی وضع کا اثر پڑنے لگا جو اعتدال سے باہر ہوگیا اور جس قسم کی زینت و آرایش عورتوں کے لیے موزوں ہے، مردوں نے اپنی وضع اور لباس میں اختیار کرنا شروع کردی، خصوصاً اُس زمانے میں جب کہ یہاں کے حکمرانوں نے اپنے لیے 'نوّاب' کا

لفظ چھوڑ کر 'بادشاہ' کا لفظ اختیار کیا۔ نیشاپوری اور سالار جنگی خاندانوں کے لوگ جو معتد بہ وثیقے اور پنشنیں پاتے تھے، بالکل خانہ نشیں کردیے گئے تو اِن کو سوا عورتوں کے کسی کی صحبت ہی نہ نصیب ہوتی تھی۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اِن کی وضع ولباس ہی میں زنانہ پن نہیں پیدا ہوا، بل کہ ان کی زبان بھی عورتوں کی سی ہوگئی اور چوں کہ وہی شہر کے رئیس اور وضع دار تصوّر کیے جاتے، لہٰذا اکثر عوام نے بھی اِنھیں کی پیروی شروع کردی اور بہ خلاف دیگر مقامات کے رئیسوں کے، یہاں لکھنؤ میں یہ عام وضع ہوگئی کہ سر پر مانگ، اِس پر مسالے کی کام دار ٹوپی، کانوں تک بال، جن کی کنگھی کرنے میں ماتھے پر دونوں طرف پٹیاں جمائی جاتیں۔ منھ میں پان، ہونٹوں پر لاکھا، پنڈے میں تین تین کمر توئیوں کا چست انگرکھا، اس کے نیچے گل بدن کا ریشمی کھنچا ہوا گھٹنا۔ ہاتھوں میں منہدی، پاؤں میں ٹاٹ بافی یعنی کام دار۔ بوٹ جاڑوں میں انگرکھے کی جگہ نیلے، زرد، یا سبز و سرخ اطلس یا گرنٹ کا روئی دار گلا''۔

نصیر الدین حیدر شاہِ اودھ کے متعلق شرؔر نے لکھا ہے:

''نصیر الدین حیدر میں عورتوں میں رہتے رہتے اس درجہ زنانہ مزاجی پیدا ہوگئی تھی کہ عورتوں کی سی باتیں کرتے اور عورتوں ہی کا لباس پہنتے۔ زنانہ مزاجی کے ساتھ مذہبی عقیدت نے یہ شان پیدا کردی کہ ائمہ اثنا عشری کی فرضی بیبیاں (اچھوتیاں) اور اِن کی ولادت کی تقریبیں جو اُن کی ماں نے قائم کی تھیں، اِن کو اور زیادہ ترقّی دی یہاں تک کہ ولادتِ ائمہ کی تقریبوں میں خود حاملہ عورت بن کے زچہ خانے میں بیٹھتے، چہرے اور حرکات سے وضعِ حمل کی تکلیف ظاہر کرتے اور پھر خود ایک فرضی بچہ جنتے، جس کے لیے ولادت، چھٹی اور نہانے کے سامان بالکل اصل کی طرح کیے جاتے۔ یہ تقریبیں اس قدر زیادہ تھیں کہ سال بھر بادشاہ کو انھیں سے فرصت نہ ملتی''۔ (گذشتہ لکھنؤ، مکتبہ جامعہ اڈیشن، ص90)

نجم الغنی خاں نے تاریخ اودھ میں دھنیا مہری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''چار پانسو عورتیں پری پیکر خوب صورت ملازمِ سلطانی ان مہریوں کی ہمراہی میں تھیں۔ ایک سے ایک حسن و جمال میں غیرتِ آفتاب و ماہتاب تھی۔ سن و سال میں کوئی پری رخسار بیس پچیس برس سے زیادہ نہ تھی۔ یہ عورتیں پُرتکلّف پوشاکوں اور زیور سے آراستہ رہتی تھیں۔ ہر وقت عطر سے معطر ہوتی تھیں۔ اکثر امرائے تماش بین اِن دل فریبوں سے شب کو پہلو گرم کرتے تھے اور لکھنؤ کے

نوجوان طرح دار اِن پر مرتے تھے۔ شہر کی طرح دار رنڈیوں کا بازار ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ یہ سب عورتیں بادشاہ کی سواری کے ساتھ رہتی تھیں''۔ (جلد چہارم، ص 308)

یہ سارے کا وا ک انداز اِسی ایک بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ معاشرے میں نفاست اور صلابت کے عدم توازن نے یک رُخا پن پیدا کر دیا تھا اور تہذیب آرایشی اجزا کا مجموعہ بن کر رہ گئی تھی۔
طوائف کو اِس معاشرے میں تہذیبی نمایندگی کا شرف مل گیا تھا۔ طوائف (پوری دنیا کی طرح) دہلی میں بھی تھی؛ مگر وہاں اس کو وہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکی جو اِس معاشرے میں حاصل تھی۔ دہلی تو پھر بھی دور تھی؛ وہ علاقے جو لکھنؤ سے قریب تر تھے اور حکومتِ لکھنؤ کے ماتحت تھے، جیسے ملیح آباد اور کاکوری؛ وہاں بھی طوائف کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ کہیں اور اس کو یہ حیثیت حاصل ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ حالات ہی کہیں اور کارفرما نہیں تھے جن سے لکھنؤ کی اس خاص معاشرت کی صورت گری ہوئی تھی اور اسے آب و رنگ ملا تھا۔
اِس معاشرے میں طوائف کی اہمیت اور حیثیت کا اِس سے بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عزاداری جیسی مذہبی چیز بھی اُن کی دسترس سے باہر نہیں رہی تھی۔ خورشید الاسلام کے الفاظ میں:

''عزاداری جو ایک مذہبی فریضہ تھا اور جس میں حد درجہ سنجیدگی اور متانت واجب تھی، اِس میں بھی طوائفوں نے سوز خوانی کے کمال سے فائدہ اٹھا کر دخل حاصل کر لیا تھا اور اس طرح دنیا ہی نہیں، آخرت بھی اِن کے ہاتھ میں چلی گئی تھی''۔ (تنقیدیں، طبع دوم، ص 134، حوالہ 'حیاتِ شوق' ص 308)

پروفیسر آل احمد سرور نے زہرِ عشق اور بہارِ عشق کی ہیروئنوں کے بارے میں ایک جگہ یہ نہایت بلیغ بات لکھی ہے کہ: ''مہ جبیں میں کم اور مہ لقا میں زیادہ ہمیں طوائف کی جھلک نظر آتی ہے'' (اس کا حوالہ آگے آ رہا ہے)۔ اِس میں فریبِ عشق کی ہیروئن کو بھی شامل کر لینا چاہیے، کیوں کہ زہرِ عشق کی ہیروئن کے مقابلے میں اِس میں طوائف پن کی نمود کچھ زیادہ ہے۔ یہ دراصل معاشرے کے اُنھی اجزا کا عکس ہے جن کا کچھ ذکر ابھی آیا ہے۔ اِس تہذیب میں طوائف کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی تھی؟ اِس کے اثرات کا بکھرے ہوئے عکسوں کی صورت میں زندگی اور اِس کے مظاہر میں نمایاں ہونا کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ شرر نے گذشتہ لکھنؤ میں لکھا ہے:

''لکھنؤ میں شجاع الدّولہ کے زمانے میں رنڈیوں سے تعلّقات پیدا کرنے کی جو بنیاد پڑی تو روز بہ روز اِسے ترقّی ہوتی گئی۔ امیروں کی وضع میں داخل ہو گیا کہ اپنا شوق پورا کرنے یا اپنی شان دکھانے کے لیے کسی نہ کسی بازاری حسن فروش سے ضرور تعلّق رکھتے... ان بے اعتدالیوں کا ایک ادنا کرشمہ یہ تھا کہ لکھنؤ میں مشہور تھا کہ جب تک انسان کو رنڈیوں کی صحبت نہ نصیب ہو، آدمی

نہیں بنتا۔ آخر لوگوں کی اخلاقی حالت بگڑ گئی۔ رہے عورتوں کے اخلاق و
عادات، اس بارے میں ہمارا عام دعوا ہے کہ جن لوگوں کو زنا کاری کا شوق ہو،
اُن کی عورتیں پارسا نہیں ہوسکتیں''۔

نجم الغنی خاں نے تاریخ اودھ میں نصیرالدین حیدر اور واجد علی شاہ کے محلّات کے جو حالات لکھے ہیں، اُنھیں پڑھ کر عبرت ہوتی ہے۔ جب شاہی محلّات میں کم حیثیت اور بازاری عورتوں کو بارِ عام مل سکتا تھا اور اس صورت میں اُن عورتوں کے دوسروں سے ناجائز تعلّقات ہو سکتے تھے، تو اس سے معاشرے کی عام حالت پر جو اثرات پڑ سکتے تھے، اِن کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حیدری بیگم نے واجد علی شاہ سے جب یہ کہا تھا:

کہا: حمل ثابت علی خاں کا ہے خطا کی، خطا کام انساں کا ہے
نہیں میں فقط ایک تقصیر وار کہ اس دام میں اور بھی ہیں شکار

(تذکرۂ شوق،ص306)

تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار کیا تھا جس سے بہت سے لوگ باخبر تھے۔ اِسی طرح جو نوّاب مرزا شوق اپنی مثنوی فریبِ عشق میں یہ کہتے ہیں:

رنڈیاں گو کہ ساری آفت ہیں بیگمیں اور بھی قیامت ہیں
کُھلتا ہر اک پر اِن کا حال نہیں کون ہے اِن میں جو چھنال نہیں
ڈھونڈتی پھرتی خود حسین ہیں یہ ہم سے دونی تماش بین ہیں یہ

تو معاشرے کی ایک ایسی تلخ حقیقت کو بیان کیا تھا جس سے لوگ بے خبر نہیں تھے، لیکن اُس کو بیان کرنے کی یا تو جرأت باقی نہیں رہی تھی، یا پھر وہ معاشرے کا ایسا حصّہ بن چکی تھی کہ اجنبیت اور اعتراض کی گنجایشیں گویا ختم ہو چکی تھیں (آج کے طالبِ علم کے لیے یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شوق کے پہلے شعر میں ''رنڈیاں'' عام خواتین کے معنی میں آیا ہے۔ اُس زمانے میں یہ لفظ اِس معنی میں مستعمل تھا)۔ فریبِ عشق میں شوق نے لکھا ہے:

وضع کی گو تھی سب کو پابندی پر نہ بچتی تھی کوئی نوچندی
دوست جتنے تھے، رہتے تھے ہمراہ کربلا میں کبھی، کبھی درگاہ
رہتا تھا تیرھویں کا جلسہ یاد شام سے جاتے تھے حسین آباد
دوپہر رات جب گزرتی تھی ڈولی پر ڈولی پھر اُترتی تھی

مثنوی زہرِ عشق میں ہیروئن کے'' ملنے کا دستور'' یہ بتایا گیا ہے:

پنج شنبے کو جاتی تھی درگاہ واں سے آتی تھی میرے گھر وہ ماہ

مثنوی بہارِ عشق میں ہیروئن کہتی ہے:

ہم بھی درگاہ آج جائیں گے ہوگی فرصت تو واں بھی آئیں گے

اِس طرح ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ کربلا اور درگاہِ حضرت عباس، جو عقیدت کے آستانے تھے، تماش بینی کے مرکز بن گئے تھے۔ حسین آباد کے تالاب پر تیرھویں کو جو میلا لگتا تھا وہ تفریح اور تماش بینی کا بڑا اجتماع بن کر رہ گیا تھا، جہاں نوّاب مرزا شوق کے الفاظ میں:

رات ہنس بول کر گزارتے تھے صبح سب اپنے گھر سدھارتے تھے

تذکرۂ شوق میں منقول مصحفی کا یہ شعر اِسی صورتِ حال کی ترجمانی کرتا ہے:

نوچندی آئی دھوم سے، چل تو بھی مصحفی جاتی ہیں کربلا کو حسینوں کی ڈولیاں

لذّت اندوزی اور عیش کوشی معاشرے کے نمایندہ طبقے پر چھائی ہوئی تھی؛ مگر یہ کوئی حادثہ نہیں تھا، ایسی بات نہیں تھی جو اچانک واقع ہوئی ہو۔ یہ تو اُس تہذیبی زندگی کا ایک حصّہ تھا جس نے خاص حالات میں فروغ پایا تھا اور اُن حالات کا لازمی نتیجہ تھا جن کے تحت اِس معاشرے میں مذہبیت کی طاقت و روایت اور عیش پرستی کی سطحیت، دونوں ایک مرکز پر جمع ہوگئی تھیں۔ اِس میں کسی طرح کا تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا؛ اِس لیے کہ یہ عیش پرستی اُس تہذیب کا تقاضا تھا۔

اِن مثنویوں میں شوخ نگاری پر ہمارے بعض بزرگوں نے اعتراض کیا تھا، خاص کر بہارِ عشق کے بیانِ وصل کے کچھ اشعار پر۔ اِس سلسلے میں ایک بات کو نظر انداز کر دیا گیا۔ فارسی اور اُردو، دونوں زبانوں کی متعدّد مثنویوں میں اِس انداز کی شوخ نگاری ملتی ہے، وہ مولانا جامی کی ''یوسف زلیخا'' ہو یا خواجہ میر اثر کی ''خواب و خیال''۔ یہ روایت بھی اُردو کو فارسی سے ملی ہے کم و بیش کے تناسب کے ساتھ یہ انداز ایسی بیش تر مثنویوں میں ملتا ہے، یعنی یہ داستانی اور عشقیہ مثنوی نگاری کی روایت کا ایک حصّہ رہا ہے، سراپا کے بیان کی شکل میں یا بیانِ وصل کی صورت میں۔ یہ اعتراف کیا جانا چاہیے کہ بہارِ عشق کے کچھ اشعار میں بیان کی لطافت برقرار نہیں رہ سکی ہے، ان میں ابتذال ہے، کھلا ہوا ابتذال ہے، لیکن ایسے اشعار کی تعداد بہت سے بہت 24 یا 25 ہوگی، اِس سے زیادہ نہیں۔ ایسی دوسری مثنویوں کے ایسے ہی اشعار کو اگر یک جا کر دیا جائے، مثلاً اُردو ہی میں میر اثر اور مومن کی مثنویوں کے ایسے اشعار کو، تو پھر شوق کا نام اِس سلسلے میں سرِفہرست نہیں لکھا جا سکے گا، کئی سطریں نیچے لکھا جائے گا۔ جس طرح ایسے اشعار کی بنا پر یوسف زلیخا کو یا میر اثر کی خواب و خیال کو اور مومن کی مثنویوں کو نظر انداز نہیں کرتے، انھیں ادب کا قابلِ ذکر حصّہ مانتے ہیں اور اِن شاعروں کو فحاشی کا مبلّغ اور بداخلاقی پھیلانے کا مجرم قرار نہیں دیتے، اِسی طرح شوق کی مثنویوں کو بھی ادب کا حصّہ اور شوق کو اپنے معاشرے کا ترجمان مانا جائے گا۔ معاشرہ جیسا تھا، ترجمانی بھی ویسی ہی ہوگی اور تصویر بھی ویسی ہی بنے گی۔ کیا آج بڑے سے بڑا مبلّغِ اخلاق اِس کے لیے تیّار ہو سکے گا کہ گلستاں کے بابِ پنجم کی بنا پر پوری کتاب کو ناقابلِ التفات قرار دے یا اسے بداخلاقی کا مجموعہ کہنے کی جرأت کر سکے۔ جس زمانے میں گلستاں لکھی گئی تھی یا مثنوی یوسف زلیخا لکھی گئی تھی، اُس

زمانے میں آج سے زیادہ اور بڑے پایے کے مبلّغِ اخلاق موجود تھے اور کسی نے سعدؔی یا جامؔی کو فحش نگار نہیں قرار دیا تھا۔

ادبی و شعری روایت کو اور سماجی حقائق کو نظر انداز کر کے ہمیں فیصلے نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہم میں سے کون اِس کے لیے آمادہ ہو سکے گا کہ عالمی ادب کے ایسی شاہ کاروں کو دریابُرد کر دے جن کو مذہب اور اخلاقیات کی بارگاہ سے منظوری کا پروانہ نہیں مل سکا ہے اور نہیں مل سکے گا۔ جو لوگ اِس سلسلے میں کچھ زیادہ رقیق القلب ہوں اُنھیں چاہیے کہ منٹو اور عصمت پر فحاشی کے تحت جو مقدمے چلائے گئے تھے، اُن کی روداد کو ایک بار پڑھ لیں اور اِس سلسلے میں اُس زمانے کے اساطینِ ادب نے جو بیانات دیے تھے، اُن کا مطالعہ کر لیں۔

جس طرح یہ خیال کرنا حقیقت کے خلاف ہوگا کہ ان مثنویوں میں شوقؔ نے اپنے سرگزشت بیان کی ہے، اُسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ شوقؔ نے یہ مثنویاں لکھنوی معاشرے کی اصلاح کے لیے لکھی تھیں (تذکرۂ شوق کے مصنف عطاء اللہ پالوی نے یہ بات خاص طور پر لکھی ہے)۔ شوقؔ اگر زندہ ہوتے اور اِن پر یہ "الزام" لگایا جاتا، تو مجھے یقین ہے کہ وہ ازالہ حیثیتِ عرفی کا مقدمہ ضرور دائر کر دیتے۔ وہ اُس طبقۂ اشرافیہ کے ایک فرد تھے جو ایسے جلسوں کو اور ایسی لطف اندوزیوں اور جنسی کام یابیوں کو تہذیبی زندگی کا جز مانتا تھا۔ آج ہم اپنے زمانے میں بیٹھ کر جو بھی کہیں اور اخلاقیات کے جس سبق کو چاہیں دُہراتے رہیں، اِس معاشرے کے آداب و اطوار بالکل مختلف تھے۔ اُس تہذیب میں ایسے سارے مظاہر کی حیثیت زندگی کے لازمی حسین اجزا کی تھی اور اُن سے لطف اندوز ہونا خوش ذوقی کی پہچان تھی۔ شوقؔ اِس قدر تنگ نظر تہذیب نا آشنا اور زندگی بیزار نہیں تھے کہ اِس معاشرے میں ناصحِ ناداں اور واعظِ کم فہم بن کر اپنی بدذوقی کا اعلان کرتے۔ راہِ نجات لکھنے والے اور فریبِ عشق اور بہارِ عشق لکھنے والے دو الگ الگ راہوں کے راہی ہوتے ہیں۔ معاشرے میں گنجایش دونوں کے لیے ہوتی ہے (شاید ضرورت بھی) لیکن یہ واقعہ ہے کہ شاعر کی حیثیت واعظ سے برتر ہوتی ہے۔ معاشرے کی عکاسی شاعری میں مل سکتی ہے، پند و وعظ میں نہیں اور اِس لحاظ سے شوقؔ کی برتری مسلّم ہے۔ وہ اپنے معاشرے کے بعض حسین تر اجزا کا ترجمان ہے اور اِس لحاظ سے اِس کی شاعری سچّی ہے۔ جیسا وہ معاشرہ تھا، ویسا ہی اس شاعری کو بھی ہونا چاہیے تھا اور یہ ویسی ہی ہے۔ اسے رسمی اخلاقیات کے پیمانے سے ناپنا، خوش ذوقی کی جان پر ستم ڈھانا ہے۔

شوقؔ نے یہ مثنویاں کسی بھی مقصد کے تحت لکھی ہوں اِن میں سنجیدہ نگاری اور شوخ بیانی کا جو بھی انداز ہو؛ یہ واقعہ ہے کہ یہ ایسے آئینے ہیں جن میں اُس معاشرے کے بہت سے عکس محفوظ ہو گئے ہیں۔ یہ عکس بہت شوخ رنگ ہیں، لیکن حقیقت کے عکّاس ہیں۔ آپ اِن مثنویوں کو اُس عہد کی تہذیبی زندگی کے بعض مظاہر کے آنکھوں دیکھے بیانات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِن مثنویوں کی یہ اہمیّت آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی۔ اِس اعتبار سے اِس عہد کی تہذیبی تاریخ کے طالبِ علم کے لیے

اِن کا مطالعہ ناگزیر قرار پائے گا۔

دبستانِ لکھنؤ کی ادبی اور لسانی جہات کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بھی ان مثنویوں کی اہمیّت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ عہدِ ناسخ کی شعری روایت اور تلامذۂ ناسخ کے قواعدِ شاعری سے متعلّق بیانات کا جو لوگ جائزہ لینا چاہیں گے، یہ مثنویاں اُن کے مطالعے کا لازمی جزر ہیں گی۔ یہ ایک طرف تو لسانی سطح پر عہدِ ناسخ میں زبانِ لکھنؤ پر دہلی اثرات کی نشان دہی کرتی ہیں اور دوسری طرف ناسخ اور تلامذۂ آتش و ناسخ کے شعری اسالیب کے مقابلے میں ایک متوازی شعری اسلوب کی آئینہ دار ہیں۔ یہی نہیں، ''زبانِ محلات'' کی ایسی اور اتنی روشن اور دل کش مثالیں اِن مثنویوں میں یک جا ہوگئی ہیں کہ اِن کو پڑھ کر زبانِ لکھنؤ کی لطافت اور نفاست کی پوری روایت نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اِن مثنویوں کو الگ رکھ دیجیے تو پھر نفیس زبان اور لطیف اندازِ بیان کا ذخیرہ کچھ کم معلوم ہوگا، ناتمام اور کم رنگ نظر آئے گا۔ زبانِ لکھنؤ کے جس لوچ، نرمی اور ریشمی پن کی تعریف کی جاتی ہے، وہ ناسخ اور اُن کے متّبعین کے یہاں نہیں ملے گا۔ وہ تو نوّاب مرزا شوق کی مثنویوں میں محفوظ ہے (یا پھر ایک دوسری سطح پر میر انیس کے مرثیوں میں)۔ بہ قولِ مولانا عبدالماجد دریابادی:

> ''محاورات پر یہ عبور، بیگمات کے روزمرّہ پر یہ قدرت، زبان کی یہ صحّت، بیان کی یہ سلاست، جذبات نگاری کی یہ قوت کیا ہر شاعر کے نصیب میں آتی ہے؟''۔

[ماہ نامہ ''ایوانِ اُردو'' نئی دہلی، ص 5 تا 11، اپریل 1998]

رشید حسن خاں، 167- بارو زئی II، شاہ جہان پور- 242001 (یو. پی)

❁❁❁

نیاز فتح پوری بہ نام رشید حسن خاں

[1] The Nigar Office lucknow

خطائے ہیچ، اما از زبانِ جو نتو مجھو بے
نوید خوشد بسھائے صباء کباد را نازم

نیاز

حواشی:

[1] نیاز فتح پوری نے اس خط کو 5 نئے پیسے کے پوسٹ کارڈ لکھا ہے۔خط پر خاں صاحب کا پتا 1/B لکھنؤ روڈ دہلی 6 درج ہے۔پوسٹ کارڈ پر 1962 کی مہر ثبت ہے۔مہر کے درمیان میں 2 لکھا ہوا ہے۔پوسٹ کارڈ پر صرف ایک شعر لکھا گیا ہے اور پس پشت نگار آفس لکھنؤ کی مہر لگی ہوئی ہے۔رشید حسن خاں جب آرڈیننس کلودنگ فیکٹری میں ملازم تھے تو اس زمانے مین وہ نیاز فتح پوری کے رسالے 'نگار' کا مطالعہ کرتے تھے۔ان کے ابتدائی تنقیدی مضامین میں نیاز فتح پوری کی تحریروں کا عکس نظر آتا ہے۔

❋❋❋

وحید قریشی بنام رشید حسن خاں

ڈاکٹر وحید قریشی[1]
ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی، ڈی لٹ
صدارتی تمغۂ حسن کارکردگی (ادبیات، 1993)
علامہ اقبال قومی ایوارڈ (2003)
ممتاز پروفیسر جی۔سی یونی ورسٹی لاہور

برادرم رشید حسن خاں صاحب!
تسلیم!

مدّت ہوئی آپ سے رابطہ منقطع ہے۔اس کا سبب کچھ میری گھریلو الجھنیں اور پھر دو برس ہوئے میری ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ گئی، پانچ مہینے اسپتال میں رہا۔ڈیڑھ سال سے گھر میں بستر پر پڑا ہوں۔اب دو چار قدم ''واکر'' کے ساتھ چلنے کے قابل ہوا ہوں اور ''وہل چیئر'' کا استعمال شروع کیا ہے۔اس دوران میں میرا پتا بھی بدل گیا۔آپ کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ عرصے سے علیل ہیں۔عزیزی رفیع الدین ہاشمی سے آپ کی صحت کے بارے میں معلوم کرتا رہتا ہوں۔خدا آپ کو سلامت رکھے۔

اس دوران میں آپ کی جو کتابیں پاکستان سے شائع ہوئیں وہ تو ملتی رہتی ہیں۔موتیے کا آپریشن ہوگیا ہے۔اب میں پڑھنے لکھنے میں مصروف ہوں۔آپ نے مثنوی سحرالبیان ایڈٹ کی لیکن میں اس کی زیارت سے اب تک محروم ہوں۔ اسی طرح ''کلاسکی اُردو لغت'' اور ''مصطلحات ٹھگی'' شائع ہوئیں جن کی اطلاع ''ہماری زبان'' سے ہوگئی۔یہ تینوں نوادر بھجوا سکیں تو ممنون ہوں گا۔اس طرح غالب کے سلسلے میں میرے ایک برخوردار کچھ کام کر رہے ہیں۔انھیں دیوانِ غالب مطبوعہ، مطبع احمدی دہلی، طبع سوم 1861 درکار ہے۔اس کی فوٹو کاپی آپ کے پاس ہے اس کی نقل بھجوا سکیں تو مجھ پر یہ مزید احسان ہوگا۔

میری مادرِ علمی گورنمنٹ کالج لاہور کو یونی ورسٹی کا درجہ مل گیا ہے۔انھوں نے مجھے شعبۂ اُردو میں پروفیسر ایمریٹس بنا دیا ہے اور بعض سہولتیں بھی دے رہے ہیں۔امید ہے اب میں اپنے نا مکمل مسودّے پورے کرلوں۔

والسلام

آپ کا

وحید قریشی

25/12/03

P.S: پتا ملنے میں بہت دیر ہوگئی آخر انجمن کی معرفت (خط) بھیجا جا رہا۔اس دوران میں آپ کی مرتبہ ''زٹل نامہ'' کی اشاعت کی خبر بھی ملی نیز آپ کو بھی یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ ''ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ'' کا نیا اڈیشن الفیصل ناشران، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔

حواشی:

ا ڈاکٹر وحید قریشی نے اس خط کو اپنے لیٹر ہیڈ پر لکھا ہے۔لیٹر ہیڈ کے حاشیے میں ڈاک کا پتا اُردو میں یوں درج ہے: ای-215، ای۔ایم۔سی سوسائٹی، ڈاک خانہ ٹھوکر نیاز بیگ، ملتان روڈ، لاہور -54500، فون-7512724۔
ڈاکٹر وحید قریشی نے اس خط میں ہلکی نیلی سیاہی اور گاڑھی نیلی سیاہی کا استعمال کیا ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خط بہت پہلے لکھا گیا تھا جسے بعد میں رشید حسن خاں کے پتے پر ارسال کیا گیا۔اس خط میں گاڑھی نیلی سیاہی سے جگہ جگہ اصلاح کی گئی ہے۔لفظ ''کٹا ہوا'' کو کاٹ کر ''منقطع'' لکھا گیا ہے۔اسی طرح ''سے'' کی جگہ ''ہوئے'' لفظ ''اور'' کے آگے ''پھر''، ''وہل چیئر''، ''کیا''، ''آپ کے بارے میں'' کے بجائے ''آپ کی صحت کے بارے میں''، ''وہ'' کی جگہ ''اس کی نقل'' لکھا گیا ہے۔ڈاکٹر وحید قریشی نے اپنے دستخط، تاریخ کا اندراج، ڈاک کا پتا اور P.S والا حصہ گاڑھی نیلی سیاہی سے رقم کیا ہے۔

❁❁❁

وزیر آغا بہ نام رشید حسن خاں

(1)

سِول لائنز سرگودا[1]

6 اکتوبر 1987

برادرم رشید حسن خاں صاحب

السلام علیکم

تہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے ایسا محبت بھرا خط لکھا کہ جی خوش ہو گیا۔ کتاب[2] کے بارے میں آپ کے تاثرات جاننے کے لیے میں بیتاب تھا وجہ یہ کہ آپ اُن لوگوں میں سے ہیں جن کی رائے کو میں بہت اہمیت دیتا ہوں۔ آپ کی آرا کی امتیازی شان یہ ہے کہ وہ کسی قسم کے تعصب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ تصادم اور آویزش کے اس دور میں جب قدریں پامال اور رشتے منہدم ہو رہے ہیں اور کتاب کو عروضی زاویے سے پڑھنے کا میدان ناپید ہو رہا ہے۔ آپ نے اپنی تحریروں میں ایک سچے عالم کا رویہ اختیار کیا ہے اور یوں دوسرے لکھنے والوں کے لیے ایک قابل تقلید مثال پیش کر دی ہے کہ سچ کے اظہار میں تعلقات اور دشمنیوں سے اوپر ہو کر کس طرح بات کی جاتی ہے۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔ میرے لیے آپ کا یہ خط روحانی تسکین کا باعث ثابت ہوا ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ آپ دسمبر یا جنوری میں پاکستان آئیں گے۔ ضرور آئیں اور مجھے قبل از وقت مطلع کریں تاکہ میں اس کے درمیان میں اپنا پروگرام مرتب کر سکوں۔ اور یوں قیام کے دوران اگر آپ میرے پاس ٹھہریں تو میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

اوراق نومبر میں آئے گا۔ آپ کی خدمت میں فوری طور پر ارسال کروں گا۔ کبھی کبھی اوراق کے لیے اپنا کوئی تازہ مضمون بھجوا دیا کریں۔ ممنون ہوں گا۔

والسلام

مخلص

وزیر آغا

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اس خط کو سادے کاغذ پر لکھا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر وزیر آغا کی کس کتاب پر رشید حسن خاں نے تاثرات کا اظہار کیا یہ تحریر ابھی پردۂ خفا میں ہے۔البتہ وزیر آغا کے مختصر حالاتِ زندگی درج ذیل سطور میں پیش کیے جاتے ہیں:
وزیر آغا کی پیدائش 1922 میں وزیر کوٹ سر گودھا(پاکستان) میں ہوئی۔انھوں نے گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک اور انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔کالج جھنگ سے ایف ایم کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔موصوف نے 1956 میں ''اُردو ادب میں طنز و مزاح'' پر پنجاب یونی ورسٹی سے ڈاکٹر عبادت بریلوی کے زیر نگرانی ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔وزیر آغا کی ادبی زندگی کا آغاز 1945 میں ہوا۔ابتدا میں نصرت آرا نصرت کے نام سے نظمیں کہتے رہے اور نصیر آغا کے نام سے مضامین لکھتے رہے۔لیکن 1949 میں اپنے نام سے نظمیں اور مضامین لکھنے لگے۔موصوف کی کئی ادبی حیثیتیں ہیں۔غزل اور نظم کے شاعر تو ہیں ہی لیکن ان کا امتیاز بحیثیت نقاد کے بہت نمایاں ہے۔دوسری صنفوں سے ان کا تعلق بھی گہرا ہے۔دوسری حیثیت کی بحث تنقید کے حوالے سے ممکن ہے۔ہندو پاک کے سربرآوردہ نقادوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ان کی کئی کتابیں مسلسل بحث میں رہتی ہیں۔مثلاً ''اُردو شاعری کا مزاج''، ''تخلیقی عمل''، ''تنقید اور مجلسی تنقید''، ''نظم جدید کی کروٹیں''، ''ساختیات اور سائنس''، ''اُردو ادب میں طنز و مزاح''، ''تنقید اور احتساب''، ''اقبال اور تصورات عشق''، ''تصورات عشق و خرد: نئے تناظر'' وغیرہ۔[ریختہ ڈاٹ او آر جی سے ماخوذ]

❁❁❁

ضمیمہ (اوّل)

رشید حسن خاں بہ نام آسی ضیائی

اُردو مصادر کی تبویب: ضروری یا غیر ضروری
(اُردو زبان وادب کے دو ممتاز نقادوں کی اہم اور نکتہ پرور قلمی گفتگو)

سیّارہ کا خاص نمبر (جلد 49 شمارہ 4) مجھے اب ملا ہے۔ یہ پہلا شمارہ ہے اس رسالے کا جو اب تک مجھے ملا ہے۔ یہ صراحت یوں کر رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ نے اس سے پہلے بھی کوئی شمارہ میرے نام بھیجا ہو۔ بہر حال اس سے پہلے مجھے کوئی شمارہ نہیں ملا۔ آپ کے اس التفات کے لیے شکر گزار ہوں۔ چاہتا یہ ہوں کہ اگر ممکن ہو تو آیندہ بھی شاملِ التفات رکھا جاؤں۔

اس شمارے میں کئی مقالات قابلِ ذکر ہیں۔ مگر اس خط میں صرف ایک مقالے کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ جناب آسی ضیائی کا مقالہ ''اُردو مصادر کی تبویب'' ہم سب کی توجہ کا طلب گار ہے۔ موصوف نے جو اصطلاحیں وضع فرمائی ہیں اس سلسلے میں وہ اس قدر عربیت زدہ ہیں کہ عام اُردو والا تو اُن کو آسانی سے سمجھ بھی نہیں سکتا۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ اُردو ایک مستقل زبان ہے۔ مگر اُس کے ساتھ سلوک اس طرح کا روا رکھتے ہیں جیسے وہ عربی کا ضمیمہ ہو۔ اُن کا یہ خیال ہے کہ اُردو مصادر پر اس سے پہلے اس طرح کا کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ عرض کروں کہ غالباً سب سے پہلے ناسخ کے شاگرد بحر لکھنوی نے اپنی کتاب بحر البیان میں اس طرح توجہ کی تھی۔ اس کو دراصل اُردو کی پہلی با ضابطہ ''لغات المصادر'' کے ذیل کی کتاب کہنا چاہیے۔ اُس کے بعد خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی نے اُردو مصادر کے موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی تھی۔ اس زمانے میں جناب حفیظ الرحمان واصف دہلوی نے بھی ایک مستقل کتاب اُردو مصادر پر لکھی ہے۔

آپ خود غور کیجیے کہ فُعیا، فُعور، فعلیا، فعللوا، فُلا جیسے غیر مانوس لفاظ اُردو کے طلبہ کو کس حد تک متوجہ کر سکیں گے۔ ایک سادہ سی چیز کو خواہ مخواہ مشکل بنایا جا رہا ہے اور اُسے غیر ضروری اوران کے بارِ گراں کے تلے دابا جا رہا ہے۔ کیا ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اُردو کا ہر طالب علم پہلے عربی

پڑھے، تب اُردو شروع کرے؟ اور کیا ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عربی کے بغیر اُردو نہیں آ سکتی؟ اس کے باوصف ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اُردو شروع کرے؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُردو ایک مستقل زبان ہے۔ اس تقسیم کے پھیر میں آ کر (جو قطعاً غیر ضروری ہے)۔ فاضل مقالہ نگار نے عجیب عجیب مادّے جمع کیے ہیں، میں صرف ایک مثال دوں ''خُماسی'' کے ذیل میں ''ذیل نمبر''4 کے تحت ''فعلیا'' ایک وزن لکھا گیا ہے اور اُس کے ذیل میں بہ طور مثال ''سردیا'' (یعنی سردی کھانا) لکھا گیا ہے۔ اب میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ ''سردیا'' کون سا مادّہ ہے یا کہاں کا امر ہے۔ کیا ہم اس طرح کہتے ہیں کسی سے کہہ ''سردیا'' یعنی سردی کھا۔ ''سردیانا'' ایک مصدر ضرور ہے، یہ ''سردی'' سے بنا ہے۔ اسی طرح جیسے ''بات'' سے ''بتیانا'' یا ''ایڑی'' سے ''اڑیانا'' (وزن مختلف سہی، بناوٹ ایک جیسی ہے) دراصل مصادر کے لیے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ان کو ابواب میں تقسیم کیا جائے۔ عربی میں ضرور ایسا ہے۔ مگر فارسی میں ایسا نہیں اور فارسی کی طرح اُردو میں نہیں، اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ موصوف نے شروع ہی میں ''تبویب'' کا لفظ استعمال کر کے اُردو پن کو مرحوم بنا دیا ہے۔ اچھی خاصی زبان کو بلا وجہ عربیت کے دائرے میں لانے کا عمل کسی طرح مناسب نہیں۔ ہاں اگر اُردو کو اب مشرف بہ اسلام کرنا ضروری سمجھ لیا گیا ہو تو دوسری بات ہے۔

موصوف نے آخرِ مضمون میں خود ہی لکھا ہے کہ ''فارسی و انگریزی قواعد... میں تو یہ ضوابط موجود نہیں لیکن عربی میں پورے اہتمام اور قطعیت کے ساتھ موجود ہیں۔ عربی میں تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو فارسی اور اُردو میں موجود نہیں۔ تو کیا اُن سب کا بھی اضافہ کیا جائے گا؟ فارسی میں یہ ضوابط یوں موجود نہیں کہ فارسی زبان کو ان کی ضرورت نہیں تھی اور یہی احوال اُردو کا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ از خود اپنی جگہ بنا لیا کرتی ہے۔ یہ قدرتی عمل ہے جو زبان کے ارتقا و فروغ کار فرما رہا کرتا ہے۔ اگر اُردو (یا فارسی) میں اس کی ضرورت ہوتی تو اب تک کسی نہ کسی صورت میں یہ ضابطے اپنی جگہ بنا چکے ہوتے۔ اُردو کے کسی قواعد نویس اور کسی لغت نگار نے بھی ان کی ضرورت محسوس نہیں کی اور بجا طور پر محسوس نہیں کی۔ اُردو اور عربی دو مختلف لسانی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس لیے دونوں زبانوں کے قواعد میں اتفاق یوں بھی نہیں ہو سکتا۔ مشابہت کی بات دوسری ہے۔ توقع کرتا ہوں آپ بہ عافیت ہوں گے۔

(ماہ نامہ سیّارہ، سال نامہ 1986، لاہور، جلد 51، شمارہ 2-1، ستمبر اکتوبر 1986، ص 180 تا 181)

❁ ❁ ❁

ضمیمه (دوم)

رشید حسن خاں بہ نام عبداللطیف اعظمی

''تحریک'' کے پچھلے شمارے میں جناب عبداللطیف اعظمی کا جو مکتوب شائع ہوا ہے اس کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

موصوف نے خواجہ احمد فاروقی صاحب کی کتاب کو تھیس کے ذیل میں شمار کیا ہے۔ حالاں کہ وہ تحقیقی مقالہ نہیں ہے۔ اگر کسی پروفیسر نے اس کے متعلق یہ کہا ہے کہ یہ ''تحقیقی مقالات'' کے ذیل میں نہیں آتی ہے تو یہ ان کی غلط شماری ہے۔ خواجہ صاحب نے یہ دعوا کب کیا ہے کہ یہ ''تھیس'' ہے۔ اس طرح اس کتاب کو یونی ورسٹیوں کے تحقیقی مقالات کے ذیل میں شمار کر کے ہدف اعتراض بنانا کسی طرح درست نہیں۔

اعظمی صاحب نے علی گڑھ یونی ورسٹی کے دو ''تحقیقی مقالات'' کے متعلق بعض روایات کا ذکر کیا ہے۔ تحقیقی مسائل یا ان کے متعلقات پر اس طرح گفتگو کرنا پردے میں اعتراض کیا جائے اور کوئی صراحت یا وضاحت نہ کی جائے، بنیادی طور پر غلط ہے۔ اگر اعظمی صاحب کو ایسے واقعات کا علم تھا جن میں کسی دانش گاہ کے ارباب حل وعقد کی غلط کاری کا دخل تھا اور جن کے نتیجہ میں غلط طور پر ڈگریاں دے دی گئی ہیں تو اس صورت میں ذمہ داری اور اصول پرستی کا تقاضا یہ تھا کہ وضاحت وتصریح کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا۔ یہ مجہول روایت نگاری کسی طرح جائز نہیں اور اس کی حیثیت محض الزام تراشی کی ہے اور اس پر بجا طور پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

(ماہ نامہ تحریک، نئی دہلی، مدیر گوپال متّل، ص 34-33، نومبر 1956)

❁❁❁

ضمیمه(سوم)

رشید حسن خاں بہ نام فراقؔ گورکھپوری

فراقؔ صاحب کے خط کا جو حصّہ مجھ سے متعلّق ہے اِس کے سلسلے میں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

فراقؔ صاحب نے لکھا ہے کہ ایک زندہ زبان میں بڑے بڑے شاعروں سے غلطیاں ہوتی ہیں۔غلطیوں کے جواز کے لیے یہ بڑا کمزور سہارا ہے۔ جن اساطینِ شعروادب سے غلطیاں ہوئی ہیں اُن کی حیثیت ہمارے اِن ترقّی پسند دوستوں کی غلط فروشی سے بالکل مختلف ہے۔ ان کے یہاں غلطیاں کم اور بہت کم ہیں اور اِس کے مقابلے میں خوبیاں زیادہ ہیں۔ لیکن یہاں اس کے برعکس یہ عالم ہے کہ زبان کی خدمت تو درکنار اِس کو مسخ کرنا کمالِ فن سمجھ لیا گیا ہے۔ کسی بھی ترقّی پسند شاعر کو لے لیجیے اِس کے مجموعۂ کلام سے ہنگامی معتقدات کا حصّہ خارج کر دیا جائے تو کورے کاغذ کے سوا کچھ نہیں بچے گا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ ہنگامی ادب بھی غلطیوں اور خامیوں سے اتنا آراستہ ہے کہ پناہ بہ خدا ہاں ایک دو شاعر ایسے بھی ہیں جن کے کلام کا ایک خاص حصّہ قابلِ قبول ہے، لیکن یہ وہی حصّہ ہے جس پر ترقّی پسندی یا صحیح معنی میں مارکسزم کی چھاپ نہیں لگ سکی ہے اور خالص ''رجعت پرستا'' اسلوب وضوابط کا سہارا لے کر اس کی تخلیق کی گئی ہے۔

میرؔ، سوداؔ، نسیمؔ، غالبؔ وغیرہ زبان کے ابتدائی یا ارتقائی دور کے نمایندہ ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ میرؔ و غالبؔ کے مقابلے میں آج اُردو کے اسالیبِ بیان منجھتے منجھتے زیادہ صاف ہو چکے ہیں اور زبان میں تراش خراش ہوتے ہوتے وہ حد سے زیادہ پاک صاف بن چکی ہے، اس لیے میرؔ و غالبؔ یا اُن کے معاصرین کو جن بعض غلطیوں، خامیوں اور کمزوریوں کا سہارا لینا پڑا زبان کے اصول وارتقا کے تحت وہ مجبوری کی بات تھی اور آج کی ترقّی یافتہ زبان کے شاعروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اِس پر قیاس کر کے اِنھیں خامیوں یا اُن جیسی غلطیوں کا سہارا لیں۔

اِس کے علاوہ جیسا کہ میں نے اوپر کہا ہے، قدیم شعرا یا آج کے مستند شاعروں کے یہاں زبان و بیان کی جو غلطیاں ہیں وہ غلطیاں ہی ہیں۔ ایسا نہیں کہ ترقّی پسند شعرا کی طرح وہ جان بوجھ کر سیدھے راستے سے کترا کر چلتے ہوں۔ پھر یہ کہ اِن کی غلطیاں اِن کی خدمتِ زبان اور شاعرانہ خوبیوں کے سامنے مشکل سے نظر آتی ہیں اور اِن کی غلطیوں کا صرف اِس لیے تذکرہ کیا

جاتا ہے کہ اُن سے استناد نہ ہوسکے۔

فراقؔ صاحب نے فرمایا ہے کہ گذشتہ بیس پچیس برس میں اُردو ادب کے سب سے بلند حصّے کا اسّی فی صدی حصّہ ترقّی پسند ادیبوں کی دین ہے۔ یہاں سلسلۂ سخن شعر کے بارے میں ہے، اِس لیے اِس سے متعلّق عرض کروں کہ فنِ شعر کے نقطۂ نظر سے ترقّی پسند شعرا نے مذکورہ بالا تناسب سے امانتؔ کی ضلع جگت کی طرح زبان و بیان کی خامیاں استعارہ وتشبیہ، کا مستقل غلط استعمال اور اندازِ بیان کی بدقواعدگی عطا کی ہے۔ یقین نہ ہوتو مخمورؔ، میراجیؔ، ن م. راشدؔ، فیضؔ، مجروحؔ، مخدومؔ محی الدین وغیرہ کے کارنامے دیکھیے آپ کو معلوم ہوگا کہ اِن حضرات کے یہاں اگر چند خوبیاں ہیں تو اس سے ہزار گنا زیادہ خامیاں اور ایسی خامیاں جو دوسرے نوساماں افراد کے لیے غلط روی کا باعث بن سکتی ہیں۔ قدما نے جتنی بھی غلطیاں کی ہوں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اِن کی غلطیاں نشانِ راہ بنی ہوں۔

میرے مضمون میں فراقؔ صاحب کے بھی پچیس چھبیس شعر آ گئے تھے جن میں سے چار پانچ اعتراضات کو موصوف نے تسلیم کرلیا ہے، جس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چودہ پندرہ اشعار کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ غالباً اُن پر جو اعتراضات کیے گئے تھے اُن کو بھی صحیح مان لیا ہوگا۔ ہاں بعض اعتراضات کے جواب دیے ہیں، جن پر مختصر طور پر نظرِ ثانی کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شعرِ فراقؔ:

ہم تو یہ کہیں گے تیری شوخی دبنے سے کچھ اور کڑھ گئی ہے

میرا اعتراض تھا کہ ''کڑھ گئی'' یہاں بے محل ہے۔ موصوف فرماتے ہیں یہاں ''کڑھ گئی'' کا مفہوم ہے: ابھر گئی، چمک اٹھی، نمایاں ہوگئی۔ کڑھائی کے کام میں نقوش ابھرتے ہیں پھر دبنے کے ساتھ اِس مفہوم کو جو مناسبت ہے یا مصرعے میں جو صنعتِ تضاد ہے، معترض کے لیے اِن باتوں کا سمجھنا نہ سمجھنا برابر ہوگیا''۔

میں اب بھی نہیں سمجھ سکا کہ دبنے اور کڑھنے میں صنعتِ تضاد کیسے ہے۔ دبنے کا متضاد ابھرنا ہے نہ کہ کڑھنا اور یہ جو فراقؔ صاحب نے فرمایا ہے کہ کڑھ گئی میں ابھرنے کا مفہوم ہے، اِس کے متعلّق صرف یہ عرض کرنا ہے کہ صرف معنی کو پیشِ نظر رکھ کر اُردو میں الفاظ کا اِس طرح استعمال قطعاً غیر مانوس ہے۔ کڑھ گئی کا تو صرف یہ مفہوم ہے کہ تصویر یا نقش کپڑے پر مرتسم کردیا گیا، اِس کو دبنے کے مقابل میں ابھرنے کے مفہوم میں استعمال کرنا صحت سے عاری ہی رہے گا۔ صنعتِ تضاد میں ایسے دو لفظ مقابل لائے جاتے ہیں جن میں تقابل ہو، مثلاً سیاہ وسفید، آنا جانا، عرش فرش

وغیرہ۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ایسا لفظ جس کو مقابل کے لفظ سے کوئی تقابلی نسبت نہیں ہے صرف اِس اعتبار سے لایا جائے۔ اِس سے ایک خاص مفہوم میں تضاد کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ انگریزی میں جائز ہو تو ہو اُردو میں اِس کو ''کج نغمگی'' ہی کہا جائے گا:

کوئی رگِ دل افسردہ آج پھر اکساؤ
پھر آج غم کے شبستاں میں اک چراغ جلاؤ

میرا اعتراض تھا کہ ''رگ اکسانا'' زبان کے خلاف ہے۔ فراقؔ صاحب فرماتے ہیں کہ رگ یہاں بتّی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی دل کے چراغ کی بتّی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی دل کے چراغ کی بتّی اکساؤ۔ حالاں کہ یہاں رگ سے اِس کا استعارہ نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ طرفین میں ضروری تناسبات موجود نہیں ہیں۔ استعارہ بالکنایہ کے جو قاعدے ہیں پہلے جناب فراقؔ کو اُن سے مکمّل واقفیت حاصل کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ عام طور پر چراغ میں ایک بتّی ہوتی ہے، لیکن ''کوئی رگ'' سے تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ متعدّد رگیں ہیں، جن میں سے کوئی سی رگ اکسانے کو کہا جا رہا ہے۔ اصل میں یہ قوّتِ بیان کا عجز ہے جس کے لیے اتنے غلط سہارے تلاش کیے گئے ہیں:

جو مہکی چھاؤں میں نغموں کی پنکھڑی سے بنے
وہی سُنا ہے ترے حُسن کا نشیمن ہے
دھواں کہ برقِ حسن کا مہکتا شعلہ ہے کوئی
شبوں کے رازِ شبنموں کی نرمیاں لیے ہوئے

میرا اصل اعتراض یہ تھا کہ استعارے کے قاعدے سے چھاؤں کا مہکنا اور شعلے کا مہکنا محلِ نظر ہے۔ فراقؔ صاحب نے اس کا لمبا چوڑا جواب دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ انگریزی کی صنعت Transferred Epithet ان اشعار میں استعمال کی گئی ہے اور چوں کہ معترض اِس صنعت سے واقف نہیں یا اِس کا ذوق صحیح نہیں، اس لیے اِس پر اعتراض کیا گیا۔ اِس سلسلے میں ایک اصولی بات کہنا چاہتا ہوں۔

ہر زبان کا مزاج، لہجہ، اقتضابات اور ضابطے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ایک زبان کے محاورات و مرکّبات اور صنائع بدائع کو بجنسہٖ دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ ہر زبان دوسری زبان سے مسلسل استفادہ کرتی ہے، لیکن اِس ضمن میں زبان کے مزاج اور اِس کے لہجے کی فنّی و لسانی خصوصیات کا ضرور خیال رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ غالبؔ کے ''تماشا کر'' اور ''نہ

شنیدن'' جیسے ذرا سی مستعملات نامانوسیت کے الزام سے نہیں بچ سکے اور غالب کی بھاری بھرکم شخصیت اور بلند آہنگ لہجے کے باوصف اِن کو قبولِ عام کی سند نہیں حاصل ہوئی۔ حالاں کہ اُردو نے فارسی سے جتنا استفادہ کیا ہے وہ ظاہر ہے۔تشبیہ و استعارہ میں طرفین کے مناسبات کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ جب بھی اِن تناسبات کو نظر انداز کیا جائے گا۔ مفہوم چیستاں بن جائے گا۔ پھر خواہ انگریزی یا کسی دوسری زبان کے ضابطوں کا سہارا لیا جائے اِس کا اہمال ختم نہیں ہوگا۔ مندرجہ بالا اشعار کی یہی صورت ہے۔ انگریزی کی مذکورہ بالا صنعت جس کو اُردو میں لفظی ترجمے کے اعتبار سے 'صنعتِ منتقلہ' کہہ سکتے ہیں اور جس کا ذکر فراؔق صاحب نے نہایت اہتمام کے ساتھ کیا ہے۔ اُردو سے براہِ راست میل نہیں کھاتی۔ مثلاً اسی Transferred Epithet کے واسطے سے Restless Pillow کہا جا سکتا ہے اور Alac key Pnesented and Obsequious Cup of Coffee بھی، لیکن اُردو میں یہ استعمال بالکل غلط ہوگا کیوں کہ یہاں اس قبیل کی کوئی صنعت نہیں ہے بل کہ یہ کام استعارے سے لیا جاتا ہے اور اِس کے ضابطہ کے لحاظ سے تکیہ اور آدمی اور قہوہ اور نوکر میں کوئی علاقہ نہیں ہے۔ چوں کہ مستعارلۂ اور مستعار منہ میں تشبیہی نسبت ضروری ہے اور آدمی اور تکیہ میں ایسا نہیں ہے، اس لیے (بے چین تکیہ) کہنا اُردو میں قطعاً غیر فصیح ہوگا۔ یہی حال مہکتی چھاؤں اور مہکتے شعلے کا ہے۔ اس کے علاوہ ایک قابلِ غور بات یہ ہے کہ Transferred Epithet میں جس موصوف کی صفت دوسرے موصوف کو منتقل کی جاتی ہے ان دونوں میں کسی قسم کا خاص تعلّق ضروری ہے، مثلاً تکیہ اور آدمی کہ اِن میں باہم خاص تعلّق ہے اور خدمت گار اور قہوہ کہ ان میں بھی قہوے کا پیش کرنا خدمت گار سے متعلّق ہے۔ اِس اعتبار سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ چھاؤں اور خوشبو میں کون سا خصوصی تعلّق ہے۔ چھاؤں بالعموم بڑے درخت کے سایے کے مفہوم میں آتا ہے، خواہ وہ نیم کا ہو یا املی کا۔ گلاب اور بیلے کے درخت کے سایے کو اوّل تو چھاؤں کہتے نہیں، اور اگر کہہ بھی لیں تو مطلق چھاؤں کا پھول سے یا اِس کی خوشبو سے لازمی تعلّق کیسے قائم ہوگا۔

فراؔق صاحب نے اِس ضمن میں انگریزی کی متعدّد مثالیں دی ہیں اور بار بار اِس کے ضابطوں کا ذکر کیا ہے، لیکن فراؔق صاحب شاید یہ بھول گئے کہ انگریزی کا لفظی ترجمہ کر دینا نہ کمال کی بات ہے اور نہ قابلِ فخر، یہ تو ہر نو آموز و نارسیدہ شخص کر سکتا ہے۔ یہی حال انگریزی کے ضابطوں کا ہے کہ وہ بعینہٖ اُردو میں صرف نہیں کیے جا سکتے ورنہ پھر انگریزی کی دوسری بہت سی صنعتیں بھی تو ہیں۔ اِن کو آخر کیوں چھوڑ دیا جائے، تا کہ پھر زبان کے ''منارۂ بابل'' بننے میں کوئی

کسر باقی نہ رہے۔ نیز اِسی پر قیاس کر کے اُردو کی صنعتیں بھی انگریزی میں استعمال کی جائیں، حالاں کہ اِس کو کوئی گوارہ نہیں کرے گا۔

ہائے وہ پاؤں جو ٹوٹے سرِ منزل آکر ہائے وہ ہاتھ جو آگے تیرے دلگیر رہے

میرا اعتراض تھا کہ ہاتھ کی صفت دلگیر نہیں ہوسکتی۔ فراؔق صاحب فرماتے ہیں: ''میں نے ہاتھ کی صفت نہیں اِس کا عمل یا حالت کا بیان کیا تھا، یعنی وہ ہاتھ جو دل کو پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے دلگیر کے لفظ کا لغوی استعمال کیا تھا، مجازاً عاشق کے معنوں میں یہ لفظ لایا تھا''۔

اس عبارت کا آخری جملہ میں بالکل نہیں سمجھ سکا ''کہ مجازاً عاشق کے معنی'' سے کیا مراد ہے؟ کیوں کہ نہ تو میں نے اشارتاً عاشق کا ذکر کیا تھا اور نہ شعر سے۔ یہ مترشح ہوتا ہے کہ دلگیر کے معنی عاشق ہیں، اِس سے قطع نظر کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ یہاں بھی فراؔق صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ فارسی و اُردو دونوں میں دلگیر کے معنی غمگین کے ہیں۔ اس کے معنی ''دِل کو پکڑنے والا'' نہیں آتے، یہ فارسی کا ایسا اہم فاعل سماعی ہے جو کنایتاً ایک خاص معنی کے لیے متعیّن ہو چکا ہے اِس لیے گرامر کی رو سے اِس کے لغوی معنی ''دل کو پکڑنے والا'' ساقط ہو جائیں گے۔ طاہر غنؔی کا شعر ہے:

غنی ز ترکِ محبت بسے پشیمانم ز زلفِ یار گرفتم دل شُدم دلگیرم

آبِ حیات ہضم کرنے دو
کتنے زہر پڑیں گے پینے

اعتراض تھا کہ ہضم بہ سکونِ ضاد صحیح نہیں ہے۔ جواب میں فراؔق صاحب فرماتے ہیں:

''ہندی پنگل جاننے والے سے پوچھ لیجیے تو بتا دے گا کہ اس بحر میں ہضم کا لفظ سکون و فتح دونوں طرح پڑھنا موزوں ہے جیسے میرؔ کے اس مصرعے میں 'بھولے اِس کے قول و قسم بر ہائے خیال خام کیا کیا'۔ قسم کو بروزنِ قلم بھی پڑھا جا سکتا ہے اور بروزنِ رسم بھی''۔

میں عرض کروں کہ ذکر یہاں اُردو کے عروض کا ہے نہ کہ پنگل کا۔ ہندی میں ہضم بہ سکون ضرور استعمال ہوتا ہوگا، مجھے اس سے کوئی بحث نہیں، لیکن یہ یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُردو میں بہ سکون قطعاً استعمال نہیں کیا جاتا اور نہ استعمال ہونا چاہیے۔ فراؔق کا یہ کہنا کہ میرؔ کے مصرعے میں قسم بہ فتحِ سین و بہ سکونِ سین دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، بالکل غلط ہے، کیوں کہ قسم سوگند کے معنی میں صرف بہ فتحِ سین ہے، بہ سکونِ سین کے معنی ''تقسیم کرنا'' ہیں۔ رہی یہ بات کہ اِس مصرعے میں یہ

لفظ بہ ہر دوطور پڑھا جاسکتا ہے اِس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو جناب فراقؔ عروض سے نابلد ہیں یا اِس سے حد سے زیادہ بے نیاز۔ میر کا یہ مصرع بحرِ متقارب میں ہے۔ اگر فراقؔ صاحب کی قسم بہ سکونِ سین کے ساتھ اس کی تقطیع فرمادیں تو میں اپنے سارے اعتراضات واپس لینے کو تیار رہوں:

سونے کو تو عمر پڑی ہے اک دنیا میں آج ہے جاگ

میرا اعتراض تھا ''جاگ'' زبان کے خلاف ہے۔ فراقؔ صاحب نے سند میں انیسؔ کا یہ مصرع پیش کیا ہے: ''یاں جاگ تھی سوتا تھا ادھر لشکر ناری''۔

یہاں بھی یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ قدما کے یہاں سے ہر لفظ کی سند نہیں پیش کی جاسکتی۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو ایک زمانے میں بہ طورِ خاص مستعمل تھے یا اِن کو کسی خاص شخص نے بالخصوص استعمال کیا تھا، لیکن اب اِن کو اِس طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا، یہی حال اِس لفظ کا ہے۔ میر انیسؔ مرحوم نے اگر جاگ لکھا ہے تو وہ اُن کے لیے درست ہے، لیکن اب یہ ٹکسال سے باہر ہے۔ اِس سلسلے میں انیسؔ کے یہاں سے بعض دوسری مثالیں نقل کرنا دل چسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیں:

ع : لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا

ع : بھاری سے اٹھے واں سے وہ باحالت تغیر

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے قفلِ درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

مندرجہ بالا مثالوں میں خط کشیدہ الفاظ کو دیکھیے۔ یہ انداز انیسؔ ہی کے لیے مخصوص تھا۔ اب کس کا منھ ہے جو اِس طرح استعمال کرسکے۔ کیا فراقؔ صاحب اِن سب میں میر انیسؔ کی پیروی کریں گے؟

تھی یوں تو شام ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اُٹھا فراق کہ میں مسکرا دیا

اعتراض تھا کہ میں اس میں ذم کا پہلو چشمک زنی کر رہا ہے۔ جواب دیا گیا ہے کہ جوشؔ، جگرؔ، اصغرؔ گونڈوی جیسے شعرا اِس شعر کی داد دے چکے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ موصوف مشاعرے کی داد کو حقیقی داد سمجھتے ہیں۔ مشاعرے میں تو ''اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے'' کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔

اور پھر آنکھیں چار ہونے کی کچھ مروّت بھی تو ہوتی ہے۔ فراقؔ صاحب مانیں یا نہ مانیں، اِس شعر میں پچھلی رات درد اُٹھنے کے بعد مسکرانے کا جوذکر ہے اِس سے قبلِ ولادت کی تکلیف اور بعدِ ولادت کی اضطراری مسکراہٹ کا پورا منظر سامنے آجاتا ہے۔

فراقؔ صاحب نے شکایت کی ہے کہ میں نے بے خیالی میں اِن کے دو شعروں کو ایک کردیا ہے۔ اِس مسامحت کے لیے معذرت طلب ہوں۔ اِس کی وجہ یہ ہوئی کہ دن ہوئے جب میں نے موصوف کے سارے دیوان بالاستیعاب پڑھ کر عمدہ اشعار کا ایک انتخاب تیّار کیا تھا، جس میں کئی شعر آ گئے تھے، اُس وقت مصروفیت میں خلطِ مبحث ہو گیا ہوگا۔

آخر میں اتنا اور عرض کروں کہ میں فراقؔ صاحب کی شاعرانہ خوبیوں کا دل و جان سے قائل ہوں۔ اُن کی غزلوں میں جذبات واحساسات کی جو مرکّب کیفیات جلوہ گر ہوتی ہیں وہ آپ اپنی مثال ہیں۔ ان کے منتخب اشعار اُردو کے بہترین غزلیہ اشعار میں شمار کیے جاسکتے ہیں اور شمار کیے جائیں گے۔ ایسے چند اشعار یہاں نقل کرنا شاید غیر مناسب نہ ہوگا:

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

مدتیں گزریں تیری یاد بھی آئی نہ ہمیں
اور ہم بھول گئے ہوں تجھے ایسا بھی نہیں

سمجھ کچھ رازِ حُسن و عشق کے شبہائے ہجراں میں
کہ رونے کے لیے یہ دُکھ بھری راتیں نہیں ہوتیں

ہمارا حال سننے والے تیرے ضبط کے صدقے
یہ رہ رہ کر ترا ہم مسکرا دینا سمجھتے ہیں

ذکر تھا رنگ و بو کا اور دل میں
تیری تصویر اُترتی جاتی تھی

وہ کچھ روٹھی ہوئی آواز میں تجدیدِ دلداری
نہیں بھولا مجھے وہ التفات سرگرداں اب تک

اُف یہ کہنا جارہے ہیں اب نہ آئیں گے کبھی
روٹھنے میں بھی ادائے عہد و پیماں دیکھیے

شام بھی تھی دھواں دھواں حسن بھی تھا اُداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنّا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبّت کا بھروسہ بھی نہیں

رموزِ عذرِ ستم تک خیال جا نہ سکا
میں چپ رہا تو بُرا ماننے کی بات نہیں

اور ایسے ہی بہت سے دوسرے اشعار۔ اِن اشعار میں جذبہ اور فکر کا جو حسین امتزاج ملتا ہے وہ اُردو کی عشقیہ شاعری میں ایک خاص مرتبہ رکھتا ہے، لیکن اِس سارے سروسامان کے باوصف اِن کے یہاں اسقامِ شاعرانہ کی بڑی بہتات ہے، خصوصاً اِدھر کچھ دنوں سے، تو یہ صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے کہ ان کی غزلوں میں اچھے شعر کم ہوتے ہیں یا قطعاً نہیں ہوتے۔ ہاں سست و سقیم اشعار کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اِس کا سبب پُر گوئی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ موصوف ضوابطِ شاعرانہ کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے ہیں۔ جناب فراؔق کو میں ترقّی پسند ہونے سے پہلے اور بہت پہلے سے شاعر مانتا ہوں (حالاں کہ ترقّی پسند نقطۂ نظر سے آدمی سب کچھ بعد میں ہے ترقّی پسند پہلے اور یہی نقطۂ اختلاف ہے)، اِس لیے یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کے یہاں ایسے اسقام پائے جاتے ہیں جیسے فیضؔ، سردار جعفریؔ، مجروحؔ یا دوسرے شعرا کے یہاں ملتے ہیں۔

(ماہنامہ ''تحریک''، دہلی، جلد 3، نمبر 11، جنوری 1956، ص 10 تا 14)

❁❁❁

ضمیمہ (چہارم)

(معارف کی ڈاک سے)

رشید حسن خاں کی یاد میں

(1)

مبارک اُردو لائبریری
محمد آباد، تحصیل صادق آباد، پاکستان
9 مئی 2006

محترم امجد جاوید صاحب (انگلینڈ) کے زر سالانہ ادا کرنے پر ''معارف'' ہمارے نام جاری ہوا ہے، اپریل کا شمارہ آ پہنچا ہے، آپ کا شکریہ، شمس بدایونی صاحب نے رشید حسن خاں کو بڑی محبت سے یاد کیا ہے، صفحہ 314 پر اکیلا ''دوران'' استعمال کیا ہے، انھوں نے حالاں کہ دوران کے بعد ''میں''[1] ضروری ہے، آگے چل کر لکھتے ہیں ''چلتے وقت تین کتابیں نذر کیں'' عطا کیں لکھنا چاہیے تھا۔ ''تکان'' ''نہیں ہوتا'' لغت دیکھنا پڑے گی، ہوتا لکھنا چاہیے یا ہوتی[2] اس وقت وقت کی کمی ہے، مجھے ''غالب مدح وقدح کی روشنی میں'' کا طبع اوّل نسخہ چاہیے، میری مدد کیجیے، ہمارے ہاں ''معارف'' شمارہ اوّل سے محفوظ چلا آیا تقسیم ہند تک۔

سید انیس شاہ جیلانی

[1] دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یہاں ''میں'' کا موقع تھا مگر دوران تحقیقات اور دوران مقدمہ وغیرہ میں ''میں'' ضروری نہیں ہے۔
[2] جی ہاں ''ہوتی'' درست ہے۔

❁❁❁

(2)

کاشانہ ادب، سکٹا دیوراج
پوسٹ بسوریا، ایالوریا،
مغربی چمپارن، بہار
04/05/2006

باسمہ

مخدوم گرامی قدر، السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے آپ ہر طرح خیریت سے ہوں گے

بالغ نظر محقق ودانش ور جناب رشید حسن خاں کی وفات کی خبر سن کر بڑا افسوس ہوا۔ رشید حسن خاں نے شاہ جہاں پور کے مشہور ومعروف مدرسہ بحر العلوم میں تعلیم حاصل کی تھی لیکن اپنی محنت و ریاضت اور مطالعے سے علم وادب اور تحقیق کی دنیا میں وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ شاید و باید۔

رشید حسن خاں نے جہاں سوداؔ، ناسخؔ، نظیر اکبر آبادی کے کلام اور میر انیس و دبیر کے مراثی کا انتخاب شائع کیا وہاں دیوان اور کلیات جعفر زٹلی، مثنوی سحر البیان، مثنوی گلزار نسیم اور مثنویاتِ شوق (مرزا شوق لکھنوی) کو اپنے گراں قدر مقدموں کے ساتھ شائع کر کے ''شعر مرا بہ مدرسہ کو برد'' کے مفروضے کو انھوں نے غلط ثابت کر دیا۔

رشید حسن خاں نے ایک طرف انشائے غالب، املائے غالب، باغ و بہار، فسانۂ عجائب، مقدمہ شعر وشاعری، حیات سعدی، موازنہ انیس و دبیر، مصطلحات ٹھگی اور کلاسکی ادب کی فرہنگ کی ترتیب و تدوین کی تو دوسری طرف انھوں نے انشا اور تلفظ، اُردو املا، اُردو زبان اور قواعد، تلاش و تعبیر اور تفہیم جیسی علمی و تحقیقی کتابیں تصنیف کر کے علم و ادب اور تحقیق کی دنیا میں اپنی علمی، ادبی لسانی، تنقید اور تحقیقی بصیرت و آگہی کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔

مولانا ماہر القادری مرحوم نے مرحوم کی ''زبان اور قواعد'' پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں اُردو لسانیات کا بادشاہ قرار دیا ہے۔

ان کی تصنیفات ان کی وسعت مطالعہ، گہری بصیرت اور تحقیق و تدقیق میں حقیقت پسندی کی شاہد ہیں، وہ کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، ایک بار آرزو صاحب نے فرمایا:

> ''رشید حسن خاں صاحب شاہ جہاں پور کے پٹھان ہیں، تحقیق و تنقید میں
> وہ کسی کی رو رعایت نہیں کرتے، ایک بار ایک علمی مجلس میں مالک رام کی

کچھ تحقیقی فروگزاشتوں پر اتنے سخت لب و لہجے میں تنقید کی کہ مالک رام
میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی، مالک رام کو Angina کی دوا دی گئی تب
جا کر ان کی طبیعت سنبھل سکی۔''

رشید حسن خاں مرحوم نے ''موازنہ انیس و دبیر'' کی ترتیب و تدوین کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی کے مضامین کا انتخاب شائع کر کے ''دبستان شبلی'' کے ساتھ اپنی علمی وابستگی کا ثبوت پیش کیا ہے۔رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ۔

والسلام

وارث ریاضی

(رسالہ معارف، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (ہند)، جولائی 2006،ص74 تا75)

نوٹ:
مذکورہ دونوں خط محترمی و مکرمی فاران نظامی (پاکستان) نے میرے Messenger پر 10 مارچ 2022 شام 6:13 ارسال کیے۔اس علمی تحفے کا کوئی بدل نہیں۔اس کے لیے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔مرتب

❁❁❁

ضمیمہ (پنجم)

پروفیسر گوپی چند نارنگ

اے آگہی فریب تماشا کہاں نہیں

رشید حسن خاں کو خواجہ صاحب نے نثار احمد فاروقی پر ترجیح دی تھی جب کہ نثار احمد فاروقی ایم اے تھے۔عربی، فارسی،اُردو تینوں میں ان کی استعداد علمی ثابت ہو چکی تھی۔مزید یہ کہ 'ذکرِ میر' کا ان کا ترجمہ مع حواشی 'میر کی آپ بیتی' کے نام سے شائع ہو چکا تھا، جب کہ رشید حسن خاں نہ صرف یہ کہ گریجویٹ نہیں تھے بل کہ اس وقت فقط اپنے چند مضامین کے ذریعے پہچانے جاتے تھے۔ان کے تقرر سے نثار احمد فاروقی خواجہ صاحب سے ہمیشہ کے لیے کھچ گئے اور یہ تلخی بعد کو بہت بڑھ گئی اور وہ کھل کر خواجہ صاحب کے مخالفین میں شامل ہو گئے۔رشید حسن خاں کے ذمہ ''تذکرہ عمدہ منتخبہ'' اور ''کربل کتھا دہ مجلس'' کا متن تیار کرنا تھا۔مائکروفلم سے فوٹو گراف بنوا کر ان کو خواجہ صاحب نے مہیا کر دیے۔شروع میں وہ خواجہ صاحب کے گھر پر بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ بعد کو جب ٹیگور بلڈنگ بن گئی تو اس میں شعبۂ اُردو کو چار پانچ کمرے دیے گئے۔کاتب ابوجعفر زیدی اور رشید حسن خاں کی نشست خواجہ صاحب کے گھر سے منتقل کر کے یہاں لگا دی گئی۔خاں صاحب نے ابوجعفر زیدی کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کیا تو انھیں الگ کمرہ دے دیا گیا۔ادھر رہایش کا انتظام خواجہ صاحب نے گوائر ہال میں کرا دیا۔گویا اب وہ پوری طرح جم گئے۔رفتہ رفتہ شام کے ناؤ نوش کی محفل دفتر تحریک انصاری مارکیٹ میں گوپال متّل کے یہاں جمنے لگی۔یہی زمانہ ہے جب خواجہ صاحب کو وسکانسن جانا پڑا۔خطوط سے اندازہ ہوگا کہ تمام کاموں میں جواب طلبی میری تھی جب کہ خواجہ صاحب کے بعد صدر شعبہ میں نہیں ظہیر صدیقی تھے۔وہ بے چارے اللہ میاں کی گائے تھے اور خاں صاحب خوب جانتے تھے کہ ان کو کیسے ٹہلانا بہلانا ہے۔یکم اپریل 1961 کو جب جواہر لال نہرو شعبۂ اُردو میں آئے تھے اور کربل کتھا (دہ مجلس) و تذکرۂ سرور (عمدہ منتخبہ) دونوں کتابیں نہایت اہتمام سے ان کو پیش کی گئی تھیں، تو درحقیقت دونوں کے متن نامکمل تھے۔مقدمے بھی ابھی لکھے نہیں گئے تھے، نیز دہ مجلس کی فرہنگ کا کام پورا تو کیا ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا۔زیرِ نظر خطوط میں بار بار کربل کتھا کا تذکرہ ہے اور یہ کربل کتھا کی فرہنگ کے اجزا

شفیع الرحمٰن کو جامعہ بھجواؤں اور پھر ان سے لے کر علی گڑھ پہنچوا دوں تا کہ وہ فرہنگ کو حتمی شکل دیں۔خواجہ صاحب کو جاتے وقت احساس تھا کہ رشید حسن خاں یونی ورسٹی کے کام کی طرف سے کچھ نہ کچھ بے نیازی برتنے لگے ہیں۔خطوط سے ان کی فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔وسکانسن پہنچنے کے ایک مہینے کے اندر اندر خواجہ صاحب 'دہ مجلس' کے بارے میں مضطرابہ پوچھتے ہیں:

''دہ مجلس کہاں ہے حضرت؟ رشید حسن خاں کی یہ حرکت مجھے پسند نہیں آئی۔آپ فرمائیں تو میں ڈین اور وائس چانسلر کو لکھوں۔حیرت ہے کہ لوگ ضمیر کی ذمہ داریوں کو بالکل بھول جاتے ہیں۔جو خط وائس چانسلر کو لکھا ہے اس کی نقل آپ کو بھیج رہا ہوں۔بالکل صیغہ راز میں ہے۔اسے پڑھ کر میٹنگ کے بعد گلزار ابراہیم میں پہنچا دیجیے گا۔ممکن ہے میرے خطوط وقت پر نہ پہنچیں اس لیے آپ بہر حال اپنی سی پوری سعی کیجیے۔''(17 اکتوبر 1961)

سال بھر میں یہ کام نہیں ہوا تو مئی 1962 کے خط میں پھر لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں صاحب کے نام ملفوف ہے۔اسے علاحدہ لفافہ میں بند کر کے (جو مرسل ہے) ان کے نام رجسٹرڈ ڈاک سے بھیج دیجیے۔آپ کی معرفت جانا کسی طرح مناسب نہیں۔میں بیوی کے خط میں بھیج دیتا لیکن اس وقت ان کو خط لکھ رہا اور میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد ان کو مل جائے۔''(اواخر مئی 1962)

ایک اور خط میں یہاں تک لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں جانا چاہتے ہیں تو بسم اللہ۔میں آنے والے کا استقبال کرتا ہوں اور جانے والے کو روکتا نہیں۔لیکن یہ بات غلط ہوگی کہ وہ جب تک یہاں رہیں اپنی ذمہ داریوں کو ایمانداری سے انجام دیں۔''(20 نومبر 1961)

جون 1962 کے خط میں لکھتے ہیں:

''رشید حسن خاں صاحب کو چھٹی کیوں دی گئی؟ یہ میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔یہ معلوم کر کے کہ مخطوطہ ان کو دیا گیا ہے میں سو نہیں سکا۔نارنگ صاحب ایک ایک بات کی باز پرس آپ سے ہوگی۔میں کچھ نہیں جانتا۔''(2 جون 1962)

رشید حسن خاں کے اس رویے کا اندازہ ظہیر احمد صدیقی، قمر رئیس، سب کو تھا۔ رشید حسن خاں کا اپنا ایک انداز تھا، خاں صاحب کو انتہا پسدانہ منفی تنقید اور خردہ گیری میں یدطولیٰ حاصل تھا، سب انھیں 'خاں صاحب' 'خاں صاحب' کہتے اور ان سے دب کر چلتے تھے۔ کسی نے ان پر اخلاقی دباؤ نہیں ڈالا نہ ہی اس معاملے میں کسی نے خواجہ صاحب کا ساتھ دیا، نتیجتاً بہت سے مائکروفلم دھرے کے دھرے رہ گئے جو بعد کو نکلے۔ ظاہر ہے کہ اس میں فائدہ کس کا ہوا نقصان کس کا۔

میرے اس زمانے کے پرانے کاغذوں میں امیر حسن نورانی کا ایک مضمون دستیاب ہوا ہے جو ان معاملات پر نہایت اہم روشنی ڈالتا ہے۔ نورانی صاحب شعبہ میں پبلی کیشن سیکشن کے انچارج تھے اور ٹیگور بلڈنگ ہی میں بیٹھتے تھے۔ شعبے کی کتابوں کی طباعت ان کے ذمہ تھی اور متعلقہ تمام معاملات کو وہ بہ خوبی جانتے تھے۔ نورانی صاحب مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے، نیک سیرت اور با صفا۔ غالباً یہ تحریر انھوں نے ریٹائر ہونے کے بعد لکھی (پتا معرفت دانش محل، امین آباد پارک لکھنؤ درج ہے) اس کی کچھ کاپیاں اپنی تحریر میں انھوں نے کچھ لوگوں کو بھجوا دیں تا کہ حقیقت حال کا علم رہے:

> ''شعبۂ اُردو، دہلی یونی ورسٹی نے اُردو زبان اور ادب کی تدریس، تحقیق اور تنقید کو فروغ دینے کے علاوہ فن مخطوطہ شناسی، نادر و نایاب اُردو مخطوطات کی تدوین، ان کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ اُردو ادب کی تاریخ میں ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے.... یہ سب پروفیسر خواجہ احمد فاروقی اور ان کے رفیقانِ کار کی محنت اور ترقی اُردو سے محبت اور خلوص آمیز جذبے کا ثمرہ ہے۔ ان خدمات کے باوجود یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ بعض نام نہاد اور خود غرض اُردو ادیبوں، مصنفوں نے رشک وحسد کے جذبات سے مغلوب ہو کر مختلف طریقوں سے فاروقی صاحب کی نیک نامی کو داغ دار بنانے کی جد و جہد شروع کی... فاروقی صاحب جب تک صدر شعبہ رہے، شعبہ کے ضبط و نظم میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ان کی سبک دوشی کے بعد بیرونی دخیل کاروں کا اثر بڑھنے لگا اور شعبہ کی ترقی نہ صرف ختم ہوگئی بل کہ زوال پذیر ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعبہ کے دیگر نقصانات سے قطع نظر چند سال قبل اُردو کی مشہور نثری کتاب فسانۂ عجائب، جس کو شعبۂ اُردو نے

ایڈٹ کرایا اور شعبہ کے ممتاز خطاط (ابو جعفر زیدی) نے نہایت محنت سے اس کی کتابت مکمل کی، اس کام میں چار پانچ سال صرف ہوئے۔ دونوں کارکنوں کی ماہوار تنخواہوں کی رقم کسی طرح دو لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ اس کتابت کو یونی ورسٹی کے پبلی کیشن سیکشن کی طباعت کے لیے دیا گیا بل کہ رشید حسن خاں صاحب نے کل ہند انجمن ترقی اُردو کے حوالے کر دیا۔ یہ کام بڑے ڈرامائی انداز سے کیا گیا۔

شعبۂ اُردو کو نقصان پہنچانے کا یہ دیدہ دلیرانہ کام کل ہند انجمن نے اپنے جنرل سکریٹری کے ذریعے انجام دیا جنھوں نے شعبۂ اُردو کو ایک ذمہ دار کارکن اور مرتب مسودہ کی غیر ذمہ دارانہ حرکت کی حوصلہ افزائی کر کے بھرپور مدد کی اور شعبہ کو تقریباً دو لاکھ کا نقصان پہنچایا اور انجمن کی شہرت کو داغ دار کیا۔ یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ انجمن کے جنرل سکریٹری نے اپنے اس عہدے پر فائز ہونے کے بعد انجمن کے اصل اغراض و مقاصد کو پس پشت ڈال کر اس کو ایک اشاعتی ادارہ بنا دیا ہے....

بہر حال فسانۂ عجائب کے مطبوعہ تحقیقی اڈیشن کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ فاروقی صاحب کے ریٹائر ہونے کے زمانے میں یا اس کے کچھ بعد، ڈاکٹر فضل الحق ریڈر شعبۂ اُردو نے فسانۂ عجائب ایڈٹ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلہ میں قدیم مطبوعہ نسخوں کی فراہمی کی فکر ہوئی۔ انھوں نے اس سلسلہ مجھے توجہ دلائی کہ میں ان کی مدد کروں۔ میں نے پہلے مطبع منشی نول کشور سے چند نسخے حاصل کیے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ پروفیسر مسعود حسن رضوی مرحوم کے نادر کتب خانے میں مختلف مطابع کے کئی نسخے ہیں.... میرے دیرینہ تعلقات کے پیش نظر عزیز موصوف (نیّر مسعود) نے 4 مختلف نسخے میرے حوالے کیے۔ تدوین کا کام فضل الحق صاحب نے شروع کیا۔ تمام فراہم کردہ نسخے خاں صاحب کو دیے گئے۔ ان کو ملانے اور اختلافات کی نشان دہی کے لیے صدر شعبہ نے راقم الحروف اور ڈاکٹر تنویر احمد علوی اور ایک ریسرچ اسکالر کو مقرر کیا۔ ہر نسخے کی قرأت ہوئی۔ خاں صاحب اختلافات نوٹ کرتے تھے۔ یہ کام ختم ہوا۔ تو انھوں نے

ترتیب اور حواشی کا کام شروع کیا۔ جو کام ہو جاتا وہ شعبہ کے خوش نویس ابوجعفر زیدی صاحب کو دے دیا جاتا۔ خاں صاحب نے کتابت شدہ بہت سے اوراق کو بار بار رد کر کے دوبارہ سہ بارہ لکھوایا۔اس طرح تقریباً دو ڈھائی سال میں تدوین اور کتابت مکمل ہوگئی...رشید حسن خاں نے فاروقی صاحب کے عہد میں کئی کتابیں ایڈٹ کیں اور ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتے رہے۔ان کو من مانی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔لیکن ان کی سبک دوشی کے بعد....احکامات کی خلاف ورزی کو اپنا شعار بنالیا۔ اس دوران سہ سالہ پروگرام کے تحت کئی صدر شعبہ بدلے جو خاں صاحب کو توجہ دلاتے رہے لیکن ان کے خلاف تادیبی کارروائی سے احتراز کیا کہ مبادا ان کو کوئی نقصان پہنچے۔اس نرمی کو انھوں نے غلط معنی پہنائے اور فسانۂ عجائب کی کتابت طباعت کے لیے نہیں دی، بل کہ بدستور مزید ترمیم و تنسیخ کا بہانہ کر کے آٹھ سال تک کتابت کو اپنے پاس رکھا، اور درمیان میں کچھ فرضی کانٹ چھانٹ کا سلسلہ جاری رکھا اور زیدی صاحب خوش نویس کو بھی زحمت میں مبتلا کرتے رہے۔ کتاب کے مقدمہ میں انھوں نے دعوا کیا ہے کہ آٹھ سال میں یہ کام انجام دیا ہے جو سراسر غلط بیانی ہے۔ یہ اور اس طرح کی جن سچائیوں کا اپنی تحریروں اور بیانوں میں دعوا کرتے ہیں اور جس حق گوئی کا پرچار کرتے ہیں، عملی زندگی میں انھوں نے ان صفات کو اپنے لیے بہت کم اختیار کیا ہے۔بل کہ اخلاقی اقدار کو ہمیشہ ضمنی حیثیت دی...اس کی دیانت داری کا یہ اعلا نمونہ علمی دنیا کے سامنے ہے کہ جس کتاب کے لیے بہ قول ان کے شعبۂ اُردو نے ان کو آٹھ سال موقع دیا اور گراں قدر مشاہرہ دیا، اور کتاب مکمل ہوئی تو انھوں نے تھوڑے سے نفع اور اپنی شہرت کی ہوس میں انجمن ترقی اُردو کے سپرد کر دیا....بہرحال خاں صاحب کو اپنے ریٹائرمنٹ کا انتظار تھا اور وہ وقت بھی قریب آ گیا۔ جب ان کو کتابت اور دیگر متعلقہ سامان واپس کر کے سبک دوشی کی سند حاصل کرنا تھی۔ اتفاق سے اس وقت صدر شعبہ ڈاکٹر قمر رئیس صاحب تھے جو ان کے ہم وطن اور دوست تھے۔ ان کے بعد آنے والے

صدر ڈاکٹر فضل الحق تھے جس کی موجودگی میں ایمان داری سے حساب چکانا ضروری تھا اور فسانۂ عجائب کی کتابت جمع کرنا تھی۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے انھوں نے قبل از وقت ریٹائر منٹ کی درخواست دی جس کو صدر شعبہ (ڈاکٹر قمر رئیس) نے منظور کرا کے ان کو سبک دوش کر دیا۔ شعبہ کی جو مطبوعات ریفرنس کے لیے ان کے پاس تھی ان کا رجسٹر صدر شعبہ کی میز سے غائب ہو چکا تھا۔ لہٰذا ان کا کھاتا آسانی سے صاف ہو گیا۔ اور فسانۂ عجائب کی کتابت ان کے دیرینہ ہم مشرب دوست جنرل سکریٹری انجمن اپنے ساتھ لے گئے جو اس کی اشاعت کے لیے پا در رکاب بیٹھے تھے (انجمن میں شاید مسودے منظور کرنے والی کوئی کمیٹی نہیں ہے سکریٹری کو سب اختیارات حاصل ہیں) فوراً کتاب کی اشاعت عمل میں آئی...''

(فسانۂ عجائب کے تحقیقی اڈیشن کا نزاع: حقائق کی روشنی میں، امیر حسن نورانی)

حال ہی میں فیاض رفعت جو اس وقت شعبہ کے طالب علم تھے، انھوں نے قمر رئیس کی رحلت پر جو مضمون لکھا ہے، اس میں بر سبیل تذکرہ رشید حسن خاں کا ذکر بھی آیا ہے:

''رشید حسن خاں کو دلی یونی ورسٹی کے شعبۂ تحقیق میں لانے والے قمر رئیس تھے حالاں کہ وہ ڈگری یافتہ نہیں تھے، ہائی اسکول کے مساوی عربی فارسی کی لیاقت ضروری تھی۔ صدر شعبہ خواجہ احمد فاروقی نے پُر زور سفارش کے پیش نظر انھیں تحقیقی معاون کی جگہ دے دی۔ خواجہ صاحب کے حسن سلوک کا بدلہ انھوں نے بدخوانی سے دیا۔ شعبے کے لیے کتابیں مدون کرتے تو بہ طور خاص غلطی ہائے مضامین کی گنجایش نکال لیتے اور ایسے کھانچے چھوڑ دیتے کہ شعبہ اور صدر شعبہ کی بھد ہو اور لوگوں کو حرف گوئی کا موقع ملے...''

(نیا دور، لکھنؤ، جون 2009، ص 7)

اس بارے میں میں فقط اتنا کہوں گا کہ ایک غیر جانب دار شخص کا بے لاگ تبصرہ ہے جس میں تھوڑے سے لفظوں میں بہت کچھ کہہ دیا گیا ہے۔

(خواجہ احمد فاروقی کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام، مرتب گوپی چند نارنگ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، 2010، ص 68 تا 76)

وضاحت:

گوپی چند نارنگ اور رشید حسن خاں نے شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی میں ایک ساتھ کام کیا تھا۔ان دونوں کے تعلقات بہت ہی خوش گوار تھے۔اس بات کی وضاحت گوپی چند نارنگ کے نام لکھے رشید حسن خاں کے خطوط سے ہوتی ہے۔ان خطوط کو گوپی چند نارنگ نے اپنی مرتبہ کتاب ''مشاہیر کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام'' میں شامل کیا ہے۔قارئین کی خدمت میں مذکورہ بالا خطوط حاضر ہیں:

رشید حسن خاں بہ نام گوپی چند نارنگ

(1)

4فروری1961

برادرمکرم!

دو کتابیں حاضر ہیں۔ایک کتاب رہ گئی ہے۔اس کو قمر صاحب کے ہاتھ بھیجنا ممکن نہیں تھا۔خاصی گراں ڈیل ہے۔اس لیے کسی دن خود لے کر دولت [کدے] پر حاضر ہوں گا۔ٹکٹ بھی پرسوں، نرسوں تک پیش کر دوں گا۔

ہاں برادر! تین رسالوں کی سخت ضرورت ہے اور مجھے توقع نہیں، یقین ہے کہ یہ آپ کے پاس ہوں گے۔ آپ کے پاس تو کتابوں کا خزانہ ہے۔

(1) ڈاکٹر جعفر حسین (عثمانیہ یونی ورسٹی) کا رسالہ جس کا نام غالباً آسان املا ہے۔

(2) الیاس برنی کا رسالہ

(3) سجّاد مرزا کا رسالہ 'اُردو رسم الخط'۔

بہ راہ کرم یا از راہ سر پرستی مرحمت فرما دیجیے۔شکریہ ادا کرنے کا نہ سلیقہ ہے، نہ اس کے آداب معلوم ہیں، اس لیے 'دردل' سمجھیے۔

آپ کا نیازمند
رشید حسن

(2)

Shahjahanpur

9مئی1962

اخی مکرم! سلام شوق

کل ہی آپ کا خط ملا۔یادآوری کا شکریہ۔آپ نے لکھا ہے کہ آنکھ اوجھل کی مثل یاد آ گئی۔میں عرض کروں گا کہ یہ وہم کہیں تم کو گنہ گار نہ کر دے۔بھلا میں آپ کو کیسے بھلا سکتا ہوں۔آپ کی کرم فرمائی، خلوص اور ہم دردی ہمیشہ میرے شامل حال رہی۔کوئی کافر طبیعت ہی ہوگا جو اس کے بعد بھی مکرنے کی

کوشش کرے۔ بات یہ ہے کہ یہاں آتے ہی کچھ الجھنوں میں پھنس گیا۔ بچہ ہنوز زیر علاج ہے۔ اس کی طبیعت اب پہلے سے نسبتاً بہتر ہے۔ پھر بھی ابھی چند ماہ علاج جاری رہے گا۔ دوبار بریلی جا چکا ہوں۔ کئی دوسرے گھریلو قضیے میری راہ دیکھ رہے تھے۔ ان سے بھی نپٹنا پڑا۔ کچھ اب بھی دامن گیر ہیں۔ ان وجوہ سے خط نہیں لکھ سکا۔ اس تاخیر پر بے حد منفعل ہوں اور معذرت طلب۔

ظہیر صاحب کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ ہیں کہاں۔

میں ان شاء اللہ 21 یا 22 جون کو دہلی پہنچوں گا اور سب سے پہلے حاضر خدمت ہوں گا۔

ریویو کی تاخیر کے پر بھی معذرت خواہ ہوں۔ لیکن اب ان شاء اللہ جلد ہی اس فرض کو ادا کر دوں گا۔

لطیف صاحب سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے یہ کہا تھا کہ 'جامعہ' کے ایک صفحے سے زیادہ نہ ہو۔

باڑوزئی اور متعلق سوال پر زبانی گفتگو ہوگی اور بالتفصیل۔ 'دیوان قائم' کے کچھ اوراق میں یہاں لیتا آیا تھا۔ ظہیر صاحب کی فرمایش کے مطابق آج کل انھیں کو نقل کر رہا ہوں۔ 20 جون تک یہ کام بھی مکمل ہو جائے گا۔ اسے بھی ساتھ لے کر آؤں گا۔ آپ اس زمانے میں دہلی سے باہر تو نہیں جائیں گے؟ ہاں یہ بھی دریافت طلب ہے کہ لاہور نمبر کے بعد نقوش کا کوئی عام شمارہ آیا یا نہیں؟ اُردوئے معلیٰ تو اب چھپ کر آ گیا ہوگا۔ اس کا منتظر ہوں۔

براہ کرم جواب سے نوازیے۔ اور اگر کوئی قابل ذکر بات ہو تو اس سے بھی مطلع فرمائیے۔ چشم براہ ہوں۔

نیاز مند
رشید حسن

(3)

State Library
Qila Rampur
5 ستمبر 1962

برادر مکرم! سلام شوق

میں 3 کو بعد دو پہر یہاں پہنچ گیا۔ یہاں دیوان میر سوز کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔ کاتب بھی معقول معلوم ہوتا ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس میں کلام، نسخۂ علی گڑھ سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ نسخۂ علی گڑھ میں حمد کی صرف ایک غزل ہے اور اس میں تین غزلیں ہیں۔ میں نے اصول یہ پیش نظر رکھا ہے کہ متن بہر صورت صحیح ہو۔ اس کے لیے یہ فرض کر لیا ہے کہ نسخۂ رام پور اصل ہے۔ اسی اصول کی بنا پر، متن کو نسخۂ رام پور کے مطابق صحیح کر رہا ہوں۔ بعض مقامات ایسے ہیں جہاں نسخۂ علی گڑھ کا متن صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایسے مقامات پر نسخۂ علی گڑھ کا متن اختیار کیا ہوا ہے اور نسخۂ رام پور کے متن کو حاشیے میں بہ طور اختلاف نسخہ درج کیا ہے۔ زائد اشعار کو اسی غزل کے حاشیے پر لکھ لیا ہے اور زائد غزل کو

نمبر شمار ڈال کر علاحدہ کاغذ پر درج کر رہا ہوں۔مگر اس طریق کار میں کچھ ترمیم کی ضرورت ہو تو لکھیے ،بہر صورت آپ کی مہر تصدیق یا مزید رائے کا منتظر ہوں۔ظہیر صاحب کو بھی میں نے یہی لکھا ہے۔

برادر! بے حد نامعقول شہر ہے۔قلعہ وسیع ،خوب صورت ،شہر تنگ بدصورت ۔ بھلا وہ کوئی شہر ہے جہاں نہ کوئی قاعدے کی چائے کی دکان ہو، نہ صاف ستھری کھانے کی کوئی جگہ ہو۔ایسی گندی دکانیں کہ جامع مسجد کے علاقے کی دکانیں بھی شرما جائیں گی۔اور ایسا برا کھانا کہ خدا کے بجائے صرف شیطان یاد آئے ۔لاحول ولاقوۃ۔وہ تو یہ کہیے کہ چائے کا مکمل سامان ،مع اسٹوو، ساتھ لے کر آیا تھا، ورنہ آدمی کے بجائے بنگالی بن کر لوٹتا۔

کاشف الحقائق کی جلد دوم، اکبر علی خاں کے حوالے اسی دن کر دی ۔ بے چارے ہمہ وقت مدد کرنے کے لیے آمادہ رہتے ہیں۔ہاں صاحب! آپ کا پتا مجھے معلوم نہیں تھا۔اس لیے یہ خط ظہیر صاحب کے لفاف میں ملفوف ہے۔ براہ کرم اپنا پتا تحریر کیجیے کہ باقاعدہ خط لکھوں کیوں کہ مہمان طفیلی نبود اہل قلم را۔

آپ کے مفصل خط کا منتظر ہوں۔ بھابھی صاحبہ کو سلام اور اس شریر بچے کو پیار۔

مخلص

رشید حسن

(4)

Raza Library

Rampur

15 اکتوبر1962

مکرمی نارنگ صاحب! سلام و نیاز

آج ہی گرامی نامہ موصول ہوا۔حضرات آپ میرے مکرم ہیں۔میں نے جو کچھ لکھا تھا محض بر بنائے شگفتگی خاطر لکھا تھا۔خدانخواستہ مقصود و حقیقی وہ نہیں تھا۔پھر بھی معذرت قبول کیجیے۔

ردیف ی کی غزلیات کے 23 صفحے ارسال ہیں۔حوالۂ زیدی صاحب کر دیجیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کا ہاتھ نہ رکنے پائے۔آپ نے یہ نہیں لکھا کہ میرے بھیجے ہوئے اوراق میں، طریق کار آپ کو پسند آیا یا نہیں۔میں آپ کی رائے کا منتظر تھا اور ہوں۔

یہ پڑھ کر سخت تشویش ہوئی کہ مزاج ناساز ہے۔ خدا کرے اب آپ مکمل صحت یاب ہو چکے ہوں۔ بے حد مسرت ہوئی کہ حضرت خورشید الاسلام کے فرمودات سے آپ بھی لطف اندوز ہوئے اور میرے ریمارک سے بھی۔آج کل ان کی ایک شاگردہ اور آپ کی بھی اسما سعیدی صاحب یہاں آئی ہوئی ہیں۔میں نے ایک دن ان کے سامنے ان کے استاد کی خاصی مدح و ثنا کی تھی۔سنا ہے وہ بھی اب محققین میں شامل ہو رہے ہیں۔ جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا۔واقعی اب ادب کے برے دن آ گئے ہیں۔ پچھلے ہفتے میں نے یہاں ایک انجمن میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کو کہہ دیا تھا، تو لوگوں نے نگاہ تعجب

سے دیکھا تھا۔

جواب کا منتظر ہوں۔

نیاز مند

رشید حسن

(5)

Shahjahanpur

29 فروری 1964

محبِّ مکرم!

سمجھ میں نہیں آتا کہ خط کا آغاز کس طرح کروں۔ اپنے جرم بے پروائی کا معترف ہوں اور اس حد تک کہ اس کی معذرت کی کوئی صورت بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ بس یہ ایک احساس دل کو تسکین دیتا ہے کہ اگر میں اپنی پریشانیوں کا کچھ حال لکھوں تو شاید آپ معاف کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اگرچہ یہ بھی کوئی پناہ گاہ نہیں ثابت ہوگی۔

میں آج کل ایک ماہ سے شاہ جہاں پور میں مقیم ہوں۔ دنوں سے بیوی اور ایک بچہ بیمار تھا۔ ٹالتا رہا۔ اب جب کہ منزل بے چارگی آن پہنچی، تب مجبوراً آنا پڑا۔ معلوم نہیں ابھی کب تک قیام رہے۔ بہر حال سخت پریشان خاطر ہوں۔ یہ پریشانی پانچ چھے ماہ سے ہے۔ جس کے نتیجے میں کوئی کام ڈھنگ کا نہیں ہو پایا۔ میں اپنی تقصیر پر نادم ہوں اور متوقع ہوں کہ آپ از راہ کرم برادرانہ معاف کرنے پر دریغ نہیں کریں گے۔ اس دوران میں آپ کے دو خط ملے۔ یہ سوچتا ہی رہا کہ اب جواب دوں۔ چوں کہ چاہتا تھا کہ مفصل خط لکھوں۔ اس لیے منتظر فرصت فراغت رہا۔ سو یہ نوبت آن پہنچی۔

میں ایک دو باتیں ذرا تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن جی یہ چاہتا ہے کہ پہلے آپ کے خط کو دیکھ لوں۔ جس میں یہ تحریر ہے کہ اب آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔ پھر تعلق خاطر سے لکھوں۔ میرا یہ خط آپ کو دو چار دن میں مل جائے گا۔ میں بہ طور خاص یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ گذشتہ امور کو نظر انداز کرتے ہوئے، فی الفور جواب سے نوازیے اور اس طرح اپنے اخلاص و کرم سے مستفیض کیجیے۔ تا کہ میں مفصل خط لکھ سکوں۔ فی الوقت یہ طے نہیں ہے کہ میں دہلی کب پہنچوں گا۔ لیکن قیاس یہ ہے کہ 10 مارچ تک ضرور چلا جاؤں گا۔ لہٰذا آپ جواب وہیں کے پتے پر تحریر کیجیے۔ میرا پتا یہ ہے:

رشید حسن خاں

40، جبلی ہال، دہلی یونی ورسٹی، دہلی-6

میں بے چینی سے آپ کے کرم نامے کا منتظر ہوں۔

مخلص

رشید حسن

(وسکانسن بھیجا گیا پروگرام)

(6)

60, Jubilee Hall
Delhi University, Delhi-6
16اپریل1964

محبّ مکرم! سلام شوق

آپ کا پوسٹ کارڈ، جس پر 15 اپریل کی تاریخ درج تھی، مجھے 14 اپریل کو ملا۔ منت پذیر ہوں کہ آپ نے از راہ کرم خاص نوازا اور میری تاخیر مسلسل کو نظر انداز کر دیا۔ اب ان شاء اللہ یہ صورت بہتر پیدا ہوگئی۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ آپ کی ناراضگی بہ ہر صورت ختم ہو جائے گی کیوں کہ اچھے آدمی دوسروں کے اعتراف قصور کو ضرور تسلیم کر لیتے ہیں۔

پہلے تو مخطوطے کے بارے میں عرض کروں۔ وہ ہنوز اُسی طرح محفوظ ہے۔ میں نے اس کا ایک ورق بھی نہیں دیکھا۔ آپ بالکل مطمئن رہیے۔ یہ آپ کی امانت ہے اور یہ اسی طرح محفوظ رہے گی جس طرح میری عزیز ترین اشیا رہتی ہے۔ آپ اس دوران میں جس وقت لکھیں گے، میں اس کو واپس کر دوں گا۔ یہی وعدہ پہلے بھی تھا اور وہ ہنوز قائم ہے۔ اگر ضرورت نہ ہو تو اُسے فی الحال میرے پاس رہنے دیجیے۔ یہ مزید کرم ہوگا۔

یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ علی گڑھ تاریخ ادب اُردو کی پہلی جلد شائع ہوگئی۔ بڑا شور سنتے تھے۔ ایک قطرہ بھی نہیں نکلا۔ اڈیٹوریل بورڈ میں سارے معروف بزرگان ادب کا نام درج ہیں، لیکن کتاب بلا مبالغہ گناہ گار کا نامۂ اعمال ہے۔ میں نے اس پر ایک سرسری تبصرہ لکھا تھا۔ اتفاق یہ کہ وہ بے حد پسند کیا گیا اور آٹھ مختلف رسائل و اخبارات نے اسے طویل حواشی کے ساتھ نقل کیا۔ بات اس حد تک بڑھی کہ آخر یونی ورسٹی کو اس کی فروخت باضابطہ روک دینا پڑی۔ آپ یہاں ہوتے تو اس تبصرے کی داد آپ سے لیتا۔ اب کتاب اسٹاک روم میں پڑی ہے۔ اطلاع یہ ہے کہ یہ غلط نامے کے ساتھ دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ میں ابھی علی گڑھ گیا تھا۔ ایک نشست میں، میں نے ارباب اختیار میں سے ایک سے پوچھا کہ حضرت! غلط نامہ کتنی جلدوں میں ہوگا؟ جواب ندارد۔ آپ آئیں گے تو وہ تبصرہ آپ کو دکھاؤں گا۔

مکتبہ جامعہ نے سستی کتابوں کا ایک سلسلہ میری ہی تجویز پر شروع کیا ہے۔ اسی سلسلے کی پہلی کتاب 'باغ و بہار' ہوگی۔ شرط یہ ہے کہ ان کا متن بالکل صحیح اور مستند ترین مآخذ پر مبنی ہوگا۔ پھر ایسے سارے لفظ جن کے تلفظ میں ذرا سا بھی غلطی کا احتمال ہوگا ان پر اعراب لگائے جائیں گے، مفصل فرہنگ ہوگی، توقیف نگاری بھی ہوگی۔ نصف کتاب مکمل ہو چکی ہے۔ غالباً دو مہینے میں بازار میں آ جائے گی۔ دوسری کتاب اس سلسلے میں 'فسانۂ عجائب' ہوگی۔ 'باغ و بہار' کا متن دو نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔ نسخہ فورٹ ولیم کالج کو جو میر امن کی موجودگی میں چھپا تھا، بنیاد بنایا ہے۔ اور مشہور مستشرق ڈنکن

فوربس کا نسخہ جو لندن سے شائع ہوا تھا اور جس کے متعلق اس کا دعوا ہے کہ یہ میر امن کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے مخطوطے پر مبنی ہے، اس کو معاون نسخے کی حیثیت سے پیش نظر رکھا گیا ہے۔ آپ حیرت کریں گے کہ انجمن سے جو نسخہ مولوی عبدالحق کا مرحوم نے شائع کیا تھا وہ اصل نسخے سے جگہ جگہ مختلف ہے۔ معلوم نہیں مرحوم کو کون سا نسخہ ہاتھ لگا تھا۔ غالباً کوئی نہایت غلب سلط کسی معمولی پریس کا نسخہ تھا۔ کراچی سے ممتاز حسین نے بھی اس کا اڈیشن اہتمام سے شائع کیا ہے۔ یہ فوربس کے مذکورہ نسخے پر مبنی ہے، یہ بھی یوں ہی ہے۔

توبہ توبہ! کس قدر پریشان نگاری سے میں نے کام لیا ہے اور طول بیانی سے۔ آپ یہ لکھیے کہ آپ آئیں گے کب، بھابھی کیسی ہیں۔ بچہ کیسا ہے؟ مصروفیات کیا ہیں؟

اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔

مخلص

رشید حسن

(وسکانسن بھیجا گیا پروگرام)

(7)

182, Jubilee Hall

Delhi University,Delhi-6

8 جولائی 1964

محبِّ مکرم! سلام شوق

آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔ لیکن اُس عالم میں جب یہاں چاروں طرف ویرانی کی حکومت تھی، گرمی شباب پر تھی اور میں پا بہ رکاب۔ واپسی پر خاصا پریشان رہا۔ پھر موسم ایسا تھا کہ کچھ لکھنے پڑھنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ہر طرف سناٹا بل کہ سنا ہٹا۔ کافی ہاؤس اور وِنگرز دو ویران بستیاں تھیں اور راستے ویران تر۔ نہ کسی رہ گزر سے قہقہوں کی آواز، نہ کسی گوشے سے عہد و پیمائی وفا کی سرگوشی۔ آپ ہی انصاف کیجیے کہ اس زمانے میں کچھ نہ لکھنا ہی بہتر تھا یا برا۔

میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے غالب پرائز کی۔ الھم زد فزد۔ واقعی جی خوش ہو گیا۔ آج خواجہ صاحب بھی حیدرآباد فرخندہ بنیاد سے واپس آرہے ہیں۔ اب کل سے باضابطہ کاروبار شروع ہو جائے گا۔ میں نے تحریک کے دفتر میں ہدایت کی تھی کہ وہ اس کا تازہ شمارہ آپ کو بھیج دیں جس میں میرا ایک تبصرہ چھپا ہے۔ غالباً ملا ہوگا۔ اب آپ کی رائے کا مشتاق ہوں۔

'باغ و بہار' تیار ہے۔ اب مثنوی 'گلزار نسیم' کو شروع کیا ہے۔ دیکھیے کب مکمل ہوتی ہے۔ آپ کا بچہ، جس کا نام ذہن سے اتر گیا، اب تو خاصا شریر ہو گیا ہوگا۔ پہلے ہی کیا کم تھا۔ میری طرف سے اسے پیار کیجیے۔ اور بھابھی صاحبہ کی خدمت میں سلام نیاز پیش کر دیجیے۔ خدا کرے آپ یہاں جلد واپس

آئیں۔اب تو بہت دن ہو گئے ہیں۔اپنی خیریت سے مطلع کیجیے۔
خدا کرے آپ بہ عافیت کامل ہوں۔

مخلص
رشید حسن

(وسکانسن بھیجا گیا پروگرام)

(8)

182, Jubilee Hall
Delhi University,Delhi-6
6اکتوبر1964

نارنگ صاحب مکرم! سلام شوق
کئی مہینے ہوئے کہ میں نے ایک عریضہ لکھا تھا۔طویل انتظار کے باوصف جواب سے محروم رہا۔سوچتا ہوں کہ کیا میری نیاز مندی میں کچھ کمی آپ کو محسوس ہوئی یا انداز پذیرائی ہی بدل دیا ہے؟ بہر حال ہم اپنی وضع کیوں بدلیں۔میں ہنوز آپ کا ویسا ہی نیاز مند ہوں اور عقیدت کیش۔شعبے میں نئے اضافوں کا حال تو کئی زبانوں سے سن لیا ہوگا۔اب آپ آئیں تو لطف سخن کے ساتھ ساتھ 'حسن عمل' بھی سامنے آئے۔نورانی صاحب قبلہ پبلشنگ انچارج ہو کر آئے ہیں۔ابھی مجھ سے ملاقات کی نوبت نہیں آئی ہے۔کسی مناسب موقع پر یہ فرض بھی ادا ہو رہے گا۔
کہیے آپ نے ادھر کیا کیا کیا۔یہ تو یقین ہے کہ بہت کچھ کر لیا ہوگا۔
بھابھی صاحبہ کو سلام اور بچے کو پیار۔
ہم غربت زدوں اور درماندوں کو بھی نگاہ التفات سے کبھی کبھی نواز لیا کیجیے۔اس سے آپ کی رفعت میں کچھ کمی نہیں ہوگی البتہ کلاہ گوشۂ دہقاں آسمان پر پہنچ جائے گا۔

مخلص
رشید حسن

(وسکانسن بھیجا گیا)

(9)

182, Jubilee Hall
Delhi University,Delhi-6
30جنوری1965

محبّ مکرم!
آپ کا محبت نامہ ملا تھا۔بعض پریشانیوں کے باعث جواب میں تاخیر ہوئی۔معذرت طلب

ہوں۔کل بہ ذریعہ تار اطلاع ملی کہ میرے خسر صاحب کا انتقال ہو گیا۔سخت پریشان ہوں۔آج رات میں گھر جا رہا ہوں۔اس بنا پر یہ چند سطریں بے ربطی کے ساتھ لکھ رہا ہوں کیوں کہ آپ ناراض ہو رہے ہوں گے۔

آپ میرے لیے 9 ڈالر والا فاؤنٹین پین لیتے آئیے۔غالباً 45 روپے بنیں گے۔اس کا انتظام ہو ہی جائے گا۔ میں پھر معذرت طلب کرتا ہوں ان دو سطروں پر اور اس تاخیر پر۔ بے حد اُلجھن میں ہوں۔ براہ کرم آپ مکتوب محبت سے ضرور نوازیے۔

مخلص

رشید حسن

(وسکانسن بھیجا گیا خط)

(10)

مکرمی نارنگ صاحب! تسلیم

اس سے پہلے ایک رجسٹرڈ پیکٹ بھیج چکا ہوں۔رسید سے محروم رہا۔آج دوسرا پیکٹ بھیج رہا ہوں۔ براہ کرم اس کی رسید سے جلد مطلع فرمایئے۔ دو چار دن کے بعد بقیہ اوراق بھی مکمل کر کے بھیج دوں گا۔مطمئن رہیں...کہاں ہیں۔خط لکھا تھا۔جواب ندارد۔

اس وقت رات کے 9 بجے ہیں۔خط لکھ رہا ہوں اور ہزاروں مچھر میرے چاروں طرف گردش کر کر کے اپنے نغموں سے بھی نواز رہے ہیں اور اپنی خوش فعلیوں سے بھی مزاج پرسی کرتے جا رہے ہیں۔ یہ خدا سخت نامعقول شہر ہے۔توبہ توبہ۔سورج چھپا اور یہ حملہ آور ہوئے۔ بلا مبالغہ اس کمرے میں دس، پندرہ ہزار تو ہوں گے۔ نہ رات کو نیند آتی ہے، نہ شام کو چین ملتا ہے۔دن بھر پرانی کتابیں اور ان سے بھی زیادہ پرانے چہرے! نہ معلوم کس گناہ کی یہ سزا مل رہی ہے۔اور وہ بھی آپ کے ہاتھوں۔ سچ ہے برا وقت آتے دیر نہیں لگتی۔ ہائے اب یاد آتا ہے وہاں کا کافی ہاؤس اور اسی کا ہم قافیہ مرنڈا ہاؤس زباں بار خدایا یہ کس کا نام آیا۔اسی دیوار کے سایہ کے تلے پڑے رہتے تو کیا برا تھا۔لیکن آپ کا حکم! اچھا ہے سارے گناہوں کی سزا اس دنیا میں مل جائے۔

رشید حسن

(11)

4 ستمبر 1974

نارنگ صاحب مکرم!

کل مجھے یہ بات معلوم ہو پائی کہ جامعہ میں آپ کا انتخاب بہ حیثیت پروفیسر ہوا ہے۔میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کیجیے۔

مخلص رشید حسن

(12)

27اپریل1979

نارنگ صاحب مکرم!

(1) 29 کی یاددہانی،6 بجے شام،اتوار کا دن،یعنی پرسوں۔

(2) حیدآباد سے خط آ گیا۔اب الیکشن ضرور لڑنا ہے۔کچھ بھی ہو چکا ہو،آپ کا نام لازم ہے۔جین صاحب کو خط ابھی لکھا ہے۔صاحب! میں آپ سے اب مفصل گفتگو نہیں کروں گا،اُس کا وقت ہی نہیں۔ اب مختصر بات کا وقت ہے،اسی لیے خط ختم۔ذرا میرے اعتماد کی تو داد دیجیے۔آپ کیا کریں گے،یہ آپ جانیں،مجھے بہ ہر حال توقع بل کہ یقین ہے۔

رشید حسن

(13)

Shahjahanpur

9جنوری2002

محبّ مکرم! بہ عافیت پہنچ گیا،ہاں اسٹیشن پر بہت پریشان ہوا۔پُل سے اُترنے چڑھنے کے پھر میں۔موسم کی تیزی اُس پر اضافہ۔اب آرام کررہا ہوں۔

آپ نے جس تعلقِ خاطر کے ساتھ پذیرائی کی،اُس کے لیے شکرگزار ہوں۔کلاسکی ادب کا لغت شاید دو مہینے میں چھپے گا اور وہ پہنچے گا۔بیگم صاحبہ سے میرا اسلام کہیے۔

رشید حسن

(مشاہیر کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام(جلد دوم)،مرتب گوپی چند نارنگ،عرشیہ پبلی کیشنز،دہلی 2019،دوسرا اڈیشن 2019،ص53 تا63)

نوٹ:

پروفسر گوپی چند نارنگ نے اپنی مرتبہ کتاب'مشاہیر کے خطوط گوپی چند نارنگ کے نام'میں رشید حسن خاں کے 13 خطوط کو شامل کیا ہے۔جب کہ ڈاکٹر ٹی آر رینا نے اپنی مرتبہ کتا'رشید حسن خاں کے خطوط' جلد دوم،اشاعت نومبر 2015 میں گوپی چند نارنگ کے نام لکھے رشید حسن خاں کے 14 خطوط کو صفحہ 546 تا558 تک شامل کیا ہے۔رینا صاحب کی کتاب میں شامل خط نمبر 2اور خط نمبر 5 میں تاریخ 29 مئی 1962اور 26فروری1964 جب کہ گوپی چند نارنگ کی مرتب کردہ کتاب میں تاریخ9 مئی1962اور29فروری1964 درج ہے۔رینا صاحب کی مرتبہ کتاب میں شامل خط نمبر12 قارئین کی خدمت میں حاظر ہے:

9 ٹیچرس کورٹ، گائر ہال
دہلی یونی ورسٹی، دہلی
26 اگست 1988

محبِّ مکرم!

آپ کا خط مرقومہ 23 اگست موصول ہوا۔ اس التفاتِ خاص کے لیے شکر گزار ہوں۔

ارے صاحب! آپ جیسے حضرات کا شریکِ انجمن ہونا اور رہنا از بس ضروری ہے۔ اس سے آپ میری رائے کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں تو آپ کا ہوں ہی۔ بل کہ میری رائے تو یہ ہے کہ ایسے مواقع پر رائے شماری کھلی ہوئی ہونا چاہیے، تا کہ یہ جو ہر بار فتنہ اُٹھتا ہے کہ فلاں نے وعدہ خلافی کی یا فلاں صاحب نے کرم نہیں فرمایا، یہ نہ اُٹھے، مگر اس بات کو مانے گا کون۔ ہوتا یہی کہ ہر شخص سچ یا جھوٹ یہی کہتا رہے گا کہ میں نے تو آپ کی طرف داری کی تھی؛ اس میں مجھ جیسے کم آمیز اور کم سخن لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے پچھلی بار نیّر مسعود صاحب کا نام پیش کیا تھا، اس سے بالکل قطع نظر کر کے کہ دوسرے لوگ کیا چاہتے ہیں۔ میں اپنے مزاج کے لحاظ سے کسی پالٹکس میں کوئی رول ادا کر ہی نہیں سکتا۔

اور ہاں بھائی! یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "کاش آپ میرا ساتھ دیں تو بہت سی باتوں کو سنوارا جا سکتا ہے" تو بھائی! آپ نے تو کسی وقت کوئی منصوبہ انجمن کے سلسلے میں پیش ہی نہیں کیا۔ اس لیے ساتھ دینے یا نہ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب آپ کوئی منصوبہ بنائیے سُدھار کا، پھر دیکھیے کہ میں ساتھ دیتا ہوں کہ نہیں! پچھلی دفعہ تو سالانہ جلسے میں شرکت بھی آپ نے کچھ یوں ہی سی کی تھی۔ میں بھی خاموش رہا تھا۔

سمینار میں عدمِ شرکت پر معذرت طلب ہوں۔ دراصل اب سورج ڈوبنے کے بعد مجھے آنکھوں کی بنا پر دقّت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور سمیناروں میں تاخیر تو ضرور ہوتی ہے، یوں حاضری نہیں دے سکا۔ یہ بھی تھا کہ "وائرل فیور" کے شدید اثرات سے پوری طرح نجات حاصل نہیں کر سکا تھا۔ اب کے اس کا حملہ شدید تر تھا اور اس نے ہلکان کر کے رکھ دیا۔

بھابھی سے سلام کہیے اور بچے کو پیار۔ ملاقات کی تمنا ہے۔

رشید حسن خاں

(رشید حسن خاں کے خطوط، جلد دوم، مرتب ڈاکٹر ٹی. آر. رینا، فروری 2015، ص 556 تا 557)

❁❁❁

ضمیمه (ششم)

محمد سعید

لاہور

16 دسمبر 2012

عزیز گرامی قدر جناب جاوید رحمانی!

السلام علیکم!

اُمید ہے مزاج بہ خیر ہوں گے۔ ایک سوال نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔ ان میں سے جن سوالات کے جوابات آسانی سے ممکن ہو سکیں ضرور دیجیے ممنون ہوں گا۔ اُمید ہے مفصّل جوابات سے نوازیں گے۔ اگر ممکن ہو تو خاں صاحب کی آڈیو، ویڈیو اور اُن کی کچھ تصاویر بھی بھجوا دیجیے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آل انڈیا ریڈیو، نئی دہلی اور دور درشن وغیرہ کے اسکرپٹ روم سے خاں صاحب کے مسودات کی نقل مل سکے یا کم از کم اُن کے رجسٹروں سے ان تحریروں کا ریکارڈ ہی مل جائے۔ خاں صاحب کے بارے میں اپنی مرتبہ کتاب کے مقدمے میں آپ نے لکھا کہ رشید حسن خاں علی گڑھ یونی ورسٹی میں ملازمت کے اُمیدوار تھے، اس کا کیا ماخذ ہے؟ نیز یہ کہ کیا یہ مقدمہ صرف آپ نے لکھا؟ مجھے یہی لگا کہ دوسرے مرتب کا اس میں حصّہ نہیں۔ ڈاکٹر اطہر فاروقی صاحب نے ای میل کا جواب نہیں دیا۔ کیا اُن کا موبائل نمبر آپ عنایت کر سکتے ہیں۔ گاہے گاہے آپ کو زحمت دیتا رہتا ہوں سوائے اس کے چارہ نہیں۔ اُمید ہے ایسی زحمت بارِ خاطر نہیں ہوگی۔

منتظر کرم

محمد سعید (اسسٹنٹ پروفیسر)

شعبۂ اُردو، جی سی یونی ورسٹی، لاہور

❁❁❁

سوال نامہ بہ سلسلہ رشید حسن خاں

1. رشید حسن خاں جب دہلی یونی ورسٹی میں آئے (اگست 1959 میں) تو اُس وقت یا اس کے بعد تک بی.اے، ایم.اے اور پی.ایچ.ڈی میں داخلے کا اہل ہونے کے قواعد و شرائط کیا تھے؟
2. کیا رشید حسن خاں ملازمت کے ساتھ ایسی مروجہ تعلیم کی تکمیل نہیں کر سکتے تھے؟
3. رشید حسن خاں بہ طور ریسرچ اسسٹنٹ اور پھر ریسرچ ایسوسی ایٹ شعبۂ اُردو میں رہے ان کے فرائض کا دائرہ کار کیا تھا؟
4. شعبے کے لیے مخطوطات کی ترتیب کے کام میں اُن کا کتنا حصّہ ہے۔ نام کی حد تک تو وہ اپنے خطوط میں ان سے برّیت کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر شعبے کے لیے انھوں نے کیا کام کیا جس کی تنخواہ لیتے تھے؟
5. شعبے کے لیے ترتیب کے جو کام کیے وہ بھی ملازمت کے ابتدائی دس سال میں ہو گئے۔اس کے بعد شعبے کے لیے اُن کا کوئی کام نہیں تو یہ ملازمت جاری کیسے رہی؟
6. شعبے کی مطبوعات کی وجہ سے رسوائی ہورہی تھی اور شعبہ اس کی ذمہ داری رشید حسن خاں پر ڈال رہا تھا۔ کیا اس پر یونی ورسٹی نے کوئی کارروائی کی؟
7. شعبے اور صدر شعبہ سے اختلافات بڑی حد تک واضح ہیں پھر خواجہ احمد فاروقی نے ان کی مستقل تقرری کو کیسے گوارا کیا۔ کیا وہ خاں صاحب کو ملازمت سے برطرف نہیں کر سکے تھے؟ یا ایسی کوئی کوشش انھوں نے کی تھی؟
8. رشید حسن خاں اپنے کسی خط میں لکھتے ہیں کہ ”خواجہ احمد فاروقی سے جھگڑا ذکیہ انجم کی وجہ سے ہوا جو 27 سال چلا“ اس کی کچھ تفصیل؟ کہ ذکیہ انجم کون ہیں اور جھگڑا کیوں ہوا؟
9. شعبے کے رسالے ”اُردوئے معلیٰ“ کی مجلس ادارت میں شامل تھے۔ کس قدر کام ان کے ذمے تھے اور یہ کب تک اس سے وابستہ رہے؟

10. ''اُردوئے معلیٰ''میں شعبۂ اُردو کے باقی لوگوں کے مقالے تو ان کے نام سے چھپتے تھے لیکن رشید حسن خاں کے مقالے کے آگے مصنف کے طور پر''ادارہ'' لکھ دیا جاتا تھا۔کیا یہ استحصال نہیں؟

11. ماسٹر رام چندر پر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کام کیا جس کا مقدمہ خواجہ احمد فاروقی نے لکھا۔اس کے سرورق پر قدوائی صاحب کا نام بہ طور مولف موجود ہے اور خواجہ صاحب کا نام مقدمہ نگار کی وجہ سے موجود ہے لیکن رشید حسن خاں گنج خوبی مرتب کریں تو اُس پر مرتب کے طور پر خواجہ صاحب کا نام آئے۔خواجہ صاحب کے اس رویے کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

12. رشید حسن خاں 21 اکتوبر 1982 کو اپنے ایک خط میں ڈاکٹر حنیف نقوی کو''فسانۂ عجائب'' کے بارے میں لکھتے ہیں:''صدر شعبہ نے بالکل آخری لمحات میں جب کتاب پریس جانے والی تھی،بعض لوگوں کے بہکانے میں آکر،یہ فرمائش کی کہ بہ حیثیت مرتب''اُن کا نام بھی داخل کتاب ہو۔''ڈاکٹر تنویر علوی اُس وقت صدر شعبہ تھے کیا واقعی انھوں نے یہ فرمائش کی تھی اور یہ کہ اُن کو بہکانے والے کون لوگ تھے؟

13. خاں صاحب کے خط اور ان کے بارے میں تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی کے لوگ ہمیشہ انھیں باہر کا اور کم تر درجے کا آدمی سمجھتے تھے۔ایسے مخالفین میں نمایاں نام کون کون سے ہیں اور یہ کہ کیا کوئی اُن کا ہم درد اور مخلص دوست بھی شعبے میں تھا؟

14. شعبے کے مخالفین نے انھیں کس کس طرح کا نقصان پہنچایا؟

15. ڈاکٹر ٹی.آر.رینا کے مرتبہ خطوط میں رباب رشیدی کے نام آخری خط (ص 631-33) میں لکھتے ہیں''3 ماہ کی طویل مدت ایسی گزری ہے کہ قلم نے ایک سطر نہیں لکھی...بے زاری طاری تھی...اس طرح مجبور تھا جیسے فوجی قید...ہر ہاتھ سنگ ملامت نظر آتا تھا...بچے نے اسکول جانے سے انکار کر دیا تھا...ایک ہلکا سا خاکا ہے اس قصۂ زہرہ گداز کا...''وغیرہ ایسا کیا واقعہ یا سانحہ تھا؟(یہ خط تاریخ سے خالی ہے لیکن 1969 کا لگتا ہے)۔

16. شعبے کی تدریس سے تو وہ وابستہ نہیں تھے لیکن پوری مدت ملازمت میں کچھ تو مثالیں ہوں گی کہ کسی حوالے سے طالب علموں کو انھوں نے باقاعدہ لیکچر دیے ہوں اور ان لیکچرز کا

اہتمام شعبے نے کیا ہو۔ آخر باقی یونی ورسٹیوں میں بھی تو وہ لیکچر دینے جاتے تھے؟

17. فرائض منصبی کے طور پر کبھی شعبے نے طالب علموں کے مقالات کی رہنمائی اور نگرانی ان کے ذمے لگائی ہو؟

18. بہ طور ریسرچ اسسٹنٹ کس تنخواہ پر ملازمت کا آغاز کیا اور ایسوسی ایٹ بننے سے پہلے تک کیا تنخواہ رہی؟

19. ریسرچ ایسوسی ایٹ کب بنے اور تنخواہ کیا مقرر ہوئی نیز ریٹائرمنٹ سے پہلے کیا تنخواہ لے رہے تھے؟

20. صرف نو دن پہلے ''قبل از وقت'' ریٹائرمنٹ میں کیا حکمت تھی؟ کیا یہ یونی ورسٹی کی طرف سے تھی یا خاں صاحب نے خود لی؟

21. ریٹائرمنٹ کے بعد وہ شعبے سے کس طرح وابستہ رہے؟ کیا پنشن کے علاوہ کوئی تنخواہ مقرر تھی اور کیا شعبے کے لیے کوئی کام کر رہے تھے؟

22. ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کتنی پنشن لے رہے تھے؟

23. ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا ایک مضمون ''اُردو ادب میں دادا گیری'' (رشید حسن خاں کی تحقیقی غلطیاں'') کیا یہ آپ کی نظر سے گزرا ہے یا اس کا کوئی حوالہ مل سکتا ہے؟

24. رشید حسن خاں نے مختلف یونی ورسٹیوں کے ایم فل، پی. ایچ. ڈی کے جن مقالات پر بہ طور ممتحن رپورٹ لکھی یا ان کا زبانی امتحان لیا، کیا ان کی نشان دہی ہو سکتی ہے؟

25. بعض لوگوں نے رشید حسن خاں کے نام اپنی کتابوں کا انتساب کیا مثلاً ''مثنوی لختِ جگر (ارجمند آرا)، ''اُردو کہاوتیں'' (یونس اگاسکر) ''تفہیم و تجزیہ'' (رفیع الدین ہاشمی) میرے پاس ہیں۔ گپتا رضا اور گیان چند جین کی بھی ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ آپ کے علم میں ہوں؟

26. رشید حسن خاں نے جن لوگوں کی کتابوں کے دیباچے/پیش لفظ لکھے ان کی بھی نشان دہی ہو سکے (''دیوانِ درد''، ڈاکٹر نسیم احمد، ''توضیحی اشاریۂ غالب نامہ'' اور ''اُردو کہاوتیں'' کے علاوہ)۔

27. رشید حسن خاں کے بارے میں بھارت کی مختلف یونی ورسٹیوں میں کس کس سطح کے تحقیقی مقالے لکھے گئے یا ابھی لکھے جا رہے ہیں۔ اُن کے عنوانات اور مقالہ نگاروں کے نام وغیرہ اگر معلوم ہو سکیں۔

28. ''اشاریہ کلامِ غالب'' کے مرتبین میں فرحت فاطمہ اور محمد یعقوب کون ہیں اور کیا رشید حسن خاں سے یہ سینئر تھے؟

29. ڈاکٹر خلیق انجم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں ''رشید حسن خاں کے بارے میں بعض دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ دو چار اسکالر کے تحقیقی مقالے اُن ہی کے لکھے ہوئے ہیں۔ ایک نوجوان خاتون کو خاں صاحب سے بہت قربت حاصل تھی۔ اُن کے بارے میں کچھ سنجیدہ حضرات کو بھی یقین تھا کہ اس خاتون کا پی. ایچ. ڈی کا مقالہ خاں صاحب کا لکھا ہوا ہے۔'' اس پر کچھ روشنی ڈالیے کہ اس میں کتنی حقیقت ہے کہ کیا آپ ایسے اسکالر کا نام بتا سکتے ہیں؟

30. رشید حسن خاں نے ایک جگہ لکھا کہ ''اس آرڈیننس فیکٹری میں تیس ہزار (30000) سے زائد مزدور کام کرتے تھے'' یہ کہیں کتابت کی غلطی تو نہیں؟ یا واقعی اس زمانے میں شاہ جہاں پور کی یہ فیکٹری اتنی بڑی تھی؟

31. اس فیکٹری میں وہ تنخواہ کیا لیتے تھے اور کام کیا کرتے تھے؟

32. رشید حسن خاں نے اپنے قیام بریلی کے بارے میں کبھی آپ سے ذکر کیا ہو تو اس کی کچھ تفصیل بتائیے کہ فیکٹری سے نکلنے کے بعد جو انھوں نے تین چھوٹی ملازمتیں کیں وہ شاہ جہاں پور میں تھیں یا بریلی میں؟

33. آپ کے یہاں انڈیا کے مدرسوں میں ''درس نظامی'' کتنے برس میں مکمل کیا جاتا ہے اور یہ کس مروجہ ڈگری کے برابر ہوتا ہے؟

34. ''مولوی'' اور ''دبیر کامل'' کس کس ڈگر کے مساوی ہوتا ہے؟

منتظر کرم

محمد سعید

❁❁❁

ڈاکٹر اطہر فاروقی

مکرمی ومحترمی محمد سعید صاحب!
السلام علیکم

آپ کا خط موصول ہوا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ''رشید حسن خاں اور اُن کی علمی وادبی خدمات'' کے موضوع پر پی ایچ.ڈی کا مقالہ لکھ رہے ہیں جو کہ تکمیل کے قریب ہے۔
آپ نے رشید حسن خاں سے متعلق جو سوال نامہ بھیجا ہے، میں اُن سبھی سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کر رہا ہوں، لیکن بہتر ہوگا کہ آپ اِن جوابات اور معلومات کی دیگر ذرائع سے بھی تصدیق کرلیں۔
امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے

نیازمند
اطہر فاروقی

سوال نمبر1: نہیں۔
سوال نمبر2: اس سلسلے میں متعلقہ شخصیتیں ہی زیادہ بہتر بتا سکتی ہیں۔
سوال نمبر3اور4: دہلی یونی ورسٹی میں یہ ہمیشہ کا قاعدہ ہے کہ گریجویشن (آنرس) میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ یا2+10 کی سطح پر طالبِ عالم کے لیے اس مضمون کا مطالعہ لازمی ہے جس سبجکٹ کے ساتھ وہ آنرس کرنا چاہتا ہے اور یہ داخلہ میرٹ پر ہوتا ہے۔ دہلی یونی ورسٹی میں بی اے (پاس کورس) میں داخلے کے لیے یہ شرط نہیں کہ جن مضامین کے ساتھ آپ نے انٹرمیڈیٹ یا2+ کیا ہے یا جسے ماضی میں سینئر کیمبرج کہتے تھے، کیا

ہے، اس میں آپ کو داخلہ ملے گا۔ مختلف زمانوں میں دہلی یونی ورسٹی میں داخلے کے لیے مختلف معیار رہے ہیں مگر داخلے کی بنیاد ہمیشہ ہی میرٹ رہی ہے، مگر ایم. اے کرنے کے لیے دہلی یونی ورسٹی یا کسی اور یونی ورسٹی سے طالبِ علم نے بی. اے میں اس مضمون کا مطالعہ لازماً کیا ہو جس میں وہ ایم. اے کرنا چاہتا ہے اور پی ایچ. ڈی میں داخلے کا اہل ہونے کے لیے بھی اس متعلقہ سبجکٹ میں ایم. اے ہونا ضروری ہے۔ لیکن اُردو کی حد تک تمام قاعدے اور ضابطے ان لوگوں کو داخلہ دینے کے لیے توڑ مروڑ دیے گئے جو اُردو کے ساتھ انٹرمیڈیٹ بی. اے یا ایم. اے نہیں تھے۔ اس غتربود کے لیے اُردو اساتذہ ذمہ دار ہیں۔

اگست 1959 میں داخلے کا عام قاعدہ کیا تھا یہ تو مجھے نہیں معلوم مگر یہ ضرور معلوم ہے کہ دہلی یونی ورسٹی میں بی. اے، ایم. اے میں داخلہ کبھی بھی آسان نہیں تھا، لیکن ظاہر ہے کہ اُردو شعبہ ہر طرح کے ضابطوں سے بالاتر اس وقت بھی تھا اور طالبِ علم نے اُردو پڑھی ہو یا نہ پڑھی ہو اگر وہ داخلہ لینا چاہے تو اس کا داخلہ اُس وقت بھی ہو جاتا تھا اور اب بھی ہو جاتا ہے کیوں کہ اتنے بڑے ڈیپارٹمنٹ میں اگر طلبہ ہی نہیں ہوں گے تو اساتذہ کی نوکری کا جواز نہیں رہتا۔ یہ الگ بات ہے کہ شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی میں کلاسیں کبھی نہیں لگتی تھیں۔

سوال نمبر 5: جہاں تک مجھے معلوم ہے رشید حسن خاں صاحب نے کبھی دہلی یونی ورسٹی کی لائبریری میں ملازمت نہیں کی۔ اُن کا براہِ راست تقرر قمر رئیس صاحب کی سفارش پر شعبۂ اُردو میں کیا گیا تھا۔

سوال نمبر 6 اور 7: رشید صاحب کے پاس چوں کہ مطلوبہ اہلیت نہیں تھی، اس لیے، انھیں اولاً شعبۂ اُردو میں غالباً پبلی کیشنز کے شعبے سے وابستہ کر دیا گیا مگر ظاہر ہے کہ انھیں شعبۂ اُردو میں اسی لیے لایا گیا تھا کہ وہ تحقیق و تدوین کا کام کریں۔ مشکل یہ تھی کہ خواجہ احمد فاروقی یہ چاہتے تھے کہ رشید صاحب جو کام کریں وہ فاروقی صاحب کے نام سے شائع ہو، اس لیے، رشید صاحب کے کیے ہوئے جو بھی کام فاروقی صاحب کے نام سے شائع

ہوئے اُن میں سے اکثر فاروقی صاحب کے لیے رسوائی کا باعث بنے، جس میں سب سے اہم دیوانِ میر پر قاضی عبدالودود کا وہ مشہور تبصرہ ہے جس نے خواجہ احمد فاروقی صاحب کو کہیں منھ دکھانے کے قابل نہیں رکھا۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کے حالات میں رشید صاحب اور فاروقی صاحب کے درمیان کشیدگی لازمی تھی جو بعد میں دوسرے صدور کے ساتھ بھی قائم رہی۔ اسی سبب ایک مرتبہ رشید صاحب نے دہلی چھوڑ کر اپنی پرانی ملازمت پر شاہ جہاں پور جانے کا فیصلہ کیا تھا اور اُن کے لیے جو رخصتی جلسہ کیا گیا اُس میں مخمور سعیدی صاحب نے ایک بہت اچھی نظم پڑھی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ وہ نظم میری کتاب ''رشید حسن خاں: ایک مطالعہ'' میں شامل ہے یا نہیں۔

یونی ورسٹی میں رشید حسن خاں صاحب جیسے عالموں کا تقرر کیا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ اعلا پایے کا علمی کام کریں اور ظاہر ہے کہ رشید صاحب جس محنت سے ترتیب و تدوین کرتے تھے اس پر کسی اور کا نام دینا انھیں کیوں کر گوارا ہوتا؟ لیکن یہ صحیح ہے کہ اگر رشید صاحب شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی میں نہ ہوتے تو انھوں نے اغلب ہے کہ وہ تمام بڑے کام نہ کیے ہوتے جن کے لیے وہ جانے جاتے ہیں۔

سوال نمبر 8: ہندستان میں اور غالباً پاکستان میں ایک دفعہ سرکاری نوکری میں کنفرم ہوجانے کے بعد کسی شخص کو نکالنا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ رشید صاحب کی ملازمت کے جاری رہنے کا کریڈٹ ٹریڈ یونین کی دادا گیری کے علاوہ اور کسی کو نہیں جاتا۔

سوال نمبر 9 اور 10: گذشتہ سوال کے جواب میں مَیں عرض کر چکا ہوں کہ ہندستان کے ٹریڈ یونین کے قوانین کی موجودگی میں کسی کے خلاف بھی کسی قسم کی کارروائی نہایت مشکل کام ہے۔

سوال نمبر 11: ٹی. آر. رینا صاحب نے رشید صاحب کے جو خطوط ایک ضخیم جلد میں شائع کیے ہیں، ان میں سے ایک خط جو ارجمند آرا کے نام ہے، میں رشید صاحب نے ذکیہ انجم صاحبہ کا ذکر کیا ہے، مگر اس میں کچھ زیادہ

تفصیل نہیں ہے۔ ذکیہ انجم دہلی یونی ورسٹی کے کسی کالج میں اُردو کی لکچرر تھیں۔ اور خواجہ احمد فاروقی صاحب کے بارے میں یہ امر مسلّم ہے کہ انھوں نے اُن تمام خواتین کا جنسی استحصال کیا جو شعبۂ اُردو میں ریسرچ اسکالر ہو کر آئیں اور بعد میں خواجہ احمد فاروقی کی نوازشوں سے شعبۂ اُردو یا دہلی یونی ورسٹی سے ملحق کسی کالج میں لکچرر وغیرہ ہوگئیں۔ ذکیہ انجم صاحبہ سے رشید صاحب کے جنسی مراسم تھے جس کی وجہ سے ذکیہ صاحب کو ایک دفعہ اسقاطِ حمل بھی کرانا پڑا۔ یہ تفصیل خود مجھے رشید صاحب نے بتائی تھی اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی دستاویزی ثبوت میرے پاس نہیں۔ بعد میں ذکیہ انجم صاحبہ سے بھی رشید صاحب کے مراسم منقطع ہو گئے تھے جن کی تفصیل سے میں ناواقف ہوں۔

جب رشید صاحب سے میری ملاقات ہوئی وہ 1986 کے آس پاس کا زمانہ ہے۔ اُس وقت وہ ذہنی طور پر بیگم ممتاز مرزا سے بہت قریب تھے۔ یہ مراسم کب شروع ہوئے اور کس حد تک تھے، اس امر سے میں ناواقف ہوں۔ بیگم صاحبہ نہایت ستھرے ادبی ذوق کی مالک اور نہایت ہی مہذب اور موڈرن خاتون تھیں جو اُردو والوں کی اکثریت کے برعکس دہلی کی ایک موڈرن کالونی میں رہتی تھیں حالاں کہ وہ دلّی والی تھیں اور اُن کے بھائی انور علی دہلوی پُرانی دلّی کے مشہور سیاسی رہ نما تھے۔

سوال نمبر 12: میری معلومات کے مطابق رشید صاحب نے ابتدائی برسوں کے علاوہ اُردوے معلّیٰ ہی نہیں، شعبۂ اُردو کا کوئی کام نہیں کیا۔ انھوں نے اپنا کمرہ بھی شعبۂ اُردو سے دور ٹوریل بلڈنگ میں الاٹ کرایا تھا، جو ان کے دہلی چھوڑنے تک اُن کے تصرف میں رہا، جس میں وہ ناشتے کے بعد سے لنچ تک پابندی سے علمی کام کرتے تھے۔

سوال نمبر 13،14 اور 15: آپ کے دونوں سوال استحصال سے متعلق ہیں اور تیسری دنیا کے ملکوں میں ہر طرح کا استحصال عام ہے اور جیسا کہ لوگ جانتے ہیں خواجہ احمد فاروقی ہر طرح کے استحصال، بدعنوانی، خوشامد اور P.R.Ship میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس سے زیادہ اس سیاق وسباق میں کچھ اور کہنے کی

ضرورت باقی نہیں رہتی۔

سوال نمبر 16: یہ رویّہ دوطرفہ تھا۔ رشید حسن خاں صاحب بھی شعبے کے ہر آدمی کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور کسی ایک شخص سے بھی ان کے دوستانہ مراسم اس پورے عرصے میں نہیں رہے جب وہ شعبے سے وابستہ تھے۔

سوال نمبر 17: شعبے کے مخالفین رشید صاحب کو کسی طرح کا کوئی نقصان اس لیے نہیں پہنچا سکے کہ رشید صاحب نے یکسوئی سے اعلا پایے کے کام کیے اور شعبے کے لوگ جن میں اکثریت کم سواد لوگوں کی تھی، شعبے کی سیاست میں ملوث رہے۔

سوال نمبر 18: مجھے اس واقعے کی تفصیل نہیں معلوم، جو معلوم ہے وہ یہ کہ رشید صاحب اپنی فیملی کو کچھ روز کے لیے دہلی لائے تھے اور موڈل ٹاؤن میں ایک مکان بھی کرایے پر لیا تھا، مگر اُن کے مالی وسائل دہلی میں فیملی کی کفالت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ مذکورہ واقعہ اُسی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔ غالباً ایک برس کے بعد اُن کی فیملی واپس شاہ جہاں پور چلی گئی اور رشید صاحب یکسوئی سے اپنے کاموں میں لگ گئے۔

سوال نمبر 19 اور 20: میری معلومات کے مطابق شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی سے رشید صاحب تمام عمر کٹے ہی رہے اور جس طرح دوسری یونی ورسٹیز میں ان کی پذیرائی ہوئی اور انھیں مستقل لکچرز کے لیے بلایا جاتا تھا، وہ دہلی یونی ورسٹی میں کبھی نہ ہو سکا۔

سوال نمبر 21 اور 22: رشید صاحب کی کسی بھی مرحلے میں تنخواہ وغیرہ کے بارے میں میری کوئی معلومات نہیں ہے۔

سوال نمبر 23: صرف نو دن پہلے ریٹائرمنٹ کی وجہ سے میں قطعی واقف نہیں۔ مجھے جو معلوم ہے وہ یہ کہ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کئی برس تک گائر ہال کے اس کمرے میں رہتے رہے جس میں وہ ریٹائرمنٹ سے پہلے رہتے تھے۔ یہ بات ضابطے کے خلاف ہے اور رشید صاحب نے کسی طرح اس کمرے پر تصرف برقرار رکھا، اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔

سوال نمبر 24 اور 25: ریٹائرمنٹ کے بعد وہ شعبے سے کسی طرح وابستہ نہیں تھے اور نہ ہی شعبے سے انھیں کوئی مشاہرہ وغیرہ ملتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد ان کی پنشن سے متعلق بہتر جواب ارجمند آرا دے سکتی ہیں۔

سوال نمبر 26: نثار صاحب کے اس عنوان سے شائع شدہ کسی مضمون سے میں واقف نہیں۔ عنوان ''اُردو ادب میں دادا گیری'' اپنے آپ میں خاصا اٹ پٹا ہے اور مجھے توقع نہیں کہ نثار صاحب نے اس طرح کا کوئی مضمون لکھا ہو اور اسے ''آج کل'' جیسے موقر جریدے نے شائع بھی کر دیا ہو۔ غالبًا ''فسانۂ عجائب'' پر نثار صاحب نے ایک مضمون نہایت دقتِ نظر کے ساتھ لکھا تھا جو ماہنامہ ''آجکل'' میں شائع ہوا تھا۔ اگر میرا حافظہ خطا نہیں کرتا تو رشید صاحب کے جواب اور نثار صاحب کے جواب الجواب کے ساتھ یہ بحث ختم ہو گئی۔

سوال نمبر 27: میری معلومات کی حد تک رشید صاحب جواہر لال نہرو یونی ورسٹی اور بمبئی یونی ورسٹی میں لکھے گئے بعض تحقیقی مقالات کے ممتحن رہے۔

سوال نمبر 28 میرے پاس اس سلسلے میں کوئی معلومات نہیں ہے۔

سوال نمبر 29: ایضاً

سوال نمبر 30 ایضاً

سوال نمبر 31: محترمہ فرحت فاطمہ پروین خواجہ احمد فاروقی صاحب کی صاحب زادی تھیں اور کچھ برس پہلے شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی سے ریٹائر ہوئیں۔ میں محمد یعقوب صاحب سے واقف نہیں۔

سوال نمبر 32: خلیق انجم صاحب نے جن خاتون کا ذکر کیا ہے، میں اُن سے واقف نہیں۔ اس بات کی توقع بہت کم ہے کہ رشید صاحب نے کسی کا بھی پی ایچ.ڈی کا مقالہ لکھا ہو۔ دیوانِ حالی کے ناگری اڈیشن کی ترتیب ممتاز مرزا صاحبہ نے کی تھی اور اُس کا مقدمہ یا پیش لفظ رشید صاحب کا لکھا ہوا ہے جو بیگم صاحبہ کے نام سے شائع ہوا۔

سوال نمبر 33: یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اغلب ہے کہ آرڈیننس فیکٹری میں مزدوروں کی تعداد تین ہزار رہی ہو گی۔ یہ البتہ ممکن ہے کہ دوسری جنگ

عظیم کے زمانے میں یہ تعداد تیس ہزار ہو۔اب تو انٹرنیٹ کا زمانہ ہے، آپ گوگل (Google) کی مدد سے یا براہِ راست منسٹری آف ڈفینس گورنمنٹ آف انڈیا کی ویب سائٹ اس سلسلے میں آپ کی بہت مدد کرسکتی ہے۔

سوال نمبر 34,35: اس سلسلے میں میرے پاس کوئی معلومات نہیں ہے۔ مجھ سے انھوں نے کبھی بریلی میں اپنی کسی نوکری کا ذکر نہیں کیا۔

سوال نمبر 36: ہندستان کے مدرسوں میں درسِ نظامی بالعموم آٹھ سال کا ہوتا ہے، مگر کچھ مدرسوں میں اس کی مدت دس برس بھی ہے۔ مختلف صوبے درسِ نظامی کو مختلف شکلوں میں ریکوگنائز کرتے ہیں مگر یہ سلسلہ 1980 کے بعد شروع ہوا۔ جس زمانے میں رشید صاحب نے درسِ نظامی کیا تھا اس وقت یہ کسی مروّجہ ڈگری کے برابر نہیں تھا۔

سوال نمبر 37: مولوی اور دبیر کامل کا مجھے کوئی زیادہ اندازہ نہیں۔ یہ بات البتہ معلوم ہے کہ یوپی بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن الٰہ آباد فارسی اور عربی کے کچھ امتحانات منعقد کرتا تھا، جو زیادہ سے زیادہ انٹرمیڈیٹ یا بارہویں درجے کے مساوی ہوسکتے ہیں۔ کچھ دوسرے صوبے کے بورڈز بھی اس طرح کے امتحانات لیتے تھے جو ظاہر ہے کہ تقسیمِ ہند سے پہلے شروع ہوئے تھے اور بعد تک جاری رہے۔ ابھی صورتِ حال کیا ہے، اس کا مجھے کچھ علم نہیں۔ آپ ایک مرتبہ یوپی بورڈ کی ویب سائٹ ملاحظہ کرلیجیے اور اگر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے آپ کے مراسم ہوں تو اس سلسلے میں وہ بہتر رہنمائی کرسکتے ہیں۔

❁❁❁

حیات نامہ مرتب

نام	ابراہیم
قلمی نام	ابراہیم افسر
والد	افسر علی
والدہ	شکیلہ بانو
زادبوم	نگر پنچایت سِوال خاص، ضلع میرٹھ (یو.پی)
سنہ پیدائش	5 مارچ 1977
تعلیم	ایم.اے: اُردو، سیاسیات، ایجوکیشن (میرٹھ کالج میرٹھ)
ماس میڈیا	ایس.بی.آئی.انسٹی ٹیوٹ، مدراس، تمل ناڈو (2003)
بی.ایڈ	چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی میرٹھ (2006)
ایل.ایل.بی	میرٹھ کالج میرٹھ (2008)
ایم.فل	چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ
موضوع	احمد فرازؔ کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ (2009)
نگراں	پروفیسر اسلم جمشید پوری
N.E.T (اُردو)	دسمبر 2010
پی ایچ.ڈی	میرٹھ کالج میرٹھ (چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی، میرٹھ)
موضوع	رشید حسن خاں کی ادبی جہات (2019)
نگراں	ڈاکٹر خالد حسین خاں
پتا	Ibraheem Afsar,Ward No-1,Mehpa Chauraha, Siwal Khas Distt-Meerut(U.P) Pin- 250501
ای میل	ibraheem.siwal@gmail.com
موبائل	9897012528/8077319637
پیشہ	درس وتدریس، شعبۂ تعلیم، دہلی حکومت

مرتب کی ادبی سرگرمیاں

1	رشید حسن خاں تحریروں کے آئینے میں (جلد اوّل)	2019
2	رشید حسن خاں تحریروں کے آئینے میں (جلد دوم)	2019
3	رشید حسن خاں کے انٹرویوز	2019
4	نیّر مسعود بہ نام رشید حسن خاں	2020
5	رشید حسن خاں کی غالب شناسی	2020
6	رشید حسن خاں کے تبصرے اور تجزیے (جلد اوّل)	2021
7	رشید حسن خاں کی ادبی جہات	2021
8	اُردو اِملا: مسائل و مباحث (رشید حسن خاں کے حوالے سے)	2022
9	صادق کے ہندی مضامین	2022
10	رشید حسن خاں کے تحقیقی و تدوینی متعلقات	2023
11	احمد فراز کے انٹرویوز	2023
12	احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ ('خوابِ گل پریشاں ہے' کے حوالے سے)	2024
13	مشاہیر ادب کے خطوط رشید حسن خاں کے نام	2024
14	معیار و میزان (رشید حسن خاں کی کتابوں پر تبصرے اور تجزیے)	2024
15	اُردو فکشن: تفہیم و تجزیہ	زیرِ طبع
16	غالب اور میرٹھ (جلد اوّل)	زیرِ طبع
17	غالب اور میرٹھ (جلد دوم)	زیرِ طبع

انعام: (1) رشید حسن خاں تحریروں کے آئینے میں (جلد اوّل) پر مغربی بنگال اُردو اکادمی کی جانب سے سال 2019 کا عبّاس علی بیخود ایوارڈ۔

(2) رشید حسن خاں تحریروں کے آئینے میں (جلد اوّل) پر اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ کی جانب سے سال 2019 کا انعام۔

❁❁❁